ضیاء النبی ﷺ
پیر محمد کرم شاہ الازہری
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

ضیاء النبی ﷺ
پیر محمد کرم شاہ الازہری
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکومتِ پاکستان
وزارتِ مذہبی امور
اسلام آباد

سندِ امتیاز

نہایت مسرت سے تصدیق کی جاتی ہے کہ محترم پیر محمد کرم شاہ الازہری
کی تالیف کردہ کتاب ضیاء النبیؐ بزبان اردو مقابلہ کتب سیرت
برائے سال ۱۹۹۴ء / ۱۴۱۵ھ میں اول انعام کی مستحق قرار پائی اور مؤلف موصوف کو
حکومت پاکستان کی طرف سے مبلغ پچیس ہزار روپے بطور انعام دیئے گئے۔

نمبر ۳(۱)/ادس۔ ست م/۹۴

تاریخ ۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
۱۸ اگست ۱۹۹۴ء

سیکرٹری
وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان
اسلام آباد

ضیاء النبی ﷺ

جلد دوم

ولادت باسعادت، عالم طفولیت، کسب معاش کا دور
حضرت خدیجہ سے عقد ازدواج، وحی، نبوت، رسالت، دعوت
اسلام کا آغاز، حضور پر ظلم و تشدد کا آغاز، حبشہ کی طرف ہجرت
شعب ابی طالب اشاعت اسلام کی تازہ لہر
غم واندوہ کا سال، معراج شریف

پیر محمد کرم شاہ الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ، لاہور

نام کتاب	ضیاء النبی ﷺ (جلد دوم)
مصنفہ	پیر محمد کرم شاہ الازہری
	سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیریہ، بھیرہ شریف
	پرنسپل دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
	جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان
کمپوزنگ	الفاروق کمپیوٹرز، لاہور
تعداد	پانچ ہزار
تاریخ اشاعت	ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
ایڈیشن	بار چہارم
طابع	تخلیق مرکز پرنٹرز، لاہور۔
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ گنج بخش روڈ، لاہور

فہرست مضامین

کسبِ معاش کا دور ۱۰۳

آثارِ بعثت کا ظہور ۱۸۵

جبشہ کی طرف پہلی ہجرت ۳۴۱

صُبحِ نُور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷

آمِيْن

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى حَبِيْبِكَ وَنَبِيِّكَ وَعَبْدِكَ وَصَفِيِّكَ وَ حَبِيْبِنَا وَنَبِيِّنَا وَشَفِيْعِنَا وَمُرْشِدِنَا وَهَادِيْنَا

مُحَمَّدٍ

صَلٰوتَكَ الَّتِىْ صَلَّيْتَ عَلَيْهِ صَلٰوةً مَّعْرُوْضَةً عَلَيْهِ مَقْبُوْلَةً لَّدَيْهِ مَحْبُوْبَةً اِلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ وَاتَّبَعَهٗ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

اَمَّا بَعْدُ:۔

فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

”یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور سنت، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“ (سورۃ آل عمران: ۱۶۴)

طلوعِ آفتاب

مطلعِ نبوّت و رسالت

طلوعِ آفتاب مطلعِ نبوت و رسالت

ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ دو شنبہ کا دن تھا۔ اور صبح صادق کی ضیاء بار سہانی گھڑی تھی۔ رات کی بھیانک سیاہی چھٹ رہی تھی اور دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ جب مکہ کے سردار حضرت عبدالمطلب کی جواں سال بیوہ بہو کے حسرت و یاس کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے سادہ سے مکان میں ازلی سعادتوں اور ابدی مسرتوں کا نور چمکا۔

ایسا مولود مسعود تولد ہوا جس کے من موہنے مکھڑے نے، صرف اپنی غمزدہ ماں کو ہی سچی خوشیوں سے مسرور نہیں کیا بلکہ ہر درد کے مارے کے لبوں پر مسکراہٹیں کھیلنے لگیں۔ اس نورانی پیکر کے جلوہ فرمانے سے صرف حضرت عبداللہ کا کلبۂ احزاں جگمگانے نہیں لگا بلکہ جہاں کہیں بھی مایوسیوں اور حرماں نصیبیوں نے اپنے پنجے گاڑ رکھے تھے وہاں امید کی کرنیں روشنی پھیلانے لگیں اور ٹوٹے دلوں کو بہلانے لگیں۔ صرف جزیرہ عرب کا بخت خفتہ ہی بیدار نہیں ہوا بلکہ انسانیت، جو صدیوں سے ہوا و ہوس کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور ظلم و ستم کے آہنی شکنجوں میں کسی ہوئی کراہ رہی تھی اس کو ہر قسم کی ذہنی، معاشی اور سیاسی غلامی سے رہائی کا مژدہ جان فزا ملا۔ فقط مکہ و حجاز کے خدا فراموش باشندے، خداشناس اور خود شناس نہیں بنے بلکہ عرب و عجم کے ہر مکین کے لئے میخانۂ معرفت کے دروازے کھول دیئے گئے اور سارے نوع انسانی کو دعوت دی گئی کہ جس کا جی چاہے آگے آئے اور اس مئے طہور سے جتنے جام نوش جاں کرنے کی ہمت رکھتا ہے اٹھائے اور اپنے لبوں سے لگالے۔ طیور خوش نواز مزمہ سنج ہوئے کہ خزاں کی چیرہ دستیوں سے تباہ حال گلشن انسانیت کو سرمدی بہاروں سے آشنا کرنے والا آ گیا۔ سربگریباں غنچے خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ انہیں جگانے والا آیا اور جگا کر انہیں شگفتہ پھول بنانے والا آیا، افسردہ کلیاں مسکرانے لگی تھیں کہ ان کے دامن کو رنگ و نکہت سے فردوس بداماں کرنے والا آیا، علم و آگہی کے سمندروں میں حکمت کے جو آبدار موتی آغوشِ صدف میں صدیوں سے بے مصرف پڑے تھے ان میں شوقِ نمود انگڑائیاں لینے لگا۔

ولادت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ہم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں آپ کی شادی خانہ آبادی کا ذکر کر چکے ہیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اپنے بزرگوار سسر حضرت عبدالمطلب کے کاشانہ اقدس میں رونق افروز ہوئیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حضرت عبداللہ کی جبین سعادت سے منتقل ہو کر آپ کے شکم طاہر میں قرار پذیر ہوا۔ لیکن یہاں بھی اس نور پاک کی شان نرالی تھی۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں۔

مَا شَعَرْتُ اِنِّیْ حَمَلْتُ بِہٖ وَلَا وَجَدْتُ لَہٗ ثِقَلًا کَمَا تَجِدُ النِّسَآءُ اِلَّا اَنِّیْ اَنْکَرْتُ رَفْعَ حَیْضَتِیْ وَاَتَانِیْ اٰتٍ وَاَنَا بَیْنَ النَّائِمِ وَ الْیَقْظَانِ وَقَالَ ھَلْ شَعَرْتِ اَنَّکِ حَمَلْتِ ؟ فَکَاَنِّیْ اَقُوْلُ مَا اَدْرِیْ وَقَالَ اِنَّکِ حَمَلْتِ بِسَیِّدِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَنَبِیِّھَا، فَذٰلِکَ یَوْمُ الْاِثْنَیْنِ۔

"مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں۔ نہ مجھے کوئی بوجھ محسوس ہوا جو ان حالات میں دوسری عورتوں کو محسوس ہوتا ہے۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہوا کہ میرے ایام ماہواری بند ہو گئے ہیں ایک روز میں خواب اور بیداری کے بین بین تھی کہ کوئی آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے پوچھا۔ آمنہ! تجھے علم ہوا ہے کہ تو حاملہ ہے۔ میں نے جواب دیا نہیں۔ پھر اس نے بتایا تم حاملہ ہو اور تیرے بطن میں اس امت کا سردار اور نبی تشریف فرما ہوا ہے۔ اور جس دن یہ واقعہ پیش آیا وہ سوموار کا دن تھا۔" (۱)

فرماتی ہیں کہ حمل کے ایام بڑے آرام سے گزرے جب وقت پورا ہو گیا تو وہی فرشتہ جس نے مجھے پہلے خوشخبری دی تھی وہ آیا اس نے آکر مجھے کہا۔

قُوْلِیْ اُعِیْذُہٗ بِالْوَاحِدِ۔ مِنْ شَرِّ کُلِّ حَاسِدٍ

"یہ کہو کہ میں اللہ واحد سے اس کے لئے ہر حاسد کے شر سے پناہ

۱۔ الوفاء ابن جوزی۔ جلد اول۔ صفحہ ۸۸

مانگتی ہوں۔"

حضور کی ولادت باسعادت سوموار کے روز بارہ ربیع الاول شریف کو ہوئی۔ بعض نے کہا ہے کہ ربیع الاول کی ۲ تاریخ تھی اور بعض نے کہا کہ ربیع الاول کی دس تاریخ تھی۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں جس رات کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ میں نے ایک نور دیکھا جس کی روشنی سے شام کے محلات جگمگا اٹھے۔ یہاں تک کہ میں ان کو دیکھ رہی تھی۔ دوسری روایت میں ہے جب حضور کی ولادت باسعادت ہوئی حضرت آمنہ سے ایک نور نکلا جس نے سارے گھر کو بقعہ نور بنا دیا۔ ہر طرف نور ہی نور نظر آتا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ الشفا، جس کی قسمت میں حضور کی دایہ بننے کی سعادت رقم تھی وہ کہتی ہیں کہ جب سیدہ آمنہ کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت ہوئی تو حضور کو میں نے اپنے دو ہاتھوں پر سہارا اور میں نے ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی۔

رَحِمَكِ رَبُّكِ تیرا رب تجھ پر رحم فرمائے قالت الشفا شفا کہتی ہے۔

فَاَضَاءَ لِي مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ حَتّٰى نَظَرْتُ اِلٰى بَعْضِ قُصُوْرِ الشَّامِ

"اس نور مجسم کے ظاہر ہونے سے میرے سامنے مشرق و مغرب میں روشنی پھیل گئی یہاں تک کہ میں نے شام کے بعض محلات کو دیکھا۔"

حضرت شفا کہتی ہیں جب میں لیٹ گئی تو اندھیرا چھا گیا اور مجھ پر رعب اور کپکپی طاری ہو گئی اور میرے دائیں جانب سے روشنی ہوئی تو میں نے کسی کہنے والے کو سنا وہ پوچھ رہا تھا۔

اَيْنَ ذَهَبْتَ بِهٖ تم اس بچے کو لے کر کہاں گئے تھے۔

جواب ملا۔ میں انہیں لے کر مغرب کی طرف گیا تھا۔

پھر وہی اندھیرا وہی رعب اور وہی لرزا مجھ پر لوٹ آیا پھر میری بائیں جانب سے روشنی ہوئی۔ میں نے سنا کوئی پوچھ رہا تھا تم اسے کدھر لے گئے تھے دوسرے نے جواب دیا۔

میں انہیں مشرق کی طرف لے گیا تھا۔ اب دوبارہ نہیں لے جاؤں گا۔ یہ بات میرے دل میں کھٹکتی رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو مبعوث فرمایا اور میں ان لوگوں میں سے تھی جو سب سے پہلے حضور پر ایمان لائے۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے۔

اور آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ کی ناف پہلے ہی کٹی ہوئی تھی۔ وھب بن زمعہ کی پھوپھی کہتی ہیں کہ جب حضرت آمنہ کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ نے حضرت عبدالمطلب کو اطلاع دینے کے لئے آدمی بھیجا جب وہ خوشخبری سنانے والا پہنچا اس وقت آپ حطیم میں اپنے بیٹوں اور اپنی قوم کے مردوں کے درمیان تشریف فرما تھے آپ کو اطلاع دی گئی کہ حضرت آمنہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے تو آپ کی خوشی و مسرت کی حد نہ رہی۔ آپ حضرت آمنہ کے پاس آئے حضرت آمنہ نے ولادت کے وقت جو انوار و تجلیات دیکھی تھیں اور جو آوازیں سنی تھیں ان کے بارے میں عرض کی۔

عبدالمطلب حضور کو لے کر کعبہ شریف میں گئے وہاں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں کیں اور جو انعام اس نے فرمایا تھا اس کا شکریہ ادا کیا ابن واقد کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی زبان پر فی البدیہ یہ اشعار جاری ہو گئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعْطَانِیْ ۔۔۔ هٰذَا الْغُلَامَ الطَّیِّبَ الْاَرْدَانِ

" سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے پاک آستینوں والا یہ بچہ عطا فرمایا۔ "

قَدْ سَادَ فِی الْمَهْدِ عَلَی الْغِلْمَانِ ۔۔۔ اُعِیْذُهٗ بِالْبَیْتِ ذِی الْاَرْکَانِ

" یہ اپنے پنگھوڑے میں سارے بچوں کا سردار ہے میں اسے بیت اللہ شریف کی پناہ میں دیتا ہوں۔ "

حَتّٰی اَرَاهُ بَالِغَ الْبُنْیَانِ ۔۔۔ اُعِیْذُهٗ مِنْ شَرِّ ذِیْ شَنَآنِ

مِنْ حَاسِدٍ مُضْطَرِبِ الْعَیَانِ

" یہاں تک کہ میں اس کو طاقتور اور توانا دیکھوں میں اس کو ہر دشمن اور ہر حاسد۔ آنکھوں کے گھمانے والے کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ "

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو آپ مختون تھے اور ناف کٹی ہوئی تھی۔ یہ معلوم کر کے آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کو بڑا تعجب ہوا اور فرمایا لَیَکُوْنَنَّ لِاِبْنِیْ شَاْنٌ کہ میرے اس بچے کی بہت بڑی شان ہو گی۔

شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر عطا فرمائی ساٹھ سال آپ نے جہالت میں گزارے اور ساٹھ سال بحیثیت ایک سچے مومن کے آپ کو زندگی گزارنے

کی مہلت دی گئی۔ آپ فرماتے ہیں:۔

میری عمر ابھی سات آٹھ سال تھی مجھ میں اتنی سمجھ بوجھ تھی کہ جو میں دیکھتا اور سنتا تھا وہ مجھے یاد رہتا تھا۔ ایک دن علی الصبح ایک اونچے ٹیلے پر یثرب میں ایک یہودی کو میں نے چیختے چلاتے ہوئے دیکھا وہ یہ اعلان کر رہا تھا۔

يَا مَعْشَرَ يَهُوْدَ فَاجْتَمِعُوْا اِلَيْهِ

اے گروہ یہود سب میرے پاس اکٹھے ہو جاؤ۔ وہ اس کا اعلان سن کر بھاگتے ہوئے اس کے پاس جمع ہو گئے اور اس سے پوچھا بتاؤ کیا بات ہے اس نے کہا۔

طَلَعَ نَجْمُ اَحْمَدَ الَّذِیْ وُلِدَ بِہٖ فِیْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ اَىِ الَّذِیْ طُلُوْعُہٗ عَلَامَۃٌ عَلٰی وِلَادَتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ فِیْ بَعْضِ الْكُتُبِ الْقَدِيْمَةِ۔

"اس نے کہا کہ وہ ستارہ طلوع ہو گیا ہے جس نے اس شب کو طلوع ہونا تھا جو بعض کتب قدیمہ کے مطابق احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کی رات ہے۔"

کعب احبار کہتے ہیں کہ میں نے تورات میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت سے آگاہ کیا تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو وہ نشانی بتا دی تھی آپ نے فرمایا تھا کہ وہ ستارہ جو تمہارے نزدیک فلاں نام سے مشہور ہے جب اپنی جگہ سے حرکت کرے گا تو وہ وقت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کا ہو گا اور یہ بات بنی اسرائیل میں ایسی عام تھی کہ علماء ایک دوسرے کو بتاتے تھے اور اپنی آنے والی نسل کو اس سے خبردار کرتے تھے۔ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ ان لوگوں سے روایت کرتی ہیں جو ولادت با سعادت کے وقت موجود تھے آپ نے کہا۔

مکہ میں ایک یہودی سکونت پذیر تھا جب وہ رات آئی جس میں اللہ کے پیارے رسول کی ولادت باسعادت ہوئی تو اس یہودی نے قریش کی ایک محفل میں جا کر پوچھا کہ اے قریش! کیا آج رات تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے قوم نے اپنی بے خبری کا اظہار کیا اس یہودی نے کہا کہ میری بات خوب یاد کر لو اس رات اس آخری امت کا نبی پیدا ہوا ہے اور اے قریشیو! وہ تمہارے قبیلہ میں سے ہو گا اور اس کے کندھے پر ایک جگہ بالوں کا گچھا ہو گا لوگ یہ بات سن کر

۱۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول صفحہ ۴۸

اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہر شخص نے اپنے گھر والوں سے پوچھا انہیں بتایا گیا کہ آج رات عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے۔ جس کو محمد کے بابرکت نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ لوگوں نے یہودی کو آکر بتایا اس نے کہا مجھے لے چلو اور مجھے وہ مولود دکھاؤ چنانچہ وہ اسے لے کر حضرت آمنہ کے گھر آئے انہوں نے حضرت آمنہ کو کہا کہ ہمیں اپنا فرزند دکھاؤ۔ وہ بچے کو اٹھا کر ان کے پاس لے آئیں انہوں نے اس بچے کی پشت سے کپڑا ہٹایا وہ یہودی بالوں کے اس گچھے کو دیکھ کر غش کھا کر گر پڑا جب اسے ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا تھا تو اس نے بصد حسرت کہا کہ بنی اسرائیل سے نبوت ختم ہو گئی۔ اے قبیلہ قریش! تم خوشیاں مناؤ اس مولود مسعود کی برکت سے مشرق و مغرب میں تمہاری عظمت کا ڈنکا بجے گا۔ (۱)

اس قسم کی بے شمار روایات ہیں جن میں علماء اہل کتاب نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشخبریاں دی ہیں۔

حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں۔

میں اس رات کعبہ میں تھا۔ میں نے بتوں کو دیکھا کہ سب بت اپنی اپنی جگہ سے سربسجود سر کے بل گر پڑے ہیں اور دیوار کعبہ سے یہ آواز آرہی ہے۔

وُلِدَ الْمُصْطَفٰی وَالْمُخْتَارُ الَّذِیْ تَهْلِكُ بِیَدِهِ الْكُفَّارُ وَیُطَهِّرُ مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَیَاْمُرُ بِعِبَادَةِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ۔

"مصطفیٰ اور مختار پیدا ہوا۔ اس کے ہاتھ سے کفار ہلاک ہوں گے۔ اور کعبہ بتوں کی عبادت سے پاک ہو گا اور وہ اللہ کی عبادت کا حکم دے گا جو حقیقی بادشاہ اور سب کچھ جاننے والا ہے"

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول صفحہ ۴۸

تاریخ ولادت باسعادت

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یوم میلاد دوشنبہ کا دن تھا۔

اس پر بھی علماء امت کا تقریباً اتفاق ہے کہ ربیع الاول کا بابرکت مہینہ تھا۔ ماہ رمضان اور ماہ محرم کے اقوال کو اہل تحقیق نے درخور اعتنا ہی نہیں سمجھا۔ البتہ ماہ ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی جب مہتاب رشد وہدایت نے جلوہ بار ہو کر ظلمت کدہ عالم کو منور فرمایا اس بارے میں علماء کرام کے متعدد اقوال ہیں ہم یہاں علماء محققین کی آراء ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جن کے مطالعہ سے وہ بآسانی صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں گے۔

۱۔ امام ابن جریر طبری، جو فقید المثال مفسر، بالغ نظر مؤرخ بھی ہیں وہ اس بارے میں لکھتے ہیں۔

وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ عَامَ الْفِیْلِ لِاِثْنَتَیْ عَشْرَۃَ لَیْلَۃً مَضَتْ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ۔

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سوموار کے دن ربیع الاول شریف کی بارھویں تاریخ کو عام الفیل میں ہوئی۔" (۱)

۲۔ علامہ ابن خلدون جو علم تاریخ اور فلسفۂ تاریخ میں امام تسلیم کیے جاتے ہیں بلکہ فلسفہ تاریخ کے موجد بھی ہیں وہ لکھتے ہیں۔

وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِیْلِ لِاِثْنَتَیْ عَشْرَۃَ لَیْلَۃً خَلَتْ مِنْ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ لِاَرْبَعِیْنَ سَنَۃً مِّنْ مُّلْكِ كِسْرٰی اَنُوْشِیْرَوَانَ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت عام الفیل کو ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔ نوشیرواں کی حکمرانی کا چالیسواں سال تھا۔" (۲)

۳۔ مشہور سیرت نگار علامہ ابن ہشام (متوفی ۲۱۳ھ) عالم اسلام کے سب سے پہلے

۱۔ تاریخ طبری، جلد دوم، صفحہ ۱۲۵

۲۔ تاریخ ابن خلدون، جلد دوم، صفحہ ۷۱۰

سیرت نگار امام محمد بن اسحاق سے اپنی السیرۃ النبوۃ میں رقمطراز ہیں۔

وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِاِثْنَتَیْ عَشَرَۃَ لَیْلَۃً خَلَتْ مِنْ شَہْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِیْلِ۔

"رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوموار بارہ ربیع الاول کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔" (۱)

۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی، جو علم سیاستِ اسلامیہ کے ماہرین میں سے ہیں اور جن کی کتاب الاحکام السلطانیہ آج بھی علم سیاست کے طلبہ کے لئے بہترین ماخذ ہے۔ اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لِاَنَّہٗ وُلِدَ بَعْدَ خَمْسِیْنَ یَوْمًا مِنَ الْفِیْلِ وَبَعْدَ مَوْتِ اَبِیْہِ فِیْ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ الثَّانِیْ عَشَرَ مِنْ شَہْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ۔

"واقعہ اصحاب فیل کے پچاس روز بعد اور آپ کے والد کے انتقال کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بروز سوموار بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔" (۲)

علوم قرآن وسنت اور فن تاریخ کے یہ وہ جلیل القدر علماء ہیں جنہوں نے بارہ ربیع الاول کو یوم میلاد مصطفیٰ علیہ اطیب التحیہ والثنا تحریر کیا ہے اور دیگر اقوال کا ذکر تک نہیں کیا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک صحیح اور معتمد علیہ قول یہی ہے۔

دور حاضر کے سیرت نگار محمد الصادق ابراہیم عرجون، جو جامعہ ازہر مصر کے کلیہ اصول الدین کے عمید رہے ہیں۔ اپنی کتاب "محمد رسول اللہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

وَقَدْ صَحَّ مِنْ طُرُقٍ کَثِیْرَۃٍ اَنَّ مُحَمَّدًا عَلَیْہِ السَّلَامُ وُلِدَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِاِثْنَتَیْ عَشَرَۃَ مَضَتْ مِنْ شَہْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِیْلِ فِیْ زَمَنِ کِسْرٰی اَنُوْشِیْرَوَانَ وَیَقُوْلُ اَصْحٰبُ التَّوْفِیْقَاتِ التَّارِیْخِیَّۃِ اَنَّ ذٰلِکَ یُوَافِقُ الْیَوْمَ الْمُکَمِّلَ لِلْعِشْرِیْنَ مِنْ شَہْرِ اَغُسْطُسَ سَنَۃَ ۵۷۰م بَعْدَ مِیْلَادِ الْمَسِیْحِ عَلَیْہِ السَّلَامِ۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۱۷۱

۲۔ اعلام النبوۃ صفحہ ۱۹۲

"کثیر التعداد ذرائع سے یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروز دو شنبہ بارہ ربیع الاول عام الفیل کسریٰ نوشیرواں کے عہد حکومت میں تولد ہوئے۔ اور ان علماء کے نزدیک جو مختلف سمتوں کی آپس میں تطبیق کرتے ہیں انہوں نے عیسوی تاریخ میں ۲۰ اگست ۵۷۰ء بیان کی ہے۔ (۱)

ان کے علاوہ علامہ محمد رضا جو قاہرہ یونیورسٹی کی لائبریری کے امین تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب محمد رسول اللہ میں لکھا ہے۔

وُلِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِيْ فَجْرِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ لِاِثْنَتَيْ عَشْرَةَ لَيْلَةً مَضَتْ مِنْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ عِشْرِيْنَ اَغُسْطُسْ ۵۷۰م وَاَهْلُ مَكَّةَ يَزُوْرُوْنَ مَوْضِعَ مَوْلِدِهٖ فِيْ هٰذَا الْوَقْتِ۔

"حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوموار کے دن فجر کے وقت ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو بمطابق بیس اگست ۵۷۰ عیسوی پیدا ہوئے اہل مکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام ولادت کی زیارت کے لئے اسی تاریخ کو جایا کرتے ہیں۔" (۲)

اب ہم چند دوسرے حوالے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں

علامہ ابن جوزی، میلاد مصطفیٰ علیہ اطیب التحیہ والثنا کی تاریخ کے بارے میں اپنی تحقیق یوں قلمبند فرماتے ہیں۔

وُلِدَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لِعَشْرٍ خَلَوْنَ مِنْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِيْلِ وَقِيْلَ لِلَيْلَتَيْنِ خَلَتَا مِنْهُ قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ عَامَ الْفِيْلِ لِاِثْنَتَيْ عَشْرَةَ لَيْلَةً مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ۔

"حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت

۱۔ محمد رسول اللہ، جلد اول، صفحہ ۱۰۲

۲۔ محمد رسول اللہ، جلد دوم، صفحہ ۱۹

بروز سوموار دس ربیع الاول کو عام الفیل میں ہوئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ربیع الاول کی دوسری تاریخ تھی اور امام ابن اسحاق فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ روز دو شنبہ بارہ ربیع الاول عام الفیل کو ہوئی۔ " (۱)

امام الحافظ ابو الفتح محمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن یحیٰی بن سید الناس الشافعی الاندلسی اپنی سیرت کی کتاب "عیون الاثر" میں تحریر فرماتے ہیں۔

وُلِدَ سَیِّدُنَا وَنَبِیُّنَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الِاثْنَیْنِ لِاِثْنَتَیْ عَشَرَۃَ لَیْلَۃً مَضَتْ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِیْلِ قِیْلَ بَعْدَ الْفِیْلِ بِخَمْسِیْنَ یَوْمًا۔

" ہمارے آقا اور ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوموار کے روز بارہ ربیع الاول شریف کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ بعض نے کہا ہے کہ واقعہ فیل کے پچاس روز بعد حضور کی ولادت ہوئی " (۲)

اس کے بعد انہوں نے ربیع الاول کی دو اور آٹھ تاریخ کے قول نقل کئے ہیں۔

علامہ ابن کثیر جو علوم تفسیر۔ حدیث اور تاریخ میں اپنی نظیر آپ تھے وہ "السیرۃ النبویۃ" میں اس موضوع پر یوں داد تحقیق دیتے ہیں۔

وُلِدَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَامُہٗ یَوْمَ الِاثْنَیْنِ بِمَا رَوَاہُ مُسْلِمٌ فِیْ صَحِیْحِہٖ مِنْ حَدِیْثِ غَیْلَانَ بْنِ جَرِیْرٍ عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّ اَعْرَابِیًّا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا تَقُوْلُ فِیْ صَوْمِ یَوْمِ الِاثْنَیْنِ فَقَالَ ذَاکَ یَوْمٌ وُلِدْتُ فِیْہِ وَاُنْزِلَ عَلَیَّ فِیْہِ۔

" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سوموار کے روز ہوئی۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں غیلان بن جریر کے واسطہ سے ابی قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کی یارسول اللہ سوموار کے روزے کے بارے میں حضور کیا فرماتے ہیں۔ حضور نے فرمایا یہ وہ

۱۔ الوفا لابن جوزی صفحہ ۹۰

۲۔ عیون الاثر، جلد اول، صفحہ ۲۶

دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی۔ یہ وہ دن ہے جس میں مجھ پر وحی نازل ہوئی۔"

اس کے بعد علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے آپ فرمایا کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی سوموار کے دن، بعثت بھی سوموار کے دن، مکہ سے ہجرت بھی سوموار کے دن، مدینہ طیبہ میں تشریف آوری بھی سوموار کے دن اور دار فانی سے انتقال بھی سوموار کے دن اور جس روز حضور نے حجر اسود اٹھا کر دیوار کعبہ میں رکھا تھا وہ بھی سوموار کا دن تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ جنہوں نے تاریخ ولادت بروز جمعہ سترہ ربیع الاول بتائی ہے وہ بالکل غلط اور بعید از حق ہے۔

ثُمَّ الْجُمْهُوْرُ عَلٰی اَنَّ ذٰلِكَ كَانَ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ

"کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول میں ہوئی۔"

بعض نے اس ماہ کی دو تاریخ۔ بعض نے آٹھ تاریخ اور بعض نے دس تاریخ بتائی ہے آٹھ تاریخ کا قول ابن حزم سے منقول ہے اور الحافظ الکبیر محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ بعض نے اس ماہ کی بارہ تاریخ کو متعین کیا ہے ابن اسحاق نے یہی قول لکھا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں یہی تاریخ روایت کی ہے۔

رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهٖ عَنْ عَفَّانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ مِيْنَاءَ عَنْ جَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُمَا قَالَا وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيْلِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ الثَّانِيْ عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ وَفِيْهِ بُعِثَ وَفِيْهِ عُرِجَ بِهٖ اِلَى السَّمَآءِ وَفِيْهِ هَاجَرَ وَفِيْهِ مَاتَ وَهٰذَا هُوَ الْمَشْهُوْرُ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

"حضرت جابر اور ابن عباس دونوں سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام الفیل روز دوشنبہ بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور اسی روز حضور کی بعثت ہوئی۔ اسی روز معراج ہوا اور اسی روز ہجرت کی۔ اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک یہی تاریخ بارہ ربیع الاول مشہور ہے۔" واللہ اعلم بالصواب۔ (۱)

۱۔ سیرت ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۱۹۹

اس کے پہلے راوی ابو بکر بن ابی شیبہ ہیں ان کے بارے میں ابو زرعہ رازی متوفی ۲۶۴ھ کہتے ہیں کہ میں نے ابو بکر بن شیبہ سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ محدث ابن حبان فرماتے ہیں ابو بکر عظیم حافظ حدیث تھے۔ دوسرے راوی عفان ہیں ان کے بارے میں محدثین کی رائے ہے کہ عفان ایک بلند پایہ امام ثقہ صاحب ضبط واتقان ہیں تیسرے راوی سعید بن میناء ہیں ان کا شمار بھی ثقہ راویوں میں ہوتا ہے۔ یہ صحیح الاسناد روایت دو جلیل القدر صحابہ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی ہے۔

مرفوع روایت کی موجودگی میں کسی مؤرخ یا ماہر فلکیات کا یہ کہنا کہ بارہ ربیع الاول تاریخ ولادت نہیں۔ ہرگز قابل تسلیم نہیں۔

مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی عالم دین ہونے کے علاوہ فن تقویم میں بھی ید طولی رکھتے تھے انہوں نے اس فن پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تقویم تاریخی ہے ان کے نزدیک بھی صحیح تاریخ ولادت بارہ ربیع الاول ہے۔

اہل حدیث کے مشہور عالم نواب سید محمد صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ ولادت شریف مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر روز دو شنبہ شب دوازدہم ربیع الاول عام الفیل کو ہوئی جمہور علماء کا یہی قول ہے ابن جوزی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ (۱)

علماء دیوبند کے مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع سیرت خاتم الانبیاء میں رقمطراز ہیں:۔

الغرض جس سال اصحاب فیل کا حملہ ہوا اس کے ماہ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ کے انقلاب کی اصل غرض "آدم" اولاد آدم کا فخر، کشتی نوح کی حفاظت کا راز، ابراہیم کی دعا۔ موسیٰ و عیسیٰ کی پیش گوئیوں کا مصداق یعنی ہمارے آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افزائے عالم ہوتے ہیں۔ (۲)

برصغیر پاک و ہند کے بعض سیرت نگاروں نے محمود پاشا فلکی کے حوالے سے لکھا ہے کہ بارہ ربیع الاول کو پیر کا دن نہیں تھا بلکہ پیر کا دن نو ربیع الاول کو بنتا ہے۔ لہذا نو تاریخ صحیح ہے۔ لیکن دلچسپ صورت حال یہ ہے کہ ان لوگوں کو محمود پاشا کے اصلی وطن کا بھی حتمی علم نہیں۔

علامہ شبلی نعمانی اور قاضی سلیمان منصور پوری نے محمود پاشا کو مصر کا باشندہ لکھا ہے مفتی محمد

۱۔ الشمامۃ العنبریہ مولد خیر البریہ صفحہ ۷

۲۔ سیرت خاتم الانبیاء صفحہ ۱۸

شفیع صاحب انہیں مکی لکھتے ہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے انہیں قسطنطنیہ کا مشہور ہیئت دان اور منجم بتایا ہے۔

مجھے بڑی کوشش کے باوجود محمود پاشافلکی کی کتاب یا رسالہ نہیں مل سکا۔ البتہ معلوم ہوا کہ پاشافلکی کا اصل مقالہ فرانسیسی زبان میں تھا جس کا ترجمہ سب سے پہلے احمد زکی آفندی نے نتائج الافہام کے نام سے عربی میں کیا اس کو مولوی سید محی الدین خان جج ہائی کورٹ حیدر آباد نے اردو کا جامہ پہنایا اور ۱۸۹۸ء میں نولکشور پریس نے شائع کیا لیکن اب یہ ترجمہ نہیں ملتا۔

محمود پاشافلکی نے اگر علم فلکیات کی مدد سے کچھ تحقیقات کی بھی ہیں صحابہ کرام تابعین اور دیگر قدماء کی روایات کو جھٹلانے کے لئے ان پر انحصار کرنا کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ سائنسی علوم کی طرح فلکیات کی کوئی بات قطعی نہیں ہوتی۔

اس سلسلہ میں غور طلب امر یہ ہے کہ سن ہجری کا استعمال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہوا اور پہلی مرتبہ یوم الخمیس ۲۰ جمادی الاولی ۱۷ھ ۱۲ جولائی ۶۳۸ء کو مملکت اسلام میں اس کا نفاذ ہوا۔ اس کے بعد کا تاریخی ریکارڈ ملتا ہے لیکن اس سے پہلے کا تقویمی ریکارڈ دستیاب نہیں اور بعثت نبوی سے قبل عرب میں کوئی باقاعدہ کیلنڈر رائج نہیں تھا۔ عرب اپنی مرضی سے مہینوں میں ردوبدل کر لیا کرتے تھے اور بعض اوقات سال کے تیرہ یا چودہ مہینے بنا دیا کرتے تھے۔ ضیاء القرآن میں ہے قمری سال کے بارہ مہینوں میں کبیسہ کا ایک اور مہینہ بڑھا دیا جاتا تھا ظاہر ہے کہ اعلان نبوت سے قبل نسیئ کی جاتی رہی لیکن ہمیں اس بات کا علم نہیں ہو سکتا کہ کس کس سال میں نسیئ کی گئی۔ ضیاء القرآن، جلد ۱، صفحہ ۲۰۲، حاشیہ ۶۰

محمود پاشا سے قبل بھی کچھ لوگوں نے نجوم کے حسابات سے یوم ولادت معلوم کرنے کی کوشش کی۔ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں اہل زیچ کا اس قول پر اجماع ہے کہ آٹھ ربیع الاول کو پیر کا دن تھا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص بھی علوم نجوم اور ریاضی کے ذریعہ حساب لگا کر تاریخ نکالے گا مختلف ہوگی۔ پس ہمیں قدیم سیرت نگاروں محدثین، مفسرین، تابعین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی بات ماننا پڑے گی۔

مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہو گیا کہ حضور پاک صاحب لولاک محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا ۱۲ ربیع الاول عام الفیل پیر کے دن صبح کے وقت اس جہان ہست وبود میں اپنے وجود عنصری کے ساتھ تشریف لائے۔

(ماخوذ ضیائے حرم میلادالنبی نمبر ۱۴۱۰ھ ص ۱۹۳ - ۱۹۴)

علماء کرام کے ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد میں قارئین کی خدمت میں مصر کے نابغہ روزگار عالم جو علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے ان کا قول قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ قولِ فیصل ہے اور حق کے متلاشی کے لئے اس میں اطمینان اور تسکین ہے۔ امام محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سیرت کی کتاب خاتم النبیین میں اس مسئلہ کی یوں وضاحت فرماتے ہیں۔

اَلْجُمْهَرَةُ الْعُظْمٰى مِنْ عُلَمَاءِ الرِّوَايَةِ عَلٰى اَنَّ مَوْلِدَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِيْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ مِنْ عَامِ الْفِيْلِ فِيْ لَيْلَةِ الثَّانِيْ عَشَرَ مِنْهُ وَقَدْ وَافَقَ مِيْلَادُهٗ بِالسَّنَةِ الشَّمْسِيَّةِ نِيْسَانَ (اغسطس)

"علماء روایت کی ایک عظیم کثرت اس بات پر متفق ہے کہ یوم میلاد عام الفیل ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ ہے۔" (۱)

اس کے بعد انہوں نے دوسرے اقوال بھی ذکر کئے ہیں لیکن ان پر بدیں الفاظ تبصرہ فرمایا ہے۔

وَلَوْلَا اَنَّ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ لَيْسَتْ هِيَ الْمَشْهُوْرَةَ لَاَخَذْنَا بِهَا وَلٰكِنْ عِلْمُ الرِّوَايَةِ لَا يَدْخُلُ التَّرْجِيْحُ فِيْهِ بِالْعَقْلِ۔

"کہ جمہور علماء کے قول کے مقابلہ میں یہ روایتیں مشہور نہیں ہیں نیز علم روایت میں ترجیح کا دارومدار عقل پر نہیں ہوتا بلکہ نقل پر ہوتا ہے۔"

برصغیر ہند کے شیخ الحدیث، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "مدارج النبوۃ" میں تاریخ میلاد پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

بداں کہ جمہور اہل سیر و تواریخ بر آنند کہ تولد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در عام الفیل بود از چہل روز یا پنجاہ و پنج روز و ایں قول اصح اقوال است مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود و بعضے علماء دعوی اتفاق بریں قول نمودہ و دوازدھم ربیع الاول بود۔

ا۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۱۱۵

"خوب جان لو کہ جمہور اہل سیر و تواریخ کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی اور واقعہ فیل کے چالیس روز یا پچپن روز بعد اور یہ دوسرا قول سب اقوال سے زیادہ صحیح ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول کا مہینہ تھا اور بارہ تاریخ تھی۔ بعض علماء نے اس قول پر اتفاق کا دعوی کیا ہے۔ یعنی سب علماء اس پر متفق ہیں۔ (۱)

اس مسرت آگیں اور دل افروز اور روح پرور واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے چند نعتیہ اشعار موزوں کئے یا خود بخود موزوں ہو گئے آپ بھی انہیں پڑھئے اور ان سے اپنی دیدۂ دل کو روشن کرنے کی کوشش کیجئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

۔ شب میلاد محمد چہ شب انور بود کز در مکہ الی الشام منور گردید

"محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات کتنی روشن رات تھی کہ مکہ کے دروازوں سے لے کر شام تک کا سارا علاقہ جگمگانے لگا۔"

۔ مکہ و شام چہ باشد کہ از شرق تا غرب ہمہ راگشت محیط و ہمہ جادر گردید

"مکہ اور شام ہی نہیں بلکہ مشرق سے مغرب تک حضور کا نور ہر جگہ پھیل گیا۔"

۔ ہمہ آفاق زانوار منور گشتہ ہمہ اکناف زاخلاق معطر گردید

"اس جہاں کے سارے کنارے انوارِ رسالت سے منور ہو گئے اور حضور کے اخلاق سے کائنات کا گوشہ گوشہ مہک اٹھا۔"

۔ عاقبت بر فلک عز و علا جادارد ہر کہ از صدق ویقیں خاک بریں در گردید

"انجام کار اس شخص کو عزت و بلندی کے آسمان پر جگہ ملتی ہے جو شخص صدق و یقین کے ساتھ اس در کی خاک بن جاتا ہے۔"

۔ ہر گز از ہیچ سموے پنہ پذیرد خشکی ہر گیا ہے کہ زابر کرمش تر گردید

"کوئی باد سموم اس گھاس کو خشک نہیں کر سکتی جس کو اس کے ابر کرم نے تر کیا ہو۔"

۔ للہ الحمد کہ از دنیا و دیں حتی زا ہمہ از دولت آں شاہ میسر گردید (۲)

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دنیا و دیں کی ہر نعمت اس بادشاہ کے دولت خانہ سے

۱۔ مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ ۱۵

۲۔ مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ ۱۸

حقی (آپ کا تخلص) کو نصیب ہو گئی۔ "

مولدِ مقدس

فرش زمین کا وہ مقام ہے، جو اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم کے پائے ناز کو سب سے پہلے بوسہ دے کر عرش پایہ بنا وہ پہلے حضرت عقیل بن ابی طالب اور ان کی اولاد کی ملکیت میں رہا۔ پھر حجاج کے بھائی محمد بن یوسف ثقفی نے ایک لاکھ دینار قیمت ادا کر کے اسے خرید لیا اور اس جگہ کو اپنے مکان کا حصہ بنالیا۔ کیونکہ یہ مکان سفید چونے سے تعمیر کیا گیا تھا اور اس پر پلستر بھی سفید چونے کا تھا اس لئے اسے "البیضاء" کہا جاتا تھا۔ یہ عرصہ تک دار ابن یوسف کے طور پر مشہور رہا۔ ہارون الرشید کے عہد خلافت میں اس کی نیک بخت اور فیض رساں رفیقہ حیات زبیدہ خاتون فریضہ حج ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوئی تو اس نے یہ مکان حاصل کر کے گرادیا اور اس جگہ مسجد تعمیر کر دی۔ ابن دحیہ کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران جب حج کے لئے آئی تو اس نے ابن یوسف کے مکان سے وہ حصہ نکال لیا جو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مولد مبارک تھا اور وہاں مسجد تعمیر کر دی۔ عین ممکن ہے کہ پہلے وہاں مسجد تعمیر کرنے کا شرف خیزران نے حاصل کیا ہو۔ پھر زبیدہ خاتون مکہ مکرمہ آئی ہو تو اس نے اس مسجد کو از سر نو شایانِ شان طریقہ پر تعمیر کیا ہو۔ (۱)

علامہ ابوالقاسم السہیلی نے الروض الانف میں صرف یہ قول لکھا ہے۔

ثُمَّ بَنَتْهَا زُبَيْدَةُ مَسْجِدًا حِيْنَ حَجَّتْ

"یعنی جب زبیدہ خاتون حج کے لئے حاضر ہوئیں تو انہوں نے اس جگہ مسجد تعمیر کرادی۔ " (۲)

شیخ ابراہیم عرجون لکھتے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں حضور کا مقام ولادت مشہور و معروف ہے مرور زمانہ سے اس پر کئی تبدیلیاں آئیں ہمارے زمانہ میں اسے دارالحدیث بنادیا گیا۔ ۱۳۷۰ھ۔ ۱۷ء میں جب میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا تو میں نے وہاں دارالحدیث کی عمارت کی بنیادیں دیکھیں جو تعمیر ہو رہی

۱۔ السیرۃ الحلبیہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۶۰۔ ۵۹

۲۔ الروض الانف۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۸۴

تھیں۔ (۱)

آج کل ۱۴۰۸ھ میں وہاں ایک مکتبہ بنا دیا گیا ہے، جو مقررہ وقت پر کھلتا ہے اور عام طور پر مقفل رہتا ہے۔

محفل میلاد مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات پر اس کا شکر ادا کیا کرو ارشاد خداوندی ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ

"پس کھاؤ اس سے جو رزق دیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے جو حلال اور طیب ہے اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا۔ اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔"

(سورۃ النحل: ۱۱۴)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

"پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔"

(سورۃ العنکبوت: ۱۷)

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو بھی مختلف دلنشین اسالیب سے بیان فرمایا ہے کہ اگر تم اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان میں اور اضافہ کر دے گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو اس کے شدید عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ گے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ

"اور یاد کرو جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے رب نے (اس حقیقت

۱۔ محمد رسول اللہ لابراہیم عرجون، جلد اول، صفحہ ۱۰۲

ہے) کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو گے تو میں مزید اضافہ کر دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو (جان لو) یقیناً میرا عذاب شدید ہے۔" (سورۂ ابراہیم: ۷)

الختصر بے شمار آیات ہیں جن میں انعامات الٰہی پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کثیر التعداد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بار بار جھنجوڑ کر یہ بتایا ہے کہ اگر تم ان نعمتوں پر شکر ادا کرو گے تو ان میں مزید اضافہ کر دیا جائے گا اور جو کفران نعمت کے مرتکب ہوں گے اُن کو اِن نعمتوں سے محروم کر دیا جائے گا اور عذاب الیم کی بھٹی میں جھونک دیا جائے گا۔

پانی، ہوا اور روشنی۔ کان، آنکھیں اور دل، صحت، شباب اور خوشحالی۔ یہ سب خداوند ذوالجلال کی نعمتیں ہیں اور ان پر شکر کرنا واجب ہے۔ جب ان فنا ہونے والی نعمتوں پر شکر ادا کرنا لازمی ہے تو خود بتایئے اس رحمت مجسم ہادی اعظم محسن کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور بعثت پر شکر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ کیا اس احسان سے کوئی اور احسان بڑا ہے اس نعمت سے کوئی اور نعمت عظیم ہے۔ جس ذات والا صفات نے بندے کا ٹوٹا ہوا رشتہ اپنے خالق حقیقی کے ساتھ استوار کر دیا۔ جس نے انسانیت کے بخت خوابیدہ کو بیدار کر دیا جس نے اولاد آدم کے بگڑے ہوئے مقدر کو سنوار دیا جو کسی خاندان، قبیلے قوم، ملک اور زمانہ کے لئے رحمت بن کر نہیں آیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کے لئے ابر رحمت بن کر برسا جس کی فیض رسانی زمان و مکان کی قیود سے آشنا نہیں جو ہر تشنہ لب کو معرفت الٰہی کے آب زلال سے سیراب کرنے کے لئے تشریف لایا۔ ہر گم کردہ راہ کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کے لئے آیا۔ ہر کہ ومہ کے لئے جس نے حریم قرب الٰہی کے دروازے کھول دیئے۔ کیا اس نعمت عظمیٰ اور ابدی احسان پر شکر ادا کرنا ہم پر فرض نہیں۔ کیا خداوند کریم کے اس لطف بے پایاں پر اس کا شکر ادا کر کے اس کے وعدہ کے مطابق ہم اس کی مزید نعمتوں کے مستحق قرار نہیں پائیں گے اور جو اس جلیل القدر انعام پر سپاس گزار نہ ہو گا۔ وہ غضب و عتاب الٰہی کی وعید کا ہدف نہیں بنے گا۔؟

سرور کائنات۔ فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آمد، وہ عظیم المرتبت انعام ہے جس کو منعم حقیقی نے اپنی قدرت کی زبان سے خصوصی طور پر علیحدہ ذکر کیا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

"یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں کتاب و حکمت اگرچہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔" (سورۂ آل عمران: ۱۶۴)

اس انعام کی خصوصی شان یہ ہے کہ دیگر انعامات اپنوں اور بیگانوں، خاص اور عام، مومن اور کافر سب کے لئے ہیں۔ اور اس لطف و کرم سے صرف اہل ایمان کو سرفراز فرمایا۔

غلامان مصطفیٰ علیہ اجمل التحیتہ واطیب الثناہر زمانہ میں اپنے رب کریم کی اس نعمت کبریٰ کا شکر ادا کرتے آئے ہیں۔ زمانے کے تقاضے کے اعتبار سے شکر کے انداز گو مختلف تھے لیکن جذبہ تشکر ہر عمل کا روح رواں رہا۔ اور جو خوش بخت اس نعمت کی قدر و قیمت سے آگاہ ہیں وہ تا ابد اپنی فہم اور استعداد کے مطابق اپنے رحیم و کریم پروردگار کا شکر ادا کرتے رہیں گے۔

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ جب کسی کو کسی انعام سے بہرہ ور کیا جاتا ہے تو اس کا دل مسرت و انبساط کے جذبات سے معمور ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہ میں اس نعمت کی جتنی قدر و قیمت اور اہمیت ہوگی۔ اسی نسبت سے اس کی مسرت و انبساط کی کیفیت ہوگی۔ لیکن جس چیز کے ملنے پر خوشی کے جذبات میں تلاطم پیدا نہیں ہوتا تو اس کا واضح مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کی اس شخص کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ اگر یہ چیز اسے نہ ملتی تب بھی اسے افسوس نہ ہوتا۔ مل گئی ہے تو اسے کوئی خوشی نہیں شمع جمال مصطفوی کے پروانے ایسے قدر ناشناس نہیں۔ نبوت کا ماہِ تمام طلوع ہوا تو ان کی زندگی کے آنگن میں مسرتوں اور شادمانیوں کی چاندنی چھٹکنے لگی ان کے دلوں کے غنچے کھل کر شگفتہ پھول بن گئے وہ یہ جانتے ہوئے اور تسلیم کرتے ہوئے کہ وہ اس احسان عظیم پر شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے پھر بھی وہ اپنی سمجھ کے مطابق بارگاہ رب العزت میں سجدہ شکر میں گر گئے اس کی حمد و ثنا کے گیت گانے لگے اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن سرمدی پر اپنے دل و جان کو نثار کرنے لگے۔

محفل میلاد کے بارے میں بعض مدعیان علم و دانش کی غلط اندیشیاں

بعض مدعیان علم و دانش فرزندان اسلام کے ان مظاہر تشکر و مسرت کو دیکھ کر غصہ سے بے قابو ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان شکر گزار بندوں پر طعن و تشنیع کے تیروں کی موسلا دھار بارش شروع کر دیتے ہیں کیا ان حضرات نے کبھی اس فرمان الٰہی کا بدقتِ نظر مطالعہ فرمایا ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

"اے حبیب! آپ فرمائیے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت سے اور پس چاہئے کہ اس پر خوشی منائیں یہ بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔" (سورۂ یونس: ۵۸)

اس آیت کریمہ میں حکم دیا جا رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہو تو منہ بسور کر نہ بیٹھ جایا کرو اپنی ہانڈیوں کو اوندھا نہ کر دیا کرو۔ جو چراغ جل رہا ہے اس کو بھی نہ بجھا دیا کرو کیونکہ یہ اظہار تشکر نہیں بلکہ کفران نعمت ہے۔ ایسا نہ کرو بلکہ "فَلْيَفْرَحُوْا" خوشی اور مسرت کا مظاہرہ کیا کرو۔ اور یہ بتانے کی قطعاً ضرورت نہیں کہ اظہار مسرت کا کیا طریقہ ہوتا ہے جب دل میں سچی خوشی کے جذبات امڈ کر آتے ہیں تو اپنے ظہور کے لئے وہ خود راستہ پیدا کر لیا کرتے ہیں۔

امت اسلامیہ صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ پر اپنے جذبات تشکر و امتنان کا اظہار کرتی رہی ہے۔ ہر سال ہر اسلامی ملک کے ہر چھوٹے بڑے گاؤں اور شہر میں عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم منانے کا اہتمام کیا جاتا ہے ان راتوں اور ان دنوں میں ذکر و فکر کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی اور اس کے محبوب مکرم شفیع المذنبین کی شان رفعت و دلربائی کے تذکرے کئے جاتے ہیں سامعین کو اس دینِ قیم کے

احکامات سے آگاہ کیا جاتا ہے علماء تقریریں کرتے ہیں ادباء مقالے پڑھتے ہیں شعراء اپنے منظوم کلام سے اظہار عقیدت و محبت کرتے ہیں صلوۃ و سلام کی روح پرور صداؤں سے ساری فضا معطر اور منور ہو جاتی ہے اہل خیر کھانے پکا کر غرباء و مساکین میں تقسیم کرتے ہیں۔ صدقات وخیرات سے ضرورت مندوں کی جھولیاں بھر دیتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ گلشن اسلام میں از سر نو بہار آگئی ہے۔

امام ابو شامہ جو امام نووی شارح صحیح مسلم کے استاذ الحدیث ہیں فرماتے ہیں۔

وَمِنْ اَحْسَنِ مَا ابْتُدِعَ فِیْ زَمَانِنَا مَا یُفْعَلُ کُلَّ عَامٍ فِی الْیَوْمِ الْمُوَافِقِ لِیَوْمِ مَوْلِدِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الصَّدَقَاتِ وَالْمَعْرُوْفِ وَاِظْہَارِ الزِّیْنَۃِ وَالسُّرُوْرِ فَاِنَّ ذٰلِکَ مَعَ مَا فِیْہِ مِنَ الْاِحْسَانِ لِلْفُقَرَآءِ مُشْعِرٌ بِمَحَبَّۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتَعْظِیْمِہٖ فِیْ قَلْبِ فَاعِلِ ذٰلِکَ وَشُکْرًا لِلّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی مَا مَنَّ بِہٖ مِنْ اِیْجَادِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ اَرْسَلَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

"ہمارے زمانہ میں جو بہترین نیا کام کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ ہر سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد کے دن صدقات اور خیرات کرتے ہیں اور اظہارِ مسرت کے لئے اپنے گھروں اور کوچوں کو آراستہ کرتے ہیں کیونکہ اس میں کئی فائدے ہیں فقراء مساکین کے ساتھ احسان اور مروت کا برتاؤ ہوتا ہے نیز جو شخص یہ کام کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کی محبت اور عظمت کا چراغ ضیاء بار ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا فرما کر اور حضور کو رحمت للعالمین کی خلعت فاخرہ پہنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے جس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اس بہجت و مسرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔" (۱)

ایک دوسرے محدث امام سخاوی کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

ا۔ السیرۃ الحلبیہ، جلد اول، صفحہ ۸۰

إِنَّ عَمَلَ الْمَوْلِدِ حَدَثَ بَعْدَ الْقُرُوْنِ الثَّلَاثَةِ ثُمَّ لَا زَالَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْأَقْطَارِ وَالْمُدُنِ الْكِبَارِ يَعْمَلُوْنَ الْمَوْلِدَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ فِيْ لَيَالِيْهِ بِأَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَيَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيْمِ وَيَظْهَرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهِ كُلُّ فَضْلٍ عَمِيْمٍ۔

"کہ موجودہ صورت میں محفل میلاد کا انعقاد قرون ثلاثہ کے بعد شروع ہوا پھر اُس وقت سے تمام ملکوں میں اور تمام بڑے شہروں میں اہل اسلام میلاد شریف کی محفلوں کا انعقاد کرتے رہے ہیں اس کی راتوں میں صدقات و خیرات سے فقراء و مساکین کی دلداری کرتے ہیں حضور کی ولادت باسعادت کا واقعہ پڑھ کر حاضرین کو بڑے اہتمام سے سنایا جاتا ہے اور اس عمل کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ عمیم کی ان پر بارش کرتا ہے۔"

ایک تیسرے محدث جو ضعیف احادیث پر تنقید کرنے میں بے رحمی کی حد تک بے باک ہیں یعنی علامہ ابن جوزی (علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن جوزی) کی رائے بھی اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قَالَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ مِنْ خَوَاصِّهِ أَنَّهُ أَمَانٌ فِيْ ذٰلِكَ الْعَامِ وَبُشْرٰى عَاجِلَةٌ بِنَيْلِ الْبُغْيَةِ وَالْمَرَامِ۔

"ابن جوزی فرماتے ہیں کہ محفل میلاد کی خصوصی برکتوں سے یہ ہے کہ جو اسکو منعقد کرتا ہے اس کی برکت سے سارا سال اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں رہتا ہے اور اپنے مقصد اور مطلوب کے جلدی حصول کے لئے یہ ایک بشارت ہے۔"

علماء کرام نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ محافل میلاد کے انعقاد کا آغاز کب ہوا اور کس نے کیا۔

امام ابن جوزی ہی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے اربل کے بادشاہ الملک المظفر ابو سعید نے اس کا آغاز کیا اور اس زمانہ کے محدث شہیر حافظ ابن دحیہ نے اس مقصد کے لئے ایک کتاب تصنیف کی اور اس کا نام اَلتَّنْوِيْرُ فِيْ مَوْلِدِ الْبَشِيْرِ النَّذِيْرِ تجویز کیا ملک مظفر کے سامنے

جب یہ تصنیف پیش کی گئی تو اس نے ابن دحیہ کو ایک ہزار اشرفی بطور انعام پیش کی۔ وہ ربیع الاول شریف میں ہر سال محفل میلاد کے انعقاد کا اہتمام کرتا تھا۔ زیرک، دانا، بہادر اور مرد میدان تھا۔ دانشور اور عدل گستر تھا اس کا عہد حکومت کافی طویل ہوا۔ یہاں تک کہ اس نے ۶۳۰ھ میں اس حالت میں وفات پائی کہ اس نے عکہ کے شہر میں جہاں صلیبیوں نے قبضہ کر رکھا تھا اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس کا ظاہر اور باطن بہت ہی پسندیدہ تھا۔ ابن جوزی کے الفاظ میں آپ اس مرد مومن کی سیرت کا مطالعہ فرمائیں۔

كَانَ شَهْمًا، شُجَاعًا، بَطَلًا، عَاقِلًا، عَادِلًا وَطَالَتْ مُدَّتُهُ فِي الْمُلْكِ إِلَى أَنْ مَاتَ وَهُوَ مُحَاصِرُ الْفِرَنْجِ بِمَدِينَةِ عَكَّا. سَنَةَ ثَلَاثِينَ وَسِتِّمِائَةٍ مَحْمُودَ السِّيرَةِ وَالسَّرِيرَةِ.

سبط ابن الجوزی، اپنی تصنیف مراۃ الزمان میں اس ضیافت کا ذکر کرتے ہیں جو ملک مظفر میلاد شریف کے موقع پر کیا کرتا تھا۔ اور جس میں اس زمانہ کے اکابر علماء اور اعاظم صوفیہ شرکت فرمایا کرتے تھے اس ضیافت کا یہ حال اس آدمی کی زبانی بیان کیا گیا ہے جو خود اس دعوت میں شریک تھا وہ کہتا ہے میں نے بھیڑ بکریوں کے پانچ ہزار سر، دس ہزار مرغیاں اور فیرنی کے ایک لاکھ سکورے اور حلوے کے تیس ہزار طشت خود دیکھے جو علماء صوفیاء اس ضیافت میں شرکت کرتے ملک مظفر انہیں خلعتیں پہناتا۔ اور میلاد شریف کی اس تقریب پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا۔

علامہ محمد رضا نے اپنی سیرت کی کتاب "محمد رسول اللہ" میں مندرجہ بالا حوالہ جات ذکر کرنے کے بعد ان پر مندرجہ ذیل اضافہ کیا ہے جس کا خلاصہ ترجمہ ہدیہ قارئین ہے۔

جزائر کے سلطان ابو حمو موسیٰ بڑے اہتمام اور اجلال کے ساتھ شب میلاد منایا کرتے تھے۔ جس طرح مغرب کے سلاطین اور اندلس کے خلفاء اس زمانہ میں یا اس سے پہلے اس تقریبِ سعید کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

سلطان تلمسان (۱) کی ایک تقریب میلاد کا آنکھوں دیکھا حال الحافظ سیدی ابو عبداللہ التنسی نے "راح الارواح" میں تحریر کیا ہے لکھتے ہیں۔

ابو حمو شب میلاد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے دار الحکومت تلمسان میں بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا کرتے تھے جس میں خاص وعام سب لوگ مدعو ہوتے تھے۔ جلسہ گاہ میں ہر

۱۔ تلمسان الجزائر کا ایک شہر ہے۔ جو وہاں کی مشہور غلہ منڈی ہے۔ (المنجد)

طرف قیمتی قالین بچھے ہوئے۔ ان پر گاؤ تکیئے لگے ہوئے اور بڑی بڑی شمعیں جو دور سے ستون کی طرح نظر آتی تھیں اور دستر خوان، انگیٹھیاں جن میں خوشبو سلگ رہی ہوتی تھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ خالص پگھلا ہوا سونا انڈیلا جارہا ہے۔ تمام حاضرین کو رنگ برنگے لذیذ کھانے پیش کئے جاتے تھے معلوم ہوتا کہ موسم بہار کے رنگین پھولوں کے گلدستے ہر مہمان کے سامنے سجا کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ ان کی رنگت کو دیکھ کر ان کے کھانے کی خواہش دوبالا ہو جاتی تھی آنکھیں ان کی رنگینی کو دیکھ کر روشن ہوتی تھیں اور بھینی بھینی مہک مشامِ جان کو معطر کر رہی ہوتی تھی۔ تمام لوگوں کو درجہ بدرجہ بٹھایا جاتا تھا۔ سب حاضرین کے چہروں پر وقار اور احترام کی روشنی چمک رہی ہوتی تھی اس کے بعد بارگاہ رسالت میں ہدیہ عقیدت پیش کرنے کے لئے مدحیہ قصائد پڑھے جاتے تھے۔ اور ایسے مواعظ اور نصائح کا سلسلہ جاری رہتا تھا جو لوگوں کو گناہوں سے برگشتہ کر کے عبادت واطاعت کی طرف راغب کرتے تھے یہ سارے کام اس ترتیب سے ہوتے کہ حاضرین کو قطعاً تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا احساس نہ ہوتا اس روح پرور تقریب کے مختلف پروگراموں کو سن کر دلوں کو راحت ہوتی اور نفوس کو مسرت حاصل ہوتی۔

سلطان رضوان اللہ علیہ کے قریب شاہی خزانہ رکھا ہوتا جس کو ایک رنگ برنگی یمنی چادر سے ڈھانپا ہوا ہوتا۔ رات کے گھنٹوں کے برابر اس میں دروازے ہوتے جب ایک گھنٹہ گزرتا تو اس دروازے پر اتنی چونیں لگتیں جتنے بجے ہوتے۔ دروازہ کھلتا اور ایک خادمہ نکلتی جس کے ہاتھ میں انعامات لینے والوں کی فہرست ہوتی سلطان اس کے مطابق انعام تقسیم کرتا۔ اور یہ سلسلہ صبح کی اذان تک جاری رہتا۔ ہمارے یہ سیرت نگار اپنے زمانہ کے حالات بھی لکھتے ہیں کہ مصر میں کس اہتمام سے عید میلاد کا جشن منایا جاتا ہے۔

بعض متشددین، محفل میلاد کے انعقاد کو بدعت کہتے ہیں اور بدعت بھی وہ جو مذمومہ ہے اور ضلالت ہے بیشک حدیث پاک میں بدعت سے اجتناب اور پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ بدعت کا مفہوم کیا ہے اگر بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عمل جو عہد رسالت میں اور عہد خلافت راشدہ میں نہ تھا اور اس کے بعد ظہور پذیر ہوا وہ بدعت ہے اور بدعت مذمومہ ہے اور اس پر عمل کرنے والا گمراہ ہے۔ اور دوزخ کا ایندھن ہے تو پھر اس کی زد صرف محفل میلاد پر ہی نہ پڑے گی بلکہ امت کا کوئی فرد بھی اس کی زد سے بچ نہیں سکے گا۔ یہ علوم جن کی تدریس کے لئے بڑے بڑے مدارس اور جامعات اور یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں

اور جن پر کروڑہا روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے ان علوم میں سے بیشتر وہ علوم ہیں جن کا خیر القرون میں یا تو نام ونشان ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اس کی موجودہ صورت کا کہیں وجود نہ تھا۔ صرف ، نحو ، معانی ، بلاغت ، اصول الفقہ ، اصول حدیث ، یہ تمام علوم بعد کی پیداوار ہیں کیا جن علماء و فضلاء نے ان علوم کو مدوّن کیا اور اپنی گراں قدر زندگیاں ، اپنی قیمتی صلاحیتیں اور اوقات ان کو معراج کمال تک پہنچانے کے لئے اور ان کی نوک پلک سنوارنے کے لئے صرف کئے کیا وہ سب بدعتی تھے اور اس بدعت کے ارتکاب کے باعث وہ سب ان حضرات کے فتویٰ کے مطابق جہنم کا ایندھن بنے پھر گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلام کے دامن میں کون رہ جاتا ہے جسے جنت کا مستحق قرار دیا جائے۔ اسی طرح علوم قرآن وسنت اور فقہ کی تدوین تو خیر القرون میں نہیں کی گئی تھی یہ بھی بعد میں آنے والے علماء وفضلاء کی شبانہ روز جگر کاویوں اور کاوشوں کا ثمر ہیں۔ پھر یہ علوم جن کا وجود ہی مجسمۂ بدعت ہے ، کی تدریس کے لئے جو جامعات اور یونیورسٹیاں آج تک تعمیر کی گئیں یا اب بھی تعمیر کی جا رہی ہیں اور ان پر کروڑھا روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے کیا یہ سب تعلیماتِ دین کی خلاف ورزی ہے۔ اور غضب الٰہی کو دعوت دینے کا باعث ہے۔ یہ عظیم الشان مسجدیں اور ان کے فلک بوس مینار اور ان کے مزین محراب ، عہد رسالت میں کہاں تھے ، کیا ان سب کو آپ گرا دینے کا حکم دیں گے۔ کیا آپ قامع بدعت کہلانے کے جنون میں اپنی فوج سے توپیں ، ٹینک ، بمبار طیارے سب چھین لیں گے اور اس کے بجائے انہیں تیر کمان دے کر میدان جنگ میں جھونک دیں گے۔ جو بدعت کی آپ نے تعریف کی ہے وہ تو ان تمام چیزوں کو اپنی پیٹ میں لئے ہوئے ہے کیا اسلام جو دین فطرت ہے اس کی ہمہ گیر تعلیمات اور اس کی جہاں پرور روح کو آپ اپنے ذہن کے تنگ زنداں میں بند کرنے کی ناکام کوشش میں اپنا وقت ضائع کرتے رہیں گے۔ ہم ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ علماء اسلام نے بدعت کی جو وضاحت اور تشریح کی ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے تو اس قسم کے توھمات سے انسان کو واسطہ ہی نہیں پڑتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجب ، مستحب ، مکروہ ، مباح ، حرام۔

۱۔ اس نئی چیز میں کوئی مصلحت ہو تو وہ واجب ہے۔ جیسے علوم صرف ونحو وغیرہ کی تعلیم و تدریس اور اہل زیغ وباطل کا رد۔ اگرچہ یہ علوم عہد رسالت میں موجود نہ تھے لیکن قرآن وسنت اور دین کو سمجھنے کے لئے اب ان کی تعلیم اور تدریس واجبات دینیہ میں سے ہے۔ اسی طرح جو باطل فرقے اس زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئے تھے بلکہ بعد میں موجود

ہوئے ان کی تردید آج کل کے علماء پر فرض ہے۔

۲۔ وہ چیزیں جن میں لوگوں کی بھلائی، بہتری اور فائدہ ہے وہ مستحب ہیں جیسے سراؤں کی تعمیر۔ تاکہ مسافر وہاں آرام سے رات بسر کر سکیں۔ یا میناروں پر چڑھ کر اذان دینا تاکہ موذن کی آواز دور دور تک پہنچ سکے یا عام مدارس کا قیام تاکہ علم کی روشنی ہر سو پھیلے۔ یہ مستحبات اور مندوبات میں سے ہے۔

۳۔ مباح:۔ جیسے کھانے پینے میں وسعت اور فراخی۔ اچھا لباس پہننا۔ آٹا چھان کر استعمال کرنا یہ مباحاتِ شرعیہ ہیں۔ اگرچہ عہد رسالت میں ان چھنے آٹے کی روٹی استعمال ہوتی تھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان چھنے آٹے کی روٹی تناول فرمایا کرتے لیکن اگر کوئی شخص آٹا چھان کر روٹی پکاتا ہے تو یہ اس کے لئے مباح ہے۔ بدعت اور گمراہی نہیں تاکہ اس کو دوزخی ہونے کی یہ حضرات بشارت سنائیں۔

۴۔ وہ کام جس میں اسراف ہو وہ مکروہ ہیں۔ اس طرح مساجد اور مصاحف کی غیر ضروری زیب وزینت۔

۵۔ حرام:۔ ایسا فعل جو کسی سنت کے خلاف ہو اور اس میں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو۔

امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی نے شرح مسلم اور تہذیب الاسماء واللغات میں لفظ بدعت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد اس کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے شبہات جو اذہان وقلوب کو پریشان کرتے ہیں خود بخود کافور ہو جاتے ہیں۔ تہذیب الاسماء واللغات کی چند سطور ناظرین کے مطالعہ کے لئے یہاں نقل کر رہا ہوں تاکہ وہ اسے غور سے پڑھیں اور اپنی تسلی کر لیں۔

اَلْبِدْعَةُ بِكَسْرِ الْبَاءِ فِي الشَّرْعِ هِيَ إِحْدَاثُ مَا لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَهِيَ مُنْقَسِمَةٌ إِلٰى حَسَنَةٍ وَقَبِيْحَةٍ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْمُجْمَعُ عَلٰى إِمَامَتِهٖ وَجَلَالَتِهٖ وَتَمَكُّنِهٖ فِي أَنْوَاعِ الْعُلُوْمِ وَبَرَاعَتِهٖ أَبُوْ مُحَمَّدٍ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَرَضِيَ عَنْهُ فِي اٰخِرِ كِتَابِ الْقَوَاعِدِ:

اَلْبِدْعَةُ مُنْقَسِمَةٌ إِلٰى وَاجِبَةٍ وَمُحَرَّمَةٍ وَمَنْدُوْبَةٍ وَمَكْرُوْهَةٍ وَمُبَاحَةٍ (القسم الثانی من تہذیب الاسماء ص۲۲)

"شریعت میں بدعت اس کو کہتے ہیں کہ ایسی نئی چیز پیدا کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہیں تھی۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ۔ بدعت قبیحہ۔ علامہ ابو محمد عبدالعزیز بن عبداللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ و رضی اللہ عنہ جن کی امامت پر اور جلالت شان پر ساری امت متفق ہے اور تمام علوم میں ان کی مہارت اور براعت کو سب تسلیم کرتے ہیں انہوں نے اپنی تصنیف کتاب القواعد کے آخر میں بیان کیا ہے کہ بدعت کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔ واجب۔ حرام۔ مستحب۔ مکروہ اور مباح"۔

امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی صحیح مسلم کی اپنی شرح میں کلُ بدعۃ ضلالۃ کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

هٰذَا عَامٌ مَخْصُوْصٌ وَالْمُرَادُ غَالِبُ الْبِدَعِ قَالَ اَهْلُ اللُّغَةِ هِيَ كُلُّ شَيْءٍ عَمِلَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ قَالَ الْعُلَمَاءُ الْبِدْعَةُ عَلٰى خَمْسَةِ اَقْسَامٍ وَاجِبَةٌ وَمَنْدُوْبَةٌ وَمُحَرَّمَةٌ وَمَكْرُوْهَةٌ وَمُبَاحَةٌ فَمِنَ الْوَاجِبَةِ نَظْمُ اَدِلَّةِ الْمُتَكَلِّمِيْنَ لِلرَّدِّ عَلَى الْمُلَاحِدَةِ وَالْمُبْتَدِعِيْنَ وَشِبْهُ ذٰلِكَ وَمِنَ الْمَنْدُوْبَةِ تَصْنِيْفُ كُتُبِ الْعِلْمِ وَبِنَاءُ الْمَدَارِسِ وَالرُّبُطِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَمِنَ الْمُبَاحِ التَّبَسُّطُ فِيْ اَلْوَانِ الْاَطْعِمَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَالْحَرَامُ وَالْمَكْرُوْهُ ظَاهِرَانِ

"کل بدعۃ ضلالہ اگرچہ عام ہے لیکن یہ مخصوص ہے یعنی ہر بدعت ضلالت نہیں بلکہ غالب بدعۃ ضلالت ہوتی ہے۔ لغت میں اس چیز کو بدعت کہتے ہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو۔ اور علماء کرام کہتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱) واجب (۲) مستحب (۳) حرام (۴) مکروہ (۵) مباح

واجب کی مثال یہ دی ہے جیسے متکلمین کا ملحدوں اور اہل بدعت پر رد کرنے کے لئے اپنے دلائل کو منظم کرنا مستحب کی مثال یہ ہے مختلف علوم و فنون پر کتابیں تصنیف کرنا۔ مدرسے تعمیر کرنا اور سرائیں وغیرہ بنانا۔ مباح کی مثال یہ ہے جیسے طرح طرح کے لذیذ کھانے پکانا وغیرہ اور حرام

اور مکروہ ظاہر ہیں۔" (۱)

امام موصوف نے تہذیب الاسماء واللغات میں بدعت محرمہ کی مثال یہ دی ہے قدریہ، جبریہ، مرجیہ اور مجسمہ کے مذاہب باطلہ بدعت مکروہ کی مثال مساجد کی بلا ضرورت و مقصد تزئین وغیرہ۔ (۲)

لیکن محفل میلاد کے انعقاد میں نہ کسی سنت ثابتہ کی خلاف ورزی ہے اور نہ کسی فعل حرام کا ارتکاب ہے۔ بلکہ یہ نعمت خداوندی پر اس کا شکر ہے اور شکر کا ادا کرنا کثیر آیات سے ثابت ہے۔ اسی طرح آیت "فلیفرحوا" سے اس فضل و نعمت خداوندی پر اظہار مسرت کرنا حکم الہی ہے۔

علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے معترضین کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ محفل میلاد کا انعقاد بے اصل نہیں ہے بلکہ اس کے لئے سنت نبوی میں اصل موجود ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ حدیث تحریر فرمائی جو صحیحین میں موجود ہے۔

"اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ فَوَجَدَ الْیَهُوْدَ یَصُوْمُوْنَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَسَاَلَهُمْ فَقَالُوْا هُوَ یَوْمٌ اُغْرِقَ فِیْهِ فِرْعَوْنُ وَنَجَا مُوْسٰی وَنَحْنُ نَصُوْمُهٗ شُكْرًا فَقَالَ نَحْنُ اَوْلٰی بِمُوْسٰی مِنْكُمْ"

"کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں کو پایا کہ وہ عاشوراء کے دن روزہ رکھا کرتے حضور نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا یہ وہ دن ہے جس دن فرعون غرق ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھتے ہیں۔ رحمت عالم نے فرمایا! تم سے زیادہ ہم اس بات کے حق دار ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔"

(چنانچہ حضور نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنی امت کو بھی ایک دن کے بجائے دو دن روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی)

۱۔ شرح مسلم الامام النووی صفحہ ۲۸۵

۲۔ تہذیب الاسماء صفحہ ۲۲

صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خبر جب ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے اسے دی تو اپنے بھتیجے کی ولادت کی خوشخبری سن کر اس نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا۔ اگرچہ اس کی موت کفر پر ہوئی اور اس کی مذمت میں پوری سورت نازل ہوئی لیکن میلاد مصطفیٰ پر اظہار مسرت کی برکت سے ہر سوموار کو اسے پانی کا گھونٹ پلایا جاتا ہے اور اس کے عذاب میں بھی اس روز تخفیف کی جاتی ہے۔

حافظ الشام شمس الدین محمد بن ناصر نے کیا خوب کہا ہے۔

إِذَا كَانَ هٰذَا كَافِرٌ جَاءَ ذَمُّهُ ۔۔۔ وَتَبَّتْ يَدَاهُ فِي الْجَحِيْمِ مُخَلَّدَا

أَتَى أَنَّهُ فِي يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ دَائِمًا ۔۔۔ يُخَفَّفُ عَنْهُ لِلسُّرُوْرِ بِأَحْمَدَا

وَمَا الظَّنُّ بِالْعَبْدِ الَّذِي كَانَ عُمْرُهُ ۔۔۔ بِأَحْمَدَ مَسْرُوْرًا وَمَاتَ مُوَحِّدَا

"جب ایک کافر، جس کی مذمت میں پوری سورت "تبت یدا" نازل ہوئی اور جو تا ابد جہنم میں رہے گا۔ اس کے بارے میں ہے کہ حضور کی ولادت پر اظہار مسرت کی برکت سے ہر سوموار کو اس کے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے تو تمہارا کیا خیال ہے اس بندے کے بارے میں جو زندگی بھر احمد مجتبیٰ کی ولادت باسعادت پر خوشی مناتا رہا اور کلمہ توحید پڑھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا۔"

اس لئے ہم بصد ادب اور از راہ جذبہ خیر اندیشی ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ اس تشدد کو ترک کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی ولادت باسعادت سب امتیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان احسان ہے۔ آیئے اس روز مل کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا کریں۔ سب مل کر اس کی تسبیح و تہلیل کے نغمے الاپا کریں اظہار مسرت کے ہر جائز طریقہ کو شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے بروئے کار لائیں۔ ایسی محفلوں کا انعقاد کریں جن میں امت مصطفویہ کے افراد جمع ہوں۔ اور ان کے علماء اور حکماء سیرت محمدیہ سے انہیں آگاہ کریں اس کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ جمال و کمال میں عقیدت و محبت سے صلوۃ و سلام کے رنگین پھول پیش کیا کریں اور یہ اہتمام بہر حال ملحوظ خاطر رہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جس میں کسی فرمان الٰہی کی نافرمانی ہو یا سنت نبویہ کی خلاف ورزی ہو۔

اس سلسلہ میں ہم سب متفق ہیں اور ہمارا غیر مشروط تعاون ان مصلحین امت کو میسر

رہے گا جو اس نیک مقصد کے لئے کوشاں ہیں۔

ولادت مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء ابدی مسرتوں اور سچی خوشیوں کی پیغامبر بن کر آئی تھی۔ جس سے کائنات کی ہر چیز شاداں و فرحاں تھی۔ فرشتے شکر ایزدی بجا رہے تھے عرش اور فرش میں بہار کا سماں تھا۔ لیکن ایک ذات تھی جو فریاد کناں تھی جو مصروف آہ و فغاں تھی جو چیخ چلا رہی تھی۔ اور اپنی بدبختی اور حرماں نصیبی پر اشک فشاں تھی اور وہ ملعون ابلیس کی ذات تھی۔

علامہ ابو القاسم سہیلی لکھتے ہیں:۔

اِنَّ اِبْلِیْسَ لَعَنَہُ اللّٰہُ رَنَّ اَرْبَعَ رَنَّاتٍ۔ رَنَّۃٌ حِیْنَ لُعِنَ۔ رَنَّۃٌ حِیْنَ اُھْبِطَ وَرَنَّۃٌ حِیْنَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَنَّۃٌ حِیْنَ اُنْزِلَتْ فَاتِحَۃُ الْکِتٰبِ قَالَ وَالرَّنِیْنُ وَالنُّخَارُ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ

"ابلیس ملعون زندگی میں چار مرتبہ چیخ مار کر رویا۔ پہلی مرتبہ جب اس کو ملعون قرار دیا گیا۔ دوسری مرتبہ جب اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیلا گیا تیسری مرتبہ جب سرکار دو عالم کی ولادت باسعادت ہوئی چوتھی مرتبہ جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔" (۱)

علامہ ابن کثیر نے بھی علامہ سہیلی کی اس عبارت کو السیرۃ النبویہ ص ۲۱۲ ج ۱ میں جوں کا توں نقل کیا ہے۔ اور ابن سید الناس نے "عیون الاثر" ص ۲۷ ج ۱ میں بھی اس روایت کو بعینہٖ درج کیا ہے۔

علامہ احمد بن زینی دحلان۔ السیرۃ النبویہ میں رقمطراز ہیں۔

وَعَنْ عِکْرَمَۃَ اَنَّ اِبْلِیْسَ لَمَّا وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَاٰی تَسَاقُطَ النُّجُوْمِ قَالَ لِجُنُوْدِہٖ قَدْ وُلِدَ اللَّیْلَۃَ وَلَدٌ یُفْسِدُ اَمْرَنَا۔ فَقَالَ لَہٗ جُنُوْدُہٗ لَوْ ذَھَبْتَ فَخَبَلْتَہٗ فَلَمَّا دَنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ اللّٰہُ جِبْرَئِیْلَ فَرَکَضَہٗ بِرِجْلِہٖ رَکْضَۃً وَقَعَ بِعَدَنَ۔

"عکرمہ سے مروی ہے کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

۱۔ روض الانف۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۸۱

ولادت ہوئی تو ابلیس نے دیکھا کہ آسمان سے تارے گر رہے ہیں۔ اس نے اپنے لشکریوں کو کہا رات وہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے نظام کو درہم برہم کردے گا۔ اس کے لشکریوں نے اسے کہا کہ تم اس کے نزدیک جاؤ اور اسے چھو کر جنون میں مبتلاء کر دو۔ جب وہ اس نیت سے حضور کے قریب جانے لگا تو حضرت جبریل نے اسے پاؤں سے ٹھوکر لگائی اور اسے دور عدن میں پھینک دیا۔" (۱)

۱۔ السیرۃ النبویہ، زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۴۷۔۴۸

حضورﷺ کا معصوم بچپن

حضور کا معصوم بچپن

اسم مبارک

ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے لیکن دوسری روایات میں یہ ہے کہ ساتویں روز حضرت عبدالمطلب نے تمام قریش کو مدعو کیا اسی روز حضور کا ختنہ کیا گیا اور جانور ذبح کر کے عقیقہ کیا گیا اور آپ نے اپنے قبیلے کی پر تکلف دعوت کا اہتمام فرمایا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو انہوں نے کہا۔ اے عبدالمطلب! جس بیٹے کے تولد کی خوشی میں آپ نے اس پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا ہے اور ہمیں عزت بخشی ہے یہ تو بتائیے کہ اس فرزند کا نام آپ نے کیا تجویز کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے اس کا نام "محمد" تجویز کیا ہے۔ از راہ حیرت وہ گویا ہوئے۔ آپ نے اپنے اہل بیت میں سے کسی کے نام پر اس کا نام نہیں رکھا۔ آپ نے جواب دیا اَرَدْتُ اَنْ یَّحْمِدَهُ اللهُ فِی السَّمَاءِ وَخَلْقُهٗ فِی الْاَرْضِ میں نے اس لئے اس کا یہ نام تجویز کیا ہے تاکہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اور زمین میں اس کی مخلوق اس مولود مسعود کی حمد و ثنا کرے۔"

کلمہ محمد کی تشریح

قَالَ اَھْلُ اللُّغَۃِ کل جَامِع بِصِفَاتِ الْخَیْرِ یُسَمّٰی مُحَمَّدًا

اہل لغت کہتے ہیں کہ جو ہستی تمام صفات خیر کی جامع ہو اسے محمد کہتے ہیں۔

امام محمد ابو زہرہ اسم محمد کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

اَنَّ صِیْغَۃَ اسْتَفْعِیْلِ تَدُلُّ عَلٰی تَجَدُّدِ الْفِعْلِ وَحُدُوْثِہٖ وَقْتًا بَعْدَ اٰخَرَ بِشَکْلٍ مُّسْتَمِرٍّ مُتَجَدِّدًا اٰنًا بَعْدَ اٰنٍ وَعَلٰی ذٰلِکَ یَکُوْنُ مُحَمَّدًا اَیْ یَتَجَدَّدُ حَمْدُهٗ اٰنًا بَعْدَ اٰنٍ بِشَکْلٍ مُّسْتَمِرٍّ حَتّٰی یَقْبِضَہُ اللہُ تَعَالٰی اِلَیْہِ۔

"تفعیل کا صیغہ، کسی فعل کے بار بار واقع ہونے اور لحہ بہ لحہ وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اس میں استمرار پایا جاتا ہے۔ یعنی ہر آن وہ نئی آن بان سے ظاہر ہوتا ہے اس تشریح کے مطابق محمد کا مفہوم یہ ہو گا کہ وہ ذات جس کی بصورت استمرار ہر لحہ ہر گھڑی نو بنو تعریف و ثنا کی جاتی ہو۔" (۱)

علامہ سُہیلی اس نام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فَالْمُحَمَّدُ فِي اللُّغَةِ هُوَالَّذِيْ يُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ وَلَا يَكُوْنُ مُفَعَّلُ مِثْلَ مُضَرَّبٍ وَمُمَدَّحٍ إِلَّا لِمَنْ تَكَرَّرَ فِيْهِ الْفِعْلُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ

"یعنی لغت میں محمد اس کو کہتے ہیں جس کی بار بار تعریف کی جائے کیونکہ مفعل کے وزن میں اس فعل کا تکرار مقصود ہوتا ہے۔ مضرّب اور ممدّح ان کا وزن بھی مفعل ہے اور ان کے معنی میں بھی تکرار ہے۔" (۲)

دوسرا مشہور و معروف نام نامی احمد ہے۔ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علے نبینا و علیہما السلام نے حضور کو اس نام سے یاد کیا۔

احمد، اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے احمد الحامدین. یعنی ہر حمد کرنے والے سے زیادہ اپنے رب کی حمد کرنے والا۔

ویسے تو حضور کا لحہ لحہ اپنے رب کریم کی حمد و ثنا سے آباد ہے۔ حضور کی تحمید و تمجید کی ہر ادا سب سے نرالی اور سب سے ارفع و اعلیٰ ہے لیکن حضور کی یہ شان احمدیت پوری آب و تاب سے روز محشر آشکارا ہو گی جب حضور رب ذوالجلال کے عرش کے سامنے حاضر ہو کر سربسجود ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی حمد کے لئے اپنے حبیب کا سینہ منشرح فرمائے گا۔ حمد کے سرمدی خزانوں کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ صدر انور میں معرفت الٰہی کا بحر بیکراں ٹھاٹھیں مارنے لگے گا۔ حضور کی زبان فیض ترجمان اس کی تہ سے حمد کے موتی چن چن کر بکھیر رہی ہو گی جملہ اہل محشر پر کیف و سرور کی مستی چھا جائے گی اس بے مثل اور بے نظیر تحمید و تمجید کے صلہ

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۱۱۵

۲۔ الروض الانف، جلد اول، صفحہ ۱۸۲

میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا دستِ مبارک میں لواء حمد تھمائے گا اس وقت انوار الٰہی کی ضو فشانیوں اور شان احمدی کی ضیاء پاشیوں کا کیا عالم ہو گا۔ ہر چیز وجد کناں سبحان اللہ۔ سبحان اللہ الحمد للہ، اللہ اکبر کے ترانے الاپ رہی ہو گی۔ ہم گنہ گاروں اور عصیاں شعاروں کی بھی بن آئے گی۔ حضور پہلے احمد تھے سب سے زیادہ اپنے رب کی تعریف وثنا کرنے والے، اس کی برکت سے محمد ہوئے تا ابد بار بار ان کی تعریف وثنا کے زمزمے بلند ہوتے رہیں گے۔ نہ زبانیں خاموش ہوں گی اور نہ قلم کو یارائے صبر ہو گا نہ معانی و معارف کے موتی ختم ہوں گے۔ نہ ان موتیوں کے ہار پرونے والے بس کریں گے۔ جمال مصطفوی کے گلشن میں نت نئے پھول کھلتے رہیں گے۔ سلیقہ شعار گل چین انہیں چنتے رہیں گے جھولیاں بھرتے رہیں گے۔ اور مشک بار گلدستے تیار کر کے بزم کونین کو سجاتے رہیں گے اور فضائے عالم کو عنبرین بناتے رہیں گے۔

رحمت عالم و عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بزم رنگ و بو میں رونق افروز ہونے سے پہلے یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ نبی آخر الزمان کی ولادت کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور ان کا اسم گرامی محمد ہو گا کئی لوگوں نے اس آرزو میں اپنے بچوں کو اس نام سے موسوم کیا کہ شائد یہ سعادت انہیں ارزانی ہو۔ ابن فورک نے کتاب الفصول میں تین ایسے بچوں کا ذکر کیا ہے جو اس نام سے موسوم ہوئے۔ ساتھ ہی لکھا ہے کہ ایک چوتھا بچہ بھی تھا لیکن مجھے وہ یاد نہیں رہا۔

ابن فورک کا یہ قول نقل کرنے کے بعد علامہ ابن سید الناس نے چھ ایسے بچوں کے نام گنوائے ہیں جو اس نام سے موسوم ہوئے اور وہ یہ ہیں:۔

۱۔ محمد بن اوحیحہ بن الجلاح الاوسی
۲۔ محمد بن مسلمہ انصاری
۳۔ محمد بن براء البکری
۴۔ محمد بن سفیان بن مجاشع
۵۔ محمد بن حمران الجعفی
۶۔ محمد بن خزاعی السلمی (۱)

لیکن ان میں سے کسی نے اپنے لئے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کسی اور شخص نے

۱۔ عیون الاثر، جلد اول، صفحہ ۳۱

ان میں سے کسی شخص کو نبی مانتا اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعوی نبوت کو ہر قسم کے التباس سے محفوظ رکھا تاکہ کوئی شخص اپنی سادہ لوحی سے کسی غیر نبی کو نبی سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر راہ حق سے بھٹک نہ جائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ویسے تو بے شمار اسماء گرامی ہیں، جو حضور کی مختلف شانوں اور صفات کی ترجمانی کرتے ہیں لیکن پانچ نام ایسے ہیں جن کو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے جبیر بن مطعم کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِیْ الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰهُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے کئی نام ہیں میں محمد ہوں، میں احمد ہوں میں الماحی ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹادے گا میں الحاشر ہوں لوگ حشر کے دن میرے قدموں پر جمع ہوں گے میں العاقب ہوں۔ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔" (۱)

امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ امام بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت جبیر کی حدیث کو روایت کیا ہے۔

رضاعت

سب سے پہلے سیدہ آمنہ نے اپنے نور نظر اور لخت جگر کو دودھ پلایا پھر یہ شرف ثویبہ کو نصیب ہوا۔ ثویبہ ابولہب کی کنیز تھی اس نے ہی سب سے پہلے ابولہب کو حضور کی ولادت کا مژدہ سنایا اور اس نے اپنے متوفی بھائی حضرت عبداللہ کے ہاں بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں اسے آزاد کر دیا اپنے بھتیجے کی پیدائش پر اس نے جو اظہار مسرت کیا اس کا صلہ چودہ صدیوں سے اسے مل رہا ہے ہر سوموار کو اس ابدی جہنمی کو ٹھنڈا پانی بھی پینے کو مل جاتا ہے اور اس کے عذاب میں بھی اس روز کچھ تخفیف کر دی جاتی ہے اور تا روز حشر ایسا ہوتا رہے گا۔ ثویبہ کے علاوہ اور متعدد

۱۔ عیون الاثر، لابن سید الناس، جلد اول، صفحہ ۳۱

خواتین نے بھی حضور کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی خولہ بنت منذر ام ایمن، حلیمہ سعدیہ، اور بنی سعد کی ایک اور خاتون ان کے علاوہ ہیں لیکن سب سے زیادہ یہ شرف حضرت حلیمہ کے حصہ میں آیا انہوں نے لگاتار دو سال تک یہ خدمت انجام دی اس کی تفصیل جس پر جملہ سیرت نگار اور مؤرخین متفق ہیں ہدیہ قارئین ہے۔

قریش اور دیگر روٴساعرب کے ہاں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے والیوں کے حوالے کرتے تھے اس کی متعدد وجوہ تھیں۔

(۱) تاکہ ان کی بیویاں ان کی خدمت کے لئے فراغت پا سکیں۔

(۲) تاکہ ان کی اولاد صحرائی ماحول میں نشوونما پائے اور انہیں فصیح عربی زبان میں مہارت حاصل ہو جائے۔

(۳) تاکہ صحرا کا پاک صاف ماحول میسر آئے اور وہ تندرست اور توانا ہوں۔ صحرائی زندگی کی جفاکشیوں اور مشقتوں کے وہ بچپن سے خوگر ہوں۔

(۴) تاکہ ان کے جد امجد حضرت معد کی جسمانی قوت اور ہڈیوں کی مضبوطی اور اعصاب کی پختگی کے اوصاف ان کو ورثہ میں ملیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو یہ نصیحت کیا کرتے تھے تَمَعْدَدُوْا وَتَمَعْزَزُوْا وَاخْشَوْشَنُوْا ۔اے مسلمانوں معد کا تن وتوش پیدا کرو، مشقت طلبی کو اپنا شعار بناؤ اور اپنے جسم اور اعصاب کو سخت بناؤ۔

حضرت اقبال نے شائد اس ارشاد فاروقی سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی قوم کے نوجوانوں کو یہ نصیحت کی۔

ے رگ سخت چو شاخ آھو بیار   تن نرم و نازک بتیہو گزار

"اپنے اعصاب کو ہرن کے سینگوں کی طرح مضبوط بناؤ نازک اور نرم جسم تمہیں زیب نہیں دیتا یہ چیزیں کبک کو زیب دیتی ہیں مومن کے شایانِ شان نہیں۔"

گویا اس وقت کے روٴساء قریش اور امراء عرب اپنے بچوں کو اپنی ماں کی نرم و گداز آغوش میں پلتے ہوئے دیکھنے کے بجائے اس کو پسند کرتے تھے کہ وہ صحرانشین قبیلوں کے پاس اپنے بچپن کو گزاریں تاکہ اس کی ریت اور اس کی کھردری پتھریلی زمین کی رگڑوں سے ان کے جسم میں مضبوطی پیدا ہو۔ اور ان کی فصیح و بلیغ زبان سیکھ کر وہ بہترین خطیب اور قائد بن

سکیں۔

ایک دن حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے آپ سے زیادہ کوئی فصیح نہیں دیکھا حضور نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا یَمْنَعُنِیْ وَاَنَا مِنْ قُرَیْشٍ وَاُرْضِعْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ

ایسا کیوں نہ ہو کہ میں قبیلہ قریش کا فرزند ہوں اور میں نے اپنی رضاعت کا زمانہ بنی سعد قبیلہ میں گزارا ہے۔

مختلف قبائل کی خواتین خاص خاص موسموں میں مکہ آیا کرتیں تاکہ متمول لوگوں کے بچوں کو لے جائیں ان کو دودھ پلائیں ان کی پرورش کریں اور جب مدتِ رضاعت ختم ہو تو ان کے والدین انہیں گراں قدر عطیات اور انعامات دے کر شاد کام کریں وہ اس وقت بھی مقررہ اجرت پر دودھ پلانا باعث عار سمجھتی تھیں ان کے ہاں یہ مقولہ تھا۔

اَلْحُرَّۃُ لَا تَاْکُلُ مِنْ ثَدْیِھَا۔ آزاد عورت اپنے پستانوں کے ذریعہ رزق نہیں کماتی لیکن بطور انعام اور عطیہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کی دودھ پلانے والی کو کچھ دیتا تو اسے وہ بخوشی قبول کر لیتیں۔

حضرت عبدالمطلب بھی ایسی مُرضعہ کی تلاش میں تھے تاکہ وہ اپنے جلیل القدر پوتے کو اس کے حوالے کر سکیں۔ صحرا کی کھلی فضا اور پاکیزہ ہوا میں وہ اس کی پرورش بھی کرے اور جوہر فصاحت کو بھی آب و تاب بخشے اسی اثناء میں بنی سعد کی چند خواتین بچے لینے کی غرض سے مکہ آئیں بنی سعد کا قبیلہ بنی ہوازن کی ایک شاخ تھا جو اپنی عربیت اور فصاحت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا ان خواتین میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں جو اپنے خاوند حارث بن عبدالعزیٰ کے ساتھ اس مقصد کے لئے مکہ آئی تھیں۔ حضرت سعدیہ خود سارا حال بیان کرتی ہیں آپ ان کی زبان سے سنئے فرماتی ہیں۔

یہ سال قحط اور خشک سالی کا سال تھا ہمارے پاس کچھ باقی نہ رہا تھا جس پر گزر اوقات کر سکیں میں ایک سبزی مائل رنگ والی گدھی پر سوار ہو کر اپنے قافلہ کے ساتھ نکلی ہمارے ساتھ ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی جس کی کھیری میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ میرا بچہ بھوک کی وجہ سے ساری ساری رات روتا رہتا اور ہمیں ایک پل کے لئے بھی سونا نصیب نہ ہوتا نہ میری چھاتیوں میں اتنا دودھ تھا جس سے وہ سیر ہو سکے اور نہ ہماری اونٹنی کی کھیری میں دودھ تھا جو ہم اس کو پلا سکتے۔ ہم اس امید پر جی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ احسان فرمائے گا بارش برسے گی اور

خوشحالی کا زمانہ پھر لوٹ آئے گا میں اس گدھی پر سوار ہو کر اس قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئی مارے بھوک کے وہ قدم بھی نہیں اٹھا سکتی تھی اس کی وجہ سے سارا قافلہ مصیبت میں تھا۔ نہ ہمیں چھوڑ کر وہ آگے جا سکتے تھے اور نہ یہ لاغر گدھی چلنے کا نام لیتی تھی بڑی مشکل سے ہم مکہ پہنچے۔ اور سب نے بچے تلاش کرنے کے لئے گھر گھر چکر لگانے شروع کئے۔ بنی سعد کی عورتیں سیدہ آمنہ کے نونہال کے پاس بھی گئیں لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ یہ یتیم ہے تو وہ واپس لوٹ آتیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کا باپ تو ہے نہیں جو ہماری خدمات پر ہمیں انعام واکرام سے مالا مال کر دے بیوہ ماں اور بوڑھا دادا ہماری کیا خدمت کرے گا چند دنوں میں ہر عورت کو بچہ مل گیا ایک میں تھی جس کی گود خالی تھی میری غربت، تنگ دستی اور خستہ حالی کو دیکھ کر کوئی خاندان مجھے اپنا بچہ دینے کے لئے آمادہ نہ ہوا آخر میں نے اپنے خاوند کو کہا کہ بخدا میں خالی واپس گھر نہیں جاؤں گی میں اس یتیم بچے کو ہی لے آتی ہوں کم از کم خالی گود تو واپس نہیں جاؤں گی میرے شوہر نے کہا ٹھیک ہے جاؤ اور اس یتیم بچہ کو لے آؤ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں گئی اور وہ بچہ لے آئی اور مجھے بھی کوئی اور بچہ مل جاتا تو شائد میں بھی ایک یتیم بچہ کو نہ اٹھلاتی میرے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا سعی بلیغ کے باوجود مجھے کسی دوسری عورت نے اپنا بچہ دیا ہی نہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ جب میں مکہ پہنچی تو مجھے حضرت عبدالمطلب ملے انہوں نے پوچھا تم کون ہو۔ میں نے کہا میں بنی سعد کی ایک خاتون ہوں انہوں نے نام پوچھا تو میں نے بتایا حلیمہ یہ سن کر حضرت عبدالمطلب فرط مسرت سے مسکرانے لگے اور فرمایا۔

بَخٍ بَخٍ سَعْدٌ وَحِلْمٌ خَصْلَتَانِ فِيهِمَا خَيْرُ الدَّهْرِ وَعِزُّ الْأَبَدِ

واہ وا ۔ سعد اور حلم۔ کیا کہنا یہ وہ دو خوبیاں ہیں جن میں زمانہ بھر کی بھلائی اور ابدی عزت ہے۔

پھر فرمایا میرے ہاں ایک یتیم بچہ ہے کسی نے اس کے یتیم ہونے کی وجہ سے اسے قبول نہیں کیا تو اس یتیم بچہ کو گود میں لینے کے لئے تیار ہے۔

هَلْ لَكِ أَنْ تُرْضِعِيهِ عَسَى أَنْ تَسْعَدِيْ بِهٖ"

کیا تو اس کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہے ہو سکتا ہے کہ اس کی برکت سے تیرا دامن یمن و سعادت سے لبریز ہو جائے میں نے اپنے خاوند سے مشورہ کرنے کے لئے اجازت طلب کی۔

اللہ تعالیٰ نے میرے خاوند کے دل کو اس گنج گراں مایہ کے ملنے پر فرحت و سرور سے بھر دیا اس نے کہا حلیمہ! دیر نہ کرو فوراً جاؤ اور اس بچے کو لے آؤ، میں واپس آئی تو حضرت عبدالمطلب کو اپنا منتظر پایا میں نے کہا وہ بچہ مجھے دیجئے۔ میں اس کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہوں وہ مجھے حضرت آمنہ کے گھر لے گئے سیدہ نے مجھے خوش آمدید کہا اور مجھے اس کمرہ میں لے گئی جہاں یہ نور نظر لیٹا ہوا تھا آپ دودھ کی طرح سفید صوف کے کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے نیچے سبز رنگ کی ریشمی چادر بچھی تھی آپ اس پر آرام کر رہے تھے کستوری کی مہک اٹھ رہی تھی آپ کے معصوم حسن و جمال کو دیکھ کر میں تو فریفتہ ہو گئی مجھ میں یہ جرأت نہ تھی کہ آپ کو جگاؤں میں نے اپنا ہاتھ سینہ مبارک پر رکھا تو وہ جان جاں مسکرانے لگے اور اپنی سرگیں آنکھیں کھولیں میں نے محسوس کیا کہ ان آنکھوں سے انوار نکل رہے ہیں اور آسمان کو چھو رہے ہیں۔ میں نے بے اختیار دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور آپ کو اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور اپنے خاوند کے پاس لے آئی۔ (۱)

حلیمہ بیان کرتی ہیں جب میں اس دولت سرمدی کو اٹھائے ہوئے واپس اپنے خیمہ میں پہنچی تو میں نے دودھ پلانے کے لئے اپنی دائیں چھاتی پیش کی حضور نے اس سے پیا۔ جتنا چاہا۔ پھر میں نے بائیں چھاتی پیش کی۔ آپ نے پینے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو الہام کیا کہ تیرا ایک اور بھائی بھی ہے اسلئے آپ عدل کریں اور دوسری طرف سے دودھ نہ پئیں۔ جس ہستی نے آگے چل کر سارے جہاں کو عدل و انصاف کا درس دینا تھا اس کا پروردگار یہ کیسے برداشت کر سکتا کہ اس کا اپنا دامن کسی بے انصافی سے ملوث ہو۔ حضور کے دودھ پینے سے پہلے حلیمہ کی چھاتیوں میں برائے نام دودھ تھا لیکن حضور کے دودھ پینے کی برکت سے دو چھاتیاں دودھ سے لبالب بھر گئیں آپ کے رضاعی بھائی نے بھی خوب سیر ہو کر دودھ پیا رات کو وہ بھی خوب جی بھر کر سویا اس کو سلانے کے بعد میرا خاوند اس بوڑھی اور لاغر اونٹنی کی طرف گیا یہ دیکھ کر اس کی حیرت و خوشی کی حد نہ رہی کہ اس کی اونٹنی کی کھیری دودھ سے بھری ہوئی ہے اس نے اسے دوہا خود بھی جی بھر کر پیا اور میں نے بھی سیر ہو کر دودھ نوش جان کیا ہم سب رات کو خوب سوئے وہ رات ہم نے بڑے آرام و راحت کے ساتھ بسر کی رات بھر میٹھی نیند کے مزے لوٹنے کے بعد جب ہم بیدار ہوئے تو میرے خاوند نے کہا۔

وَاللّٰهِ يَا حَلِيْمَةُ لَقَدْ اَخَذْنَا نَسَمَةً مُّبَارَكَةً

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول۔ صفحہ ۵۶۔ ۵۵

بخدا! اے حلیمہ ہمیں سراپا یمن و برکت وجود نصیب ہوا۔ میں نے کہا میں بھی یہی امید رکھتی ہوں۔

جب سب عورتوں کو رضاعت کے لئے بچے مل گئے تو ہمارا کارواں اپنے مسکن کی طرف روانہ ہوا ساری خواتین اپنے نئے بچوں کے ساتھ اپنی اپنی اونٹنیوں پر سوار ہوئیں۔ میرے پاس وہی گدھی تھی جو کمزوری کے باعث چل نہیں سکتی تھی جس نے سارے قافلہ کو آتے ہوئے پریشان کر دیا تھا میں اپنے فرزند دل بند کے ساتھ اس پر سوار ہوئی اب تو اس کی حالت ہی بدل گئی تھی یوں تیزی سے قدم اٹھاتی تھی کہ قافلہ کی ساری سواریاں پیچھے رہ گئیں وہ گویا چل نہیں رہی تھی بلکہ اڑ رہی تھی۔ قافلہ والیاں چیخ اٹھیں۔ کہنے لگیں اے ابی ذؤیب کی بیٹی! خدا تیرا بھلا کرے ہم پر رحم کر اور اپنی گدھی کو آہستہ آہستہ چلا۔ بھلا یہ تو بتا یہ وہی پہلے والی گدھی ہے۔ جو قدم اٹھانے سے معذور تھی اب اسے کہاں سے پر لگ گئے کہ اڑتی چلی جا رہی ہے میں انہیں کہتی بخدا یہ وہی گدھی ہے۔ خدا تمہارا بھلا کرے تم دیکھتی نہیں اس پر کون سوار ہے۔

آخر ہم اپنی قیامگاہوں پر پہنچ گئے اللہ کی ساری زمین میں یہ علاقہ سب سے زیادہ قحط زدہ تھا گھاس کا ایک تنکا بھی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن میری بکریاں شام کو جب واپس آتیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوئے اور ان کی کھیریاں دودھ سے لبریز ہوتیں۔ ہم دودھ دوہتے اور خوب سیر ہو کر پیتے دوسرے لوگوں کے ریوڑ بھوکے واپس آتے ان کی کھیریوں میں سے دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکتا وہ لوگ اپنے چرواہوں کو ڈانٹتے اور کہتے تم ہماری بھیڑ بکریاں وہاں کیوں نہیں چراتے جہاں ابو ذؤیب کی بیٹی کی بکریاں چرتی ہیں۔ دن بدن ان انعامات اور برکات میں اضافہ ہوتا جاتا اور ہم خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے یہاں تک کہ دو سال کا عرصہ ختم ہو گیا میں نے حضور کا دودھ چھڑا دیا۔ اس عرصہ میں آپ کی نشوونما کی کیفیت نرالی تھی دو سال میں آپ قوی اور توانا بچوں کی طرح ہو گئے۔

حلیمہ فرماتی ہیں کہ ایک روز میں حضور کو گود میں لئے بیٹھی تھی بکریوں کا ایک ریوڑ میرے قریب سے گزرا ان میں سے ایک بکری آگے آئی اور حضور کو سجدہ کیا۔ اور سر مبارک کو بوسہ دیا پھر بھاگ کر دوسری بکریوں میں مل گئی۔ (۱)

حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب ہم مکہ کے سفر سے واپس پہنچے تو ہر گھر سے کستوری کی مہک آنے لگی

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول صفحہ ۵۷

وہاں کے سب لوگ حضور کی محبت میں دیوانے ہو گئے جب حضور کی برکتوں کا مشاہدہ کرتے تو سو جان سے فدا ہونے لگتے جب کسی کو کوئی بدنی تکلیف ہوتی وہ آتا حضور کی بابرکت ہتھیلی کو پکڑ کر تکلیف والی جگہ پر رکھتا باذن اللہ تعالیٰ فوراً شفایاب ہو جاتا اگر ان کا کوئی اونٹ یا بکری بیمار ہو جاتی تو اس پر حضور کا دست مبارک پھیرتے وہ تندرست ہو جاتی آپ کہتی ہیں کہ راحت و خوشحالی کے یہ دو سال گویا پل بھر میں بیت گئے حضور کی روز افزوں برکات کے سائے میں جو مزے ہم لوٹ رہے تھے اس کے باعث ہماری یہ خواہش تھی کہ حضور کچھ عرصہ اور ہمارے ہاں اقامت گزیں رہیں۔ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد ہم حضور کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے آئے۔ لیکن ہمارا دل جدائی برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھا میں نے سیدہ آمنہ سے گزارش کی۔ بہتر ہے کہ آپ اپنے فرزند گرامی کو مزید کچھ عرصہ کے لئے ہمارے پاس رہنے دیں وہاں کی آب و ہوا کا ان کی صحت پر خوشگوار اثر ہو گا۔ مکہ کی وبازدہ فضا اور آلودہ ماحول سے ان کا دور رہنا ہی بہتر ہے حضرت حلیمہ نے اس بات پر اتنا اصرار کیا کہ سیدہ آمنہ کو ہاں کرنا پڑی۔ چنانچہ آپ پھر اس بخت بیدار کو اپنے آغوش میں لئے شاداں و فرحاں اپنے قبیلہ میں واپس آ گئیں۔ حضور کی واپسی سے گھر گھر خوشی کے چراغ روشن ہو گئے آپ کی رضاعی بہن شیما کی مسرت کی تو کوئی حد نہ تھی کبھی کھلاتی، کبھی پلاتی کبھی گیت گا گا کر دل بہلاتی کبھی محبت بھری لوریاں دیتی وہ معصوم بچی جن پاکیزہ کلمات سے حضور کو لوریاں دیتی مورخین نے اپنی کتب میں انہیں ثبت کر دیا ہے۔ تاکہ آنے والی نسلیں بھی پیار و الفت کے لطیف جذبات سے لطف اندوز ہو سکیں وہ کہتیں۔

یَا رَبَّنَا اَبْقِ لَنَا مُحَمَّدًا حَتّٰی اَرَاہُ یَافِعًا وَاَمْرَدًا

"اے میرے رب! میرے بھائی محمد کو ہمارے لئے سلامت رکھ یہاں تک کہ میں آپ کو جواں گھبرو دیکھوں۔"

ثُمَّ اَرَاہُ سَیِّدًا مُسَوَّدًا وَاَکْبِتْ اَعَادِیَہٖ مَعًا وَالْحُسَّدَا

"یہاں تک کہ میں آپ کو اپنی قوم کا سردار دیکھوں جس کی سب اطاعت کر رہے ہوں اے میرے رب! اسکے دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل و رسوا کر۔"

وَاَعْطِہٖ عِزًّا یَدُوْمُ اَبَدًا

اور انہیں وہ عزت عطا فرما جو تا ابد باقی رہے (۱)

حضرت حلیمہ بتاتی ہیں کہ حضور کی واپسی کے دو تین ماہ بعد ایک روز حضور ہمارے مکانوں کے عقب میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے کہ دوپہر کے وقت اچانک آپ کا بھائی دوڑتا ہوا آیا وہ بہت گھبرایا ہوا تھا اس نے بتایا دو مرد جنہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا میرے قرشی بھائی کے پاس آئے پکڑ کر اسے زمین پر لٹا دیا اس کے شکم کو چاک کر دیا میں اور آپ کا باپ دوڑتے ہوئے آپ کی طرف لپکے ہم نے دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور چہرہ مبارک کی رنگت زردی مائل ہے آپ کے باپ نے آپ کو گلے لگایا اور پوچھا میرے بیٹے کیا ہوا آپ نے بتایا میرے قریب دو آدمی آئے جنہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور مجھے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا۔ پھر میرے شکم کو چیر دیا اس میں سے کوئی چیز نکالی اور اسے باہر پھینک دیا پھر میرے پیٹ کو سی کر پہلے کی طرح کر دیا ہم دونوں آپ کو اپنے ہمراہ لے کر واپس گھر آئے آپ کے باپ نے مجھے کہا اے حلیمہ! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو آسیب کا اثر ہو گیا ہے ہمیں چاہئے کہ بچے کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیں اس سے پہلے کہ آسیب کے اثرات ظاہر ہوں چنانچہ ہم آپ کو لے کر سیدہ آمنہ کے پاس پہنچ گئے ہمیں دیکھ کر سیدہ آمنہ گھبرا گئیں پوچھا خیر تو ہے۔ کل بڑے چاؤ سے لے گئی تھیں اور آج واپس بھی لے کر آ گئی ہو۔ ہم نے کہا بخدا کچھ بھی نہیں ہوا ہم نے سوچا کہ جو ہمارا فرض تھا وہ ہم نے بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر دیا اب بہتر ہے کہ ہم اس نونہال کو اس کے اہل خانہ کے حوالہ کر دیں اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں سیدہ آمنہ نے فرمایا مجھے سچ سچ بتاؤ کیا حادثہ رونما ہوا کہ تم نے اپنا ارادہ بدل لیا۔ آپ نے اصرار کیا تو حلیمہ بتانے پر مجبور ہو گئیں اور شق صدر کا واقعہ سنایا آپ نے فرمایا اے حلیمہ! کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ میرے نور نظر کو شیطان کوئی اذیت پہنچائے گا۔ بخدا ہرگز نہیں۔ شیطان اس کے قریب بھی بھٹک نہیں سکتا تم دیکھو گی کہ میرے اس بچے کی نرالی شان ہو گی اور میرا یہ بچہ آفتاب بن کر چمکے گا۔ حلیمہ! کیا میں اپنے بیٹے کے بارے میں تمہیں کچھ بتاؤں۔ حلیمہ نے عرض کیا ضرور بتایئے فرمانے لگیں۔

جب مجھے حمل قرار پایا تو عام عورتوں کی طرح نہ مجھے اس کا کوئی بوجھ محسوس ہوا نہ کوئی اور تکلیف محسوس ہوئی۔ حمل کے دنوں میں میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے اندر سے نور خارج ہوا جس کی روشنی میں مجھے شام کے محلات نظر آئے ولادت کے وقت انہوں نے اپنے

۱۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۶۳

دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے ہوئے تھے۔ اور سر آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔ اب اسے میرے پاس ہی رہنے دو میں خود اس کی خبر گیری کروں گی۔

رضاعت کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

وَهٰذَا الْحَدِيْثُ قَدْ رُوِيَ مِنْ طُرُقٍ أُخَرَ۔ وَهُوَ مِنَ الْاَحَادِيْثِ الْمَشْهُوْرَةِ الْمُتَدَاوِلَةِ بَيْنَ اَهْلِ السِّيَرِ وَالْمَغَازِيْ

"یہ حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہے اور یہ ان احادیث میں سے ہے جو سیرت نگاروں اور مغازی کے مصنفین کے نزدیک مشہور اور معروف ہیں۔" (۱)

واقعہ شق صدر
اس کے بارے میں شکوک اور ان کا ازالہ

شق صدر کے بارے میں جو روایات کتب حدیث میں موجود ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ خواب کا واقعہ نہیں ہے بلکہ عالم بیداری میں حسی طور پر سینہ مبارک شق کیا گیا قلب انور باہر نکالا گیا اسے چیرا گیا۔ اس میں سے خون کا لوتھڑا کاٹ کر الگ کیا گیا۔ پھر اسے دھویا گیا پھر اسے اپنے مقام پر رکھ کر سینہ مبارک کو سی دیا گیا عرصہ دراز تک اس واقعہ پر یہ اعتراض کیا جاتا رہا کہ ایسا ممکن نہیں اگر دل کو باہر نکالا جائے اس کو چیر کر اس میں سے کوئی ٹکڑا کاٹ لیا جائے تو زندگی کے چراغ کا گل ہو جانا ایک یقینی امر ہے عقل خود بین کے پرستاروں نے اس بات پر بڑا شور و غل مچایا لیکن انہوں نے اس بات پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ عقل انسانی نے طویل فکر و تدبر اور مسلسل استقرا کی ریاضت سے جو قواعد و ضوابط مرتب کئے ہیں وہ آخری اور قطعی نہیں انسانی خرد کا طائر سبک سیر ابھی مصروفِ پرواز ہے علم و حکمت کی نئی اقالیم فتح کی جا رہی ہیں پنہاں اسرار کو بے نقاب کیا جا رہا ہے۔ کئی امور جو کبھی ناممکن اور محال خیال کئے جاتے تھے وہ اب ممکن ہی نہیں بلکہ بالفعل وقوع پذیر ہو رہے ہیں اور ہر کہ ومہ ان کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے۔ وہ علماء جنہیں عقل کی جولانیوں کا صحیح اندازہ ہے انہوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جن مخفی اسرار کو انہوں نے بے نقاب کیا ہے یہ عقل کی آخری حد ہے عقل اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتی دور حاضر کا ایک بہت بڑا سائنس دان نیوٹن۔ جس کی ایجادات اور انکشافات نے نوع انسانی کی مادی زندگی کو خوشگوار بنانے میں بڑے کارنامے انجام

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۲۸

دیئے ہیں اس نے بڑی وضاحت سے عقل کی نارسائی کا اعتراف کیا ہے وہ کہتا ہے۔

"میری مثال اس بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے کھیل رہا ہو۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی نسبت کوئی زیادہ خوبصورت سنگریزہ یا گھونگھا مل جاتا ہے لیکن ابھی حقیقت بحرِ زخار کی طرح میرے سامنے ہے جس کا ہمیں کوئی علم نہیں۔

(Heroes of Civilization)

عقل انسانی کو قدرت کی فیاضیوں نے تسخیر کائنات کی جو بے پناہ قوت اور استعداد ارزانی فرمائی ہے اس کا مشاہدہ ہم صبح و شام کرتے رہتے ہیں اس لئے عقل کی موجودہ فتوحات کو اس کی قوت تسخیر کی آخری سرحد خیال کر لینا نہ قرین انصاف ہے اور نہ معقول۔

واقعہ شق صدر پر آج سے چند سال قبل جو اعتراضات کئے جاتے تھے انسانی علم کی پیش قدمی نے اب ان بنیادوں کو بھی مسمار کر دیا ہے۔ آج بہت سے ترقی یافتہ ممالک کے سرجن دل کا آپریشن کر رہے ہیں وہ دل کو اپنی جگہ سے نکال کر باہر میز پر رکھ دیتے ہیں اس کا آپریشن کیا جاتا ہے دل کی ضروری چیر پھاڑ کے بعد پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیتے ہیں انسان اس سارے عرصہ میں زندہ رہتا ہے اور صحت یاب ہو کر پہلے سے بہتر زندگی گزارنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

جو لوگ ایک قادر و قیوم ذات پر یقین محکم رکھتے ہیں ان کے لئے تحقیق طلب امر یہ ہے کہ شق صدر کا واقعہ قابل اعتماد ذرائع سے پایہ ثبوت کو پہنچا ہے یا نہیں اگر ایسی مصدقہ روایت موجود ہے تو انہیں اس سلسلہ میں مزید پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وقوع پذیر ہوا جس میں اس کی قدرت اور حکمت کے ان گنت جلوے دیدہ بینا کو نظر آتے ہیں۔

یہ واقعہ جملہ کتب احادیث میں مذکور ہے حتیٰ کہ امام بخاری و امام مسلم نے اپنی صحیحین میں اس کو روایت کیا ہے تو ان محدثین کی روایت پر ہم بڑے وثوق سے اعتماد کر سکتے ہیں اور اس کی صداقت پر یقین رکھ سکتے ہیں بعض روایات میں تفصیل ہے اور بعض میں اجمال۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے ہم اس واقعہ کی صحت پر شک کرنے لگیں اور مستشرقین اور عقل ناتمام کے پرستاروں کی پیروی کرنے لگیں۔ اب میں اس واقعہ کے بارے میں وہ روایت پیش کرتا ہوں جو عقل و نقل دونوں معیاروں پر پوری اترتی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور جسے علماء حدیث نے اصح الروایات فی القصہ قرار دیا ہے۔

ثَبَتَ فِي صَحِيْحِ مُسْلِمٍ مِنْ طَرِيْقِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَهُ فَصَرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهٖ فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ وَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً سَوْدَاءَ وَقَالَ هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ. ثُمَّ غَسَلَهُ فِيْ طَشْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لَأَمَهُ ثُمَّ اَعَادَهُ فِيْ مَكَانِهٖ وَجَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ اِلٰى اُمِّهٖ يَعْنِيْ ظِئْرَهُ وَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ

"صحیح مسلم میں ہے کہ ثابت نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے آپ کو پکڑ لیا زمین پر لٹا دیا پھر سینہ چاک کیا اور دل کو باہر نکالا۔ اور دل میں ایک سیاہ لوتھڑا تھا اس کو باہر نکالا اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر دل مبارک کو ایک سونے کے طشت میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا پھر اسے سی دیا۔ اور اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ وہ لڑکے جو حضور کے ساتھ کھیل رہے تھے وہ دوڑتے ہوئے حضرت حلیمہ کے پاس آئے اور آکر بتایا کہ محمد کو قتل کر دیا گیا۔ وہ سارے بھاگتے ہوئے پہنچے دیکھا کہ حضور کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ زردی مائل ہے۔" (۱)

یورپ کے بعض مورخین جہاں بھی انہیں موقع ملتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے داغ سیرت پر اعتراض کرنے سے باز نہیں آتے۔ اور جب وہ اعتراض کرتے ہیں تو اس وقت انہیں یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ علم و تحقیق کے اس بلند مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود وہ کیسی بچگانہ اور مضحکہ خیزبات کر رہے ہیں۔

شق صدر کے واقعہ پر بھی وہ گل فشانی سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ پروفیسر نکلسن اپنی کتاب "تاریخ ادب عرب" اور سر ولیم میور اپنی کتاب "دی لائف آف محمد" میں لکھتے ہیں کہ شق صدر کا واقعہ مرگی کے ایک دورہ کی کیفیت تھی۔ لکھنے کو تو انہوں نے لکھ دیا لیکن انہوں نے یہ نہ

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۳۱

سوچا کہ اس جھوٹے الزام کو کون تسلیم کرے گا۔ مرگی کے مریضوں کی جو ذہنی کیفیت ہوتی ہے اور جو بے سروپا ہزیان سرائی وہ کرتے ہیں کیا اس کا دور کا بھی تعلق اس مقدس زندگی سے ہو سکتا ہے جس کا ہر فعل، جس کا ہر قول، جس کی ہر حرکت اپنے اعتدال، اپنی حکمت اور اپنی ہدایت بخشی میں بے نظیر و بے مثیل ہے۔

سیدہ آمنہ کا سفر یثرب

حضرت عبدالمطلب کے حالات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ آپ کے والد گرامی حضرت ہاشم نے یثرب کے بنی نجار خاندان کے رئیس عمرو بن لبید کی صاحب زادی سلمٰی سے شادی کی۔ جس کے بطن سے شیبہ (عبدالمطلب) پیدا ہوئے حضرت ہاشم ایک تجارتی سفر پر فلسطین گئے ہوئے تھے کہ غزہ کے مقام پر انتقال فرمایا اور یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ شادی کے بعد کچھ عرصہ مکہ میں رہے پھر بغرض تجارت شام گئے جب لوٹے تو ان کا گزر یثرب سے ہوا چند روز کے لئے اپنے والد حضرت عبدالمطلب کے ننہال میں قیام کیا اسی اثنا میں وہ بیمار ہو گئے۔ آپ کے دوسرے ساتھیوں نے چند روز انتظار کیا لیکن جب آپ کی طبیعت نہ سنبھلی تو وہ لوگ مکہ روانہ ہو گئے لیکن آپ رک گئے کہ صحت درست ہو تو سفر اختیار کریں۔ لیکن مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آپکی طبیعت بگڑتی چلی گئی یہاں تک کہ آپ نے یثرب میں ہی داعی اجل کو لبیک کہی جب یہ جانکاہ خبر مکہ پہنچی ہو گی تو عبدالمطلب کے خاندان پر بجلی بنکر گری ہو گی۔ حضرت عبدالمطلب کو اپنے جواں سال اور فرخندہ فال لخت جگر اور آپ کے بھائی بہنوں کو اپنے بلند اقبال اور خجستہ خصال بھائی کی وفات نے جس طرح تڑپایا ہو گا اس کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن حضرت آمنہ کے معصوم دل پر اس جانکاہ صدمہ سے جو چوٹ لگی ہو گی اس کے درد کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ ابھی تو انہوں نے اپنے ماہِ تمام کو جی بھر کے دیکھا بھی نہ تھا۔ کتنی آرزوئیں زندہ درگور ہو گئی ہوں گی کتنی امنگیں ادھوری رہ گئی ہوں گی۔ ایک کامیاب اور ہر نوع کی سعادتوں سے مالا مال زندگی بسر کرنے کے سارے حسین خواب چور چور ہو گئے ہوں گے۔ سیدہ کے قلب حزیں نے کتنا چاہا ہو گا کہ اڑ کر یثرب جائیں۔ اور اس مٹی کے تودے کو دیکھیں اور اس کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بنائیں۔ جہاں ان کا قرارِ جاں استراحت فرما ہے۔ لیکن وہ امانت جس کا آپ کو امین بنایا گیا تھا اس کی حفاظت کے احساس نے ان کے دل ناصبور کو

اپنے محبوب کے مرقد کی زیارت سے باز رکھا یہاں تک کہ وہ نور حق محمد معصوم کے پیکرِ رعنا میں ظاہر ہوا۔ پھر حضور کی پرورش کا فرض اس شوق فراواں کی تکمیل میں حائل رہا۔ جب اس لختِ جگر اور نور نظر کی عمر چھ سال ہو گئی اور آپ سات آٹھ سال عمر کے بچوں سے بھی زیادہ توانا اور تندرست معلوم ہونے لگے اور غمزدہ ماں کو یقین ہو گیا کہ ان کے گلشنِ آرزو کا یہ گلِ رنگین اب یثرب کے طویل اور کٹھن سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے قابل ہو گیا ہے تو انہوں نے اپنے سسر حضرت عبد المطلب سے اپنی اس دیرینہ آرزو کا ذکر کیا اور اجازت چاہی کہ آپ یثرب جا کر اپنے دولہا کی قبر کی زیارت کریں جو انہیں اپنی ایک سہانی جھلک دکھا کر شب ہجر کی تاریکیوں کے حوالے کر کے ہمیشہ کے لئے ان سے بچھڑ گیا ہے۔ حضرت عبد المطلب اپنی بہو کی اس درخواست کو مسترد نہ کر سکے۔ اور یثرب جانے کی اجازت دے دی۔

سیدہ آمنہ اپنے فرزند دل بند کو لے کر یثرب روانہ ہوئیں۔ ان کے ساتھ ان کی کنیز ام ایمن تھی۔ اس خوش بخت خاتون کا نام برکت تھا اور اس کا تعلق حبشہ سے تھا۔ یہ حضور کو اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی۔ یہ مختصر سا قافلہ حضور کے جد امجد حضرت عبد المطلب کے ننہال بنو عدی بن نجار کے ہاں جا اترا اور ایک ماہ تک وہاں مقیم رہا۔ مہینہ بھر کے قیام کے دوران جو واقعات رونما پذیر ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد جب یہاں تشریف فرما ہوئے تو بسا اوقات حضور ان یادوں کو تازہ فرمایا کرتے تھے۔ جب اس مکان کو دیکھتے جہاں اپنی پیاری ماں کے ساتھ رہائش فرمائی تھی تو فرماتے۔

هٰهُنَا نَزَلَتْ بِيْ اُمِّيْ وَاَحْسَنْتُ الْعَوْمَ فِيْ بِئْرِ بَنِيْ عَدِيِّ النَّجَّارِ

"یعنی اس مکان میں میں اپنی والدہ کے ساتھ اترا تھا اور میں نے بنی عدی بن نجار کے تالاب میں تیرنے میں مہارت حاصل کی تھی۔" (۱)

اس مختصر قیام کے دوران ایک یہودی نے حضور کو دیکھا تو پوچھا يَا غُلَامُ مَا اسْمُكَ اے بچے! تمہارا نام کیا ہے۔ میں نے کہا میرا نام احمد ہے۔ پھر اس نے میری پیٹھ کی طرف دیکھا پھر میں نے اس کو یہ کہتے سنا هٰذَا نَبِيُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ یہ اس امت کا نبی ہے۔ پھر وہ اپنے یہودی علماء کے پاس گیا اور انہیں جا کر یہ بتایا۔ میری والدہ کو بھی اس کا پتہ چل گیا ان کے دل میں یہودی طرف سے طرح طرح کے اندیشے پیدا ہونے لگے۔ ام ایمن کہتی ہیں کہ میں نے ان یہودیوں کو جو حضور کو دیکھنے کے لئے یکے بعد دیگرے آتے تھے یہ کہتے سنا هُوَ نَبِيُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهٰذِهٖ

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول۔ صفحہ ۶۵

دَارُ هِجْرَتِهٖ کہ اس امت کے یہ نبی ہیں اور یہ جگہ ان کی دار ہجرت بنے گی۔

ان اندیشوں کے باعث حضرت آمنہ نے یہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور مکہ جانے کی تیاری شروع کر دی۔ ہم مدینہ سے روانہ ہوئے اور جب ابواء کے مقام پر پہنچے تو آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں اسماء بنت رھم سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ میری ماں حضرت آمنہ کی وفات کے وقت حاضر تھی۔ آپ نے اپنی بالین کے قریب اپنے فرزند کو دیکھا تو یہ اشعار پڑھے۔

اِنْ صَحَّ مَا اَبْصَرْتُ فِی الْمَنَامِ

فَاَنْتَ مَبْعُوْثٌ اِلَی الْاَنَامِ تُبْعَثُ فِی الْحِلِّ وَفِی الْحَرَامِ

تُبْعَثُ فِی التَّحْقِیْقِ وَالْاِسْلَامِ دِیْنِ اَبِیْکَ الْبَرِّ اِبْرَاھَامِ

فَاللّٰہُ اَنْھَاکَ عَنِ الْاَصْنَامِ وَاَلَّا تُوَالِیْھَا مَعَ الْاَقْوَامِ

"یعنی میں نے جو خواب میں دیکھا ہے اگر وہ صحیح ہے۔"

"تو آپ تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے جائیں گے حل اور حرام سب جگہ آپ نبی ہوں گے آپ کو اپنے باپ ابراہیم کے دین اسلام پر مبعوث کیا جائے گا۔ میں آپ کو بتوں سے خدا کا واسطہ دے کر روکتی ہوں کہ آپ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر ان کی دوستی نہ کریں۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔

کُلُّ حَیٍّ مَیِّتٌ وَکُلُّ جَدِیْدٍ بَالٍ۔ وَکُلُّ کَبِیْرٍ یَفْنٰی وَاَنَا مَیِّتَۃٌ وَ ذِکْرِیْ بَاقٍ وَوَلَدْتُ طُھْرًا۔

"ہر زندہ موت کا مزہ چکھے گا۔ ہر نئی چیز پرانی ہو جائے گی اور ہر بڑی چیز فنا ہو جائے گی۔ میں تو مر رہی ہوں لیکن میرا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا۔ میں نے ایک پاکباز بچہ جنا ہے۔"

علامہ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں ان اشعار کو نقل کرنے کے بعد علامہ سیوطی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ اشعار اس بات پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ موحدہ تھیں انہوں نے دین ابراہیمی کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ آپ کا فرزند اسلام کے ساتھ اللہ کی طرف سے مبعوث ہو گا اور بتوں کی دوستی سے اپنے فرزند کو منع فرمایا۔ کیا یہی توحید نہیں کیا ان عقائد کے علاوہ توحید کسی دوسری چیز کا نام ہے؟

ماں کی مامتا نے جب اپنے لخت جگر پر الوداعی نظر ڈالی ہوگی تو ان کے قلب حزیں پر کیا گزری ہوگی۔ باپ کا سایہ پہلے ہی اٹھ چکا تھا۔ ماں کی آغوش محبت اب چھوٹ رہی ہے۔ یہ درد ناک سانحہ پیش آ رہا ہے تو سفر میں جہاں نہ شفیق دادا پاس ہے اور نہ سو جان سے فدا ہونے والے چچا کہیں قریب ہیں۔ یہ جگہ یثرب سے بھی کافی فاصلہ پر ہے اور مکہ بھی ڈیڑھ دو سو میل دور ہے بے بسی اور بے کسی کی اس حالت میں سیدہ طاہرہ آمنہ نے اپنے نور نظر کو اپنے خالق کریم کے سپرد کیا۔ ایک صابرہ، شاکرہ بیوہ کی آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسوؤں نے یقیناً رحمت الٰہی کے دامن کو پکڑا ہو گا۔ اور اپنے بچے کے سر پر پھیلا دیا ہو گا۔

قدرت کے فیصلے بھی عجیب ہوتے ہیں وہ محبوب جو وجہ تخلیق کائنات ہے۔ ولادت با سعادت سے پہلے ہی اس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھا لیا۔ ابھی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی ہے۔ کارکنان قضاء وقدر نے ماں کی آغوش محبت سے جدا کر دیا۔ دوہری یتیمی کے داغ نے ایک ننھے بچے کے معصوم دل کو درد والم کا گہوارہ بنا دیا اس میں حکمت یہ تھی کہ جس نے کل دنیا بھر کے درد مندوں کا چارہ گر بنتا ہے۔ اسے پتہ چل جائے کہ درد والم کی ٹیسیں کتنی حوصلہ شکن ہوتی ہیں تاکہ اگر کوئی بے سہارا یتیم گردش لیل و نہار کا ستایا ہوا کوئی خستہ حال اس کے پاس تلاش درماں کے لئے آئے تو اسے اپنی بے نوائی اور مسکینی کا دور یاد آ جائے اور وہ سراپا شفقت و رحمت بن کر اس کے زخموں پر مرہم رکھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس مسئلہ کی وضاحت کر دی جائے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں جلیل القدر علماء ربانیین کا کیا فیصلہ ہے۔

حضور کے والدین کریمین کا ایمان

اہل سنت والجماعت کے علماء محققین کے جم غفیر کی اس مسئلہ کے بارے میں یہ رائے ہے کہ والدین کریمین نجات یافتہ ہیں اور جنت کی بہاروں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

اس کے بارے میں ان علماء کے تین مسلک ہیں۔

پہلا مسلک

پہلا مسلک تو یہ ہے کہ ان کا تعلق زمانہ فترت سے ہے۔ سب سے قریبی زمانہ میں مبعوث

ہونے والے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان کے بعد چھ سو سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اس عرصۂ دراز میں آپ پر نازل شدہ کتاب انجیل میں طرح طرح کی تحریفات راہ پا چکی تھیں۔ آپ کو عبداللہ ورسول اللہ کے بجائے آپ کی امت آپ کو ابن اللہ کہنے کی گمراہی میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اب اس دور کے لوگ ہدایت کی روشنی حاصل کرتے تو کہاں سے؟ کلمہ حق سنتے تو کس سے؟ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی راہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ حجاز کے صحرانشین ان کی امت دعوت میں ہی داخل نہ تھے۔ نہ حضرت عیسیٰ نے ان کو تبلیغ فرمائی کیونکہ ان کو دعوت حق دینا ان کی ذمہ داری ہی نہ تھی اور نہ ان کے حواریوں نے یہ زحمت برداشت کی کہ ان حقائق کی روشنی میں اس ارشاد الٰہی کا یہی لوگ مصداق ہیں۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا "ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک ان میں رسول مبعوث نہ فرمائیں"

علامہ علی بن برہان الدین اپنی سیرت حلبیہ میں رقمطراز ہیں۔

ذَكَرَ الْعَلَّامَةُ ابْنُ حَجَرٍ الْهَيْتَمِيُّ حَيْثُ ذَكَرَ اَنَّ الْحَقَّ الْوَاضِحَ الَّذِيْ لَاغُبَارَ عَلَيْهِ۔ اِنَّ اَهْلَ الْفَتْرَةِ جَمِيْعُهُمْ نَاجُوْنَ وَهُمْ مَنْ لَمْ يُرْسَلْ لَهُمْ رَسُوْلٌ يُكَلِّفُهُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَالْعَرَبُ حَتّٰى فِيْ زَمَنِ اَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَهْلُ فَتْرَةٍ لِاَنَّ تِلْكَ الرُّسُلَ لَمْ يُؤْمَرُوْا بِدَعَايَتِهِمْ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَعْلِيْمِهِمُ الْاِيْمَانَ

"علامہ ابن حجر الهیتمی نے ذکر کیا کہ روشن حق یہ ہے جس پر کوئی گرد وغبار نہیں کہ اہل فترۃ سب کے سب نجات یافتہ ہیں اور اہل فترۃ وہ لوگ ہیں جن کی طرف کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو جو انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مکلف بنائے۔ پس اہل عرب بنی اسرائیل کے انبیاء کے زمانہ میں بھی اہل فترۃ تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے رسولوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اہل عرب کو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔ ان کا حلقہ تبلیغ صرف بنی اسرائیل تک محدود تھا۔" (۱)

سابقہ آیت کی تائید اس دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے ارشاد ہے۔

۱۔ السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۱۰۳

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا۔ (۲۸.۵۹)

"اور نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو یہاں تک کہ بھیجے ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول جو پڑھ کر سنائے وہاں کے رہنے والوں کو ہماری آیتیں۔"

علماء کرام نے اہل فترت کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا طبقہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اپنے نور بصیرت سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے عقیدہ تک رسائی حاصل کر لی جیسے قُس بن ساعدہ۔ زید بن عمرو بن نفیل اور قوم تبع کے بعض بادشاہ۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے دین ابراہیمی کو بگاڑا بت پرستی کا آغاز کیا۔ اپنی قوم کو بڑی کوششوں سے شرک کا فاسد عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کیا اور اپنی طرف سے حلال و حرام کے بارے میں قانون بنا کر قوم میں رائج کئے۔ جیسے عمرو بن لحی الخزاعی اور اس کے ہم نوا۔

اس طبقہ کے جہنمی ہونے میں کوئی شک نہیں۔

تیسرا طبقہ جو اپنی غفلت اور بے خبری کی وجہ سے ہر قسم کے عقیدہ سے بے نیاز رہا نہ انہوں نے توحید خداوندی کا عقیدہ اپنایا اور نہ وہ شرک اور اصنام پرستی کے مرتکب ہوئے۔ یہ وہ طبقہ ہے جسے عذاب نہیں دیا جائے گا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا کا مصداق یہی طبقہ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے بارے میں ایک مسلک تو یہ ہے کہ وہ اہل فترۃ میں سے تھے۔ نہ ان کے پاس اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت تک کوئی نبی آیا نہ کسی نبی کی دعوت انہیں پہنچی اور نہ انہوں نے اس نبی کے ساتھ کفر کیا نہ اس کی دعوت کو مسترد کیا اس لئے وہ نجات یافتہ ہیں۔

دوسرا مسلک

علماء حق کا اس مسئلہ کے بارے میں دوسرا مسلک یہ ہے کہ حضور کے والدین کریمین کا دامن شرک و کفر سے کبھی داغدار نہیں ہوا۔ وہ ساری عمر اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ثابت قدم رہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یوم قیامت پر ان کا پختہ یقین تھا۔ مکارم اخلاق کے زندہ پیکر تھے حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

إِنَّ اٰبَاءَ الْاَنْبِيَآءِ مَا كَانُوْا كُفَّارًا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اَلَّذِىْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ قِيْلَ مَعْنَاهُ اِنَّهٗ كَانَ يُنْقَلُ نُوْرُهٗ مِنْ سَاجِدٍ اِلٰى سَاجِدٍ دَلَالَةً عَلٰى اَنَّ جَمِيْعَ اٰبَاءِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ

"بیشک انبیاء کرام کے آباء واجداد کافر نہیں ہوتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری وہ ذات ہے جو آپ کو دیکھتی ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ سجدہ کرنے والوں کی پیشانیوں میں منتقل ہوتے رہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضور کا نور ایک سجدہ کرنے والے کی پیشانی سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی پیشانی میں منتقل ہوتا رہا۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جملہ آباء واجداد مسلمان تھے۔" (۱)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف لطیف مسالک الحنفاء میں تحریر فرماتے ہیں۔

یہ دلیل دو مقدموں پر مشتمل ہے پہلا مقدمہ تو یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک اپنے ہم عصروں سے بہتر اور افضل تھے۔ اور ان کے ہم عصروں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ان سے بہتر اور افضل ہو۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ احادیث اور آثار سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ بعثت تک کوئی ایسا دور نہیں آیا جب تک چند افراد دین فطرت پر نہ ہوں۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوں اسی کے لئے نمازیں پڑھتے ہوں اور انہیں کی برکت سے زمین کی حفاظت کی جاتی ہے اگر وہ نہ ہوں تو زمین اور جو کچھ اس کے اوپر ہے تباہ و برباد ہو جائے۔ اب اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضور کے آباء واجداد میں سے کوئی صاحب شرک و کفر کے مرتکب ہوئے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا وہ دوسرے ہم زمانوں سے افضل تھے یا نہیں اگر افضل تھے تو لازم آئے گا کہ ایک کافر اور مشرک اہل ایمان سے افضل ہو۔ یہ امر قطعاً قابل تسلیم نہیں۔

۱۔ السیرہ الحلبیہ صفحہ ۱۰۳

اور اگر کسی زمانہ میں حضور کے آباء واجداد سے ان کے ہم عصر افضل ہوں تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حضور کے آباء واجداد اپنے اپنے ہم عصروں سے افضل واعلیٰ تھے اس لئے یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ حضور کے سارے آباء واجداد مومن اور موحد تھے اور اپنے تمام ہم عصروں سے اعلیٰ وارفع شان کے مالک تھے۔

اب ہم وہ احادیث صحیحہ ذکر کرتے ہیں جن سے پہلے مقدمہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضور کے آباء واجداد اپنے اپنے ہم عصروں سے افضل واعلیٰ تھے۔

اَخرجَ اَبُو نُعَیمٍ فِی دَلَائِلِ النُّبُوَّۃِ عَن طُرُقٍ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنہُمَا قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَسَلَّمَ لَم یَزَلِ اللہُ یَنقُلُنِی مِنَ الاَصلَابِ الطَّیِّبَۃِ اِلَی الاَرحَامِ الطَّاھِرَۃِ مُصَفًّی مُھَذَّبًا لَا تَنشَعِبُ شُعبَتَانِ اِلَّا کُنتُ فِی خَیرِھِمَا۔

"ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں کئی سندوں سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مجھے پاک پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل فرماتا رہا ہر آلائش سے پاک کر کے ہر آلودگی سے صاف کر کے۔ جہاں کہیں سے دو شاخیں پھوٹیں وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شاخ میں منتقل کیا جو ان دونوں میں سے بہتر تھی۔"

اَخرجَ التِّرمِذِیُّ وَحَسَّنَہٗ وَالبَیھَقِیُّ عَنِ العَبَّاسِ ابنِ عَبدِ المُطَّلِبِ رَضِیَ اللہُ عَنہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَنَّ اللہَ تَعَالٰی حِینَ خَلَقَنِی جَعَلَنِی مِن خَیرِ خَلقِہٖ ثُمَّ حِینَ خَلَقَ القَبَائِلَ جَعَلَنِی مِن خَیرِھِم قَبِیلَۃً وَحِینَ خَلَقَ الاَنفُسَ جَعَلَنِی مِن خَیرِ اَنفُسِھِم ثُمَّ حِینَ خَلَقَ البُیُوتَ جَعَلَنِی مِن خَیرِ بُیُوتِھِم فَاَنَا خَیرُھُم بَیتًا وَخَیرُھُم نَفسًا۔

"امام ترمذی نے اس روایت کو اپنی سنن میں اور امام بیہقی نے حضرت عباس سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

بیشک اللہ تعالیٰ نے جب مجھے پیدا فرمایا تو مجھے بہترین مخلوق سے کیا پھر جب قبائل کو پیدا فرمایا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں کیا پھر جب نفوس کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے کیا جن کے نفوس بہت بہترین تھے پھر جب خاندانوں کو پیدا کیا تو مجھے بہترین خاندان میں رکھا۔ پس میں ان سب سے بلحاظ خاندان اور بلحاظ نفس بہتر ہوں۔

اَخْرَجَ الطِّبْرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّلَائِلِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِیْ جِبْرَئِیْلُ قَلَّبْتُ الْاَرْضَ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا وَلَمْ اَجِدْ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) وَلَمْ اَجِدْ بَنِیْ اَبٍ اَفْضَلَ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ۔

"طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا آپ کہتی ہیں۔ اللہ کے محبوب رسولِ عالیان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے بتایا کہ میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو کھنگالا۔ پس میں نے کسی مرد کو اے جان جاں! آپ سے افضل نہیں پایا اور کسی خاندان کو بنی ہاشم کے خاندان سے افضل نہیں پایا۔"

علامہ سیوطی ان روایات کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ۔ وَمِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّ الْخَیْرِیَّةَ وَالْاِصْطِفَاءَ وَالْاِخْتِیَارَ مِنَ اللهِ تَعَالٰی وَالْاَفْضَلِیَّةَ عِنْدَهٗ لَا یَکُوْنُ مَعَ الشِّرْكِ

"حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کسی کا کسی سے بہتر ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا کسی کو چننا اور کسی کو پسند کرنا اور اس کی بارگاہ میں کسی کی افضلیت. اس کے مشرک ہونے کے باوجود ہرگز نہیں ہو سکتی۔" (۱)

ان روایات سے اس دلیل کا پہلا مقدمہ ثابت ہو گیا کہ حضور کے سارے آباء و اجداد اپنے اپنے زمانہ میں اپنے اپنے ہمعصروں سے افضل اور اعلیٰ تھے اور یہ افضلیت اور یہ علو مرتبت اس وقت انہیں نصیب ہو سکتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہوں اور

۱۔ مسالک الحنفا صفحہ ۲۲

ان کا عقیدہ شرک کی آلودگی سے ملوث نہ ہو۔ اب اس دلیل کے دوسرے مقدمہ کے متعلق چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِی الْمُصَنَّفِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ ابْنُ الْمُسَیَّبِ قَالَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ لَمْ یَزَلْ عَلٰی وَجْهِ الدَّهْرِ فِی الْاَرْضِ سَبْعَةٌ مُسْلِمُوْنَ فَصَاعِدًا فَلَوْلَا ذٰلِكَ هَلَكَتِ الْاَرْضُ وَمَنْ عَلَیْهَا۔ هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ وَمِثْلُهٗ لَا یُقَالُ مِنْ قِبَلِ الرَّاْیِ وَلَهٗ حُكْمُ الرَّفْعِ۔

"عبد الرزاق نے المصنف میں معمر سے انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے ابن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمیشہ روئے زمین پر کم از کم سات مسلمان رہے ہیں۔ اگر یہ سات مسلمان نہ ہوں تو زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کچھ تہس نہس ہو جائے۔ عبد الرزاق کہتے ہیں کہ یہ سند صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر۔ اور یہ ایسی بات ہے جو کوئی راوی اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتا جب تک زبانِ نبوت سے وہ نہ سنے اس لئے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ یعنی سیدنا علی مرتضیٰ نے یہ ارشاد نبی کریم کی زبان سے سنا اور پھر روایت کیا۔"

اَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ فِیْ تَفْسِیْرِهٖ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ فِیْ قَوْلِهٖ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ، قَالَ لَا یَزَالُ مِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نَاسٌ عَلَی الْفِطْرَةِ یَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ۔

"ابن منذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ کی تفسیر نقل کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے کچھ آدمی دین فطرت پر رہیں گے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔"

ان روایات کے علاوہ آیات قرآنی سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝

إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ۔ (۴۳۔۲۶۔۲۸)

"اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہا کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا فرمایا پس وہی مجھے ہدایت دے گا اور کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو باقی رہنے والا آپ کی اولاد میں۔"

اس آیت کی تشریح حضرت ابن عباس سے یوں منقول ہے۔

قَوْلُهُ تَعَالَى جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ بَاقِيَةٌ فِي عَقِبِ إِبْرٰهِيمَ۔

"کہ لا الہ الا اللہ کا کلمہ حضرت ابراہیم کی نسل میں باقی رہے گا۔"

یعنی ہر زمانہ میں چند افراد ایسے رہیں گے جو اس کلمہ توحید پر پختہ ایمان رکھتے ہوں۔

علامہ شہرستانی الملل والنحل میں لکھتے ہیں۔

كَانَ دِيْنُ إِبْرَاهِيمَ قَائِمًا وَالتَّوْحِيدُ فِي صَدْرِ الْعَرَبِ شَائِعًا وَأَوَّلُ مَنْ غَيَّرَهُ وَاتَّخَذَ عِبَادَةَ الْأَصْنَامِ عَمْرُو بْنُ لُحَيّ الْخُزَاعِيُّ۔

"دین ابراہیم قائم رہا۔ اور توحید اہل عرب کے سینوں کو روشن کرتی رہی پہلا شخص جس نے دین ابراہیمی کو بدلا اور بتوں کی عبادت شروع کی وہ عمرو بن لحی الخزاعی تھا۔"

اہل تحقیق کے نزدیک حضرت ابراہیم سے لے کر کعب بن لوئی تک آپکے تمام آباء واجداد دین ابراہیمی پر تھے اور کعب کے فرزند مرہ بھی اسی دین پر تھے کیونکہ ان کے والد نے انہیں وصیت کی تھی کہ وہ دین ابراہیمی پر ثابت قدم رہیں۔ مرہ اور عبدالمطلب کے درمیان چار اجداد ہیں۔ اور وہ کلاب وقصی وعبد مناف وہاشم ہیں ان حضرات کے حالات میں ایسے شواہد کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں جن سے ان کے عقیدہ توحید کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عبدالمطلب کے بارے میں تو علامہ شہرستانی کی رائے کا ذکر ہی کافی ہے وہ اپنی مشہور تصنیف الملل والنحل میں لکھتے ہیں۔

ظَهَرَ نُوْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَسَارِيْرِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

بَعْدَ الظُّهُوْرِ وَبِبَرَكَةِ ذٰلِكَ النُّوْرِ اُلْهِمَ النَّذْرُ فِيْ ذِبْحِ وَلَدِهٖ وَبِبَرَكَتِهٖ كَانَ يَاْمُرُ وُلْدَهٗ بِتَرْكِ الظُّلْمِ وَالْبَغْيِ وَيَحُثُّهُمْ عَلٰى مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَيَنْهٰهُمْ عَنْ دَنِيْئَاتِ الْاُمُوْرِ وَبِبَرَكَةِ ذٰلِكَ النُّوْرِ قَالَ لِاَبْرَهَةَ اِنَّ لِهٰذَا الْبَيْتِ رَبًّا۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور عبدالمطلب کے خد و خال میں چمکتا تھا۔ اس نور کی برکت سے حضرت عبداللہ کو ذبح کرنے کے بجائے نذر دینے کا انہیں الہام ہوا۔ اسی نور کی برکت سے وہ اپنی اولاد کو ظلم اور سرکشی کو ترک کرنے کا حکم دیتے تھے مکارم اخلاق کو اپنانے پر انہیں برانگیختہ کرتے تھے اور کمینی حرکتوں سے ان کو روکتے تھے اسی نور کی برکت سے آپ میں یہ جرأت پیدا ہوئی کہ آپ نے ابرہہ کو کہا کہ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے جو اس کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔"

نیز غزوہ حنین میں جب دشمنوں کی اچانک تیر اندازی سے لشکر اسلامی میں عارضی طور پر بھگدڑ مچ گئی تو حضور اپنے خچر پر سوار ہو کر تیروں کی بوچھاڑ میں میدان جنگ میں یہ رجز پڑھتے ہوئے تشریف لائے۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

"کہ میں سچا نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔"

اگر عبدالمطلب موحد نہ ہوتے تو حضور کبھی ان کی فرزندی پر فخر نہ کرتے کیونکہ کافر کی فرزندی پر فخر کرنا ممنوع ہے۔ جن احادیث میں والدین کریمین کے مشرک یا معذب ہونے کا ذکر ہے وہ روایات ضعیف ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی روایت ضعیف نہ بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ وہ خبر واحد ہو گی اور خبر واحد آیات قطعیہ (وما کنا معذبین وغیرہ) آیات کی مخصص یا ناسخ نہیں ہو سکتی۔

حاکم نے مستدرک میں جس حدیث کو صحیح کہا ہے اس کے بارے میں عقبہ نے یہ کہا۔

لَا وَاللّٰهِ فَعُثْمَانُ بْنُ عُمَيْرٍ ضَعَّفَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ

"نہیں بخدا وہ صحیح نہیں عثمان بن عمیر کو دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔"

حافظ ذہبی نے اس حدیث کے بارے میں شرعی قسم کھا کر کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ بَيَّنَ الذَّهَبِيُّ ضُعْفَ الْحَدِيْثِ وَحَلَفَ عَلَيْهِ يَمِيْنًا

شَرْعِيًّا " (۱)

اس تحقیق کے بعد علامہ سیوطی کہتے ہیں۔

إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي الْمَسْئَلَةِ إِلَّا أَحَادِيثُ ضَعِيفَةٌ كَانَ لِلنَّظَرِ فِي غَيْرِهَا مَجَالٌ۔

" جب اس مسئلہ میں صرف ضعیف احادیث ہی ہوں تو اب اس مسئلہ کے برعکس غور و فکر کرنے کی گنجائش ہو گی۔ "

تیسرا مسلک

اس مسئلہ میں علماء کرام کا تیسرا مسلک یہ ہے کہ

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَحْيَى لَهُ أَبَوَيْنِ حَتّٰى اٰمَنَا بِهٖ وَهٰذَا الْمَسْلَكُ مَالَ إِلَيْهِ طَائِفَةٌ كَبِيْرَةٌ مِّنْ حُفَّاظِ الْمُحَدِّثِيْنَ وَغَيْرِهِمْ مِنْهُمْ اِبْنُ شَاهِيْنَ وَالْحَافِظُ أَبُوْبَكْرٍ الْخَطِيْبُ الْبَغْدَادِيُّ وَالسُّهَيْلِيُّ وَالْقُرْطُبِيُّ وَالْمُحِبُّ الطَّبَرِيُّ. وَالْعَلَّامَةُ نَاصِرُ الدِّيْنِ ابْنُ الْمُنِيْرِ وَغَيْرُهُمْ

" اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حضور کے والدین کو زندہ فرمایا اور وہ حضور پر ایمان لے آئے۔ حفاظ محدثین میں سے ایک بہت بڑا گروہ اس مسلک کی طرف مائل ہوا ہے ان میں سے چند نام یہ ہیں۔ ابن شاہین۔ حافظ ابو بکر الخطیب البغدادی۔ ابو القاسم سہیلی۔ ابو عبداللہ القرطبی۔ محب طبری۔ علامہ ناصر الدین ابن المنیر وغیرھم۔ " (۲)

اس مقام پر عصر حاضر کے مایہ ناز محقق امام محمد ابو زہرہ رحمتہ اللہ علیہ نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ میں ان کی کتاب خاتم النبیین سے اقتباس پیش کرتا ہوں مجھے یقین ہے اس کا مطالعہ کرنے سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی اور آپ کا دل مسرور ہو گا۔

۱۔ مسالک الحنفاء صفحہ ۴۷

۲۔ مسالک الحنفاء صفحہ ۵۶

وَلَا شَكَّ اَنَّ الْخَبَرَ الَّذِیْ یَقُوْلُ اِنَّ اَبَا مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ فِی النَّارِ خَبَرٌ غَرِیْبٌ فِیْ مَعْنَاہُ کَمَا ھُوَ غَرِیْبٌ فِیْ سَنَدِہٖ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا وَقَدْ کَانَ اَبُوْ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَاُمُّہٗ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ فَکَیْفَ یُعَذَّبُوْنَ ؟ اِنَّ ھٰذَا مُخَالِفٌ لِلْحَقَائِقِ الدِّیْنِیَّۃِ لَقَدْ مَاتَ اَحَدُھُمَا قَبْلَ اَنْ یَّبْرُزَ الرَّسُوْلُ اِلَی الْوُجُوْدِ وَمَاتَتِ الْاُخْرٰی وَھُوَ غُلَامٌ لَمْ یُبْعَثْ رَسُوْلًا وَلِذٰلِکَ کَانَ الْخَبَرُ الَّذِیْ یَقُوْلُ اِنَّھُمَا فِی النَّارِ مَرْدُوْدًا بِغَرَابَۃِ سَنَدِہٖ اَوَّلًا ، وَلِبُعْدِ مَعْنَاہُ عَنِ الْحَقِیْقَۃِ ثَانِیًا

"اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خبر جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد کے بارے میں کہا گیا ہے معنی کے لحاظ سے بھی غریب ہے جس طرح سند کے لحاظ سے غریب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ " ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں یہاں تک کہ ہم رسول بھیجیں اور حضور کے والدین کریمین نے فترۃ کا زمانہ پایا تو انہیں کیونکر عذاب دیا جا سکتا ہے۔ یہ بات دینی حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ والد ماجد تو حضور کی پیدائش سے پہلے وفات پا گئے اور والدہ ماجدہ نے جب وفات پائی تو حضور ابھی بالکل چھوٹے تھے اور رسول مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے وہ خبر جس میں ان کے بارے میں ہے کہ وہ دونوں آگ میں ہیں مردود ہے ایک تو اس وجہ سے کہ اس کی سند میں غرابت ہے اور دوسرا اس وجہ سے کہ اس کا معنی حقیقت سے بہت دور ہے۔"

اس کے بعد امام موصوف اس قسم کی باتیں سن کر اپنی قلبی کیفیت کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

وَفِی الْحَقِّ اَنِّیْ ضِقْتُ فِیْ سَمْعِیْ وَفَھْمِیْ عِنْدَ مَا تَصَوَّرْتُ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ وَاٰمِنَۃَ یُتَصَوَّرُ اَنْ یَّدْخُلَا النَّارَ لِاَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ الشَّابَّ الصَّبُوْرَ الَّذِیْ رَضِیَ بِاَنْ یُّذْبَحَ لِنَذْرِ اَبِیْہِ وَتَقَدَّمَ رَاضِیًا ، وَلَمَّا فَدَتْہُ قُرَیْشٌ اِسْتَقْبَلَ الْفِدَاءَ رَاضِیًا وَھُوَ

الَّذِی کَانَ عَیُوْفًا عَنِ اللَّھْوِ وَالْعَبَثِ وَھُوَالَّذِی بَرَزَتْ اِلَیْهِ الْمَرْاَۃُ تَقُوْلُ ھَیْتَ لَکَ فَیَقُوْلُ لَھَا اَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ دُوْنَہٗ وَلِمَاذَا یُعَاقَبُ فِی النَّارِ وَھُوَلَمْ تَبْلُغْہُ دَعْوَۃُ رَسُوْلٍ

"جب میں یہ تصور کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ اور سیدہ آمنہ نار میں ہیں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص میرے کان اور میرے فہم پر ہتھوڑے مار رہا ہے۔ کیونکہ عبداللہ وہ نوجوان تھے جن کا شعار صبر تھا۔ وہ اپنے باپ کی نذر کے مطابق ذبح ہونے پر راضی تھے۔ اور اپنی رضامندی سے آگے بڑھ کر اپنے سر کا نذرانہ پیش کیا۔ اور جب قریش نے سو اونٹ بطور فدیہ دینے کے لئے کہا تو اس پر بھی بخوشی رضامند ہوگئے وہ عبداللہ جو اپنے بے پایاں حسن و شباب کے باوجود لہو ولعب سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اور جب ایک دوشیزہ نے دعوت گناہ دی تو جھٹ اسے جواب دیا "اَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ دُوْنَہٗ۔" تم مجھے حرام کے ارتکاب کی دعوت دیتی ہو اس سے تو مر جانا بہتر ہے۔ ایسے پاکباز اور صدق شعار نوجوان کو آخر کیوں دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ حالانکہ اسے کسی نبی نے دعوت بھی نہیں دی۔" (۱)

آگے لکھتے ہیں۔

رہی حضور کی والدہ، تو وہ خاتون جس کو شادی کے فوراً بعد اپنے شوہر کی اچانک موت کا جانکاہ صدمہ پہنچا تو اس نے صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیا اپنے بچے کو یتیم اور نادار پایا تو پھر بھی جزع فزع نہیں کی بلکہ صبر کو اپنا شعار بنایا کیا کوئی شخص تصور کر سکتا ہے کہ ایسی حور شمائل خاتون کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی اسے ہدایت دینے کے لئے نہیں آیا اور نہ کسی نے اسے توحید الٰہی کی دعوت دی ہے۔

آخر میں رقمطراز ہیں۔

وَخُلَاصَۃُ الْقَوْلِ وَھُوَمَا اِنْتَھَیْنَا اِلَیْهِ بَعْدَ مُرَاجَعَۃِ الْاَخْبَارِ

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابوزہرہ، جلد اول، صفحہ ۱۳۲ - ۱۳۴۔

فِی هٰذِہِ الْمَسْئَلَۃِ اِنَّ اَبَوَیْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ فَتْرَۃٍ وَاِنَّھُمَا کَانَا قَرِیْبَیْنِ اِلَی الْھُدٰی وَاِلَی الْاَخْلَاقِ الْکَرِیْمَۃِ الَّتِیْ جَاءَ بِہٖ شَرْعُ اِبْنِھِمَا مِنْ بَعْدُ وَاِنَّھُمَا کَانَا عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ وَنَعْتَقِدُ اَنَّہٗ بِمُرَاجَعَۃِ النُّصُوْصِ الْقُرْاٰنِیَّۃِ وَالْاَحَادِیْثِ الصَّحِیْحَۃِ لَایُمْکِنُ اَنْ یَّکُوْنَا فِی النَّارِ فَاُمُّہُ الْمُجَاھِدَۃُ الصَّبُوْرُ الْحَفِیَّۃُ بِوَلَدِھَا لَا تَمَسُّھَا النَّارُ لِاَنَّہٗ لَا دَلِیْلَ عَلَی اسْتِحْقَاقِھَا بَلِ الدَّلِیْلُ قَامَ عَلٰی وُجُوْبِ الثَّنَاءِ عَلَیْھَا ھِیَ وَزَوْجُھَا الذَّبِیْحُ الطَّاھِرُ

"ہماری ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے جس پر ہم اس مسئلہ کے بارے میں تمام احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد پہنچے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابوین کریمین نے وہ زمانہ پایا جس میں رسولوں کی آمد منقطع تھی اور وہ دونوں ہدایت اور اخلاق کریمہ کے بالکل قریب تھے جو بعد میں ان کے لخت جگر نے بطور شریعت دنیا کو پیش کی۔ اور قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ دوزخ میں ڈالے جائیں آپ کی والدہ وہ مجاہدہ ہیں جو سراپا صبر تھیں۔ اپنے فرزند دل بند کے ساتھ بڑی شفیق تھیں انہیں آگ کیسے چھو سکتی ہے۔ کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ آگ میں جلائے جانے کی مستحق ہے۔ بلکہ دلیلیں تو اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ ان کی اور ان کے شوہر نامدار کی جو ذبیح اور طاہر کے لقب سے ملقب تھے ان پر جی بھر کر تحسین و آفرین کے پھول برسائے جائیں۔ (۱)

علامہ مذکور نے اپنی یہ مدلل بحث ان جملوں پر ختم کی۔

وَمَا اِنْتَھَیْنَا اِلٰی ھٰذَا بِحُکْمِ مَحَبَّتِنَا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنْ کُنَّا نَرْجُوْھَا وَنَتَمَنَّاھَا وَلٰکِنْ بِحُکْمِ الْعَقْلِ وَالْمَنْطِقِ وَالْقَانُوْنِ الْخُلُقِیِّ الْمُسْتَقِیْمِ۔ وَالْاَدِلَّۃِ الشَّرْعِیَّۃِ الْقَوِیْمَۃِ وَمَقَاصِدِ الشَّرِیْعَۃِ وَغَایَاتِھَا

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۱۳۲

"ہم اس نتیجہ پر صرف اسے لئے نہیں پہنچے کہ ہمارے دل میں اللہ کے رسول کی محبت ہے اور اس محبت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس نتیجہ پر پہنچیں۔ اگرچہ ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے محبوب کی محبت سے سرشار رکھے لیکن ہم اس نتیجہ پر اس لئے پہنچے ہیں کہ عقل، منطق اور خلق مستقیم کا قانون شریعت کی مضبوط دلیلیں اور شریعت کے اغراض و مقاصد، ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم اس بارے میں اس نتیجہ پر پہنچیں۔"

آخر میں قاضی ابو بکر ابن عربی جو مسلک مالکیہ کے جلیل القدر ائمہ سے ہوئے ہیں اور جن کی تفسیر احکام القرآن ان کے علم و فضل کی سب سے بڑی دلیل ہے ان کے ایک فتویٰ کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

سُئِلَ الْقَاضِیْ اَبُوْبَکْرِ ابْنِ الْعَرَبِیْ عَنْ رَجُلٍ قَالَ اِنَّ اٰبَاءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی النَّارِ فَاَجَابَ مَنْ قَالَ ذٰلِکَ فَھُوَ مَلْعُوْنٌ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَا اَذٰی اَعْظَمُ مِنْ اَنْ یُّقَالَ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّہٗ کَذَا کَذَا

"قاضی ابو بکر ابن عربی سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ وہ فی النار ہیں آپ نے جواب دیا جو شخص یہ کہتا ہے وہ ملعون ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وہ لوگ جو اذیت پہنچاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو لعنت بھیجتا ہے ان پر اللہ تعالیٰ دنیا میں اور آخرت میں پھر کہا اس سے بڑی اذیت کیا ہے کہ حضور کے والدین کے بارے میں یہ کہا جائے۔"

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِہٖ وَغَضَبِ حَبِیْبِہٖ وَزَیْغِ الْقُلُوْبِ عَنِ الْحَقِّ وَحِرْمَانِ الْعُقُوْلِ عَنْ فَھْمِ الْحَقِیْقَۃِ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (اٰمِیْن)

خدمت رضاعت کی برکتیں

خدمت رضاعت کی برکت سے حضرت حلیمہ اور ان کے خاندان کو جو سعادتیں نصیب ہوئیں ان کا احاطہ ممکن نہیں ان کی تنگ دستی خوشحالی میں بدل گئی قحط سالی کے باعث چارہ اور گھاس نہ ملنے کی وجہ سے سارے قبیلہ کے ریوڑ بھوک سے لاغر و نحیف ہو گئے تھے۔ لیکن حضرت سعدیہ کا ریوڑ خشک سالی کے باوجود شام کو لوٹتا تو ان کی کھیریوں سے دودھ کی نہریں بہتیں۔ مزید بر آں اس خدمت کے عوض جو شہرت دوام ان کو میسر آئی وہ ہفت اقلیم کے کسی فرمانروا کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ ان جملہ نعمتوں کے علاوہ سب سے بڑی نعمت جو انہیں بخشی گئی تھی وہ ایمان کی نعمت تھی جس نے ان کے دونوں جہاں سنوار دیئے حضرت حلیمہ کا سارا خاندان مشرف باسلام ہو گیا حضرت حلیمہ کے ایمان کے بارے میں کتب حدیث و سیرت میں بہت سی روایات اور آثار موجود ہیں۔ جن میں سے چند ہدیہ ناظرین ہیں۔

رَوَی اِبْنُ سَعْدٍ بِسَنَدٍ رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِیْحِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُنْکَدِرٍ۔ مُرْسَلًا۔ قَالَ اِسْتَاْذَنَتْ اِمْرَاَةٌ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ کَانَتْ تُرْضِعُهُ۔ فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَیْهِ قَالَ اُمِّیْ اُمِّیْ وَعَمَدَ اِلٰی رِدَائِهٖ فَبَسَطَ لَهَا فَقَعَدَتْ عَلَیْهِ۔

"ابن سعد روایت کرتے ہیں اور اس روایت کے راوی رجال صحیح کی مانند ہیں۔ یہ روایت محمد بن منکدر سے مرسل ہے آپ کہتے ہیں ایک عورت نے حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی وہ عورت حضور کو دودھ پلایا کرتی تھی جب وہ داخل ہوئی تو حضور نے فرمایا میری ماں! میری ماں! اپنی چادر اٹھائی اسے بچھایا اور اپنی چادر پر اپنی ماں کو بٹھایا۔"

۲۔ حافظ مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ایمان کے بارے میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

حافظ ابو محمد المنذری نے مختصر سنن ابی داؤد میں لکھا ہے۔

حضرت حلیمہ جو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی رضاعی ماں تھی وہ اسلام لائیں اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کیں۔

قَالَ الْحَافِظُ اَبُو الْفَرَجِ الْجَوْزِيُّ رَحْمَةُ اللهِ فِي الْحَدَائِقِ قَدِمَتْ حَلِيْمَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ خَدِيْجَةَ فَشَكَتْ اِلَيْهِ جَدْبَ الْبِلَادِ فَكَلَّمَ خَدِيْجَةَ فَاَعْطَتْهَا اَرْبَعِيْنَ شَاةً وَّبَعِيْرًا۔ ثُمَّ قَدِمَتْ اِلَيْهِ بَعْدَ النُّبُوَّةِ فَاَسْلَمَتْ وَبَايَعَتْ وَاَسْلَمَ زَوْجُهَا الْحَارِثُ۔

حافظ ابو الفرج الجوزی رحمۃ اللہ تعالی الحدائق میں لکھتے ہیں۔

"کہ حضرت حلیمہ بنت الحارث نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئیں جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے شادی کرلی تھی حلیمہ نے اپنی قحط سالی کی شکایت کی سرکار دو عالم نے اپنی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ کو ان کے بارے میں سفارش کی تو حضرت خدیجہ نے ان کو چالیس بکریاں اور ایک اونٹ بطور ہدیہ عطا فرمایا پھر حضور کی بعثت کے بعد حاضر ہوئیں آپ بھی ایمان لے آئیں اور ان کے خاوند حارث نے بھی اسلام قبول کیا اور دونوں نے حضور کی بیعت کی۔"

قَالَ الْقَاضِيْ اَبُو الْفَضْلِ عِيَاضٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى لَمَّا وَرَدَتْ حَلِيْمَةُ السَّعْدِيَّةُ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَسَطَ لَهَا رِدَاءَهُ وَقَضٰى حَاجَتَهَا فَلَمَّا تُوُفِّيَ قَدِمَتْ عَلَى اَبِيْ بَكْرٍ فَصَنَعَ لَهَا مِثْلَ ذٰلِكَ۔

"قاضی عیاض لکھتے ہیں حلیمہ سعدیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں حضور نے اس کے لئے اپنی چادر بچھائی اور اس کی حاجت کو پورا کیا۔ حضور کے وصال کے بعد وہ حضرت ابو بکر صدیق کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا یعنی

ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھائی اور جو انہوں نے مطالبہ کیا اس کو پورا کیا۔

ذَکَرَ اَبُوْعَمْرٍو عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ جَاءَتْ حَلِیْمَۃُ اِبْنَۃُ عَبْدِ اللہِ اُمُّ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَامَ لَھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَسَطَ لَھَا رِدَاءَہٗ فَجَلَسَتْ عَلَیْہِ۔

"عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ حضرت حلیمہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعی ماں تشریف لائیں تو حضور ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور چادر مبارک بچھائی اور وہ اس پر بیٹھیں۔"

یہ سابقہ روایات سبل الہدیٰ والرشاد سے منقول ہیں۔ (۱)

حضرت حلیمہ کے خاوند اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رضاعی باپ کا نام حارث ہے ان کے ایمان لانے کا واقعہ ابن اسحاق نے یوں بیان کیا ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نزولِ قرآن کے بعد حارث مکہ مکرمہ حضور کی ملاقات کے لئے آئے۔ قریش نے انہیں دیکھا اور کہا اے حارث! تم نے سنا کہ تمہارا بیٹا کیا کہتا ہے انہوں نے پوچھا وہ کیا کہتے ہیں کفار نے بتایا وہ کہتا ہے کہ موت کے بعد ہمیں پھر اٹھایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ بنائے ہیں نیکوکاروں کو جنت میں بدکاروں کو دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ اس نے قوم کے اتحاد کو پارا پارا کر دیا ہے حارث حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میرے بیٹے! آپ کی قوم آپ کا شکوہ کیوں کرتی ہے پھر قریش نے حضور کے بارے میں جو کچھ اسے کہا تھا اس نے اسے دہرا دیا حضور علیہ السلام نے فرمایا بیشک میں ایسا کہتا ہوں جب وہ دن آئے گا میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر آج کی گفتگو تمہیں یاد دلاؤں گا۔ حضور کے ارشاد نے حارث کی آنکھیں کھول دیں اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا اور اس کے بعد احکام الٰہی کی تعمیل کا حق ادا کر دیا ایمان لانے کے بعد وہ اکثر کہا کرتے۔

لَوْ قَدْ اَخَذَ اِبْنِیْ بِیَدِیْ فَعَرَّفَنِیْ مَا قَالَ لَہٗ یُرْسِلُنِیْ اِنْ شَاءَ اللہُ تَعَالٰی حَتّٰی یُدْخِلَنِیَ الْجَنَّۃَ

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد اول، صفحہ ۲۶۵ - ۲۶۸

"یعنی اگر میرے بیٹے نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے یہ گفتگو یاد دلائی تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ میرا ہاتھ اس وقت تک نہ چھوڑے گا جب تک وہ مجھے جنت میں داخل نہ کر دے۔" (۱)

مکہ واپسی

حضرت ام ایمن نے سیدہ آمنہ کو ابواء کے مقام پر دفن کیا یہ مقام مکہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہے قدیم شاہراہ جو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتی ہے اس پر ایک گاؤں مستورہ کے نام سے آتا ہے جہاں ہوٹل اور قہوہ خانے ہیں آنے جانے والی بسیں اور کاریں یہاں رکتی ہیں مسافر چائے پیتے ہیں کھانا کھاتے ہیں یہاں سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے دائیں طرف چند میل کے فاصلہ پر ابواء کی بستی ہے۔ بستی سے باہر ایک اونچا ٹیلہ ہے ارد گرد جھاڑیاں اور کیکر کے درخت اُگے ہوئے ہیں اس ٹیلہ پر سیدہ آمنہ کا مزار پر انوار ہے۔ مزار کیا ہے کالے پتھر توڑ کر ایک جگہ بے ہنگم سا ڈھیر لگا دیا گیا ہے اس کے ارد گرد چار دیواری ہے وہ بھی کالے پتھروں کو جوڑ کر بنا دی گئی ہے۔ مجھے بھی اُم الحسنات سمیت بعض احباب کی معیت میں ۱۹۸۰ء میں وہاں حاضری کا شرف نصیب ہوا بظاہر وہاں زیب و زینت اور رونق نام کی کوئی چیز نہیں لیکن قلب و روح کو وہاں ایسا کیف نصیب ہوتا ہے کہ سبحان اللہ۔ میر عبداللطیف صاحب (پھالیہ) بھی ہمراہ تھے انہوں نے ہی جیپ کا انتظام کیا تھا۔

بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ ابواء جہاں محبوب رب اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی مادر مشفقہ آرام فرما ہیں کہاں واقع ہے۔ اور بہت ہی کم لوگوں کو وہاں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔

حضرت ام ایمن نے اس مقام پر سیدہ آمنہ کو دفن کیا پھر اپنے کریم مالک اور مہربان مالکہ کے در یتیم کو اپنی آغوش شفقت میں لیا اس جان عالم کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش کے قطروں کی طرح ٹپکنے والے آنسو پونچھے۔ اس کے دل درد مند کو تسلی دی۔ اس کی روح حزیں کو دلاسہ دیا۔ جب انہوں نے چھ سالہ معصوم بچے کو اپنی ماں کی مرقد سے جدا کیا ہوگا تو دونوں پر کیا بیتی ہوگی۔ اسے صرف ام ایمن ہی جانتی ہے۔ فطرت، مقبولان بارگاہ صمدیت کی تربیت کا خود انتظام فرماتی ہے۔ یہ انتظامات انسان کے طے کئے گئے انتظامات سے انوکھے ہوتے ہیں۔

۱۔ الروض الانف۔ جلد اول، صفحہ ۱۸۵

مادرِ مشفق کا سایہ تو اٹھا لیا۔ لیکن اس کے عوض ایک سیاہ فام حبشن ام ایمن کی گود عطا فرما دی بے پایاں محبت. بے مثل خلوص اور انتھک خدمت کے جذبات نے ام ایمن کو دوسری ماں کا درجہ دے دیا۔ سیدہ آمنہ نامور خاندان بنی زہرہ کا گل سر سبد تھیں. ان کے دار فانی سے رخصت ہونے کے بعد اپنے محبوب کو ایک ایسی آغوش مرحمت فرمائی جہاں بے پایاں محبت. بے مثل خلوص اور انتھک خدمت کے عمیق جذبات کے چشمے ابل رہے تھے۔ جس نے اس معصوم دل کے درد و آلام کو بہت حد تک کم کر دیا۔ اس حبشن کو تجویز کر کے یہ بتا دیا کہ انسانیت کی عالی قدریں صرف سفید فاموں کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ قدرت کی فیاضیاں یہ خصائل حمیدہ ان دلوں اور روحوں کو بھی ارزانی فرما دیتی ہے۔ جن کی رنگت سیاہ ہے۔ اور جو مشک فام ہیں اس لئے انسانیت کو رنگ و روپ کی کسوٹی پر مت پرکھو ورنہ اکثر دھوکا کھا جاؤ گے۔ بلکہ ان کمالات اور خوبیوں سے جانچو جو شرف انسانیت ہیں جن میں عظمت و کرامت کا راز پوشیدہ ہے خصوصاً وہ ہستی جس نے کالے اور گورے کے جھوٹے امتیازات کو ختم کرنا تھا اسے دو ماؤں کی محبت عطا فرمائی اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو کسی کو عار دلاتے ہوئے یہ سنا۔

يَا ابْنَ السَّوْدَاءِ   اے کالی ماں کے بیٹے

تو حضور کو یارائے ضبط نہ رہا بڑے جوش اور غضب سے فرمایا۔

لَقَدْ طَفَحَ الْكَيْلُ لَقَدْ طَفَحَ الْكَيْلُ لَقَدْ طَفَحَ الْكَيْلُ، لَيْسَ لِابْنِ الْبَيْضَاءِ عَلَى ابْنِ السَّوْدَاءِ فَضْلٌ إِلَّا بِالتَّقْوٰى فَمُحَمَّدٌ ابْنُ الْبَيْضَاءِ، حَضَنَتْهُ السَّوْدَاءُ فَكَانَ ابْنًا لَهُمَا مَعًا

"پیمانہ چھلک گیا. پیمانہ چھلک گیا. پیمانہ چھلک گیا کسی سفید رنگ والی ماں کے بیٹے کو کسی سیاہ رنگ والی ماں کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں. بجز تقویٰ کے پس محمد (فداہ ابی و امی) سفید رنگ والی ماں کا فرزند ہے اس کی پرورش کالے رنگ والی ماں نے کی ہے پس وہ ان دونوں کا بیک وقت بیٹا ہے۔" (۱)

اس شفیق خادمہ نے اپنے ساتھ اونٹ پر سوار کیا۔ یہ مختصر قافلہ جواب صرف دو افراد اور دو اونٹوں پر مشتمل تھا مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان مسافروں نے یہ

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۱۳۱

مسافت کتنے دنوں میں طے کی اور وہ مکہ کب پہنچے۔ لیکن جب ام ایمن مکہ پہنچی ہوں گی اور گھر والوں نے سیدہ آمنہ کو نہ پایا ہوگا۔ تو حضرت عبدالمطلب پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہوگا۔

حضرت عبدالمطلب تو پہلے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ کر اپنے بڑھاپے کے دن گزار رہے تھے۔ سیدہ آمنہ کے انتقال پرملال کے بعد تو حضور سے ان کی الفت نے ایک طوفان کی صورت اختیار کرلی۔ کبھی ان کی انگلی پکڑے حرم کی طرف جا رہے ہیں، کبھی انہیں اپنے کندھوں پر اٹھائے کعبہ کے گرد طواف کر رہے ہیں، اپنے فرزند دل بند کی درازیٔ عمر، یُمنِ طالع اور بختِ ارجمند کے لئے مصروف دعا ہیں، کبھی اس چاند سے چہرے کو دیکھ کر سو جان سے تصدق ہو رہے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں تو انہیں اپنے ساتھ بٹھاکر، سوتے ہیں تو رات کو اپنے پہلو میں سلاتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی جدا کرنا گوارا نہ تھا۔

حضرت عبدالمطلب، جب حرم شریف میں حاضری کے لئے جاتے تو ظل کعبہ میں ان کے لئے مخصوص نشست گاہ بنائی جاتی، کسی بڑے سے بڑے آدمی کی مجال نہ تھی کہ اس پر قدم رکھ سکے حتی کہ ان کے فرزندان گرامی قدر بھی ازراہ ادب اس نشست گاہ سے دور ہٹ کر بیٹھتے لیکن جب حضور تشریف لاتے تو بے جھجک اپنے ذی وقار دادا جان کی نشست پر بیٹھنے کے لئے آگے بڑھ جاتے۔ حضور کے چچا آپ کو ایسا کرنے سے روکتے تو عبدالمطلب اپنے بیٹوں کو فرماتے۔ کہ

دَعُوْا ابْنِیْ فَوَاللّٰہِ اِنَّ لَہٗ لَشَاْنًا۔

"میرے بچے کو مت روکو اس کو آگے آنے دو بخدا اس کی بڑی شان ہوگی۔"

ہمیشہ حضور کو اپنے ساتھ بٹھاتے آپ کی پشت پر پیار سے ہاتھ پھیرتے حضور کی معصوم ادائیں دیکھتے اور خوشی سے پھولے نہ سماتے۔ (۱)

اپنے عظیم دادا کی بے پایاں شفقتوں اور محبتوں کے گھنے اور خنک سایہ میں حضور کے دو سال بسر ہوگئے عمر مبارک آٹھ سال ہوگئی۔ تو قدرت خداوندی نے اپنی دوررس حکمتوں کے پیش نظر حضرت عبدالمطلب کو بھی اس دنیا سے اٹھالیا۔ وفات سے پہلے آپ نے اپنے بیٹے حضرت ابو طالب کو بلایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگہداشت اور خدمت ان کے سپرد کی

ا۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۱۹۵

کیونکہ آپ حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے۔ دونوں فاطمہ بنت عمرو بن عائذ کے بطن سے تولد ہوئے تھے۔

حضور کی عمر مبارک جب آٹھ سال ہو گئی تو حضرت عبدالمطلب اس دار فانی سے دار بقا کو سدھارے۔ (۱)

آپ کی عمر اس وقت ایک سو چالیس سال اور دوسری روایت کے مطابق ایک سو دس سال تھی آپ کو جحون میں اپنے جد اعلیٰ قصی کی قبر کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ (۲)

آپ کی وفات پر کئی دنوں تک بازار بند رہے اور منڈیوں میں کاروبار معطل رہا، آپ کی چھ بیٹیاں تھیں ہر ایک نے اپنے عظیم باپ کی وفات پر مرثیے لکھے۔ جن میں آپ کے محامد و کملات ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے عمیق حزن وملال کا اظہار کیا جب آپ کا جنازہ اٹھا تو لوگوں نے آپ کے آٹھ سالہ کمسن پوتے کو بھی دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ (۳)

سرکارِ دو عالم اور عمِ محترم ابو طالب

حضرت عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق سرور عالم کی نگہداشت کی سعادت حضرت ابو طالب کے حصہ میں آئی۔ آپ کی مالی حالت اچھی نہ تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے خدمت گزاری کا حق ادا کر دیا آپ اپنے بچوں سے بھی زیادہ حضور سے پیار کرتے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے رات کو سوتے تو حضور کو اپنے پہلو میں لٹاتے۔ کھانے کا وقت ہوتا تو اس وقت تک دسترخوان نہ چنا جاتا جب تک حضور تشریف نہ لاتے۔ اگر حضور موجود نہ ہوتے تو اپنے کسی بچے کو بھیجتے تاکہ حضور کو ڈھونڈ کر لے آئے حضور کے آنے کے بعد کھانا شروع کیا جاتا۔ اپنے چچا کے دسترخواں پر جب شریک ہوتے تو اس کی برکتیں بھی ظہور پذیر ہوتیں۔ اگر آپ کے بچے کبھی حضور کے بغیر کھانا کھاتے تو کھانا پورا نہ ہوتا اور بھوکے اٹھ آتے لیکن جب حضور تشریف فرما ہوتے تو سارے خوب سیر ہو کر کھاتے اور کھانا بھی بچ جاتا۔ یہ دیکھ کر ابو طالب کہتے "انک لمبارک" اے میرے بیٹے! تو بڑا بابرکت ہے۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۴۱

۲۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۸۷

۳۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول صفحہ ۸۸

عام بچے بیدار ہوتے توان کے بال بکھرے ہوئے، آنکھیں چپکی ہوئی، چہرے زردی مائل کملائے ہوئے ہوتے لیکن حضور جب صبح کو بیدار ہوتے تو ہشاش بشاش چہرہ، آئینہ کی طرح صاف ہوتا، آنکھیں سرگیں اور موئے مبارک جیسے کسی نے تیل ڈال کر کنگھی کر دی ہو۔ ام ایمن کہتی ہیں کہ میں نے کبھی بچپن میں بھی عام بچوں کی طرح حضور کو بھوک کی شکایت کرتے نہیں سنا۔ (۱)

حضرت ابو طالب کے بیٹھنے کے لئے گدا بچھایا جاتا تھا۔ حضور تشریف لے جاتے تو بے درنگ اس پر بیٹھ جاتے ابو طالب کہتے۔

اِنَّکَ لَمُبَارَکٌ

"میرے بھتیجے کا حال عظیم مستقبل کی غمازی کرتا ہے۔" (۲)

اسی زمانے میں عرب کے نامور قیافہ شناس گاہے گاہے مکہ مکرمہ آیا کرتے اور جب بھی ان میں سے کوئی وہاں آتا تو لوگ اپنے بچوں کو ان کے پاس لے جاتے اور ان کے مستقبل کے بارے میں ان کی رائے معلوم کرتے اس قسم کے متعدد واقعات میں سے چند واقعات ہدیہ قارئین ہیں۔

ایک قیافہ شناس کی آمد مکہ میں

بنی ازد کا ایک خاندان "لہب" ہے جو قیافہ شناسی میں بڑی شہرت رکھتا تھا، اس کا ایک ماہر قیافہ شناس، جب کبھی مکہ مکرمہ آیا کرتا۔ لوگ اپنے بچے اس کے پاس لے جاتے تاکہ ان کے مستقبل کے بارے میں اپنے علم قیافہ کی مدد سے انہیں کچھ بتائے ایک دفعہ جب وہ مکہ آیا تو حضرت ابو طالب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی لے کر اس کے پاس گئے اس نے ایک مرتبہ دیکھا پھر وہ دوسرے بچوں کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا جب فارغ ہوا تو کہنے لگا ابھی ابھی میں نے ایک بچہ دیکھا تھا وہ کہاں ہے اسے میرے پاس لے آؤ۔ حضرت ابو طالب نے جب حضور کے بارے میں اس کی شدید حرص کو دیکھا تو آپ نے حضور کو چھپا دیا۔ وہ بار بار اصرار کرتا وہ بچہ میرے پاس لاؤ۔ وہ بچہ مجھے دکھاؤ بخدا اس کی شان بڑی بلند ہوگی۔

۱۔ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۴۲

۲۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۸۸

فَوَاللّٰہِ لَیَکُوْنَنَّ لَہٗ شَانٌ

"لیکن حضرت ابو طالب، حضور کو لے کر چلے گئے پھر اس کے اصرار کے باوجود اسے نہیں دکھایا۔" (۱)

ابو طالب آپ کی کنیت تھی آپ کا نام عبد مناف تھا۔ روافض کا یہ کہنا کہ آپ کا نام عمران تھا۔ اور قرآن کریم کی اس آیت میں آل عمران سے مراد آل ابی طالب ہے، سراسر باطل ہے آیت یہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰہِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ

"کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم کو، نوح کو، آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام جہانوں پر۔"

یہ آیت سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۳۳ ہے اور اسی سورت کی آیت نمبر ۳۵ میں عمران سے مقصود کیا ہے قرآن کریم نے واضح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

"جب عرض کی عمران کی بیوی نے اے میرے رب! میں نذر مانتی ہوں تیرے لئے جو میرے شکم میں ہے سب کاموں سے آزاد کر کے، سو قبول فرما لے یہ نذرانہ مجھ سے، بے شک تو ہی (دعائیں) سننے والا (نیتوں کو) جاننے والا ہے۔"

ہر بچہ بھی جانتا ہے کہ یہ خاتون جو عمران کی بیوی ہے وہ حضرت مریم کی والدہ تھیں اور عمران آپ کے والد کا اسم گرامی تھا نہ کہ حضرت ابو طالب کا۔

قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی ایک قوی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنی وضاحت خود کر دیتا ہے اور کسی تحریف کرنے والے کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی ہوا و ہوس کے مطابق اس کی آیتوں کو معانی کا جامہ پہناتا رہے۔

۱۔ الروض الانف، جلد اول، صفحہ ۲۰۳۔ سیرت ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۴۲
السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۹۷

عہدِ شباب

اور

کسبِ معاش کا دَور

عہدِ شباب اور کسبِ معاش کا دور

کسبِ معاش کا دور

حضرت ابو طالب کی مالی حالت تسلی بخش نہ تھی اہل و عیال کی کثرت نے اس کمزوری کو مزید تکلیف دہ بنا دیا تھا اس لئے جب حضور نو، دس سال کے ہوئے تو آپ نے بعض لوگوں کے ریوڑ اجرت پر چرانے شروع کر دیئے تاکہ اپنے محترم چچا کا ہاتھ بٹائیں امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا اِلَّا رَاعِیَ غَنَمٍ وَقَالَ لَہٗ اَصْحَابُہٗ وَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ وَاَنَا رَعَیْتُہَا لِاَھْلِ مَکَّۃَ بِالْقَرَارِیْطِ۔

"حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر اس نے بکریوں کو چرایا ہے۔ اصحاب نے عرض کی۔ یا رسول اللہ کیا آپ نے بھی، فرمایا کہ میں بھی قراریط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔"

قراریط، قیراط کی جمع ہے اور یہ دینار کے چھٹے حصے کی چوتھائی کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ دینار کے بیسویں حصہ کو قیراط کہتے ہیں۔

قِیْلَ رُبعہ سُدُسِ الدِّیْنَارِ وَقِیْلَ نِصف عشر الدینار

(المنجد)

"لیکن شیخ ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایک مفہوم بیان کیا ہے لکھتے ہیں۔

اَلْقَرَارِیْطُ ھِیَ حِصَّۃٌ مِنَ اللَّبَنِ کَانَ یَتَغَذّٰی بِہٖ مَعَ اَوْلَادِ اَبِیْ طَالِبٍ

"بکریوں کے دودھ کا حصہ، جو حضور اجرت کے طور پر لیا کرتے تھے اور جو حضرت ابو طالب کے اہل و عیال کے ساتھ بطور غذا استعمال فرمایا کرتے۔"

علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں ابراہیم حربی کے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب تھا۔ قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ یمن کی بندر گاہوں پر مشرق اور مشرق بعید کے ممالک سے در آمد کئے ہوئے مال کو لے کر قریش شام کی منڈیوں میں پہنچاتے تھے اور وہاں سے مغربی ممالک یونان، فلسطین مصر وغیرہ سے آیا ہوا مال لے کر یمن کی بندر گاہوں پر پہنچاتے تاکہ اس مال کو مشرقی ممالک کو بر آمد کیا جائے۔

سفرِ شام

جب رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک بارہ سال کے قریب پہنچی تو حضرت ابو طالب نے اپنے تجارتی مقاصد کے لئے شام کے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ علامہ ابن خلدون نے عمر کے بارے میں تیرہ سال اور سترہ سال کے دو قول لکھے ہیں۔ (۱)

جب آپ روانہ ہونے لگے تو رحمت عالم نے اپنے چچا کے اونٹ کی نکیل پکڑی اور اصرار کیا کہ مجھے بھی اپنے ہمراہ لے جائیں۔

مَسَكَ بِزِمَامِ نَاقَةِ اَبِیْ طَالِبٍ وَقَالَ یَا عَمِّ اِلٰی مَنْ تَكِلُنِیْ لَا اَبَ لِیْ وَلَا اُمَّ۔

"حضور نے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑی اور فرمایا اے میرے چچا! آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں میرا نہ باپ ہے اور نہ ماں۔"

چنانچہ ابو طالب آپ کو ساتھ لے جانے پر تیار ہو گئے اور آپ کو اپنی اونٹنی پر اپنے ساتھ سوار کر لیا کئی دنوں کی مسافت کے بعد جب یہ قافلہ "بُصریٰ" پہنچا تو وہاں عیسائی راہبوں کی ایک خانقاہ کے نواح میں شب بسری کے لئے قیام کیا اس خانقاہ میں ایک عیسائی راہب عرصۂ دراز

۱۔ تاریخ ابن خلدون، جلد دوم، صفحہ ۱۲۷

سے سکونت پذیر تھا۔ اس کا نام جرجیس تھا لیکن بحیریٰ (۱) کے نام سے مشہور تھا۔ بحیریٰ سریانی لفظ ہے اس کا معنی عبقری اور نابغہ ہے یعنی از حد دانشمند اور علامۂ روزگار۔ (۲)

کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو جو خصوصی علوم عطا کئے گئے تھے وہ نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے اور اس زمانہ میں ان علوم کا امین یہی بحیریٰ راہب تھا۔ قریش کے تجارتی کارواں ہمیشہ اس راستہ سے گزرا کرتے تھے لیکن اس نے کبھی ان کی پروا نہیں کی تھی وہ ان سے گفتگو کرنے کا روادار بھی نہ تھا لیکن اس دفعہ جب یہ قافلہ اس کی وادی میں داخل ہوا تو اس نے اپنی خانقاہ سے دیکھا کہ ایک نوخیز بچے پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے وہ بچہ جدھر جاتا ہے بادل کا ٹکڑا اس کے ساتھ ساتھ جاتا ہے پھر اس نے اس امر کا بھی مشاہدہ کیا کہ جب یہ قافلہ ایک درخت کے سایہ میں اترا۔ یہ بچہ جب وہاں پہنچا تو درخت کے سایہ میں کوئی جگہ نہ رہی تھی اس لئے مجمع سے باہر ہی وہ بچہ دھوپ میں بیٹھ گیا اور درخت نے فوراً جھک کر اپنا سایہ اس بچہ پر پھیلا دیا۔

بحیریٰ نے جب اپنی خانقاہ کے دریچہ سے یہ منظر دیکھا اسے خیال آیا کہ جس نبی صادق و امین کے ہم منتظر ہیں اور جس کی علامات ہماری کتب میں مرقوم ہیں کہیں یہ جوان وہی تو نہیں اسے قریب سے دیکھنا چاہئے تاکہ ان کی نشانیوں کے بارے میں پورا وثوق ہو جائے اس نے اس کے لئے یہی تجویز مناسب سمجھی کہ سارے قافلہ کی ضیافت کی جائے وہ نوجوان بھی آئے گا اسے قریب سے دیکھ کر دل کو مطمئن کر لوں گا چنانچہ خلافِ معمول وہ اپنی خانقاہ سے نکل کر ان قافلہ والوں کے پاس آیا اور کہا کہ آج آپ کے قافلہ کے تمام افراد کو میں دعوت دیتا ہوں کہ آج ماحضر میرے ہاں تناول فرمائیں اس کے اس طرز عمل سے سارا قافلہ سراپا حیرت بنا ہوا تھا۔ آخر ایک شخص سے نہ رہا گیا اور اس نے پوچھ ہی لیا کہ اے بحیریٰ! " آپ کے طرز عمل نے ہمیں حیران کر دیا ہے پہلے بھی ہم یہاں سے بارہا گزرے ہیں لیکن آپ نے ہماری طرف کبھی توجہ تک نہ کی۔ اس دفعہ آپ خلاف معمول اپنی خانقاہ سے چل کر ہمارے پاس آئے اور ہمیں کھانے کی دعوت دے کر ہماری عزت افزائی فرمائی آپ کے طریقہ کار میں یہ بین تفاوت کیوں

۱۔ المنجد میں اس لفظ کی املا یوں ہے بحیرٰ لیکن اسلامی کتب میں اس کی املا بحیریٰ ہے یعنی باء مفتوح حاء مجرور یا ساکن آخر میں یاء اس پر الف علامہ ابن کثیر کی سیرت میں اسی طرح لکھا ہے اصفہانی کی دلائل نبوۃ میں اس کی املاء بحیراء ہے۔

۲۔ نظرۃ جدیدۃ فی السیرۃ صفحہ ۱۶

بحیریٰ نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا کہ بے شک آپ درست کہہ رہے ہیں لیکن آخر کار آپ ہمارے مہمان ہیں اپنے مہمانوں کی عزت کرنا اور ان کی ضیافت کا شرف حاصل کرنا ہمارا فرض ہے جب مقررہ وقت آیا تو قافلے کے سارے افراد بحیریٰ کے ہاں گئے اس نے بڑے اہتمام سے ان کا خیر مقدم کیا لیکن جس جانِ عالم کے لئے وہ بڑی بے تابی سے اپنی آنکھیں فرش راہ کئے ہوئے تھا وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے پوچھا آپ میں سے کوئی رہ تو نہیں گیا انہوں نے بتایا کہ تمام لوگ آگئے ہیں صرف ایک بچہ پیچھے رہ گیا ہے اسے ہم اپنے خیموں اور اونٹوں کی حفاظت کے لئے چھوڑ آئے ہیں اس نے اصرار کیا کہ اسے بھی ضرور بلاؤ اس قافلے کا کوئی فرد چھوٹا ہو یا بڑا۔ غلام ہو یا آزاد پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ آپ کے چچا حارث بن عبدالمطلب گئے اور حضور کو بلا کر لے آئے اس پیکرِ نور و سعادت کے آنے سے بحیریٰ کے دل بے قرار کو قرار آگیا اور وہ حضور کو پہچاننے کے لئے ٹکٹکی باندھ کر رخ انور کو دیکھنے میں محو ہو گیا۔

جب قافلے والے کھانے سے فارغ ہوئے تو اس نے سب کو رخصت کر دیا اور خود حضور کے قریب آیا اور آزمانے کے لئے کہنے لگا۔

اَسْئَلُكَ بِحَقِّ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى اِلَّا مَا اَخْبَرْتَنِیْ عَمَّا اَسْئَلُكَ عَنْهُ

"میں تم سے لات و عزیٰ کے حق کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ جس بارے میں. میں آپ سے پوچھوں آپ مجھے اس کا جواب دیں۔"

اس نے حضور کو آزمانے کے لئے لات و عزیٰ کی قسم کھائی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

لَا تَسْئَلْنِیْ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى شَیْئًا فَوَاللّٰهِ مَا اَبْغَضُ شَیْئًا قَطُّ بُغْضَهَا۔

"مجھ سے لات و عزیٰ کے واسطہ سے کوئی بات مت پوچھو بخدا جتنی مجھے ان سے نفرت ہے اتنی اور کسی چیز سے نہیں۔"

بحیریٰ نے کہا۔

فَبِاللّٰهِ اِلَّا مَا اَخْبَرْتَنِیْ عَمَّا اَسْئَلُكَ عَنْهُ

"تو میں اللہ کے واسطہ سے عرض کرتا ہوں کہ جو میں آپ سے پوچھوں اس کا جواب آپ مجھے مرحمت فرمائیں۔"

فَقَالَ لَهٗ سَلْنِیْ مَا بَدَا لَكَ

حضور نے فرمایا۔ "

"اب جو تمہارا جی چاہے پوچھو میں اس کا صحیح صحیح جواب دوں گا۔ "

وہ حضور سے آپ کی نیندو بیداری وغیرہ کی کیفیات کے بارے میں دریافت کرتا رہا۔ حضور جواب ارشاد فرماتے رہے۔ حضور جو حالات اسے بتاتے اس سے ان صفات کی تصدیق ہوتی جاتی تھی جو نبی آخرالزمان کے بارے میں اس کے پاس تھیں۔ آخر میں اس نے پشت مبارک سے کپڑا اٹھایا وہاں اس نے خاتم نبوۃ کو بعینہٖ اس صورت میں دیکھا جو اس کے پاس تھی۔ بے ساختہ اس نے جھک کر خاتم نبوۃ کو چوم لیا جن قافلہ والوں نے یہ منظر دیکھا وہ کہنے لگے کہ اس راہب کے دل میں محمد معصوم کی بڑی قدر و منزلت ہے۔

جب بحیریٰ اس سے فارغ ہوا تو حضرت ابو طالب کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا۔

مَاهٰذَا الْغُلَامُ مِنْكَ

"اس بچے کا آپ سے کیا رشتہ ہے آپ نے کہا یہ میرا بیٹا ہے۔ "

بحیریٰ نے کہا۔

مَاهُوَ ابْنُكَ وَمَا يَنْبَغِي لِهٰذَا الْغُلَامِ اَنْ يَّكُوْنَ اَبُوْهُ حَيًّا ۔

"یہ آپ کا بیٹا نہیں اور نہ اس کا باپ زندہ موجود ہو سکتا ہے۔ "

حضرت ابو طالب نے کہا۔ یہ میرا بھتیجا ہے۔

اس نے پوچھا۔ ان کا باپ کہاں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ "مات وامہ حبلیٰ " کہ ان کا انتقال ہو گیا جب کہ ابھی یہ شکم مادر میں تھے۔

اس نے کہا۔ اب آپ نے سچی بات کی ہے پھر ان کی ماں کہاں ہے۔

آپ نے بتایا۔ تھوڑی مدت گزری وہ بھی انتقال کر گئی ہیں۔

پھر اس نے حضرت ابو طالب کو کہا۔ کہ آپ اپنے بھتیجے کو لے کر وطن لوٹ جائیں اور یہودیوں سے ہر وقت ہوشیار رہیں اگر انہوں نے دیکھ لیا اور اُن کو اِن حالات کا علم ہو گیا جن کا مجھے علم ہوا ہے تو وہ انہیں ضرر پہنچانے سے باز نہیں آئیں گے آپ کے بھتیجے کی بڑی شان ہوگی یہ چیز ہماری کتابوں میں مکتوب ہے اور ہمیں اپنے آباؤ اجداد نے یہی بتایا ہے دیکھو۔ میں نے آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کا فرض ادا کر دیا انہیں جلدی اپنے وطن واپس لے جاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ بحیریٰ نے صراحۃً انہیں بتا دیا۔

هٰذَا سَيِّدُ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَا يَبْعَثُهُ

اللهُ رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔

"یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں یہ رب العالمین کے رسول ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ رحمت للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔" (۱)

بعض روایات میں ہے کہ ابو طالب وہیں سے حضور کو لے کر واپس مکہ آگئے لیکن دوسری روایت میں ہے آپ قافلہ کے ساتھ شام گئے جلدی جلدی کاروبار سے فراغت پا کر مکہ لوٹ گئے۔

فَخَرَجَ بِهٖ عَمُّهٗ سَرِيۡعًا حَتّٰى اَقۡدَمَهٗ مَكَّةَ حِيۡنَ فَرَغَ مِنۡ تِجَارَتِهٖ بِالشَّامِ

" آپ کے چچا آپ کو لے کر وہاں سے جلدی نکلے شام پہنچے اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر آپ کو لے کر مکہ واپس آئے۔" (۲)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر بھی اس قافلہ میں شریک تھے اور جب راہب نے تاکید کی کہ آپ کو فوراً اپنے وطن واپس بھیج دیا جائے تو حضرت ابو بکر آپ کو اپنے ہمراہ مکہ واپس لے آئے۔ لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس سفر میں حضرت ابو بکر شریک سفر نہ تھے اور نہ اس وقت ان کی عمر اتنی تھی کہ وہ حضور کو اپنی نگرانی میں مکہ واپس لے آتے۔ بلکہ ایک دوسرے سفر میں آپ حضور کے ہمرکاب تھے جو حضرت خدیجہ کے مال میں تجارت کی غرض سے ان کے غلام میسرہ کی معیت میں کیا گیا تھا۔ اس سفر میں بھی ایک راہب سے بُصرا کے مقام پر ملاقات ہوئی تھی لیکن وہ راہب بحیریٰ نہیں تھا بلکہ اس کا نام "نسطورا" تھا۔

بعض مورخین نے ان دونوں واقعات کو ایک واقعہ تصور کیا ہے اس لئے اس کے بیان کرنے میں خلط ملط ہو گیا ہے۔ (۳)

شدید قحط اور بارانِ رحمت

ابن عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں مکہ گیا وہاں شدید قحط سالی

۱۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۹۸۔ ۱۰۰

۲۔ الروض الانف صفحہ ۲۰۷

۳۔ سیرت ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۴۳۔ ۲۴۵۔ السیرۃ النبویہ دحلان، جلد اول، صفحہ ۱۰۰

تھی۔ عرصہ دراز سے بارش کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکی تھی ایک شخص نے اہل مکہ کو کہا چلو لات و عزیٰ کے پاس۔ وہاں جاکر فریاد کرو۔ ایک اور بولا۔ منات کے پاس بھی چلو۔ اس وقت ایک شیخ نمودار ہوا جو بڑا خوش اندام اور خوبرو تھا۔ اس کی رائے بھی بہت صائب تھی اس نے کہا کہ تم ملرے مارے بھٹکتے پھر رہے ہو۔ جب کہ تمہارے پاس ابراہیم واسماعیل کے خاندان کی یادگار موجود ہے لوگوں نے کہا۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ ابو طالب کے پاس جائیں۔ اس بزرگ نے کہا بے شک۔ سب لوگ کھڑے ہوگئے میں بھی ان کے ساتھ کھڑا ہوگیا ہم نے جاکر ابو طالب کا دروزاہ کھٹکھٹایا آپ باہر نکلے۔ سب لوگ آپ کی طرف دوڑے عرض کی اے ابو طالب! قحط سالی نے وادی کو جلا کر رکھ دیا ہے بال بچے بھوک سے بلک رہے ہیں تشریف لایئے اور بارش کے لئے دعا مانگئے۔ حضرت ابو طالب، سب کے ہمراہ روانہ ہوئے ان کے ساتھ ایک نوخیز جوان بھی تھا (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) یوں معلوم ہوتا تھا کہ مہر درخشاں ابھی بادلوں کی اوٹ سے باہر نکلا ہو حضور کے اردگرد کئی آپ کے ہم عمر بھی تھے ابو طالب نے آپ کو پکڑا اور آپ کی پشت کعبہ کے ساتھ لگادی اس نوجوان نے سراپا عجز ونیاز بن کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اس وقت آسمان پر بادل کا نام ونشان تک نہ تھا۔ آپ کے مبارک ہاتھ اٹھتے ہی جگہ جگہ سے بادل کی ٹکڑیاں نمودار ہونے لگیں اور چند لمحوں میں بادل امڈ کر آگئے اور بارش برسنے لگی ایسی موسلا دھار بارش برسی کہ ساری وادیاں لبریز ہوگئیں۔ سارے میدان لبالب بھر گئے۔ کچھ عرصہ بعد ہر طرف سبز گھاس لہلہانے لگی مرجھائے ہوئے درخت سرسبز وشاداب ہوگئے۔

بعثت کے بعد جب کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اذیت پہنچانی شروع کی تو آپ نے اپنی قوم کو حضور کا وہ احسان یاد دلایا اور اس عظیم برکت کا ذکر کرکے انہیں ان اذیت رسانیوں سے باز آنے کی تلقین کرنے کے لئے ایک قصیدہ لکھا جس کے دو شعر آپ بھی ملاحظہ فرمایئے اور لطف اٹھایئے۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

"ان کی رنگت سفید ہے ان کے رخ انور کا واسطہ دے کر بارش کی بھیک مانگی جاتی ہے وہ یتیموں کی پناہ ہیں اور بیواؤں کے عصمت کے محافظ ہیں۔"

يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِىْ نِعْمَةٍ وَّفَوَاضِلِ

"خاندان ہاشم کے مسکین، ہلاک ہونے سے اس کے دامن کرم میں پناہ لیتے ہیں پس وہ لوگ آپ کے پاس ہر قسم کے انعامات اور احسانات سے مالا مال کر دئے جاتے ہیں۔ (۱)

بعض کا خیال ہے کہ یہ اشعار حضرت عبدالمطلب کے ہیں آپ کے زمانے میں بھی اسی طرح شدید قحط پڑا تھا۔ آپ اپنی قوم کے ساتھ جبل ابی قبیس پر دعا مانگنے کے لئے گئے تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمسنی کا عالم تھا آپ نے اپنے اس نور نظر کو اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا حضور کے واسطہ سے دعا مانگی جو فوراً قبول ہوئی اس واقعہ سے انکار نہیں لیکن یہ اشعار حضرت ابو طالب کے ہیں کیونکہ بخاری شریف کی حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے عہد نبوت میں بھی ایک مرتبہ شدید قحط پڑا۔ ایک اعرابی حاضر ہوا اور عرض کی۔ یارسول اللہ

"یارسول اللہ ؛ ھلکنا وھلکت مواشینا"

"خشک سالی کے باعث ہم بھی ہلاک ہوگئے اور ہمارے مویشی بھی ہلاک ہوگئے۔"

حضور نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اس سے پیشتر کہ دست مبارک نیچے آتے بارش شروع ہوگئی اور اس کی بوندیں ریش مبارک کو تر کر کے نیچے ٹپکنے لگیں۔ پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی دوسرے جمعہ کو پھر اسی اعرابی نے یا کسی دوسرے بدو نے بارش کی کثرت سے ہلاک ہونے کی شکایت کی۔ حضور نے اشارہ فرمایا اور اسی وقت بادل پھٹ گئے۔ بارش رک گئی۔

وَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ ثُمَّ قَالَ لِلّٰهِ دَرُّ اَبِیْ طَالِبٍ لَوْ كَانَ حَيًّا لَقَرَّتْ عَيْنَاهُ مَنْ يُنْشِدُنَا قَوْلَهٗ۔

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوگئے پھر فرمایا اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں کون ہے جو ان کا شعر سنائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کی۔"

کانک ترید قولہ وابیض یستسقی الغمام بوجھہ الخ

"کیا حضور کی مراد آپ کے یہ اشعار ہیں۔ حضور نے فرمایا بے شک اس

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۸۹

روایت سے ثابت ہو گیا کہ یہ اشعار حضرت ابو طالب کے ہیں۔"

عصمتِ ربانی

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے جب بھی میں کسی ایسے کام کا ارادہ کرتا جو میری شان کے شایاں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے ارتکاب سے مجھے بچالیتا۔ چند واقعات زبان رسالت سے سماعت فرمایئے حضور نے فرمایا۔

ایک روز میں اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ ہم سب پتھر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہے تھے میں نے اپنا تہبند اتار کر اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ اور اس پر پتھر رکھ کر ڈھونے لگا۔ فوراً کسی غیر مرئی ہستی نے مجھے طمانچہ رسید کیا پھر آواز آئی جلدی کرو اپنا تہبند باندھ لو۔ چنانچہ میں نے اپنا تہبند باندھ لیا اور بچوں کے ساتھ پتھر اٹھانے کے شغل میں پھر مصروف ہو گیا۔ حالانکہ سارے بچوں نے اپنی چادریں اتاری ہوئی تھیں۔ (۱)

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے بچپن میں صرف دو مرتبہ ایسے کام کرنے کا ارادہ کیا جو زمانہ جاہلیت کے لوگ عموماً کیا کرتے تھے لیکن دونوں مرتبہ میرے رب کریم نے مجھے بچالیا۔

جب میں اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ تو دوسرے چرواہوں کے ساتھ میں بھی مکہ سے باہر صحرا میں شب بسر کیا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے اپنے ساتھی چرواہے سے کہا آج تم میری بکریوں کا خیال رکھنا میں ذرا مکہ جاتا ہوں اور جہاں قصے کہانیوں کی محفلیں جمتی ہیں ان میں شرکت کرنا چاہتا ہوں میرے ساتھی نے ہامی بھر لی اور میں مکہ چلا آیا۔ جب میں مکہ کے قریب پہنچا تو مجھے گانے، دفوں کے بجانے اور مزامیر کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں جو گا رہے ہیں اور دف بجا رہے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ فلاں شخص کی فلاں عورت کے ساتھ شادی ہے اس لئے یہ راگ رنگ کا سماں ہے میں وہاں سننے کے لئے بیٹھا ہی تھا کہ مجھے نیند نے آلیا میری آنکھ لگ گئی رات بھر سویا رہا۔ جب سورج چڑھا اور اس کی گرم کرنیں میرے جسم کو جلانے لگیں تو میری آنکھیں کھلیں میں اٹھا اور اپنے ساتھی کے پاس لوٹ آیا۔ اس نے

۱۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام مطبوعہ مصر، جلد اول، صفحہ ۱۹۷

مجھ سے پوچھا بتاؤ رات کیسے گزری۔ مجھ پر جو بیتی تھی۔ وہ میں نے اسے سنادی۔

ایک مرتبہ پھر میں نے مکہ کی رونقوں سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کی۔ اس کا بھی یہی انجام ہوا۔ (۱)

حضرت ام ایمن سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں "بوانہ" کے مقام پر ایک بت تھا جس کی قریش پوجا کیا کرتے اور بڑی تعظیم بجلاتے ہر سال اس کا میلہ لگا کرتا دور و نزدیک سے لوگ بڑے شوق سے اس میں شامل ہوتے۔ پوجا پاٹ کی رسمیں ادا کرتے جانور بھینٹ چڑھاتے ابو طالب اپنی قوم سمیت اس میلہ میں شرکت کرتے اور حضور کو بھی مجبور کرتے کہ آپ اس عید میں شامل ہوں لیکن حضور ہمیشہ انکار فرما دیتے۔

حربِ فجار

عہد جاہلیت میں عرب کے باشندے عقیدہ کی گمراہی، علم سے محرومی کے علاوہ نسلی تفاخر، قبائلی عصبیت، شخصی رعونت اور انانیت کی بیماریوں میں بری طرح مبتلا تھے ذرا ذرا سی بات پر غضب ناک ہو جاتے آپس میں الجھ پڑتے تلواریں نیام سے باہر نکل آتیں۔ پھر اپنے بھائی بندوں کو اس بے دردی سے تہ تیغ کرتے کہ خون کے دریا بہنے لگتے اس بے مقصد قتل عام پر انہیں ذرا ندامت نہ ہوتی بلکہ ان کارستانیوں پر فخر کرتے اور اتراتے۔ ان بہادروں کی شان میں قصیدے لکھے جاتے جنہوں نے اپنے عزیزوں کو زیادہ بے دردی سے اور کثیر تعداد میں قتل کیا ہوتا۔ یہاں بطور مثال ایک جنگ کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے بھی اپنے چچوں کے ساتھ اس میں شرکت فرمائی تھی۔ اس جنگ کی تفصیلات میں نے "العقد الفرید" سے نقل کی ہیں۔ اس کے مطالعہ سے زمانہ جاہلیت کی ساری لڑائیوں کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔

زمانہ جاہلیت میں متعدد جنگیں ہیں جو حرب فجار کے نام سے مشہور ہیں ہم جس حرب فجار کا ذکر کر رہے ہیں یہ وہ جنگ ہے جو زمانہ بعثت سے بیس پچیس سال قبل اس وقت لڑی گئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پندرہ بیس سال کے درمیان تھی اس جنگ میں ایک فریق قریش اور بنی کنانہ تھے اور دوسرا فریق بنو ہوازن۔ اور اس کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے کہ حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر ہر سال جب عکاظ کا میلہ لگتا تھا۔ اس وقت اپنا تجارتی قافلہ وہاں بھیجا کرتا

۱۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۱۰۱

اس قافلہ میں مشک و عنبر وغیرہ خوشبودار چیزیں سرفہرست ہوتیں۔ یہ قافلہ اپنے مال کو عکاظ کی منڈی میں فروخت کرتا اور وہاں سے طائف کی چمڑے کی مصنوعات اور دیگر ضرورت کی چیزیں خرید کر حیرہ لوٹ آتا۔ حیرہ سے عکاظ جاتے ہوئے اس قافلہ کو بہت سے صحرا نشین قبائل کے علاقوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ لوگ قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ اس لئے نعمان، جب اپنا تجارتی قافلہ روانہ کرتا تو عرب کے کسی رئیس کی حفاظت اور جوار میں اسے روانہ کرتا اس طرح کوئی قبیلہ اور کوئی فرد اس پر دستِ تعدی دراز نہ کرتا۔ اس دفعہ جب وہ قافلہ تیار ہوا تو نعمان نے اپنے اہل دربار سے پوچھا کہ اس دفعہ ہمارے قافلے کو کون اپنی پناہ میں لے گا۔ براض بن قیس النمری نے کہا کہ بنی کنانہ سے میں اسے اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ نعمان نے کہا۔ مجھے تو ایسا آدمی چاہئے جو نجد اور تہامہ کے جملہ قبائل سے اس قافلہ کو پناہ دے۔ وہاں ہوازن کا ایک رئیس عروۃ الرحال موجود تھا۔ اس نے کہا اے بادشاہ! کیا ایک مردود کتا (براض) تمہارے قافلہ کو پناہ دے گا میں تیرے قافلے کو عرب کے تمام قبائل سے پناہ دیتا ہوں براض نے کہا اے عروہ! کیا تو بنی کنانہ سے بھی اس قافلہ کو پناہ دیتا ہے عروہ نے کہا میں سب لوگوں سے اسے پناہ دیتا ہوں۔ چنانچہ نعمان نے اس قافلہ کی زمام کار عروہ کے سپرد کر دی وہ اس کو لے کر روانہ ہوا۔ براض بھی اس کے تعاقب میں نکلا۔ عروہ کو کسی سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ اپنی قوم کے علاقے سے گزر رہا تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ سکے جب وہ بنی تمیم کی ایک بستی "أواره" میں اترا تو اس نے رات کو شراب پی۔ ایک لونڈی آئی اس نے اپنے رقص و سرور سے اس کا دل بہلایا۔ پھر وہ اٹھا اور جا کر اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ براض نے جب اسے تنہا دیکھا تو اندر چلا گیا عروہ نے جب اس کو اس حالت میں دیکھا تو اس نے خطرہ بھانپ لیا۔ لگا اس کی منت سماجت کرنے۔ اور کہا مجھ سے غلطی ہو گئی ہے مجھے معاف کر دو۔ لیکن براض نے اس کی منت سماجت کی ذرا پروا نہ کی اور تلوار کے ایک وار سے اس کا کام تمام کر دیا اور یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

قَدْ كَانَتِ الْفَعْلَةُ مِنِّي ضَلَّةً
هَلَّا عَلٰى غَيْرِيْ جَعَلْتَ الزَّلَّةَ
سَوْفَ أَعْلُوْ بِالْحُسَامِ كُلَّهُ

"وہ کہتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی اس نے یہ لغزش میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ کیوں نہیں کی میں اپنی تیز دھار والی تلوار کو اس کے سر پر بلند

کروں گا۔ یعنی اس کا سر کاٹ دوں گا۔"

عروہ، جس کی امان میں نعمان کا یہ قافلہ سفر کر رہا تھا جب وہ مارا گیا تو براض نے قافلہ کو بے یار و مددگار سمجھ کر ہانک لیا اور خیبر لے گیا۔ براض کے تعاقب میں مساور بن مالک الغطفانی اور اسد بن جثیم غنمی نکلے وہ بھی خیبر پہنچ گئے۔ وہاں سب سے پہلے جس شخص سے ان دونوں کی ملاقات ہوئی وہ خود براض تھا اس نے ان سے پوچھا۔ آپ کون صاحبان ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے قبیلہ کا نام لیا اور تعارف کرایا۔ براض نے کہا غطفان اور غنمی کا یہاں کیا کام انہوں نے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا میں خیبر کا باشندہ ہوں۔

انہوں نے کہا براض کے بارے میں تمہیں کچھ علم ہے۔ اس نے جواب دیا وہ ہمارے پاس آیا تھا گویا کسی نے اس کو دھکے مار کر اور رسوا کر کے اپنے ہاں سے نکال دیا ہو خستہ و شکستہ حال خیبر میں کسی نے اس کو اپنے ہاں پناہ نہیں دی اور نہ کسی نے اپنے گھر کا دروازہ اس کے لئے کھولا۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ کہاں ہو گا اس نے کہا۔ اگر میں تمہیں اس تک پہنچا دوں تو کیا تم میں اس کے مقابلہ کی طاقت ہے انہوں نے کہا کیوں نہیں اس نے کہا پھر اپنے اونٹوں سے نیچے اترو وہ اترے اور اپنے اونٹوں کو عقالوں سے باندھ دیا۔ براض نے ان سے دریافت کیا تم میں سے زیادہ بہادر، جرأت سے پیش قدمی کرنے والا اور تیز تلوار والا کون ہے۔ غطفانی نے کہا، میں۔ براض نے کہا میرے ساتھ چلو میں تمہیں اس کے پاس لے چلتا ہوں۔ اور تمہارا یہ دوسرا ساتھی ان دو سواریوں کی حفاظت کرے گا چنانچہ غطفانی چلا۔ براض اس کے آگے آگے تھا وہ اسے خیبر کی آبادی سے باہر ایک کھنڈر میں لے گیا براض نے اسے کہا کہ وہ اس کھنڈر میں رہتا ہے تم انتظار کرو میں جا کر دیکھتا ہوں وہ یہاں ہے یا نہیں۔ وہ وہاں ٹھہر گیا براض اندر داخل ہوا۔ پھر باہر نکلا اور بتایا کہ وہ اس دیوار کے پیچھے جو کمرہ ہے اس میں سو رہا ہے تم جب اندر داخل ہو گے تو وہ کمرہ تمہاری دائیں طرف ہو گا۔ کیا تمہاری تلوار کی دھار تیز ہے۔ اس نے کہا "ہاں" براض نے کہا۔ لاؤ میں دیکھوں کہ اس کی دھار تیز ہے یا نہیں اس نے اپنی تلوار اس کو پکڑا دی۔ براض نے اس کو ہوا میں لہرایا پھر ایک وار سے اس کا سر قلم کر دیا اور تلوار کو دروازے کے پیچھے رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ غنمی کے پاس آیا جسے اونٹوں کی حفاظت کے لئے چھوڑا گیا تھا اس نے جب اس شخص کو دیکھا تو پوچھا خیریت تو ہے اس نے جواب دیا کہ میں نے تیرے ساتھی سے زیادہ بزدل کوئی نہیں دیکھا میں نے اس کو اس کمرہ کے دروازے کے قریب کھڑا چھوڑا جس میں وہ آدمی سو رہا تھا تیرا ساتھی وہاں بے جان مورتی کی طرح کھڑا ہو گیا نہ آگے

بڑھتا تھا نہ پیچھے ہٹتا تھا۔ گویا ایک بے جان لاشہ ہے۔ غنمی نے بصد تاسف کہا کاش اگر کوئی شخص ہمارے ان دو اونٹوں کی حفاظت کرتا تو میں خود جاتا۔ براض نے کہا ان کا میں ذمہ دار ہوں اگر کوئی شخص لے گیا تو میں ان کا تاوان ادا کروں گا۔ غنمی اس مکان کی طرف چل دیا براض اس کے پیچھے پیچھے تھا جب وہ اس کھنڈر کے دروازے کے اندر چلا گیا تو براض نے وہ تلوار اٹھالی جسے وہ دروازے کے پیچھے چھوڑ گیا تھا اور اس کو بھی تہ تیغ کر دیا۔ دونوں مقتولوں کے ہتھیار بھی لے لئے۔ دونوں اونٹوں پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے چلتا بنا۔

براض کے اس قتل و غارت کی خبر قریش کو اس وقت ملی جب وہ عکاظ کی منڈی میں اپنے اپنے خیموں میں امن و سکون کے ساتھ اپنے کاروبار میں مشغول تھے۔ عکاظ ایک جگہ کا نام ہے جو طائف سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ جہاں ہر سال یکم ذی قعد سے ایک منڈی لگتی تھی لوگ دور دور سے اپنی مصنوعات وغیرہ لے آتے انہیں فروخت کرتے اپنی ضرورت کی چیزیں خرید کر اپنے اپنے علاقے میں واپس چلے جاتے کاروباری سرگرمیوں کے علاوہ یہاں ان دنوں ثقافتی اور ادبی سرگرمیاں بھی عروج پر ہوتیں۔ شعراء قصیدے لکھ کر لاتے اور مجمع عام میں لوگوں کو سناتے اور سامعین سے داد وصول کرتے جو قصیدہ تمام قصائد سے اعلیٰ قرار پاتا اسے سونے کے پانی سے لکھ کر کعبہ کی دیواروں کے ساتھ آویزاں کر دیا جاتا ایک سال تک وہ وہاں لٹکا رہتا زائرین کعبہ اس قصیدہ کو سال بھر پڑھتے رہتے اور لکھنے والے کو داد دیتے۔

۱۹۸۰ء میں جب طائف کی زیارت کا شرف نصیب ہوا تو میں اپنے احباب کے ہمراہ عکاظ بھی گیا۔ یہ ایک وسیع و عریض میدان ہے۔ جہاں اس وقت اگرچہ کوئی آبادی نہیں لیکن مکانوں کی بنیادیں اب بھی موجود ہیں۔ اس کی ایک جانب ایک پہاڑی ٹیلہ ہے۔ وہاں بھی ایک عمارت کے کھنڈر تھے بتایا گیا کہ یہاں ان کی ادبی محفل منعقد ہوتی تھی۔ میرے لئے اس میں دلچسپی کی یہ چیز تھی کہ یہی وہ میدان ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا محبوب اپنے خالق اور مالک کی توحید کی دعوت دینے کے لئے تشریف لایا کرتا تھا۔ اور جب یہ صدائے حق بلند ہوتی تھی تو چاروں طرف سے طعن و تشنیع کے تیروں کی بارش برسنے لگتی تھی لیکن حبیب کبریاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثنا ہر چیز سے بے نیاز اپنے فریضۂ نبوت کو ادا کرنے میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے وہ جھاڑیاں، وہ پگڈنڈیاں، وہ گری ہوئی دیواریں اس ماضی کے دھندلے نقوش کو تازہ کرنے کا باعث بنی تھیں۔

جب یہ خبر اس موقع پر قریش کو پہنچی تو انہوں نے مشورہ کے لئے ایک خصوصی مجلس مشاورت کا اہتمام کیا۔ بنو قیس نے جب یہ سنا کہ براض نے ان کے سردار عروۃ الرحال کو قتل کر دیا ہے تو وہ ابو براء بن مالک کی قیادت میں جنگ کے لئے تیار ہو کر نکلے۔ اتنے میں قریش حدود حرم میں داخل ہو گئے تھے۔ بنو قیس نے بلند آواز سے اعلان کیا اے گروہ قریش! ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کرتے ہیں کہ عروہ کا خون رائیگاں نہیں جانے دیں گے اور تم میں سے ایک بڑے سردار کو اس کے بدلے میں قتل کر کے رہیں گے اور آئندہ سال انہیں ایام میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہو گا۔ حرب بن امیہ، جو قریش کا سالار تھا اس نے اپنے بیٹے ابو سفیان کو کہا کہ تم انہیں کہو کہ ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال اسی دن اسی مقام پر ہو گا۔

آئندہ سال قریش اپنے تمام حلفاء بنو کنانہ، احابیش (۱) اور بنو اسد کے ساتھ پوری طرح مسلح ہو کر بنو ہوازن کا مقابلہ کرنے کے لئے تاریخ مقررہ پر میدان میں نکلے۔ عبد اللہ بن جدعان نے سو تیر اندازوں کو پوری طرح مسلح کرنے کے اخراجات برداشت کئے تھے بنی سلیم اور بنو ہوازن بھی اپنے حلیفوں کے لشکروں سمیت میدان میں آکر ڈٹ گئے۔ قریش اور اس کے حلیف قبائل کا سپہ سالار حرب بن امیہ تھا۔ اور ان کے میمنہ پر عبد اللہ بن جدعان اور میسرہ پر کریز بن ربیعہ اور قلب میں حرب بن امیہ لشکر کی کمان کر رہا تھا۔ ہوازن کا سالار مسعود بن معتب الثقفی تھا۔ دونوں اٹھے اور اپنے مد مقابل پر حملہ آور ہوئے۔ دن کے پہلے حصہ میں بنو کنانہ کا پلڑا بھاری رہا۔ لیکن دن کے آخری حصہ میں ہوازن نے جان کی بازی لگا دی تیروں اور نیزوں کی بوچھاڑ میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ کر ڈٹے رہے یہاں تک کہ کنانہ کو پسپائی اختیار کرنا پڑی ان میں سے ایک سو بہادر موت کے گھاٹ اترے قریش میں سے کوئی قابل ذکر شخص اس جنگ میں کام نہیں آیا چنانچہ یہ دن جس کو یوم شمطہ کہا جاتا ہے ہوازن کو کنانہ پر فتح نصیب ہوئی۔ شمطہ عکاظ کے قریب ایک گاؤں ہے جہاں یہ جنگ لڑی گئی ایک سال گزرنے

۱۔ الاحابیش۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب عقد الفرید لکھتے ہیں۔

سَمُّوا كَذٰلِكَ كَاَنَّهُمْ تَحَالَفُوْا بِاللّٰهِ اَنَّهُمْ يَدٌ عَلٰى غَيْرِهِمْ مَا سَجَا

لَيْلٌ وَمَا وَضَحَ نَهَارٌ وَمَا رَسَا حُبْشِيٌّ وَهُوَ جَبَلٌ اَسْفَلَ مَكَّةَ۔

"ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی تھی کہ وہ اپنے مخالفین کے مقابلہ میں یک جان رہیں گے جب تک رات تاریک ہو اور دن روشن ہو جب تک حبشی کا پہاڑ اپنی جگہ پر کھڑا ہے۔ اس حبشی کی نسبت سے وہ احابیش کہلائے۔" (عقد الفرید صفحہ ۲۷۶ جلد پنجم)

کے بعد پھر دونوں قبیلے عبلاء کے قریب آمنے سامنے ہوئے عبلاء عکاظ کے قریب ایک سفید چٹان کا نام ہے دونوں لشکروں کے سالار وہی لوگ تھے جنہوں نے گزشتہ سال اپنی اپنی فوجوں کی قیادت کی تھی اس دن بھی ھوازن کا پلڑا بھاری رہا۔ تیسرے سال پھر انہی دنوں میں "شَرِبْ" کے مقام پر جو ایک گاؤں ہے اور مکہ کے قریب ہے وہاں ان دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا دونوں لشکروں کے سالار وہی لوگ تھے عبداللہ بن جدعان نے اس مرتبہ سو شتر سوار لڑا کے اس جنگ کے لئے پیش کئے قریش اور کنانہ نے صبر و استقامت اور جرأت و شجاعت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ ھوازن کو عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا یہ وہ جنگ ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پندرہ بیس سال کی عمر میں شرکت کی۔ حضور، ترکش سے تیر نکال نکال کر چچوں کو دیتے تھے۔

چوتھے سال نخلہ کے قریب حُریرہ کے مقام پر دونوں قبیلوں کی مڈبھیڑ ہوئی اور آئندہ سال عکاظ کے میدان میں پھر جمع ہونے کا وعدہ کر کے دونوں قبیلے اپنے اپنے علاقہ میں لوٹ آئے۔ (۱)

حسب وعدہ جب عکاظ کے میدان میں فریقین کا اجتماع ہوا۔ شمشیر زنوں نے تلواروں کو میانوں سے نکال لیا۔ تیرافگنوں نے اپنی کمانوں کے چلوں پر تیروں کو رکھا اور نیزہ برداروں نے نیزوں کو اپنے ہاتھوں میں تولنا شروع کیا۔ قریب تھا کہ جنگ شروع ہو جائے اور دونوں قبیلے اپنے بہادر نوجوانوں کو لقمہ اجل بنا کر تباہ و برباد ہو جائیں عتبہ بن ربیعہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر میدان میں نکلا اور بلند آواز سے فریقین کو مخاطب کیا۔

يَا مَعْشَرَ مُضَرَ عَلَامَ تُقَاتِلُوْنَ

اے مضر کے فرزندو! یہ تو بتاؤ تم کیوں ایک دوسرے کا خون بہانے اور ایک دوسرے کو موت کی بھینٹ چڑھانے پر تلے ہوئے ہو۔

ھوازن کی طرف سے آواز آئی۔

مَا تَدْعُوْ اِلَيْهِ

اے عتبہ! تم ہمیں کس چیز کی طرف بلاتے ہو۔

عتبہ نے کہا صلح کی طرف۔

انہوں نے پوچھا اس کی عملی صورت کیا ہے؟

۱۔ العقد الفرید، جلد پنجم، صفحہ ۲۵۸

عتبہ نے کہا جتنے تمہارے مقتول ہیں ہم ان کی دیت تمہیں ادا کریں گے۔ اور ان دیتوں کی ادائیگی تک ہم اپنے بچے تمہارے پاس بطور رہن رکھیں گے اور ان جنگوں میں جو ہمارے لوگ قتل ہوئے ہیں ان کا خون ہم تمہیں معاف کر دیتے ہیں۔

انہوں نے پوچھا ہمارے پاس اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم ان شرائط کو پورا کرو گے۔

قَالَ اَنَا "

عتبہ نے کہا میں خود ضمان ہوں۔

انہوں نے پوچھا۔ تم ہو کون۔

اس نے کہا میں عتبہ ہوں ربیعہ کا بیٹا۔

چنانچہ اس بات پر صلح ہو گئی قریش، بنی کنانہ نے اپنے چالیس آدمی بطور یرغمال ان کی طرف بھیج دیئے ان چالیس میں حکیم بن حزام جیسی شخصیت بھی تھی۔ جب بنی عامر بن صعصاع نے ان چالیس آدمیوں کو اپنے قبضہ میں پایا جو بطور رہن ان کے پاس بھیجے گئے تھے تو انہوں نے بھی اپنے مقتولوں کی دیتوں کو معاف کر دیا۔ یوں دو قبیلوں میں پانچ سال سے خونریزی کا جو المناک سلسلہ شروع ہوا تھا اختتام پذیر ہوا۔ (۱)

حرب فجار کی وجہ تسمیہ

شیخ محمد ابو زہرہ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اَلْفِجَارُ، مصدر فَاجَرَ فَمَصْدَرُ فَاعَلَ فِعَالاً اَوْ مُفَاعَلَة
كَقِتَالٍ اَوْ مُقَاتَلَةٍ وَنِقَاشٍ وَمُنَاقَشَةٌ وَالْفِجَار مَعْنَاهُ
تَبَادُلُ الْفُجُوْرِ

" فجار، فاجر کا مصدر ہے اور باب مفاعلہ کا مصدر فعال اور مفاعلۃ کے وزن پر آتا ہے جیسے قاتل کا مصدر قتال و مقاتلۃ اور ناقش کا مصدر نقاش و مناقشۃ ہے۔ فجار کا معنی ہے دو فریقوں کا فجور کا ارتکاب کرنا۔ " (۲)

اس جنگ کو حرب فجار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جنگ کے دونوں فریقوں نے ان مہینوں میں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کی جن میں جنگ کرنا عہد جاہلیت میں بھی حرام سمجھا جاتا تھا۔ یہ

۱۔ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۵۶۔ ۲۵۷

۲۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۱۳۹

شریعت ابراہیمی کا ایک حکم تھا۔ جس پر عرب معاشرہ میں اس وقت بھی سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ یہ حرمت والے مہینے یہ تھے۔ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ اور محرم۔ یہ تینوں مہینے ایک ساتھ تھے۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ جزیرہ عرب کے اطراف واکناف سے لوگ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے آئیں تو انہیں راستہ میں مکمل امن وامان میسر ہو۔ کسی اچانک حملہ یا کسی راہزن کا انہیں اندیشہ نہ ہو۔ اور جب یہ فریضہ ادا کرنے کے بعد اپنے وطن واپس جائیں تب بھی خیر وعافیت کے ساتھ واپس جاسکیں چوتھا مہینہ رجب کا تھا یہ ان کے نزدیک عمرہ ادا کرنے کے لئے مخصوص تھا اس میں بھی قاصدِ حرم کو ضمانت دی گئی تھی کہ وہ آزادی اور اطمینان سے یہ سفر کرے۔ اس کی جان ومال سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اسلام نے بھی ان مہینوں کی حرمت کو برقرار رکھا اور مسلمانوں پر بھی حرام قرار دیا کہ وہ ان میں جنگ کا آغاز کریں اگر دشمن ان پر حملہ کر دے تو اپنے دفاع میں انہیں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔ ارشاد الٰہی ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ۔

"بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے کتاب الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، ان میں سے چار عزت والے ہیں۔ یہی دین قیم ہے۔ پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔"

(سورۃ التوبہ: ۳۵)

اس جنگ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی خود حفاظت فرمائی حضور نے بذات خود جنگ وقتال میں حصہ نہیں لیا۔ حضور کے ہاتھ سے نہ کوئی شخص مارا گیا اور نہ زخمی ہوا۔ حضور کی اس میں شمولیت اس حد تک تھی کہ آپ کے سارے چچا اس میں شریک تھے ان کا دفاع حضور کا فرض تھا۔ وہ آپ بجالائے۔

چنانچہ اس جنگ میں اپنے کردار کے بارے میں حضور ارشاد فرماتے ہیں۔

"كُنْتُ أَنْبَلُ عَلَى أَعْمَامِي" اس فقرہ کے دو معنی کئے گئے ہیں عام علماء نے تو اس کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ میرے چچا دشمن پر تیر برساتے تھے اور میں ترکش سے تیر نکال نکال کر انہیں دیا کرتا تھا۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے جو شیخ ابوزہرہ نے بیان کیا ہے۔

اَیْ اَمْنَعُ النَّبْلَ عَنْ اَعْمَامِي فَهُوَ كَانَ دِرْعًا وَاقِيَةً لِاَعْمَامِهٖ

کہ میں ان تیروں کو روکا کرتا تھا جو میرے چچوں پر چلائے جاتے تھے۔ تو گویا حضور اپنے چچوں کے لئے دشمن کے واروں سے بچانے والی زرہ تھے۔ (۱)

حلف الفضول

جزیرہ عرب میں کوئی منظم حکومت نہ تھی نہ وہاں باقاعدہ عدالتیں تھیں تاکہ مظلوم دادرسی کے لئے ان کا دروازہ کھٹکھٹا سکے۔ سارا عرب معاشرہ قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا۔ اگر کسی قبیلے کا کوئی فرد دوسرے قبیلے کے کسی فرد کو قتل کر دیتا تو مقتول کا قبیلہ صرف اس قاتل سے بازپرس نہ کرتا بلکہ قاتل کے سارے قبیلہ کو اپنے انتقام کا ہدف بناتا لیکن کمزور قبائل کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ طاقتور قبیلہ سے اپنے مقتول کا بدلہ لے سکیں اسی طرح اگر کوئی مسافر کسی شہر میں آجاتا اور اس شہر کا کوئی باشندہ اس پر ظلم اور زیادتی کرتا تو اس کی فریاد سننے والا وہاں کوئی نہ ہوتا۔ مکہ مکرمہ میں قریش کے دس قبائل آباد تھے جو دیگر عربی قبائل کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ اگر کوئی عربی قبیلہ کسی ایک قریشی قبیلہ پر حملہ کرتا تو سارے قریشی قبائل اس قبیلہ کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو کر حملہ آور قبیلہ کا مقابلہ کرتے۔ یہ دریافت کرنے کی کوئی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون۔

اس صورت حال سے مکہ کے وہ باشندے جن کو اللہ تعالیٰ نے دل درد مند عطا فرمایا تھا سخت نالاں تھے۔ انہیں ہرگز یہ پسند نہ تھا کہ کسی بے سہارا مسافر پر مکہ کا کوئی رئیس زیادتی کرے اور وہ بے بس تماشائی بنے رہیں۔ اسی اثناء میں ایک واقعہ پیش آیا کہ زبید (یمن) کا ایک تاجر اپنے سامان تجارت کے ساتھ مکہ آیا عاص بن وائل جو یہاں کا ایک رئیس تھا اس نے اس تاجر سے سامان خرید الیکن اس کی قیمت دینے سے انکار کر دیا۔ وہ بے چارا مسافر تھا یہاں اس کی جان نہ پہچان۔ اس نے عاص بن وائل کے دوست قبائل عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم، عدی بن کعب

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابوزہرہ، جلد اول، صفحہ ۱۵۱

سے اس کی شکایت کی۔ اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں اس کی مدد کریں۔ انہوں نے الٹا اسے جھڑک دیا۔ زبیدی نے ان سے مایوس ہو کر ایک اور حیلہ کیا۔ طلوع آفتاب کے بعد جب قریش حرم کعبہ میں حسب معمول اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے تو وہ جبل ابی قبیس کے اوپر چڑھ گیا اور وہاں کھڑے ہو کر بلند آواز سے فریاد کی۔

یَاآلَ فِهْرٍ لِّلْمَظْلُوْمِ بِضَاعَتُہٗ ۔ بِبَطْنِ مَکَّۃَ نَائِی الدَّارِ وَالنَّفَرِ

"اے فہر کی اولاد اس مظلوم کی فریاد سنو! جس کا مال و متاع مکہ شہر میں ظلماً چھین لیا گیا ہے۔ وہ غریب الدیار ہے اپنے وطن سے دور اپنے مددگاروں سے دور۔"

وَمُحْرِمٍ اَشْعَثَ لَمْ یَقْضِ عُمْرَتَہٗ ۔ یَا لَلرِّجَالِ وَبَیْنَ الْحِجْرِ وَالْحَجَرِ

"وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا۔ اے مکہ کے رئیسو! میری فریاد سنو۔ مجھ پر حطیم اور حجر اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے۔"

اِنَّ الْحَرَامَ لِمَنْ تَمَّتْ کَرَامَتُہٗ ۔ وَلَا حَرَامَ لِثَوْبِ الْفَاجِرِ الْغَدِرِ

"عزت و حرمت تو اس کی ہے جس کی شرافت کامل ہو۔ جو فاجر اور دھوکا باز ہو اس کے لباس کی تو کوئی حرمت نہیں۔"

حرم میں موجود سارے قریشیوں نے یہ فریاد سنی لیکن سب سے پہلے جس کو ایک مسافر اور بے یار و مددگار کی فریاد پر لبیک کہنے کا حوصلہ ہوا وہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ آپ کو یہ سن کر یارائے ضبط نہ رہا۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور اعلان کیا۔

مَا لِھٰذَا مُتْرَکٌ

یعنی اب اس فریاد کو نظر انداز کر دینا ہمارے بس کا روگ نہیں۔

چنانچہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں بنی ہاشم، بنی زہرہ، بنی تیم بن مرہ قبائل جمع ہوئے۔ ابن جدعان نے پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ ان سب شرکاء نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ عہد کیا۔

لَیَکُوْنُنَّ یَدًا وَاحِدَۃً مَعَ الْمَظْلُوْمِ عَلَی الظَّالِمِ حَتّٰی یُؤَدِّیَ اِلَیْہِ حَقَّہٗ مَا بَلَّ بَحْرٌ صُوْفَۃً وَمَا رَسَا حِرَاءٌ وَثَبِیْرٌ مَکَانَھُمَا وَعَلَی التَّاَسِّیْ فِی الْمَعَاشِ۔

"وہ سب متحد ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے یہاں تک کہ ظالم، مظلوم کو اس کا حق ادا کر دے۔ اور ہم اس عہد پر پابند رہیں گے جب تک سمندر، صوف (اون) کو تر کرتا ہے اور جب تک حراء اور ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں۔ اور معاش میں ہم ایک دوسرے کی ہمدردی کریں گے۔"

اس معاہدہ کو حلف الفضول کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ عہد قدیم میں بنوجرھم نے بھی اس قسم کا ایک معاہدہ کیا تھا۔ اور جن تین آدمیوں نے اس معاہدہ کی تحریک کی تھی اور اسے پروان چڑھایا تھا ان تینوں کا نام فضل تھا۔

(۱) فضل بن فضالہ (۲) فضل بن وداعہ (۳) فضیل بن حارث۔

بعض نے اس کا نام بھی فضل ہی بتایا ہے۔

کیونکہ اس معاہدہ کے بھی وہی مقاصد تھے اس لئے اس کو بھی حلف الفضول کے نام سے شہرت ملی۔ جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو سب مل کر عاص کے گھر گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس تاجر کا مال واپس کر دے۔ اب اسے مجال انکار نہ رہی اور اس نے مجبوراً اس کا مال اس کو واپس کر دیا۔ اس موقع پر حضرت زبیر بن عبد المطلب نے اپنی مسرت کا اظہار یوں کیا ہے۔

إِنَّ الْفُضُوْلَ تَعَاقَدُوْا وَتَحَالَفُوْا ... أَلَّا يُقِيْمَ بِبَطْنِ مَكَّةَ ظَالِمُ

"یہ معاہدہ کرنے والوں نے قسم اٹھائی ہے کہ سرزمین مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔"

أَمْرٌ عَلَيْهِ تَعَاقَدُوْا وَتَوَافَقُوْا ... فَالْجَارُ وَالْمُعْتَرُّ فِيْهِمْ سَالِمُ

"یہ ایسی بات ہے جس پر ان سب نے متفقہ معاہدہ کیا ہے پردیسی اور فقیر جوان کے ہاں ہو گا ہر قسم کے جور و ستم سے محفوظ ہو گا۔" (۱)

رحمت عالم و عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بیس سال تھی۔ حضور نے اس معاہدہ میں شرکت فرمائی بعثت کے بعد بھی حضور اس معاہدہ میں شرکت پر اظہار مسرت فرمایا کرتے تھے۔ ارشاد گرامی ہے۔

لَقَدْ شَهِدْتُ فِيْ دَارِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُدْعَانَ حِلْفًا مَا أُحِبُّ

۱۔ الروض الانف، جلد اول، صفحہ ۱۵۶ وغیرہ من کتب السیرۃ

اَنَّ لِی بِهٖ حُمْرَ النِّعَمِ، وَلَوْ دُعِیَ بِهٖ فِی الْاِسْلَامِ لَاَجَبْتُ،

"کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حاضر تھا جب حلف فضول طے پائی اس کے بدلے میں اگر مجھے کوئی سرخ اونٹ دے تب بھی میں لینے کے لئے تیار نہیں۔ اور اس قسم کے معاہدہ کی دعوت اسلام میں بھی اگر کوئی مجھے دے تو میں اسے قبول کروں گا۔"

یہ معاہدہ مدتوں نافذ العمل رہا۔ جب کسی مظلوم نے اس معاہدہ کا واسطہ دے کر فریاد کی تو لوگ بے تامل تلواریں بے نیام کئے اس فریادی کی مدد کے لئے دوڑ کر آئے۔

رومانیہ کے وزیر خارجہ "کونستانس جیور جیو" نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہ" جس کا عربی ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر محمد التونجی نے کیا ہے جو حلب یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ اس میں مصنف مذکور نے حلف الفضول کے بارے میں اپنی تحقیقات کا اضافہ کیا ہے۔ اِس سے اُس حلف کو ایک منظم اور طاقتور بنانے میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مساعی جمیلہ پر روشنی پڑتی ہے اس لئے میں اس کتاب کے حوالے سے چند چیزیں ہدیہ قارئین کرتا ہوں۔

وہ حلف الفضول کے عنوان کے نیچے لکھتے ہیں۔

كَانَ حِلْفُ الْفُضُوْلِ عِبَارَةً عَنْ كَوْكَبَةٍ مُؤَلَّفَةٍ مِنْ رَهْطٍ مِنَ الْفِتْيَانِ الْمُسَلَّحِيْنَ هَدَفُهُمْ اَنْ لَا يَضِيْعَ حَقُّ الْمَظْلُوْمِ

"یعنی حلف الفضول عبارت ہے اس منظم دستہ سے جو مسلح نوجوانوں پر مشتمل تھا اور جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی مظلوم کا حق ضائع نہ ہو۔" (۱)

وزیر موصوف اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

ایک بدو جنوبی علاقہ سے فریضہ حج ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ آیا اس کے ساتھ اس کی ایک بیٹی بھی تھی جو بڑی خوبرو تھی۔ مکہ کے ایک دولت مند تاجر (جس کا نام دوسرے مؤرخین نے نبیہ بن حجاج لکھا ہے) نے اس بچی کو اغوا کر لیا اس مسکین باپ کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اپنے قبیلہ کے پاس جائے انہیں اپنی داستانِ غم سنائے اور ان سے مدد کی درخواست کرے۔ لیکن پھر اسے یاد آیا کہ اس کے قبیلہ میں مردوں کی تعداد بہت کم ہے۔

۱۔ نظرۃ جدیدہ فی سیرۃ رسول اللہ صفحہ ۳۹

وہ مکہ کے دس قریشی قبیلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ اسی پریشانی میں سرگرداں تھا جب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا حضور نے قریش کے نوجوانوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں کہا کہ قرشی نے تاجر کے ساتھ جو نازیبا حرکت کی ہے اس پر ہمیں خاموش نہیں رہنا چاہئے چنانچہ قریش کے چند نوجوان کعبہ شریف کے پاس جمع ہوئے اور سب نے بایں الفاظ حلف اٹھایا۔

نُقْسِمُ اَنْ نَحْمِی الْمَظْلُوْمَ حَتّٰی یَسْتَعِیْدَ حَقَّہٗ مِنَ الظَّالِمِ وَ
نُقْسِمُ اَنْ لَا یَکُوْنَ لَنَا ھَدَفٌ مُعَیَّنٌ مِنْ وَرَاءِ ھٰذَا الْعَمَلِ
وَلَا یُھِمُّنَا اَنْ یَکُوْنَ الْمَظْلُوْمُ فَقِیْرًا اَوْ غَنِیًّا

"ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ ہم مظلوم کی مدد کریں گے یہاں تک کہ ظالم سے وہ اپنا حق واپس لے لے اور ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ اس حلف سے اس کے بغیر ہمارا کوئی اور مقصد نہیں ہو گا۔ ہم اس بات کی پروا نہیں کریں گے کہ مظلوم غنی ہے یا فقیر۔" (۱)

جب انہوں نے قسم اٹھائی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ساتھ تھے۔ پھر انہوں نے حجراسود کو زمزم کے پانی سے دھویا اور اس دھوون کو پی لیا۔ مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ اپنی قسم پر پختہ رہیں گے۔ حلف برداری کی اس تقریب کے بعد سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے نوجوان ساتھیوں کو ہمراہ لے کر اس ظالم تاجر کے گھر گئے اور اس کے مکان کا گھیراؤ کر لیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس بچی کو عزت و آبرو کے ساتھ واپس کر دے۔ تاجر نے کہا کہ ایک رات مجھے مہلت دو میں صبح وہ لڑکی اس کے باپ کو لوٹا دوں گا لیکن ان نوجوانوں نے اس کی اس تجویز کو ٹھکرا دیا اس کو مجبور کیا کہ وہ بچی کو فوراً اس کے باپ کے سپرد کرے۔ اب وہ مجبور ہو گیا اور بادل نخواستہ اسے بچی کو واپس کرنا پڑا۔

یہی مصنف لکھتے ہیں:۔

اس سلسلہ میں ایک اور روایت بھی ہے۔

ایک پردیسی تاجر مکہ آیا ابوجہل نے اس سے کچھ سامان خریدا۔ لیکن اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پردیسی تاجر کو نوجوانوں کے اس جتھ کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ وہ فریاد کناں اپنے قبیلہ کے پاس آیا انہیں برانگیختہ کیا کہ وہ اس کی مدد کریں لیکن ایک محدود افراد پر

۱۔ نظرۃ جدیدہ صفحہ ۳۰

مشتمل قبیلہ قریش کے دس قبائل سے کیونکر ٹکر لے سکتا تھا۔ انہوں نے معذرت کر دی وہ تاجر پھر مکہ لوٹ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل کی اس حرکت کا علم ہوا تو حضور بنفس نفیس ابو جہل کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس سامان کی قیمت تاجر کو ادا کرے چنانچہ بادل نخواستہ اسے قیمت ادا کرنا پڑی۔

اس قسم کے واقعات سے حلف الفضول کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ مظلوم و بے آسرا لوگ جن پر اثر و رسوخ والے لوگ ظلم کیا کرتے تھے اور کسی کو انہیں ٹوکنے کی بھی ہمت نہ تھی اب ان مظلوموں کو ایک سہارا مل گیا۔ جب بھی کسی پر کوئی شخص زیادتی کرتا تو حلف الفضول کے ارکان اور ان کے اس مسلح دستے کے نوجوان اس کی فریاد رسی کے لئے سامنے آ جاتے۔

یہ مصنف لکھتا ہے۔

وَكَانَتْ فِكْرَةُ إِيجَادِ حِلْفِ الْفُضُولِ مِنْ قِبَلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْبِعْثَةِ ذَاتَ أَهَمِّيَّةٍ كَبِيرَةٍ لِأَنَّهُ اِسْتَطَاعَ بِهٰذَا الْاِبْتِكَارِ أَنْ يُحْدِثَ اِنْقِلَابًا فِي اِسْتِرْدَادِ حُقُوقِ الْعَرَبِ وَتُمَكِّنُ مِنْ زَعْزَعَةِ فِكْرَةِ الْاِنْتِقَامِ مِنَ الْقَبِيلَةِ كُلِّهَا

"بعثت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حلف الفضول کے منصوبہ کی تجویز بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس جدت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے کھوئے ہوئے حقوق واپس دلانے میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور اس تجویز کے ذریعہ سارے قبیلے کو ہدفِ انتقام بنانے کے نظریہ کا قلع قمع کر دیا۔" (۱)

جس طرح ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حلف فضول کا آغاز حضرت زبیر بن عبد المطلب کی تحریک سے ہوا اور اس کے بعد عبد اللہ بن جدعان کے گھر چند مشہور قبائل کے سردار جمع ہوئے اور انہوں نے مظلوم کی امداد کرنے کا معاہدہ کیا جو حلف الفضول کے نام سے تاریخ میں مشہور ہوا۔ لیکن اس میں صحیح قوت اور جان اس وقت پیدا ہوئی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں سرگرم حصہ لیا اور حضور کی ترغیب پر قریشی نوجوانوں کا ایک ایسا مسلح جتھہ تیار ہو گیا جو اس معاہدہ کے تحت کئے گئے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہر وقت سر دھڑ کی بازی لگانے کے

۱۔ نظرۃ جدیدہ صفحہ ۴۱

لئے تیار رہتے تھے۔ اور مکہ کے بڑے بڑے رئیسوں اور سرمایہ داروں کی مجال نہ تھی کہ ان کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ اسی لئے اس یورپین مؤرخ نے حلف الفضول کے نظریہ کو حضور کی طرف منسوب کیا ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ بعثت سے قبل اپنی قوم کی مشرکانہ رسوم اور دیگر ناشائستہ حرکات اور اخلاق باختہ سرگرمیوں سے کلیۃً اجتناب فرمایا کرتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضور اپنے معاشرہ سے الگ تھلگ راہبانہ قسم کی زندگی بسر کرتے تھے حضور اپنی قوم کی صحت مند اور مفید سرگرمیوں میں فعال حصہ لیا کرتے۔ ان کی شادی، غمی میں شریک ہوتے۔ ان کی سیاسی، ثقافتی، معاشی مصروفیتوں میں مؤثر کردار انجام دیتے۔ جب کبھی سلیم الطبع لوگ اپنے معاشرہ کی بگڑی ہوئی حالت کو سنوارنے کے لئے کوئی مثبت قدم اٹھاتے تو حضور بڑی گرمجوشی سے اس میں شرکت فرماتے اور اس منصوبہ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ زندگی اور زندگی کے تقاضوں سے آنکھیں بند رکھنا حضور کی فطرت سلیمہ کو گوارا ہی نہ تھا۔ تجارتی کاروانوں میں دور دراز کے سفر اختیار کرنا۔ حلف فضول میں شرکت اور اس کو کامیابی سے ہمکنار کرنا اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

شام کی طرف دوسرا سفر

جزیرہ عرب کا بیشتر حصہ لق و دق صحراؤں اور خشک پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے۔ اس زمانہ میں یہاں کے باشندے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ چرا کر گزر اوقات کیا کرتے تھے جہاں کہیں پانی دستیاب ہوتا وہاں چھوٹے چھوٹے نخلستان اور تھوڑی بہت کھیتی باڑی ہو جاتی۔ البتہ اہل مکہ تجارت پیشہ تھے۔ مشرق اور مشرق بعید کے ممالک سے درآمد کی ہوئی اجناس گرم مصالحے اور مصنوعات بادبانی کشتیوں کے ذریعے یمن کی بندرگاہوں تک پہنچتیں۔ یہاں مکہ کے قریشی تاجر ان کو خرید لیتے اور اپنے اونٹوں پر لاد کر بحیرہ روم کی بندرگاہوں اور شام کے شہروں تک لے جاتے وہاں انہیں فروخت کرتے اور یہاں سے مغربی ممالک سے درآمد شدہ اشیاء خرید کر یمن کی بندرگاہوں اور شہروں تک پہنچاتے جو لوگ سرمایہ کی کمی کے باعث تجارت کی سکت نہ رکھتے وہ اپنے اونٹوں کے ذریعہ مال برداری کر کے کافی اجرت کما لیتے۔ اس طرح اہل مکہ کو فارغ البالی اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے کے مواقع میسر تھے۔ مکہ مکرمہ کے قریشیوں کے تجارتی کارواں موسم گرما میں شام کو جاتے اور موسم سرما میں یمن کا رخ کرتے۔ یہ تجارت

کافی وسیع پیمانے پر ہوتی۔ وہ قافلہ جو ابو سفیان کی قیادت میں شام سے واپس آ رہا تھا جس کا محاصرہ کرنے کے لئے مسلمان مدینہ طیبہ سے نکلے تھے اس قافلہ کے تجارتی سامان کی قیمت چالیس ہزار سونے کی اشرفیوں کے برابر تھی اس وقت کی اشرفی کی قوت خرید کا اندازہ اشرفی کی موجودہ قوت خرید سے نہیں لگایا جا سکتا۔ مکہ کے جو لوگ اس تجارت میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیتے تھے اور سب سے زیادہ متمول اور مالدار تھے۔ ان میں سر فہرست حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی

آپ ایک کامیاب اور متمول تاجرہ کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کا پیکر جمیل تھیں۔ عفت و پاکدامنی کے باعث اس عہد جاہلیت میں "طاہرہ" کے لقب سے ملقب تھیں۔ رحم دلی۔ غریب پروری اور سخاوت آپ کی امتیازی خصوصیات تھیں۔

جب اہل مکہ کا تجارتی قافلہ بیرون ملک جاتا تو آپ کے تجارتی سامان سے لدے ہوئے اونٹ بھی اس قافلہ کے ہمراہ ہوتے۔ جتنا سامان تجارت سارے اہل قافلہ کا ہوتا اتنا ایک خدیجہ کا ہوتا۔ آپ اپنے نمائندوں کو سامان تجارت دے کر روانہ کرتیں جو آپ کی طرف سے کاروبار کرتے اس کی دو صورتیں تھیں۔ یا وہ ملازم ہوتے ان کی اجرت یا تنخواہ مقرر ہوتی جو انہیں دی جاتی نفع اور نقصان سے انہیں کوئی سروکار نہ ہوتا یا نفع میں ان کا کوئی حصہ، نصف، تہائی یا چہارم مقرر کر دیا جاتا اگر نفع ہوتا تو وہ اپنا حصہ لے لیتے بصورت نقصان ساری ذمہ داری حضرت خدیجہ پر عائد ہوتی۔ اس کو شریعت میں "عقد مضاربہ" کہتے ہیں۔

حضرت ابو طالب کی مالی حالت خوش کن نہ تھی۔ تنگ دستی کا اکثر سامنا رہتا آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت خدیجہ کا تجارتی قافلہ عنقریب شام جانے کی تیاریاں کر رہا ہے آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے پاس بلایا اور بڑی محبت سے کہا۔ اے میرے بھتیجے! میں ایسا آدمی ہوں جس کے پاس مال و دولت نہیں۔ میرے موجودہ حالات بہت سنگین ہیں قحط سالی نے رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے۔ میرے پاس سرمایہ بھی نہیں کہ اسے تجارت میں لگا سکوں۔ تیری قوم کا تجارتی کارواں اب شام جانے والا ہے اور خدیجہ کئی لوگوں کو اجرت دے کر بھیج رہی ہے کہ وہ اس کا مال لے جائیں اور تجارت کریں۔ اگر آپ اس کے پاس جا کر اپنی خدمات پیش کریں تو یقیناً وہ آپ کو دوسروں پر ترجیح دیں گی کیونکہ وہ آپ کے خصائل حمیدہ سے خوب واقف ہے اگرچہ میں پسند نہیں کرتا کہ آپ کو شام روانہ کروں کیونکہ وہاں یہود

سے ایذار سانی کا خطرہ ہے لیکن اب اس کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں۔

حضور کی غیرت نے کسی کے پاس طالب اور سائل بن کر جانا گوارا نہ کیا اور اپنے شفیق چچا کو جواب دیا۔

"لَعَلَّهَا تُرْسِلُ إِلَيَّ فِي ذَاكَ۔"

شائد وہ خود ہی مجھے اس سلسلہ میں بلا بھیجے۔

حضرت ابو طالب نے کہا۔

إِنِّي أَخَافُ أَنْ تُوَلِّي غَيْرَكَ وَتَطْلُبَ أَمْرًا مُدْبِرًا

مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کسی اور کو مقرر کر دے گی پھر آپ ایک ایسی چیز کو طلب کریں گے جو پیٹھ پھیر چکی ہو گی۔

حضور نے جواب میں خاموشی اختیار کر لی۔

حضرت خدیجہ نے حضور کے محاسن اخلاق، آپ کی امانت، دیانت اور پاکبازی کی شہرت سن رکھی تھی۔ لیکن انہیں اس پیشکش کی جرأت نہ ہوتی تھی جب انہیں چچا بھتیجا کی اس گفتگو کا علم ہوا تو فوراً پیغام بھیج کر بلایا۔ اور کہا میں یہ ذمہ داری اس لئے آپ کے سپرد کرنے لگی ہوں کہ میں نے آپ کی سچائی، دیانتداری اور خلق کریم کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ اگر آپ یہ پیشکش قبول فرمالیں تو جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا آپ کو دوں گی۔ حضور نے اس کا ذکر اپنے مہربان چچا سے کیا۔ آپ نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا یہ رزق اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ خاص سے آپ کی طرف بھیجا ہے۔

حضرت خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو حضور کے ساتھ روانہ کیا اور تاکیدی حکم دیا کہ

لَا تَعْصِ لَهُ أَمْرًا وَلَا تُخَالِفْ لَهُ رَأْيًا

میسرہ! خبردار ان کی نافرمانی نہ کرنا اور نہ ہی ان کی کسی رائے کی مخالفت کرنا۔

ان کے اس حکم سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ نے میسرہ کو حضور کی نگرانی کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا بلکہ حضور کے آرام و آسائش کا ہر طرح خیال رکھنے کے لئے اور خدمت گزاری کے لئے بھیجا تھا۔ ۱۶ ذی الحجہ کو یہ قافلہ روانہ ہوا روانگی کے وقت حضور کے چچا صاحبان الوداع کہنے کے لئے آئے۔ اور اہل قافلہ کو تاکید کی کہ حضور کا ہر طرح خیال رکھیں۔ شیخ محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے محبت بھرے انداز میں قافلہ کی روانگی کا منظر یوں بیان فرماتے ہیں۔

فَصَلَتِ الْعِيْرُ۔۔ وَفِيْهَا خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى تَكْلَؤُهَا عِنَايَتُهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى

"قافلہ مکہ سے روانہ ہوا۔ جس میں وہ ہستی تھی جو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے اعلیٰ وافضل تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نگاہ لطف وعنایت اس کی نگہبانی فرمارہی تھی۔"

اس دفعہ بھی حضرت خدیجہ کے مال بردار اونٹوں کی تعداد دیگر قافلہ والوں کے سارے اونٹوں کی تعداد کے برابر تھی۔

چند روز کی کٹھن مسافت طے کرنے کے بعد قافلہ شام کے شہر بصریٰ میں جا اترا۔ اور ایک خانقاہ کے قریب ایک سایہ دار درخت کے نیچے پڑاؤ کیا۔ حضور اپنے پہلے سفر شام میں بھی بصریٰ آئے تھے اور اسی صومعہ (خانقاہ) کے قریب قیام کیا تھا۔ اور یہاں ایک راہب سے ملاقات بھی ہوئی۔ لیکن اس راہب کا نام بحیرہ تھا۔ اور موجودہ راہب جس سے ملاقات ہوئی یہ دوسرا شخص تھا جس کا نام "نسطورا" تھا دونوں سفروں میں تیرہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ حضور کی عمر مبارک اس وقت بارہ سال اور اب پچیس سال تھی۔ ممکن ہے اس اثنا میں پہلا راہب فوت ہو گیا ہو۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ وہ یہاں سے نقل مکانی کر کے کسی دوسری خانقاہ میں چلا گیا ہو۔

نسطورا کی ملاقات جب میسرہ سے ہوئی تو اس نے پوچھا یہ شخص کون ہے جو اس درخت کے نیچے تشریف فرما ہے۔ میسرہ نے بتایا کہ یہ مکہ کے ایک قریشی نوجوان ہیں۔ راہب نے جب حضور کی زیارت کی تو حضور کے اور قریب ہو گیا۔ سر مبارک اور قدمین شریفین کو بوسہ دیا اور کہا۔

اٰمَنْتُ بِكَ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ الَّذِيْ ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي التَّوْرٰةِ فَلَمَّا رَاَى الْخَاتَمَ قَبَّلَهٗ وَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ الَّذِيْ بَشَّرَ بِكَ عِيْسٰى

"میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تورات میں کیا ہے۔ پھر جب اس نے مہر نبوت کو دیکھا تو چوم لیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ نبی امی ہیں۔ جس کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

دی ہے۔" (۱)

میسرہ نے جب راہب کی یہ بات سنی ہوگی تو حیران رہ گیا ہوگا۔ راستہ میں اس نے یہ ایمان پرور منظر تو بارہا دیکھا تھا کہ جب بھی دھوپ تیز ہو جاتی تھی تو دو فرشتے حضور پر سایہ کر دیتے تھے۔ (۲)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملک شام میں قیام فرمایا یہاں تک کہ حضرت خدیجہ کا سارا سامان تجارت جو مکہ سے ساتھ لائے تھے وہ فروخت کر دیا اور جو قیمت وصول ہوئی اس سے شام کی مصنوعات اور مغربی ممالک سے در آمد شدہ چیزیں خرید فرمالیں۔ پھر اپنے نئے خرید کردہ سامان کو اونٹوں پر لدوایا اور مکہ واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ اس اثنا میں کسی گاہک سے کسی چیز کی خرید و فروخت پر اختلاف ہو گیا اس نے کہا آپ لات و عزیٰ کی قسم کھائیے میں آپ کی بات مان لوں گا۔ حضور نے فرمایا میں ان جھوٹے خداؤں کی قسم نہیں کھایا کرتا۔ وہ شخص ایسا متاثر ہوا کہنے لگا "القول قولک" اے امین اے صادق، جو تو کہتا ہے وہی سچ ہے، قسم کی ضرورت نہیں۔

اس سفر میں دگنا نفع ہوا۔ جو توقع سے بھی بہت زیادہ تھا۔ یہ محض حضور کی امانت و دیانت اور کاروباری مہارت کا ثمر تھا۔ اور سب سے زیادہ اس برکت کا نتیجہ تھا جو اس ذاتِ ستودہ صفات کے ساتھ وابستہ کر دی گئی تھی۔

نئے خرید کردہ سامان تجارت کو اونٹوں پر لادا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب مرالظہران کے مقام پر پہنچے تو حضور نے میسرہ کو حکم دیا کہ وہ آگے چلا جائے اور اپنی مالکہ کو کامیاب تجارتی سفر کی خوشخبری سنائے۔ جب یہ قافلہ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا تو حضرت خدیجہ اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر قافلہ کی آمد کا نظارہ کرنے لگیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اونٹ پر سوار ہیں سخت دھوپ ہے دو فرشتے حضور پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ حضور نے پہنچنے کے بعد حضرت خدیجہ کو تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ میسرہ نے اس طویل سفر میں حضور سرور عالم کی عفت و دیانت، سیرت کی پختگی، کردار کی بلندی، اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حسن سلوک، معاملہ فہمی اور کاروباری مہارت کے جو روح پرور مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے ان کا تذکرہ کیا۔ نسطورا راہب

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۱۵۹

۲۔ ایضاً

حضور کو دیکھ کر جس طرح فریفتہ ہو گیا تھا۔ اور حضور کے مستقبل کے بارے میں جو پیش گوئیاں کی تھیں وہ سنائیں۔ حضور اپنے حسب و نسب کے لحاظ سے پہلے ہی ارفع و اعلیٰ تھے ذاتی خصال حمیدہ کا ذکر جمیل سن کر حضرت خدیجہ نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ اگر ان کی رفیقہ حیات بننے کا شرف انہیں نصیب ہو جائے تو ان کی بڑی خوش قسمتی ہو گی۔

ازدواجی زندگی کا آغاز

ازدواجی زندگی کا آغاز

حضرت خدیجہ سے عقد زواج

اس سے پیشتر حضرت خدیجہ کی دو مرتبہ شادی ہو چکی تھی۔ اور آپ کے دونوں شوہر فوت ہو گئے تھے۔ ان سے آپ کی اولاد بھی تھی۔ اس کے بعد بڑے بڑے امراء اور رؤسا نے کوشش کی کہ وہ انہیں رشتۂ ازدواج میں قبول کریں لیکن حضرت خدیجہ نے کسی کی طرف التفات نہ کیا۔ سرور عالم کے ظاہری اور باطنی کمالات کو دیکھ کر انہوں نے ایک زیرک اور دور اندیش خاتون کی طرح فیصلہ کیا۔ کہ وہ حضور سے عقد کریں گی۔ حضور کی مرضی دریافت کرنے کے لئے اپنی ایک ہم راز سہیلی نفیسہ بنت منیہ کو کہا کہ وہ کسی طرح حضور کی رائے اس بارے میں معلوم کرے۔ یہ واقعہ نفیسہ کی زبانی سنئے۔ نفیسہ نے کہا۔

خدیجہ ایک عقل مند، بہادر اور شریف النفس خاتون تھیں نسب میں اعلیٰ شرافت میں ارفع، مال و ثروت میں سب سے زیادہ، ساری قوم کے شرفاء ان سے نکاح کرنے کے لئے بے قرار تھے اگر ان کا بس چلتا، سب نے کوشش کی لیکن بے سود۔ نفیسہ کہتی ہے جب حضور سفر شام سے واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہ نے مجھے مامور کیا کہ میں حضور کی رائے دریافت کروں۔ چنانچہ میں آپ کے پاس گئی اور پوچھا۔ آپ شادی کیوں نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس سرمایہ نہیں جس سے شادی کا فریضہ ادا کر سکوں۔ میں نے کہا آپ اس کی پروا نہ کریں اس کی میں ذمہ دار ہوں۔ اگر آپ کو جمال، شرف اور خوش حالی کی طرف دعوت دی جائے تو کیا آپ اسے قبول نہیں فرمائیں گے پوچھا کون۔ میں نے کہا "خدیجہ" حضور نے فرمایا میرے لئے یہ کیوں کر ممکن ہے۔

یہ جواب سن کر میں خوشی خوشی حضرت خدیجہ کے پاس گئی اور جا کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے حضور کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی حضور تشریف لے گئے بات چیت ہوئی جب انہیں یقین ہو گیا کہ حضور ان کی درخواست کو مسترد نہیں کریں گے تو کہنے لگیں۔ اے میرے

چچازاد! میں اس لئے تم میں رغبت رکھتی ہوں کہ رشتہ میں تم میرے قریبی ہو۔ اپنی قوم میں تمہاری شان بلند ہے۔ امانت، حسن خلق، صدق مقال آپ کی خصوصی صفات ہیں جب انہوں نے ادب واحترام کے ساتھ اپنی خواہش کا اظہار کیا تو حضور نے اسے قبول کر لیا۔ یہ منگنی تھی۔ عقد نکاح نہ تھا۔ اس باہمی رضامندی کے باعث حضرت خدیجہ نے عرض کی کہ اب آپ اپنے چچا جان کے پاس تشریف لے جائیں اور کل سویرے انہیں ہمارے ہاں بھیجیں۔ دوسرے روز حضرت ابو طالب، حضرت خدیجہ کے ہاں گئے۔ حضرت خدیجہ نے کہا کہ آپ میرے چچا کے پاس جائیں اور اپنے بھتیجے کے لئے میرا رشتہ طلب کریں۔ حضرت ابو طالب نے اس پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا اور فرمایا "ہذا صنع اللہ" یہ قدرت الہی کا کرشمہ ہے۔ اس طرح دولہا اور دلہن کے بزرگوں کی منظوری سے منگنی انجام پذیر ہوئی اور نکاح کے لئے تاریخ مقرر ہوئی۔

مقررہ تاریخ پر قبیلہ مضر کے رؤساء مکہ کے شرفاء اور امراء اکٹھے ہوئے۔ حضرت خدیجہ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد وکیل بنے حضرت ابو طالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے وکالت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ نے اس وقت ایک فصیح و بلیغ خطبہ نکاح ارشاد فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرٰهِیْمَ وَ زَرْعِ اِسْمٰعِیْلَ وَضِئْضِئِ مَعَدٍّ وَعُنْصُرِ مُضَرَ، وَجَعَلَنَا حَضَنَةَ بَیْتِهٖ وَسُوَّاسَ حَرَمِهٖ۔ وَجَعَلَ لَنَا بَیْتًا مَحْجُوْجًا وَحَرَمًا اٰمِنًا وَجَعَلَنَا الْحُکَّامَ عَلَی النَّاسِ ثُمَّ اِنَّ ابْنَ اَخِیْ هٰذَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) لَا یُوْزَنُ بِرَجُلٍ اِلَّا رَجَحَ بِهٖ وَاِنْ کَانَ فِی الْمَالِ قُلًّا وَاِنَّ الْمَالَ ظِلٌّ زَائِلٌ وَاَمْرٌ حَائِلٌ وَمُحَمَّدٌ (صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) مَنْ قَدْ عَرَفْتُمْ قَرَابَتَهٗ وَقَدْ خَطَبَ خَدِیْجَةَ بِنْتَ خُوَیْلِدٍ۔ وَقَدْ بَذَلَ لَهَا مِنَ الصَّدَاقِ مَا اٰجِلُهٗ وَعَاجِلُهٗ اِثْنَتَا عَشَرَةَ اُوْقِیَّةً ذَهَبًا وَنَشًّا وَهُوَ وَاللّٰهِ بَعْدَ هٰذَا لَهٗ نَبَأٌ عَظِیْمٌ وَخَطَرٌ جَلِیْلٌ

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم کی اولاد سے حضرت اسماعیل کی کھیتی سے معد کی نسل سے اور مضر کے اصل سے پیدا فرمایا۔ نیز ہمیں اپنے گھر کا پاسبان اور اپنے حرم کا منتظم مقرر کیا

ہمیں ایک ایسا گھر دیا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ایسا حرم بخشا جہاں امن میسر آتا ہے نیز ہمیں لوگوں کا حکمران مقرر فرمایا۔

حمد کے بعد میرا یہ بھتیجا جس کا نام محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اس کا دنیا کے جس بڑے سے بڑے آدمی کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا اس کا پلڑا بھاری ہو گا۔ اگر یہ مالدار نہیں تو کیا ہوا مال تو ایک ڈھلنے والا سایہ ہے اور بدل جانے والی چیز ہے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کی قرابت کو تم خوب جانتے ہو اس نے خدیجہ بنت خویلد کا رشتہ طلب کیا ہے اور ساڑھے بارہ اوقیہ سونا مہر مقرر کیا ہے۔ اور بخدا مستقبل میں اس کی شان بہت بلند ہو گی اس کی قدر و منزلت بہت جلیل ہو گی۔ " (۱)

حضرت ابو طالب کے اس خطبہ کے بعد ورقہ بن نوفل کھڑے ہوئے جو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے اور جوابی خطبہ دیا۔ جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہمیں ان عزتوں اور انعامات سے نوازا۔ جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ اور ہمیں وہ فضیلتیں بخشیں جن کو آپ نے گنا ہے۔ پس ہم سارے عرب کے سردار اور راہبر ہیں۔ اور تم بھی ان صفات سے متصف ہو۔ قبیلہ کا کوئی فرد ان کا انکار نہیں کرتا اور کوئی شخص تمہاری فضیلت کو رد نہیں کرتا۔ ہم اپنا تعلق تم سے استوار کرنے میں بڑا اشتیاق رکھتے ہیں۔ اے خاندانِ قریش کے سردارو! گواہ رہو۔ میں نے خدیجہ دختر خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ کے ساتھ کر دیا ہے۔"

حضرت ابو طالب گویا ہوئے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کار خیر میں اے ورقہ. خدیجہ کے چچا بھی شریک ہوں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بولے۔

اِشْهَدُوْا يَا مَعَاشِرَ قُرَيْشٍ اِنِّیْ قَدْ اَنْكَحْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) خَدِيْجَةَ بِنْتَ خُوَيْلِدٍ وَشَهِدَ عَلٰى ذٰلِكَ صَنَادِيْدُ قُرَيْشٍ،

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۱۶۲ اور دیگر کتب سیرت۔

"اے قبائل قریش! گواہ رہنا میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کر دیا ہے اور اس پر قریش کے سردار گواہ مقرر ہوئے ہیں۔"

ہادی انس و جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ پہلی شادی مبارک تھی جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس اہتمام اور شان و شوکت کے ساتھ انجام پذیر ہوئی اور قیامت تک امت کے لئے ان گنت خیرات و برکات کا سرچشمہ بنی۔ اس وقت حضور کا عنفوان شباب تھا۔ عمر مبارک پچیس سال تھی۔ اور سیدہ خدیجہ کی عمر چالیس سال اور اس سے پہلے وہ دو بار بیوہ ہو چکی تھیں۔

یہاں ایک روایت کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس سے جو غلط فہمی پیدا کی جا سکتی ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔

سیدہ خدیجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا واقعہ معتبر کتب سیرت و تاریخ کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں وہاں یہ وضاحت سے بتا دیا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد نے ان کی طرف سے وکالت کا فریضہ انجام دیا۔ کیونکہ ان کے والد خویلد، حرب فجار سے بھی پہلے وفات پا چکے تھے۔

لیکن ابن اسحاق کے حوالہ سے ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ وہ زندہ تھے۔ نکاح کی تقریب سے پہلے انہیں شراب پلا دی گئی۔ وہ مدہوش ہو گئے اس حالت میں ان سے نکاح کی اجازت لی گئی نکاح کے بعد انہیں نیا لباس پہنایا گیا اور کستوری لگائی گئی۔ جب انہیں ہوش آیا تو پوچھا۔

مَا هٰذَا الْعَقِيْرُ وَمَا هٰذَا الْعَبِيْرُ وَمَا هٰذَا الْحَبِيْرُ، قَالَتْ زَوَّجْتَنِي مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ مَا فَعَلْتُ أَنّٰى أَفْعَلُ قَدْ خَطَبَكِ أَكَابِرُ قُرَيْشٍ فَلَمْ أَفْعَلْ۔

"یہ شور و غوغا کیسا ہے؟ یہ خوشبو کس نے لگائی ہے یہ زرق برق لباس مجھے کس نے پہنایا ہے۔ حضرت خدیجہ نے جواب دیا آپ نے میری شادی محمد بن عبداللہ (فداہ ابی و امی) کے ساتھ کر دی ہے۔ اس خوشی میں یہ سب کچھ ہے۔ خویلد کہنے لگے میں نے نہیں کی اور میں کر بھی کیسے سکتا ہوں جب کہ بڑے بڑے اکابر قریش کی درخواست کو میں نے مسترد

کر دیا ہے۔ "

امام ابن جریر طبری یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

قال الواقدی ھذا غلط

واقدی نے کہا ہے کہ یہ روایت غلط ہے

جو روایت صحیح سند سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ نکاح عمرو بن اسد نے پڑھایا اور خویلد (باپ) تو حرب فجار سے کئی سال پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اس صحیح روایت کی امام طبری نے متعدد صحیح سندیں تحریر کی ہیں۔

۱۔ بواسطہ محمد بن جبیر بن مطعم

۲۔ بواسطہ ام المومنین عائشہ صدیقہ

۳۔ بواسطہ ابن عباس رضوان اللہ علیہم

یہی مروی ہے۔

اِنَّ عَمَّهَا عَمْرُو بْنُ اَسَد زَوَّجَهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَاَبَاهَا مَاتَ قَبْلَ حَرْبِ الْفِجَارِ (۱)

"حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد نے ان کا نکاح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا حضرت خدیجہ کے والد حرب فجار سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔"

اس صحیح روایت کے علاوہ درایت بھی ابن اسحاق کی اس روایت کی تصدیق نہیں کرتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات والا صفات ظاہری حسن و جمال نیز اپنے معنوی محامد و کملات کے باعث سارے اہل مکہ کی آنکھوں کا تارا بنی ہوئی تھی۔ جس گلی سے گزر جاتے دیدہ و دل ان کے قدموں میں از خود بچھتے چلے جاتے۔ ان کی امانت و صداقت کی صفات سے اپنے اور بیگانے اتنے متاثر تھے کہ سب آپ کو الامین اور الصادق کے لقب سے پکارا کرتے۔ کسی بڑے سے بڑے رئیس کو بھی اگر حضور اپنے داماد ہونے کے شرف سے مشرف فرماتے تو وہ اس کو اپنے لئے بہت بڑا اعزاز تصور کرتا۔ خویلد اگر زندہ ہوتے تو وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے۔

نیز یہ تقریب نکاح لوگوں کی نظروں سے چھپ کر کسی کنج تنہائی میں انعقاد پذیر نہیں ہوئی تھی۔ یہ تو ایک محفل عام تھی بنو ہاشم کے سردار عبد المطلب کے سارے فرزند اور حضور علیہ

۱۔ تاریخ طبری، جلد اول جز ثانی، صفحہ ۱۹۷

الصلوٰۃ والسلام کے سارے چچا اس میں شریک تھے ان کے علاوہ خاندان قریش کے سارے قابل ذکر افراد مدعو تھے ان کی غیرت یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ ایک ایسی بیوہ سے اپنے عدیم المثال بھتیجے کا عقد کریں جس کا باپ رضامند نہ ہو۔ اور پھر اس کے لئے ایک ایسی نازیبا حرکت کریں جو اس جاہلی معاشرہ میں بھی بنظر استحسان نہ دیکھی جاتی تھی۔ خود حضرت خدیجہ جیسی عفت مآب اور عصمت شعار خاتون جو اس فسق وفجور کے دور میں "الطاہرہ" کے لقب سے مشہور تھی۔ اپنے لئے اس طرز عمل کو کیونکر پسند کر سکتی تھی۔

دوسرے لوگوں کے لئے یہ خیال کر بھی لیا جائے کہ کسی منفعت کے پیش نظر انہوں نے بفرض محال اس قباحت کو گوارا کر لیا۔ تو محمد پاکباز (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے کردار کی رفعت، خلق کی پاکیزگی اور طینت کی ارجمندی کے لئے یہ صورت حال کیونکر قابل قبول ہو سکتی تھی۔ اس لئے ہم شرح صدر سے یہ کہہ سکتے ہیں ...... کہ ابن اسحاق کی یہ روایت عقل ونقل، درایت وروایت کسی معیار پر پوری نہیں اترتی۔

عصر حاضر کے مایہ ناز محقق امام محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

وَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ اِسْحَاقَ مِنَ الَّذِيْ زَوَّجَهَا اَبُوْهَا خُوَيْلِدٌ غَيْرُ صَحِيْحٍ لِاَنَّ خُوَيْلِدَ قَدْ مَاتَ قَبْلَ حَرْبِ الْفِجَارِ

"یعنی ابن اسحاق کی یہ روایت جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت خدیجہ کا نکاح ان کے والد خویلد نے پڑھایا، صحیح نہیں ہے کیونکہ خویلد حرب فجار سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔" (۱)

علامہ سُہیلی نے بھی الروض الانف میں اس کی توثیق کی ہے۔ (۲)

علامہ ابن کثیر نے السیرۃ النبویۃ میں تصریح کر دی ہے کہ خود ابن اسحاق نے بھی اپنے اس قول سے رجوع کر لیا۔ علامہ ابن کثیر نے پہلے سُہیلی کے قول کی تائید کی ہے۔ پھر لکھا ہے۔

ذَكَرَ ابْنُ اِسْحَاقَ فِيْ اٰخِرِ السِّيْرَةِ اِنَّ اَخَاهَا عَمْرَو بْنَ خُوَيْلِدٍ هُوَ الَّذِيْ زَوَّجَهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَاللّٰهُ اَعْلَمُ

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۱۶۳

۲۔ الروض الانف، جلد اول، صفحہ ۲۱۲

ابن اسحاق نے اپنی سیرت کے آخر میں تصریح کی ہے کہ حضرت خدیجہ کے بھائی عمرو نے آپ کا نکاح پڑھایا واللہ اعلم۔" (۱)

اس طیبہ طاہرہ رفیقہ حیات کی آمد سے سرور عالم کی حیات طیبہ میں ایک خوش آئند اور مسرت آگیں انقلاب رونما ہوا۔ حضرت خدیجہ کی بھرپور محبت اور شبانہ روز خدمت گزاری نے اس خلا کو بڑے سلیقہ سے پر کرنے کی سعی مشکور کی جو سیدہ آمنہ کے سایہ عاطفت کے اٹھ جانے سے حضور بچپن سے ہی محسوس کرتے تھے۔ قبیلہ قریش کی اس معزز، دانشمند اور دور اندیش خاتون کو عبدالمطلب کے جواں سال اور جواں بخت پوتے کے فضائل و شمائل نے ایسا گرویدہ کر دیا تھا کہ انہوں نے اپنا دل، اپنی جان اور اپنا مال و متاع سب کچھ ان کے قدموں پر نثار کر دیا تھا اور اس سودے پر وہ صرف خوش ہی نہ تھیں بلکہ نازاں تھیں اور شکر گزار تھیں کہ اس پیکرِ جمال و کمال نے انہیں اپنی چاکری میں قبول فرمایا ہے۔

ان مختصر الفاظ سے آپ کی عظیم شخصیت کا صحیح تعارف نہیں ہو سکتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ضمن میں آپ کی خدمات جلیلہ کا ذکر آئے گا کیونکہ اس کے بغیر سیرت نبوی مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس وقت آپ کی حقیقی عظمتوں کا قارئین کو پتہ چلے گا اور ان مخفی حکمتوں کا راز فاش ہو گا جن کی بنا پر علیم و حکیم خدا نے اپنے محبوب کی زوجیت کے لئے اس طیبہ طاہرہ کو منتخب فرمایا۔

یہ عقد زواج بڑا بابرکت ثابت ہوا۔ حضرت خدیجہ طاہرہ کے بطن طاہر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے قاسم جن کی وجہ سے حضور کی کنیت ابو القاسم ہوئی۔ اور عبداللہ جو طیب اور طاہر کے لقب سے ملقب تھے تولد ہوئے دونوں صاحب زادے بچپن میں انتقال فرما گئے۔ تیسرے صاحب زادے حضرت ابراہیم تھے، جو حضرت ماریہ قبطیہ کے شکم سے پیدا ہوئے وہ بھی عالمِ شیر خوارگی میں وفات پا گئے۔

حضور سرور عالم کی چاروں صاحب زادیاں سیدات، رقیہ، زینب، ام کلثوم اور سیدۃ نساء العالمین فاطمۃ البتول الزہرا رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کی ولادت باسعادت بھی آپ کے شکم سے ہوئی ان سب نے عہدِ نبوت پایا سب مشرف باسلام ہوئیں۔

۱۔ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۶۷

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى شَمْسِ فَلَكِ النُّبُوَّةِ وَجَمِيْعِ اَقْمَارِهَا النَّيِّرَةِ وَسَائِرِ نُجُوْمِهَا الزَّاهِرَةِ وَمَنِ اهْتَدٰى بِنُوْرِهٖ وَاقْتَدٰى بِسُنَّتِهٖ وَتَمَسَّكَ بِذَيْلِ رَحْمَتِهٖ وَشَفَاعَتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

۲۹ رجب ۱۴۰۸ھ

۱۹ مارچ ۱۹۸۸ء

بروز ہفتہ

کعبۂ مُشرّفہ کی تعمیرِ نو

کعبہ مشرفہ کی تعمیرِ نو

کعبہ مشرفہ کی تعمیر نو

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علے نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمان الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور اپنے شیر خوار بچے اسماعیل علیہ السلام کو شام کے لالہ زاروں سے لاکر حجاز کے بے آب و گیاہ ریگستان میں وہاں آکر چھوڑ دیا جہاں اب حرم کعبہ ہے۔ جب کھجوروں کا تھیلا اور پانی کا مشکیزہ ختم ہو گیا اور بچہ پیاس کی شدت سے تڑپنے لگا تو حضرت ہاجرہ بے تاب ہو گئیں۔ قریب ہی دو پہاڑیاں تھیں صفا اور مروہ، کبھی وہ ایک پہاڑی پر چڑھ جاتیں اور کبھی دوسری پر اور وہاں کھڑی ہو کر دور دور تک نگاہ دوڑاتیں۔ شائد کہیں کوئی انسان نظر آجائے یا کسی انسانی آبادی کا سراغ مل جائے اس اضطراب میں انہوں نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے اچانک اپنے بچے کی طرف مڑ کر دیکھا تو ان کی حیرت کی حد نہ رہی کہ قدرت الٰہی سے وہاں ایک چشمہ ابل پڑا تھا یہ سارے واقعات بڑی تفصیل سے آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

میں نے وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ جب حضرت اسماعیل جوان ہو گئے باپ بیٹے نے حکم الٰہی سے اپنے رب کریم کا گھر تعمیر کیا اس کے بعد تین ہزار سال کا طویل عرصہ گزر گیا اس عرصہ میں کتنے طوفان آئے ہوں گے۔ کتنی موسلا دھار بارشیں برسی ہوں گی۔ کعبہ مشرفہ کی جو عمارت حضرت خلیل نے تعمیر کی تھی اس میں اس وقت تک کتنے تغیرات رو پذیر ہو چکے ہوں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت منہدم ہو گئی تو عمالقہ نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ کسی سیلاب کی وجہ سے یہ عمارت پھر گر گئی تو قبیلہ جرہم نے اس کی تعمیر نو کی۔ بہر حال ان تفصیلات کا تذکرہ مطلوب نہیں۔ جس وقت کی ہم بات کر رہے ہیں اس وقت کعبہ کی کیفیت یہ تھی کہ پتھروں کی ایک چار دیواری تھی جس کی اونچائی انسان کے قد سے کچھ زیادہ تھی۔ پتھر جوڑ جوڑ کر یہ چار دیواری بنائی گئی تھی جنہیں آپس میں جوڑنے کے لئے گارا استعمال کرنے کا تکلف بھی نہیں کیا گیا تھا اور اس چار دیواری پر چھت بھی نہیں تھی۔

ان حالات میں قریش کو خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر کا شدت سے احساس ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی لیکن ان روایات کے بارے میں علامہ ابن کثیر کی تحقیق یہ ہے کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے قرآن و سنت سے استدلال کیا ہے فرماتے ہیں۔

وَلَا يَصِحُّ ذٰلِكَ فَاِنَّ ظَاهِرَ الْقُرْاٰنِ يَقْتَضِيْ اَنَّ اِبْرٰهِيْمَ اَوَّلُ مَنْ بَنَاهُ مُبْتَدِئًا وَاَوَّلُ مَنْ اَسَّسَهٗ وَكَانَتْ بُقْعَتُهٗ مُعَظَّمَةً قَبْلَ ذٰلِكَ مُعْتَنًى بِهَا مُشَرَّفَةً فِيْ سَائِرِ الْاَعْصَارِ وَالْاَوْقَاتِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (۳:۹۶۔۹۷)

" یہ رائے (کہ آدم علیہ السلام معمار اول ہیں) درست نہیں کیونکہ قرآن کریم کی آیات کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کعبہ شریف کے پہلے معمار سیدنا ابراہیم ہیں ویسے یہ مقام جہاں کعبہ تعمیر کیا گیا اس سے پہلے بھی بڑا معزز اور محترم تھا اور اسے عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

" بے شک پہلا عبادت خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑا برکت والا ہدایت (کا سرچشمہ ہے) سب جہانوں کے لئے اس میں روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہوا اس میں ہو جاتا ہے (ہر خطرہ سے) محفوظ اور اللہ کے لئے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی۔ " (۱)

صحیح حدیث نبوی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ مَسْجِدٍ وُّضِعَ اَوَّلُ؟ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ؟ قَالَ الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰى

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۷۱

قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً (بخاری۔ مسلم)

"حضرت ابو ذر نے عرض کی یا رسول اللہ سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی فرمایا مسجد حرام۔ پھر عرض کی اس کے بعد، فرمایا مسجد اقصیٰ پھر پوچھا ان کے درمیان کتنا عرصہ گزرا فرمایا چالیس سال۔

کعبہ مشرفہ کی تعمیر نو کی فوری وجہ یہ تھی کہ کعبہ کے اندر ایک کنواں تھا زائرین کعبہ شریف کے لئے جو نذرانے اور تحائف پیش کرتے تھے وہ اس کنویں میں ڈال دیئے جاتے تھے وہاں قیمتی اشیاء اور سونے کے زیورات کا ایک گراں بہا خزانہ جمع ہو گیا کعبہ شریف کا کوئی دروازہ بھی نہ تھا۔ ایک رات چند چوروں نے اندر داخل ہو کر کچھ قیمتی اشیاء چوری کر لیں جب ان کی تلاش کی گئی تو دُوَیک نامی ایک شخص کے پاس سے مل گئیں۔ دویک بنو ملیح بن عمرو خزاعی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ مسروقہ اشیاء قبضہ میں لے لی گئیں اسے پکڑ کر قریش کے حوالے کر دیا گیا قریش نے سرقہ کے جرم میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا بعض لوگوں کا خیال ہے چور دوسرے لوگ تھے وہ ان مسروقہ اشیاء کو دویک کے پاس رکھ گئے تھے۔ (۱)

جب قریش نے اس کار خیر کا عزم کیا اور اس کے لئے تیاری شروع کی اس وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے شادی کو دس سال گزر چکے تھے اور حضور اپنی حیات طیبہ کے پینتیسویں (۳۵) سال میں تھے۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے حصہ کے مطابق سامان فراہم کرنے میں مشغول ہو گیا۔ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر پتھر تیار کئے جا رہے تھے انہیں دنوں اتفاق سے ایک بادبانی کشتی کو سمندر کی تند موجوں نے دھکیل کر جدہ کے ساحل پر پھینک دیا۔ وہ ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ بعض نے اس بندر گاہ کا نام شُعَیْبَہ بتایا ہے۔ جو بحر حجاز کے ساحل پر کشتیوں کی بندر گاہ تھی۔ اس کی قیمتی لکڑی بڑی کار آمد تھی۔ قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس کے تختے خرید لئے۔

شیخ ابراہیم عرجون اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

قیصر روم نے حبشہ کے ایک گرجا کی مرمت کے لئے جسے ایرانیوں نے جلا دیا تھا اس کشتی میں تعمیر کا سامان بھیجا تھا۔ اب جب یہ کشتی شعیبہ کی بندرگاہ پر پہنچی تو سمندری طوفان کی تند و تیز لہروں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

وَتَسَامَعَتْ بِهَا قُرَيْشٌ فَتَبَاعُوا مَا فِيهَا وَكَلَّمُوا بَاقُومَ فَقَدِمَ

۱۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۰۹

مَعَهُمُ إِلَى مَكَّةَ

"قریش کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اس کے تختوں کو خرید لیا اور باقوم کے ساتھ کعبہ کی تعمیر کے بارے میں بات کی۔ وہ ان کے ساتھ مکہ مکرمہ آیا۔" (۱)

یہ باقوم کون تھا؟

بعض کے نزدیک یہ اس انجینئر کا نام ہے جسے قیصر روم نے سامان تعمیر سے بھری ہوئی اس کشتی کے ہمراہ بھیجا تھا کہ وہ اپنی نگرانی میں حبشہ میں اس کنیسہ کی تعمیر کرائے جسے ایرانیوں نے جلا دیا تھا۔ اور ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ وہ ایک قبطی بڑھئی تھا اور مکہ میں اقامت گزیں تھا قریش نے اس کی خدمات حاصل کیں۔ (۲)

امام ابن ہشام نے بھی اس قول کو اپنی کتاب سیرت میں نقل کیا ہے۔

وَكَانَ بِمَكَّةَ رَجُلٌ قِبْطِيٌّ نَجَّارٌ

وہ لکڑی کا ماہر کاریگر تھا۔ کعبہ مشرفہ کے لئے دروازے، شہتیر، بالے وغیرہ بنانے کا کام اس کے سپرد کیا گیا۔ (۳)

جب قریش نے کعبہ کی اس شکستہ عمارت کو گرا کر نئی عمارت تعمیر کرنے کا عزم مصمم کر لیا تو ان میں سے ایک بزرگ ابو وھب نے کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ لَا تُدْخِلُوا فِي بِنَائِهَا مِنْ كَسْبِكُمْ إِلَّا طَيِّبًا وَلَا يُدْخَلُ فِيهَا مَهْرُ بَغِيٍّ وَلَا بَيْعُ رِبًا وَلَا مَظْلَمَةُ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ۔

"اے گروہ قریش! کان کھول کر سن لو۔ کعبہ کی تعمیر میں اپنی پاک اور حلال کمائی کے سوا کوئی چیز داخل نہ کرنا۔ کسی بدکارہ کی آمدنی، کوئی سود، کسی آدمی پر ظلم سے حاصل کی ہوئی دولت اس فنڈ میں ہرگز شامل نہ کرنا۔" (۴)

۱۔ محمد رسول اللہ، جلد اول، صفحہ ۱۸۷

۲۔ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۷۶

۳۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۰۹

۴۔ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۷۷ و جملہ کتب سیرت۔

یہ ابو وھب، حضرت عبداللہ کے ماموں تھے۔ اور جوانی سخاوت اور شرافت میں اپنی مثال آپ تھے۔

وکان خال اب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان شریفا ممدحا

ضرورت کا سارا سامان مہیا ہو گیا تھا دوسرے انتظامات بھی مکمل ہو گئے تھے لیکن قریش کو ابھی کئی رکاوٹوں کا سامنا تھا۔ کعبہ خدا کا گھر تھا۔ اس کا گرانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ابرہہ کا عبرتناک انجام انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ خوف انہیں بار بار پریشان کر رہا تھا کہ کہیں کعبہ کو گرا کر وہ غضب الٰہی کا شکار نہ ہو جائیں کعبہ کو نیا تعمیر کرتے کرتے کہیں ان کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادی جائے۔

نیز کعبہ کے اندر جو کنواں تھا۔ اس میں سے ایک خوفناک اژدھا کبھی کبھی نکلا کرتا اور کعبہ کی دیوار پر چڑھ کر دھوپ تاپا کرتا اس کا ڈر بھی انہیں کوئی اقدام کرنے سے روکتا تھا۔ ایک روز اژدھا حسب عادت دیوار پر لیٹا ہوا تھا کہ فضا سے ایک پرندہ جھپٹا اور اس کو اچک کر لے گیا۔ یہ منظر دیکھ کر قریش کی ایک پریشانی دور ہو گئی اس کو انہوں نے تائید ایزدی سمجھا انہیں تسلی ہو گئی کہ جس کام کا انہوں نے ارادہ کیا ہے وہ منشائے خداوندی کے مطابق ہے۔ دوسری جھجک کو دور کرنے کے لئے ولید بن مغیرہ آگے بڑھا اور اس نے کہا۔

اَنَا اَبْدَأُكُمْ فِيْ هَدْمِهَا فَاَخَذَ الْمِعْوَلَ ثُمَّ قَامَ عَلَيْهَا وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَا تُرَعْ : اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَا نُرِيْدُ اِلَّا الْخَيْرَ

"میں اس عمارت کے گرانے کی ابتدا کرتا ہوں اس نے کدال لی اور جنوبی دیوار کے چند پتھر گرائے وہ پتھر بھی گرا رہا تھا اور یہ دعا بھی مانگ رہا تھا۔ اے اللہ! ہمیں خوفزدہ نہ کرنا۔ اے اللہ! ہم صرف خیر کا ارادہ رکھتے ہیں۔" (۱)

لوگوں نے کہا اگر رات بخیریت گزر گئی تو ہم سمجھیں گے کہ اس معاملہ میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہے۔ ورنہ ان گرے ہوئے پتھروں کو اٹھا کر ان کی جگہ پر رکھ دیں گے اور اپنے اس ارادہ کو فسخ کر دیں گے۔ چنانچہ رات خیر و عافیت سے گزر گئی۔ سب لوگوں نے مل کر کعبہ کی پہلی خستہ عمارت کو منہدم کر دیا تعمیر کعبہ کے لئے انہوں نے تقسیم کار کے اصول پر عمل کیا مختلف قبائل کو ایک ایک دیوار کی تعمیر کی ذمہ داری تفویض کی گئی۔ مشرقی دیوار۔ جس میں خانہ

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۱۱

کعبہ کا دروازہ شریف نصب ہے اس کی تعمیر بنو عبد مناف اور بنو زہرہ قبیلوں کے سپرد کی گئی۔ جنوبی دیوار حجر اسود سے لے کر رکن یمانی تک بنو مخزوم اور چند دوسرے قرشی قبائل کے حوالے کی گئی۔ مغربی دیوار یعنی پشت کعبہ کی تعمیر بنو جمح، بنو سہم جو عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوئی کی ذمہ داری قرار پائی۔ شمالی دیوار، جس طرف حطیم ہے اس کو تعمیر کرنے کا کام بنو عبد الدار، بنو اسد، بنو عدی کے سپرد ہوا۔ اس کے بعد سارے قریش بڑے خلوص اور انہماک سے اللہ تعالیٰ کے اس مقدس گھر کی تعمیر میں مشغول ہو گئے۔ اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علے نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یاد کو بڑے ذوق شوق سے تعمیر کر رہے تھے۔ کیونکہ یہی گھر ان کی عزت، معاشی خوشحالی اور سیاسی اقتدار کا عنوان تھا اور یہی ان کی اولین پہچان تھی۔ لیکن انہوں نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ تعمیر کا جو ساز و سامان انہوں نے اکٹھا کیا ہے اس سے وہ ان بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر نہیں کر سکیں گے جن بنیادوں پر حضرت ابراہیم نے اس کو تعمیر کیا تھا۔ اور مزید سامان فراہم کرنے کی ان میں سکت نہیں تھی ان کے لئے اس کے بغیر چارہ نہ تھا کہ وہ اصلی رقبہ میں سے کچھ رقبہ نکال دیں اور جتنے طول و عرض پر چھت ڈالنے کا ان کے پاس سامان ہے اس پر چھت ڈال دیں اور بقیہ رقبہ کی چھوٹی دیوار سے حد بندی کر دیں تاکہ طواف کرنے والے کعبہ کے سارے رقبہ کا طواف کر سکیں۔

یہاں پر دل میں یہ خلش پیدا ہوتی ہے کہ مکہ میں تو بڑے بڑے رؤساء اور تجار موجود تھے ایک ایک شخص ایسا ایک مکان تو کیا بڑے سے بڑا محل بھی تعمیر کرنا چاہتا تو بآسانی کر سکتا تھا یہ کوئی ایسی کمی نہ تھی جسے سارے مکہ والے بھی مل کر پورا نہ کر سکتے تھے۔ نیز دوسرے عرب قبائل سے بھی مالی تعاون کی اپیل کی جا سکتی تھی اور سب کے سب حرم مکہ کے دلی عقیدت مند تھے۔ ان حالات میں یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ سرمایہ کی کمی کے باعث کعبہ اپنی اصلی بنیادوں پر تعمیر نہ ہو سکا۔

اس کے لئے گزارش ہے کہ بے شک مکہ میں صاحبِ ثروت لوگ موجود تھے جن کے تجارتی کاروان یمن سے شام تک آتے جاتے تھے لیکن ان کی دولت کا بیشتر حصہ ناجائز ذرائع سے کمایا ہوا ہوتا تھا سود خوری، قمار بازی، ڈاکہ زنی، غصب، لوٹ مار کی کمائی سے ان کا سارا سرمایہ ملوث تھا اور تعمیر کعبہ کا کام شروع کرنے سے پہلے انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ وہ اس میں صرف اور صرف حلال طیب مال خرچ کریں گے۔ اس شرط نے ان کے دائرہ کو تنگ کر دیا تھا۔ جس دولت کے ان کے پاس انبار تھے یا وہ سراسر حرام تھی یا اس میں حرام ذریعہ سے کمائی

ہوئی دولت کی ملاوٹ تھی اسے وہ کیسے خرچ کر سکتے تھے۔

چنانچہ تعمیر کعبہ کا کام زور شور سے شروع ہو گیا ہر کار خیر میں آگے آگے رہنے والا مصطفیٰ کریم اپنے خالق کریم کے گھر کی تعمیر سے کیونکر لاتعلق رہ سکتا تھا۔ حضور سرور عالم از اول تا آخر بڑے جوش و خلوص سے اس مقدس کام میں شامل رہے۔ حضور اپنے چچا حضرت عباس کے شریک کار تھے۔ دونوں مل کر پتھر اٹھا کر لا رہے تھے حضرت عباس نے دیکھا کہ مبارک کندھے پر پتھروں کی رگڑ سے خراشیں پڑ رہی ہیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ حضور اپنی چادر اپنے کندھوں پر رکھ لیں تو پتھر ڈھونے میں دقت نہ ہو گی۔ حضور نے تہ بند اتار کر کندھے پر رکھ لیا ایسا کرتے ہی غشی کی کیفیت طاری ہو گئی جب ہوش آیا اس وقت اپنا تہ بند باندھ لیا۔

اس سے کسی کو یہ وسوسہ نہ ہو کہ پینتیس سال کی عمر میں چادر اتار کر کندھے پر ڈال لینے سے تو عریانی لازم آتی ہے اس کے بارے میں عرض ہے کہ عرب کا عام لباس یہ تھا کہ نیچے تہبند. اوپر لمبی ٹخنوں تک لٹکی ہوئی قمیص۔ اگر کسی نے قمیص نہ پہنی ہو صرف تہبند باندھا ہو پھر تو تہبند کھولنے سے وہ ننگا ہو جاتا ہے۔ لیکن جس نے اتنی لمبی قمیص پہنی ہوئی ہو تو اگر وہ تہبند اتار بھی دے تو عام حالات میں ننگا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اس حالت میں یہ امکان ضرور ہے کہ پتھر اٹھانے کے لئے انسان بیٹھے یا کھڑا ہو تو ستر عورت کا اہتمام نہ رہے اللہ تعالیٰ جو بچپن سے ہی اپنے محبوب بندے کا مربّی اور موؤدِب ہے اس کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ اس کا حبیب ایسے لباس میں ہو جہاں کسی صورت میں بھی عریانی کا امکان تک بھی پایا جاتا ہو۔ اس لئے فوراً تنبیہ کر دی گئی حضور نے تہبند کندھے سے اٹھا کر کمر سے باندھ لیا۔

سارے قبائل اپنے اپنے مقررہ حصہ کی تعمیر میں مشغول ہو گئے کام کی رفتار تسلی بخش تھی محبت و پیار کی فضا میں ہر چیز حسن و خوبی سے سرانجام پا رہی تھی۔ لیکن جب حجر اسود رکھنے کا وقت آیا تو اچانک اندھی عصبیت کے سوئے ہوئے فتنے انگڑائی لینے لگے دیوار کعبہ میں حجر اسود نصب کرنا بہت بڑا اعزاز تھا۔ ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ یہ اعزاز اسے حاصل ہو دوسرے قبائل اگر خوشی سے اس کے حق میں دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوں تو وہ بزور شمشیر بھی یہ اعزاز حاصل کر کے رہے گا۔ بنو عبد الدار نے اپنے قبیلہ کے قابل ذکر افراد اور اپنے حلفاء کو مشورہ کے لئے جمع کیا انہوں نے اجتماعی طور پر یہی فیصلہ کیا کہ حجر اسود. دیوار کعبہ میں وہی نصب کریں گے اس عہد و پیمان کو مزید پختہ کرنے کے لئے خون کا بھرا ہوا پیالہ محفل میں لایا گیا انہوں

نے اور ان کے حلیفوں نے اس خون میں ہاتھ ڈبو کر اس عہد پر ثابت قدم رہنے کی قسمیں اٹھائیں کہ وہ جان دے دیں گے لیکن کسی دوسرے قبیلہ کو یہ اعزاز حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

مسلسل چار پانچ روز تک حالات بڑے کشیدہ رہے ہر لحظہ لڑائی چھڑ جانے کا خطرہ بڑھتا جارہا تھا کسی وقت بھی کوئی دھماکہ ہو سکتا تھا۔ آخر ایک روز اس نزاع کا تصفیہ کرنے کے لئے سب مسجد حرام میں اکٹھے ہوئے۔ ابو امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم جو ولید بن مغیرہ سابق الذکر کا بھائی اور عمر میں سب سے بڑا تھا کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔

يَا مَعْشَرَ قُرَيْش: اِجْعَلُوا بَيْنَكُمْ فِيمَا تَخْتَلِفُونَ فِيهِ۔ اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ مِنْ بَابِ هٰذَا الْمَسْجِدِ يَقْضِي بَيْنَكُمْ فِيهِ۔ فَفَعَلُوا

"اے گروہ قریش! جس معاملہ میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو گیا ہے اس کا فیصلہ کرنے کے لئے اس شخص کو اپنا حکم بنالو جو کل سب سے پہلے اس مسجد کے دروازہ سے داخل ہو۔ اس بات پر سب متفق ہو گئے۔" (۱)

دوسری صبح سب سے پہلے حرم شریف کے اس دروازہ سے جسے باب بنی شیبہ کہا جاتا ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم مسجد میں داخل ہوئے۔ حضور کو دیکھ کر لوگوں کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی۔ ان میں سے جو بزرگ ترین شخص تھا اس نے کہا۔

هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَا بِهٖ حَكَمًا هٰذَا مُحَمَّدٌ

یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ امین ہیں ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ (۲)

جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام ان کے نزدیک پہنچے تو انہوں نے سارا ماجرا عرض کیا حضور نے ان کی عرضداشت کو قبول کرتے ہوئے فرمایا۔

"هَلُمَّ اِلَيَّ ثَوْبًا"

میرے پاس ایک چادر لے آؤ۔

وہ چادر لے آئے حضور نے اس چادر کو زمین پر بچھایا اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن کثیر۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۸۰ و جملہ کتب سیرت

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۱۴

اٹھا کر چادر کے درمیان میں رکھ دیا۔ ہر قبیلہ کے ہر خاندان کے ایک ایک سردار کو بلایا اور فرمایا سب مل کر اس چادر کو پکڑلو۔ اور پتھر کو اٹھا کر لے آؤ سب نے اس چادر کو تھام لیا جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں حجر اسود نصب کرنا تھا تو حضور نے اپنے یمن وبرکت والے ہاتھوں سے اسے اٹھایا اور دیوار میں اس کے مقررہ مقام پر رکھ دیا۔ اس طرح اس مقدس کام میں شرکت کا فخر بھی سب کو حاصل ہو گیا فتنہ وفساد کے بھڑکنے والے شعلے اپنی موت آپ مر گئے اور سب کے دلوں میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی صلی اللہ تعالیٰ علیٰ قلبہ الطاہر الذکی وید ہ الطاہرۃ الذکیۃ المیمونۃ وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ وسلم۔

اس طرح کعبہ کا کام جو کئی روز تک تعطل کا شکار رہا تھا ایک نئے ذوق شوق سے شروع ہو گیا کعبہ شریف کی جو عمارت اب تعمیر ہوئی اس کی بلندی اٹھارہ اذرع (ہاتھ) تھی چھ یا سات ہاتھ رقبہ شمالی جانب سے داخل نہ کیا جا سکا جس کی وجہ پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ صرف ایک دروازہ مشرقی سمت میں رکھا گیا اور وہ بھی سطح زمین سے کافی بلندی پر۔ مقصد یہ تھا کہ کوئی آدمی ان کی اجازت کے بغیر کعبہ کے اندر داخل نہ ہو سکے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَھَا اَلَمْ تَرَیْ اَنَّ قَوْمَكِ قَدْ قَصَرَتْ بِھِمُ النَّفَقَۃُ وَلَوْلَاحَدَثَانُ قَوْمِكِ بِکُفْرٍ لَنَقَضْتُ الْکَعْبَۃَ وَجَعَلْتُ لَھَا بَابًا شَرْقِیًّا وَّبَابًا غَرْبِیًّا وَّ اَدْخَلْتُ فِیْھَا الْحِجْرَ (الصحیحین)

"آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ! تو نہیں دیکھتی کہ تیری قوم کا سرمایہ کم ہو گیا تو انہوں نے حجر کا رقبہ کعبہ سے باہر نکال دیا اگر تیری قوم کفر سے نئی نئی تائب نہ ہوئی ہوتی تو میں کعبہ کو گرا دیتا اور اس کے شرقاً غرباً دو دروازے رکھتا اور حجر کو کعبہ میں داخل کر دیتا۔"

سب سے پہلے کعبہ پر قباطی کا غلاف چڑھایا گیا قباطی، ایک سفید رنگ کا کپڑا تھا جو مصر میں تیار ہوتا تھا۔ اس کے بعد برود یعنی یمنی چادروں کا غلاف بنا کر پہنایا گیا۔ سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے دیباج کا غلاف بنا کر نذر کیا۔ (۱)

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۸۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اطوار و شمائل کو دیکھ کر لوگ پہلے بھی دیدہ و دل فرش راہ کئے رہتے تھے اہل مکہ حضور کے صدق مقال، حسن معاشرت اور صفت دیانت و امانت سے اتنے متاثر تھے کہ حضور کو الصادق والامین کے لقب سے یاد کرتے تھے لیکن اس جھگڑے کا حکیمانہ فیصلہ فرما کر تو حضور نے سب کے دل موہ لئے۔ اس وقت کے شعراء اپنے جذبات کے اظہار سے کیسے باز رہ سکتے تھے چنانچہ ایک قادر الکلام شاعر نے ایک طویل قصیدہ لکھا ہے۔ اس کے چند اشعار ہدیہ قارئین ہیں۔ اس سے قارئین ان جذبات احترام و عقیدت کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں جو اس وقت کے معاشرہ میں لوگوں کے دلوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں موجزن تھے۔ ہبیرہ بن وھب المخزومی اپنے قصیدہ میں اپنی عقیدت و محبت کا اظہار یوں کرتا ہے۔

تَشَاجَرَتِ الْاَحْيَاءُ فِي فَصْلِ خُطَّةٍ ‏ جَرَتْ بَيْنَهُمْ بِالنَّحْسِ مِنْ بَعْدِ اَسْعُدٖ

"ایک بات کے فیصلہ کرنے میں قبائل میں اختلاف رونما ہو گیا ایسا اختلاف جس نے سعادت کے بعد انہیں نحوست سے دوچار کر دیا۔"

فَلَمَّا رَاَيْنَا الْاَمْرَ قَدْ جَدَّ جِدُّهٗ ‏ وَلَمْ يَبْقَ شَيْءٌ غَيْرَ سَلِّ الْمُهَنَّدِ

"جب ہم نے دیکھا کہ معاملہ از حد سنگین ہو گیا ہے اور تیز تلوار کے میان سے نکالنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہا۔"

رَضِيْنَا وَقُلْنَا الْعَدْلُ اَوَّلُ طَالِعٍ ‏ يَجِيْءُ مِنَ الْبَطْحَاءِ مِنْ غَيْرِ مَوْعِدٖ

"ہم اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے حرم میں داخل ہو گا وہی عدل کرے گا۔"

فَفَاجَاَنَا هٰذَا الْاَمِيْنُ مُحَمَّدٌ ‏ فَقُلْنَا رَضِيْنَا بِالْاَمِيْنِ مُحَمَّدٖ

"پس اچانک یہ امین جس کا نام نامی محمد ہے وہ آتا ہوا نظر آیا اس کو دیکھ کر ہم نے کہا ہم راضی ہو گئے اس امین کے ساتھ اس محمد کے ساتھ۔"

بِخَيْرِ قُرَيْشٍ كُلِّهَا اَمْسِ شِيْمَةً ‏ وَفِي الْيَوْمِ مَعْ مَا يُحْدِثُ اللّٰهُ فِيْ غَدٖ

"وہ اپنے شمائل کریمہ کے طفیل کل بھی اور آج کے دن بھی تمام قریش سے بہترین ہیں۔ اور آئندہ کل بھی اللہ تعالیٰ اس پر جو مہربانیاں کرنے والا ہے اس کے بارے میں ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

فَجَلَّوا بِأَمْرٍ لَوْ يَرَى النَّاسُ مِثْلَهُ　　أَعَمَّ وَأَرْضَى فِي الْعَوَاقِبِ وَالْبَدْءِ

"انہوں نے اس جھگڑے کا ایسا فیصلہ کیا جس کی مثال لوگوں نے آج تک نہیں دیکھی۔ اس کا فیض عام تھا جس کی ابتدا اور جس کا نتیجہ دونوں دلوں کو خوش کرنے والے تھے۔"

وَكُلٌّ رَضِينَا فِعْلَهُ وَصَنِيعَهُ　　فَأَعْظِمْ بِهِ مِنْ رَأْيِ هَادٍ وَمُهْتَدِي

"ہم سب اس کے اس کارنامے اور اس شاندار عمل پر راضی ہو گئے پس اس ھادی اور مہدی کی رائے کتنی عظیم الشان تھی۔"

وَتِلْكَ يَدٌ مِنْهُ عَلَيْنَا عَظِيمَةٌ　　يَرُوحُ لَهَا هَذَا الزَّمَانُ وَيَغْتَدِي

"ہم پر آپ کا یہ جلیل القدر احسان ہے جو آج بھی اور کل بھی ہمیشہ باقی رہے گا۔" (۱)

یہ عمارت عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ بلکہ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک جوں کی توں قائم رہی۔

۶۴ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قبضہ حرم مکہ پر مکمل ہو گیا۔ یزید نے اپنا لشکر حصین بن نُمیر کی قیادت میں آپ کے مقابلہ کے لئے مکہ بھیجا اس نے حرم شریف کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں کے ذریعہ پتھر برسائے اس سنگ باری سے عمارت میں جگہ جگہ شگاف پڑ گئے۔ وہ ظالم اللہ کے گھر پر ابھی پتھر برسا رہا تھا کہ یزید کی موت کی اسے اطلاع ملی۔ اور اسے اپنا محاصرہ اٹھا کر بے نیل مرام لوٹنا پڑا۔ حضرت عبداللہ نے اس خستہ عمارت کو گرا کر ان بنیادوں پر کعبہ مقدسہ کی از سر نو تعمیر کی جن پر حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی تھی۔ دو دروازے سطح زمین کے برابر رکھے ایک مشرقی سمت دوسرا مغربی سمت میں ایک داخل ہونے کے لئے دوسرا باہر نکلنے کے لئے لیکن حضرت ابن زبیر کا اقتدار زیادہ عرصہ برقرار نہ رہا۔ حجاج نے مکہ پر حملہ کیا اور آپ کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ حجاج کو مکہ کا گورنر مقرر کیا گیا اس نے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کو کعبہ کی تعمیر کے بارے میں لکھا اس نے از راہ بغض حکم دیا کہ اس عمارت کو گرا دیا جائے جو عبداللہ بن زبیر نے تعمیر کرائی ہے۔ اور جن بنیادوں پر پہلے تعمیر کی گئی تھی انہیں پر تعمیر کی جائے۔ حجر کے حصہ کو حسب سابق باہر رکھا جائے دو دروازوں کے بجائے ایک دروازہ رکھا جائے۔ دوسرا دروازہ بند کر دیا جائے جب اس کے

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۱۴

حکم کے مطابق کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی گئی تو پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اب وہ اظہار ندامت کیا کرتا اور حجاج پر لعنت بھیجتا۔

آخر کار بنی امیہ کا عہد حکومت اختتام پذیر ہوا ان کی جگہ عباسی خلافت کا آغاز ہوا ان کے ایک خلیفہ مہدی نے ارادہ کیا کہ اس عمارت کو گرا دے اور پھر کعبہ کو اپنی اصلی بنیادوں پر تعمیر کرے اس نے اس کے بارے میں امام دار الہجرۃ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا اس عالم ربانی نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور اس کی وجہ بھی بیان فرما دی فرمایا۔

اِنِّیْ اَکْرَہُ اَنْ یَّتَّخِذَ ھَا الْمُلُوْکُ مَلْعَبَۃً

"میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں اس طرح کعبہ مقدسہ بادشاہوں کا کھلونا بن جائے گا یعنی جس کا جی چاہے گا پہلی عمارت کو گرا کر اپنے نام سے نیا کعبہ بنانے لگے گا اس طرح اس کا تقدس مجروح ہو گا۔" (۱)

خلیفہ مہدی نے امام کی رائے کے سامنے سر جھکا دیا آج تک کعبہ کی وہی عمارت قائم ہے اللہ تعالیٰ عزت و شرف کے ساتھ اپنے اس مقدس گھر کو ابد الآباد تک سلامت رکھے۔ ہم گناہگاروں عصیاں شعاروں کی جائے پناہ برقرار رہے

اٰمِیْنَ ثُمَّ اٰمِیْنَ۔ بِجَاہِ حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ نَوَّرَ اَرْجَاءَ ھَا بِنُوْرِ التَّوْحِیْدِ وَعَمَّرَ حَرَمَھَا بِسُجُوْدِ السَّاجِدِیْنَ وَذِکْرِ الذَّاکِرِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمَنْ اَحَبَّہٗ وَاتَّبَعَہٗ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

اعلان نبوت سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات جن محامد و کمالات کا مرقع زیبا تھی اس کی شان دلنوازی کو آشکارا کرنے کے لئے حضرت زید بن حارثہ کا واقعہ قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر نے "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" اور علامہ ابن اثیر نے "اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ" میں اس واقعہ کو یوں قلم بند کیا ہے۔

آپ کا نام زید بن حارثہ بن شراحیل الکعبی تھا۔ آپ کی والدہ کا نام سعدی تھا جو بنی معن خاندان کی ایک خاتون تھیں بچپن میں وہ اپنی ماں کے ساتھ اپنے ننھیال آئے ہوئے تھے کہ بنی قین قبیلہ کے شہسواروں نے ان کے خیموں پر یورش کر دی ان کے ساز و سامان کو لوٹا اور زید کو بھی

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۲۸۲

پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے اور عکاظ کی منڈی میں اسے جا کر فروخت کر دیا۔ حکیم بن حزام حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے تھے انہوں نے چار سو درہم کے عوض اسے خرید لیا اور اپنی پھوپھی صاحبہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب آپ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں تو آپ نے زید کو بطور تحفہ حضور کی خدمت میں پیش کیا تاکہ وہ حضور کی خدمت میں رہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زید کو اسی وقت آزاد کر دیا اور بچوں کی طرح ان کے ساتھ محبت وپیار کا برتاؤ فرماتے رہے۔

زید کے والد حارثہ اپنے لڑکے کے فراق میں دیوانہ ہو گئے اس کی تلاش میں ملک ملک کی خاک چھان ماری اپنے بیٹے کے فراق میں جو قصیدہ انہوں نے لکھا اسے پڑھ کر آج بھی دل پسیج جاتا ہے اس کے چند شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ایک بدو کی بلاغت اور اس کے درد و سوز سے آگاہی حاصل کریں۔

بَکَیْتُ عَلٰی زَیْدٍ وَلَمْ اَدْرِ مَا فَعَلْ   اَحَیٌّ فَیُرْجٰی اَمْ اَتٰی دُوْنَہُ الْاَجَلْ

"میں زید کے فراق میں ہر وقت روتا رہتا ہوں مجھے اس کے حال کا کوئی علم نہیں کیا وہ زندہ ہے تاکہ اس کے لوٹ آنے کی امید کی جائے یا موت کی آغوش میں سو چکا ہے۔"

تُذَکِّرُنِیْہِ الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوْعِھَا   وَتَعْرِضُ ذِکْرَاہُ اِذَا غَرْبُھَا اَفَلْ

"سورج جب طلوع ہوتا ہے تو وہ اس کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ اور جب غروب ہونے لگتا ہے تو پھر بھی اس کی یاد ستانے لگتی ہے۔"

وَاِنْ ھَبَّتِ الْاَرْوَاحُ ھَیَّجْنَ ذِکْرَہٗ   فَیَا طُوْلَ مَا حُزْنِیْ عَلَیْہِ وَمَا وَجَلْ

"جب ہوائیں چلتی ہیں تو اس کی آتشِ شوق کو بھڑکا دیتی ہیں اس کی جدائی میں میرا غم اس کے متعلق میرے اندیشوں کا سلسلہ کتنا طویل ہے۔"

سَاُعْمِلُ نَصَّ الْعِیْسِ فِی الْاَرْضِ جَاھِدًا   وَلَا اَسْئَمُ التَّطْوَافَ اَوْتَسْاَمَ الْاِبِلْ

"میں اپنی اعلیٰ نسل کی سانڈنی کو زمین میں چلاتا رہوں گا اور نہ میں اس کی تلاش میں طواف کرنے سے تھکوں گا اور نہ ہی میری اونٹنی۔"

حَیَاتِیْ اَوْتَاْتِیْ عَلَیَّ مَنِیَّتِیْ   وَکُلُّ امْرِئٍ فَانٍ وَاِنْ غَرَّہُ الْاَمَلْ

"مجھے اپنی زندگی کی قسم۔ میں اس کی طرف سفر جاری رکھوں گا یہاں تک کہ میری موت آجائے۔ ہر شخص فانی ہے اگرچہ امید اسے دھوکا

میں رکھے۔"(۱)

اتفاق سے قبیلہ بنی کلب کا ایک قافلہ حج کے لئے مکہ آیا زید نے انہیں دیکھا اور پہچان لیا اور انہوں نے بھی زید کو پہچان لیا اور اسے بتایا کہ تیرا باپ تیرے ہجر میں دن رات روتا رہتا ہے اس نے تجھے تلاش کرنے کے لئے سارے ملک کا چپہ چپہ روند ڈالا ہے۔ زید نے انہیں کہا کہ میرے باپ کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دینا۔

اَحِنُّ اِلٰی قَوْمِیْ وَ اِنْ کُنْتُ نَائِیاً　　بِاَنِّیْ قَطِیْنُ الْبَیْتِ عِنْدَ الْمَشَاعِرِ
وَ اِنِّیْ بِحَمْدِ اللّٰہِ فِیْ خَیْرِ اُسْرَۃٍ　　کِرَامٍ مُعَدٍّ کَابِراً بَعْدَ کَابِرٍ

"میرے دل میں اپنی قوم کا شوق موجزن رہتا ہے اگرچہ اپنے وطن سے بہت دور ہوں۔ میں ایسے گھر میں سکونت پذیر ہوں جو مشاعر کے قریب ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک شریف خاندان میں زندگی بسر کر رہا ہوں جو لوگ بڑے کریم النفس ہیں جو پشتہاپشت سے اپنے علاقہ کے رئیس ہیں۔"

یہ قافلہ جب اپنے وطن واپس پہنچا انہوں نے زید کے باپ کو زید کا پیغام پہنچایا حارثہ اپنے بھائی کعب کو لے کر مکہ آیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش ہوا اور عرض کی اے عبد المطلب کے فرزند! اے ہاشم کے نور نظر اے اپنی قوم کے سردار کے لخت جگر۔ ہم اپنے بیٹے کے بارے میں آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں ہم پر احسان کیجئے ہم فدیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں آپ اسے آزاد فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے من موہنے انداز میں فرمایا کہ اس کے علاوہ تمہاری اور بھی کوئی خواہش ہے انہوں نے عرض کی نہیں۔ حضور نے فرمایا اپنے بیٹے کو بلاؤ اور اس کو اختیار دے دو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اسے فدیہ لئے بغیر تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دوں گا۔ لیکن اگر وہ تمہارے ساتھ جانے کے بجائے میرے پاس رہنے کو پسند کرے پھر تمہیں بھی اسے مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا آپ نے یہ فرما کر صرف ہمارے ساتھ انصاف ہی نہیں کیا بلکہ لطف و احسان کی انتہا کر دی ہے۔ ہمیں یہ تجویز منظور ہے۔ چنانچہ زید کو بلایا گیا اور اس سے پوچھا کہ کیا تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو اس نے کہا ہاں یہ میرا باپ ہے اور یہ میرا چچا ہے۔ پھر اسے بتایا گیا کہ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے اگر تم چاہو تو تم اپنے باپ کے ساتھ اپنے وطن واپس جا سکتے ہو اور اگر

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۶۶

چاہو تو میرے پاس رہ سکتے ہو۔ زید نے جواب دیا۔

مَا اَنَا بِالَّذِیْ اَخْتَارُ عَلَیْکَ اَحَداً اَنْتَ مِنِّیْ مَکَانَ الْاَبِ وَالْعَمِّ

"میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ آپ کو چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ چلا جاؤں آپ ہی میرے باپ ہیں آپ ہی میرے چچا بھی ہیں۔"

زید کے باپ کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ زید ایسا فیصلہ کرے گا ان دونوں نے کہا۔

وَیْحَکَ یَا زَیْدُ اَتَخْتَارُ الْعُبُوْدِیَّۃَ عَلَی الْحُرِّیَّۃِ وَعَلٰی اَبِیْکَ وَعَلٰی عَمِّکَ وَ اَھْلِ بَیْتِکَ۔

"اے زید! صد حیف تم آزادی کے بجائے غلامی کو اور اپنے ماں باپ کے بجائے ان کو پسند کر رہے ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے۔"

زید تو خلق محمدی کے دام کا اسیر تھا کہنے لگا۔ تمہیں کیا معلوم کہ جس ہستی کی غلامی پر میں آزادی کو اور اپنے ماں باپ اور سارے خاندان کو قربان کر رہا ہوں وہ ہستی کتنی دلربا اور کتنی دلکش ہے۔ میں اس کو چھوڑ کر کہیں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

خوش بخت زید نے اپنے وطن واپس جانے پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کو پسند کر لیا۔ حضور نے بھی از راہ بندہ پروری زید کو اپنا متبنّیٰ بنا لیا اور جب تک سورہ احزاب کی وہ آیات نازل نہیں ہوئیں زید کو زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمد کہا جاتا رہا۔

اس ایک واقعہ سے ہی آپ حضور کے ان اخلاق عالیہ اور صفات جمیلہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے حضرت زید کو حضور کی خدمت میں تحفۃً پیش کیا حضور نے اسی وقت اس کو آزاد فرما دیا اور پھر اس کے ساتھ ایسا مشفقانہ برتاؤ کیا کہ جب اسے یہ موقع ملا کہ وہ یا حضور کو اختیار کرے یا اپنے ماں باپ کو تو اس نے بلا جھجک یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی ساری زندگی حضور کے قدموں میں بسر کرے گا۔ یہ واقعہ اعلان نبوت سے پہلے کا تھا۔ اس وقت حضور کے اخلاق کریمانہ اس بات کی صاف غمازی کر رہے تھے کہ یہ ہستی سارے عالم انسانیت کے لئے سراپا رحمت و ہدایت بن کر ظہور پذیر ہونے والی ہے۔ (۱)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ خود زید کے والد حارثہ انہیں ڈھونڈتے ہوئے مکہ مکرمہ آئے وہاں انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور پہچان لیا پھر یہ واقعہ پیش آیا۔

بعثت سے پہلے ایک اور اہم واقعہ ہے جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

۱۔ الاصابہ، جلد اول، صفحہ ۵۴۵۔ اسد الغابہ، جلد دوم، صفحہ ۲۳۴۔ ۲۳۵

سیاسی بصیرت اور قومی حمیت پر روشنی پڑتی ہے اس کا مطالعہ بھی قارئین کرام کے لئے ذات مصطفوی کے کمالات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ازبس مفید ہو گا۔

جسٹس سید امیر علی نے اپنی سیرت کی کتاب میں یورپ کے مایہ ناز مؤرخین (۱) کے حوالہ سے یہ واقعہ قلمبند کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

حضور کی بعثت سے پہلے مکہ مکرمہ میں چند آدمی ایسے تھے جو بتوں کی پرستش سے بیزار تھے۔ اور اپنی قوم کی اخلاقی پستی پر ازحد افسردہ رہا کرتے تھے انہوں نے ایک دن اکٹھے ہو کر فیصلہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل و خرد کی نعمت ارزانی فرمائی ہے۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ ہم پتھر کی ان بے جان مورتیوں کو اپنا خدا بنائیں اور ان کو سجدہ کریں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم تلاش حق میں مختلف ممالک میں جائیں اور اگر کہیں ہمیں نور حق دستیاب ہو اس سے اپنے دلوں کو بھی منور کریں اور اپنے وطن واپس آکر اپنی قوم کو بھی اس ذلت سے نکالنے کی سعی کریں اس گروہ کو "حنفاء" کہا جاتا تھا۔ ان میں ورقہ بن نوفل۔ عبیداللہ بن جحش۔ عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو کے نام بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک شخص عثمان بن حویرث قسطنطنیہ پہنچا قیصر روم کے دربار میں اسے رسائی حاصل ہوئی اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اور قیصر کے دربار میں بڑا مقام پیدا کر لیا قیصر نے بھی اپنے انعامات کی اس پر بارش کر دی اور جب قیصر کو یقین ہو گیا کہ عثمان اب ذہنی طور پر بھی اور مذہبی طور پر بھی پوری طرح اس کے زیر اثر آگیا ہے تو اس نے اس کو اپنا آلہ کار بنا کر اپنی ایک دیرینہ خواہش پوری کرنے کا منصوبہ بنایا مکہ کو کعبہ شریف کی وجہ سے سارے جزیرہ عرب میں جو احترام، جو مرکزیت اور جو اہمیت حاصل تھی اس سے سب باخبر تھے۔ روحانی عقیدت کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ مکہ کو کاروباری میدان میں بھی بڑی مرکزیت اور بالادستی حاصل تھی مشرق اور مشرق بعید سے جتنا تجارتی سامان بادبانی کشتیوں کے ذریعہ یمن کی بندرگاہوں تک پہنچتا تھا اسے مکہ کے تجار ہی وہاں سے خرید کر اور اپنے اونٹوں پر لاد کر مصر۔ شام کے علاوہ بحر روم کی دوسری بندرگاہوں تک پہنچاتے وہاں کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتے پھر اسی رقم سے مغربی ممالک اور مصر وغیرہ سے آیا ہوا سامان خریدتے اپنے اونٹوں پر لادتے اور یمن کی بندرگاہوں تک پہنچاتے جس سے مکہ کے تاجر پیشہ لوگوں کی مالی حالت بڑی مستحکم ہو گئی تھی۔ قیصر کو اگرچہ شام فلسطین مصر وغیرہ پر سیاسی غلبہ حاصل تھا اور یمن میں بھی اس کا گورنر حکمران تھا لیکن اس کی یہ آرزو تھی کہ مکہ بھی اس کے

ا۔ کازن ڈی پرسیوال CAUSSIN-DE-PERCEVAL جلد اول، صفحہ ۳۳۵

زیر نگین ہو جائے تاکہ یہ تجارتی شاہراہ اس کے قبضہ میں آ جائے چنانچہ اس نے عثمان بن حویرث مذکور کو بہت سا سونا دے کر مکہ بھیجا کہ وہ سونے کے ان ذخائر کے ذریعہ مکہ کے امراء کے ضمیر خریدے اور ان کو قیصر کی سیاسی بالا دستی قبول کرنے پر آمادہ کرے۔ یہ ایک بڑی خطرناک سازش تھی اور اس سازش کو کامیاب بنانے کے لیے قیصر روم نے اپنے شاہی خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور عثمان مذکور کو کافی عرصہ تک اپنے پاس رکھا اس کو گوناگوں انعامات سے مالامال کرتا رہا اس کو ذہنی طور پر تیار کرتا رہا اور جب اسے اس کی وفاداری پر پورا یقین ہو گیا تو اس نے خزانوں سے لدے ہوئے اونٹوں کی ہمراہی میں اسے مکہ بھیجا اس نے بڑی ہوشیاری اور رازداری سے مہم کا آغاز کیا اور لوگوں کے ضمیر خریدنے کے لیے داد و دہش کا بازار گرم کر دیا۔ لیکن جب اس سازش کا علم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو حضور نے اس خطرناک سازش کو تہس نہس کرنے کا عزم مصمم کر کے اپنی قوم کی غیرت کو للکارا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بروقت اور جرأت مندانہ پیش قدمی سے ساری قوم کی آنکھیں کھل گئیں اس طرح اہل مکہ کی سیاسی آزادی کے افق پر غلامی کی جو کالی گھٹا گھر کر آ گئی تھی وہ چھٹ گئی اور مطلع صاف ہو گیا۔

اگر حضور بروقت اقدام نہ کرتے اور اپنی قوم کو اس خطرناک سازش کے ہولناک انجام سے آگاہ نہ فرماتے تو معلوم نہیں مکہ بلکہ سارے جزیرہ عرب کا انجام کیا ہوتا۔

یہ واقعہ بھی اعلان نبوت سے پہلے کا ہے۔

اس قسم کے سارے واقعات اس بات کی ناقابل تردید گواہی دے رہے تھے کہ یہ ہستی ایک عظیم انقلاب کی داعی بن کر ابھرنے والی ہے۔ جو بنی نوع انسان کو صرف ظاہری غلامی کی زنجیروں سے ہی آزاد نہیں کرے گی بلکہ جسمانی روحانی، اخلاقی اور ذہنی جملہ قسم کی غلامیوں سے نجات کا مژدہ جان فزا ثابت ہوگی۔ (۱)

الحُمس

قریش مکہ کو بلاشبہ یہ شرف حاصل تھا کہ وہ کعبہ مقدسہ کے خادم اور ہمسائے تھے۔ لیکن اس خداداد شرف نے ان میں غرور و نخوت اس حد تک پیدا کر دی تھی کہ وہ عرب کے دوسرے باشندوں سے اپنے آپ کو بالاتر مخلوق سمجھنے لگے تھے اپنی جھوٹی برتری کو برقرار رکھنے کے

۱۔ کتاب سیرت جسٹس امیر علی صفحہ ۳۱ (بزبان انگلش)

لئے انہوں نے دین ابراہیمی میں ایسے قبیح اور شرمناک امور کا اضافہ کر دیا تھا جن کے ذکر سے ہی جبین حیا عرق آلود ہو جاتی ہے۔ اپنے بارے میں ان کا کہنا یہ تھا کہ

نَحْنُ بَنُو اِبْرٰهِيْمَ وَاَهْلُ الْحُرْمَةِ وَوُلَاةُ الْبَيْتِ وَقُطَّانُ مَكَّةَ
وَسَاكِنُهَا وَلَيْسَ لِاَحَدٍ مِّنَ الْعَرَبِ مِثْلُ حَقِّنَا وَلَا مِثْلُ مَنْزِلَتِنَا
فَلَا تُعَظِّمُوْا شَيْئًا مِّنَ الْحِلِّ كَمَا تُعَظِّمُوْنَ الْحَرَمَ فَاِنَّكُمْ اِنْ
فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ اِسْتَخَفَّتِ الْعَرَبُ بِحُرْمَتِكُمْ

"یعنی ہم ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ ہم عزت و حرمت والے ہیں بیت اللہ کے نگران ہیں مکہ کے باشندے ہیں۔ جو ہمارے حقوق ہیں جزیرہ عرب کے کسی دوسرے آدمی کے وہ حقوق نہیں جو مقام و مرتبہ ہمیں حاصل ہے وہ اور کسی کو نصیب نہیں۔" (۱)

ایک دوسرے کو تاکید کرتے کہ

فَلَا تُعَظِّمُوْا شَيْئًا مِّنَ الْحِلِّ كَمَا تُعَظِّمُوْنَ الْحَرَمَ فَاِنَّكُمْ
اِنْ فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ اِسْتَخَفَّتِ الْعَرَبُ بِحُرْمَتِكُمْ

"حل یعنی بیرون حرم کی کسی چیز کی ایسی تعظیم مت کرو جس طرح تم حرم کی تعظیم کرتے ہو کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری شان اہل عرب کی نظروں میں گر جائے گی۔" (۲)

جن خرافات کا انہوں نے دین ابراہیمی میں اضافہ کیا تھا جن پر وہ خود بھی بڑی شدت سے عمل پیرا رہتے اور دوسرے لوگوں کو بھی سختی سے ان کی پابندی کا حکم دیتے ان میں چند ایک بدعات یہ ہیں۔

دین ابراہیمی میں سے جو احکام تحریف اور تبدیل کی دست برد سے بچے ہوئے تھے ان میں ایک فریضہ حج بھی تھا۔ ۹ ذی الحجہ کو سارے لوگ عرفات میں جمع ہوتے وہاں سے طواف افاضہ کے لئے مکہ مکرمہ آتے۔ عرفات کا میدان حدود حرم سے باہر تھا اس لئے ان کے نئے طے شدہ اصول کے مطابق اس کی تعظیم بجالانے میں ان کی ہتک تھی اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ قریش

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۱۶

۲۔ ایضاً

اور ان کے حلیف قبائل کنانہ اور خزاعہ میدان عرفات میں وقوف کے لئے نہیں جائیں گے بلکہ حدود حرم میں ہی حج کا یہ اہم رکن ادا کریں گے۔ اور طواف افاضہ بھی یہاں سے ہی کریں گے۔ انہیں اس بارے میں قطعاً کوئی شبہ نہ تھا کہ عرفات کا وقوف، حضرت خلیل اللہ کا حکم ہے۔ عرب کے دوسرے قبائل کے لئے ضروری تھا کہ وقوف کے لئے وہ عرفات کے میدان کا رخ کریں اور وہاں سے طواف کعبہ کے لئے مکہ مکرمہ آئیں۔ لیکن ازراہ غرور انہوں نے اپنے آپ کو اس سے مستثنٰی قرار دیا تھا۔ نیز احرام کی حالت میں نہ وہ کسی مکان میں داخل ہوں گے اور نہ وہ عام خیموں میں داخل ہوں گے۔ اگر دھوپ کی شدت انہیں کسی سایہ میں پناہ لینے پر مجبور کرے تو وہ صرف ان خیموں کے سایہ میں بیٹھ سکتے ہیں جو چمڑے کے بنے ہوئے ہوں۔ انہوں نے بیرون مکہ سے آنے والے حاجیوں پر یہ پابندی بھی عائد کر دی تھی کہ کوئی حاجی حالت احرام میں اپنے ساتھ لائے ہوئے سامان رسد سے کھانا پکا کر کھانے کا مجاز نہ تھا۔ اس پر ضروری تھا کہ وہ قریش کا پکا ہوا کھانا کھائے۔ نیز طواف کے وقت وہ قریشیوں سے کپڑے مانگ کر پہنے اور ان کپڑوں میں طواف کرے۔ اپنے لباس میں انہیں طواف کی اجازت نہ تھی۔ اگر کسی قریشی کا کپڑا انہیں میسر نہ آتا تو پھر برہنہ ہو کر انہیں طواف کرنا پڑتا۔ مردوں اور عورتوں کے لئے یہ ایک ہی حکم تھا۔ بامر مجبوری جو شخص اپنے لباس میں ملبوس ہو کر طواف کرتا تو طواف کے بعد اس پر لازم تھا کہ اس لباس کو اتار کر پھینک دے پھر اس کو نہ وہ خود استعمال کر سکتا تھا اور نہ کوئی دوسرا۔ ایسے پھینکے ہوئے لباس کو ان کے نزدیک "لقی" کہا جاتا وہ دودھ کو بلو کر نہ مکھن بنا سکتے تھے اور نہ پنیر۔ اپنے کھانے کو نہ چربی سے پکا سکتے تھے نہ گھی سے۔ اس قسم کی بیہودہ پابندیاں خود انہوں نے اپنے اوپر عائد کر رکھی تھیں اسلام نے ان تمام بدعات و خرافات کو یک قلم منسوخ کر دیا۔ ان تمام بدعات کو "الحمس" کہا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے محبوب بندے محمد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عہد جاہلیت کی دیگر آلودگیوں سے محفوظ رکھا تھا "الحمس" کی ان بدعات سیئہ سے بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن عصمت پاک اور منزہ رہا۔

عثمان بن ابی سلیمان، اپنے چچا نافع سے نافع اپنے باپ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے جو جلیل القدر صحابی ہیں روایت کرتے ہیں۔

لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يَّنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ وَاِنَّهٗ لَوَاقِفٌ عَلٰى بَعِيْرٍ لَهٗ بِعَرَفَاتٍ مَعَ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ

قَوْمِهٖ حَتّٰی یَدْفَعَ مَعَھُمْ مِنْھَا

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وحی نازل ہونے سے پہلے کہ حضور اپنے اونٹ پر سوار ہو کر سب لوگوں کے ساتھ عرفات کے میدان میں موجود تھے اور اپنی قوم کے ہمراہ یہاں سے طواف افاضہ کے لئے جانے کا انتظار فرما رہے تھے۔" (۱)

تَوْفِیْقًا مِّنَ اللّٰہِ لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (۹۳:۶)

اے حبیب! ہم نے آپ کو یتیم پایا اور اپنے آغوش رحمت میں لے لیا۔

حضور کی حیات طیبہ روز اول سے شب بعثت تک اور شب بعثت سے یوم وصال تک اس وعدہ الٰہی کے ایفا کا مظہر جمیل ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنی نبوت و رسالت کی صداقت پر یہ دلیل پیش کرنے کا حکم دیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

"میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر کا ایک حصہ اس سے پہلے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔" (یونس:۱۶)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی شَمْسِ الضُّحٰی وَبَدْرِ الدُّجٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَحَبِیْبِنَا وَحَبِیْبِ رَبِّنَا مُحَمَّدِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنْ تَبِعَہٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

العبد المسکین

محمد کرم شاہ

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

۲۳ جولائی ۱۹۹۰ء

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۲۱

جسدِ اطہر کی جمال آرائیاں

جسدِ اطہر کی جمال آرائیاں

رحمتِ الٰہی، جس ہستی کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجا کر، رحمت للعالمینی کی خلعت فاخرہ پہنا کر، آخری صحیفہ آسمانی کا امین بنا کر، کاروان انسانیت کا تا ابد خضر راہ بنا رہی ہے۔ آیئے دیکھیں۔ محمد رسول اللہ سے پہلے محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے ان کے جمالِ ظاہری اور کمالِ باطنی کی شان کیا ہے۔ وہ جسد اطہر، جس نے حضور کے روح اقدس کا گہوارہ بننا ہے اس کی توانائیوں اور دلربائیوں کا عالم کیا ہے۔ وہ روح اقدس، جس نے انوار الٰہی اور اسرار ربانی کی جلوہ گاہ بننا ہے اس کی عظمتوں اور اس کی لطافتوں کی کیفیت کیا ہے؟ اس قلب منیر کی ہمت و عزیمت کا مقام کیا ہے، جس نے اس امانت عظمیٰ کا بار گراں اٹھانا ہے اور اس کا حق ادا کرنا ہے۔ جس کو اٹھانے سے آسمانوں نے، زمین نے اور فلک بوس کوہساروں نے اظہار عجز کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ اپنے ہر نبی اور رسول کو جسمانی عیوب سے منزہ پیدا فرماتا ہے تاکہ ان کا کوئی جسمانی نقص لوگوں کے لئے ان کے پیغام حق کو قبول کرنے میں حجاب نہ بنے اس کا کوئی فرستادہ لنگڑا۔ لولا۔ اندھا۔ کانا۔ بدصورت اور قبیح المنظر نہیں آیا۔ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے جن انبیاء و رسل کا حلیہ مبارک بیان فرمایا اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب اپنے کمالات رسالت و نبوت کے ساتھ ساتھ بڑی من موہنی صورتیں لیکر اپنی قوموں کی راہنمائی کے لئے تشریف لائے تھے۔

ایک دو ارشادات نبوی آپ بھی ملاحظہ فرمایئے

فَقَدْ رَوَى سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَصَفَ لِاَصْحَابِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى - فَقَالَ اَمَّا اِبْرَاهِيْمُ فَلَمْ اَرَ رَجُلًا قَطُّ اَشْبَهَ بِصَاحِبِكُمْ وَلَا صَاحِبُكُمْ اَشْبَهَ بِهٖ مِنْهُ - وَاَمَّا مُوْسٰى فَرَجُلٌ اٰدَمُ طَوِيْلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ اَقْنٰى كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَاَمَّا

عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ فَرَجُلٌ اَحْمَرُ بَیْنَ الْقَصِیْرِ وَالطَّوِیْلِ سَبْطُ الشَّعْرِ
کَثِیْرُ خَیْلَانِ الْوَجْهِ کَاَنَّهٗ خَرَجَ مِنْ دِیْمَاسٍ تَخَالُ رَاْسَهٗ نُقْطَةَ
مَاءٍ وَلَیْسَ بِهٖ مَاءٌ اَشْبَهُ رِجَالِکُمْ بِهٖ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ

"حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے سامنے حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا حلیہ بیان کیا۔فرمایا میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا جو تمہارے نبی کریم سے زیادہ حضرت ابراہیم سے مشابہت رکھتا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا آدمی دیکھا ہے۔ جو حضرت ابراہیم سے زیادہ تمہارے نبی کے ہم شکل ہو۔ اور موسیٰ علیہ السلام گندم گوں سرخی مائل، طویل القامتہ، چھریرے بدن والے تھے ان کے بال گھنگریالے اور ناک اونچی تھی گویا وہ بنی ازد کے ایک قبیلہ شنوءہ کے ایک مرد تھے۔ رہے عیسیٰ علیہ السلام تو آپ کی رنگت سرخ تھی آپ کا قد درمیانہ آپ کے بال سیدھے تھے چہرے پر تل تھے گویا ابھی حمام سے باہر نکلے ہیں سر پر پانی کے قطرے معلوم ہوتے تھے حالانکہ وہاں پانی کا نشان بھی نہ تھا۔ تمہارے مردوں میں سے عروہ بن مسعود شکل و صورت میں ان کے مشابہ ہیں۔" (۱)

دوسری روایت کے راوی حضرت انس ہیں۔ وہ فرماتے ہیں

قَدْ رَوَی الدَّارَقُطْنِیُّ مِنْ حَدِیْثِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ خَادِمِ رَسُوْلِ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰی نَبِیًّا اِلَّا حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ
الصَّوْتِ وَکَانَ نَبِیُّکُمْ اَحْسَنَهُمْ وَجْهًا وَاَحْسَنَهُمْ صَوْتًا

"حضرت انس بن مالک خادم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر خوبصورت چہرے والا۔ دلکش آواز والا۔ اور تمہارے نبی کا چہرہ سب سے زیادہ

ا۔ خاتم النبیین۔ امام محمد ابو زہرہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۶۴

خوبصورت اور ان کی آواز سب سے زیادہ دلکش ہے۔" صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم (۱)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ داعی کی جسمانی ساخت کی دلکشی، اعضاء کا تناسب، چہرہ کے خدوخال کی دلاویزی اور نگاہوں کی حیا آمیزی، اس کی دعوت کو دلوں کی گہرائیوں تک پہنچانے میں ایک فیصلہ کن کردار انجام دیتی ہے قسام ازل جو حکیم بھی ہے اور علیم بھی، جتنی بڑی دعوت کی ذمہ داری کسی کو تفویض کرتا ہے ظاہری حسن و جمال سے بھی اتنا حظ وافر اس داعی کو ارزانی فرمادیتا ہے۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت عالمگیر تھی اور ازازل تا ابد تھی اس لئے حسن کی ساری رعنائیاں اور جمال و زیبائی کی جملہ دلربائیاں اس ذات اقدس و اطہر میں جمع کر دی گئی تھیں۔ تاکہ حسن کی کسی ادا کا متوالا۔ اس کی بارگاہ جمال میں آئے تو سیر کام ہو کر، شاد کام ہو کر واپس جائے۔ زمانہ کے بدلنے سے حسن و جمال کے معیار بدلتے رہیں، حالات کے تغیر کے ساتھ پسند و ناپسند کے پیمانوں میں تبدیلی آتی رہے۔ لیکن یہاں جو بھی حاضر ہو گا۔ جب بھی حاضر ہو گا اس کے حسرت زدہ دل کی ہر حسرت پوری کر دی جائے گی۔ کسی کو مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ صحابہ کرام نے بڑے مزے لے لے کر اپنے محبوب کے جمال جہاں آرا اور حسن دل افروز کے بارے میں اپنے قلبی تاثرات کا تذکرہ کیا ہے۔ جو تکلف اور تصنع سے بالکل منزہ ہے اس حسن سرمدی کی جلوہ سامانیاں تو رہیں اپنی جگہ۔ ان پاکیزہ جلوؤں کے بارے میں ان کے بے لاگ تاثرات پڑھ کر ہی انسان پر مستی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے حضور پر نور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے حسن ظاہری کے بارے میں حضور کے عاشقان صادق کے دل میں اثر کر جانے والے تاثرات کا مطالعہ فرمایئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے۔

داعی حق صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی دعوت کا چرچا جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ میں گونجنے لگا۔ اس دعوت کے دشمنوں نے کون سا ایسا بہتان تھا جو اس نور مجسم پر نہیں لگایا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ایک مہم تھی جو تند و تیز آندھی کی طرح دور افتادہ صحرا نشین قبائل کے قلوب و اذہان کو بھی پراگندہ کر رہی تھی۔ انہیں دنوں ایک اعرابی کی حضور سے اچانک ملاقات ہو گئی حضور کے دلکش اور پر نور چہرہ کو دیکھ کر وہ اعرابی مسحور ہو کر رہ گیا اسے یارائے ضبط نہ رہا۔ پوچھنے لگا آپ کون ہیں۔ حضور نے جواب میں اپنا نام نامی لیا۔ بدو کہنے لگا اچھا آپ

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۲۶۴

وہی محمد ہیں، جسے قریش کذاب کہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا ہاں! میں وہی ہوں۔ وہ بدو بے ساختہ کہہ اٹھا "لَيْسَ هٰذَا بِوَجْهِ كَذَّابٍ" یہ ضیاء بار چہرہ کسی جھوٹے کا تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بھلا آپ یہ تو بتائیں کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دین اسلام کی حقیقت بیان فرمائی اس نورانی چہرہ کو دیکھ کر اور اس نورانی بیان کو سن کر وہ اعرابی مشرف باسلام ہو گیا۔ (۱)

اور سنیئے!

ابو ہالہ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پہلے خاوند تھے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے ابو ہالہ کے ایک لڑکے تولد ہوئے جن کا نام "ہند" تھا۔ انہوں نے عہد رسالت پایا اور نعمت ایمان سے مشرف ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ نے گہرائی میں اتر جانے والی عقل اور حقیقت شناس آنکھ مرحمت فرمائی تھی جس چیز کو دیکھتے سطحی طور پر نہ دیکھتے بلکہ اس کے ظاہر و باطن میں اترتے چلے جاتے۔ انہوں نے جن واقعات، جن شخصیات اور جن امور کے بارے میں اظہار خیال کیا وہ اس طرح سیر حاصل، جامع اور مبنی بر حقیقت ہوتا کہ پوچھنے والے کو اس کے بعد اس کے بارے میں مزید کسی استفسار کی حاجت نہ رہتی۔ جب عام واقعات و حالات کے بارے میں ان کے تجزیے اور تبصرے اس طرح بھرپور ہوا کرتے تو آپ خود اندازہ لگائیے کہ اپنے ہادی و مرشد کے سراپا کے بارے میں ان کا تبصرہ کتنا جامع اور مبنی بر حقیقت ہو گا۔

اختصار کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کے کلام کے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا جائے لیکن ان کے کلام کی جاذبیت اور جامعیت مجبور کر رہی ہے کہ ان کی اصلی عربی عبارت بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کروں۔ ان کے حقیقی کمال کا اندازہ تو ان کی اپنی عبارت میں غور کرنے سے ہی لگایا جا سکتا ہے یہ بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ پہلے سارا عربی پیرا نقل کر دوں۔ پھر اس کے نیچے اس کا اردو ترجمہ لکھ دوں۔ اس سے بھی ان کے جوہر بلاغت کی صحیح پہچان شاید نہ ہو سکے۔ اس لئے میں ایک طرف ان کا ایک عربی جملہ لکھوں گا اور اس کے سامنے اس کا اردو ترجمہ جیسا کچھ مجھ ہیچ میرز سے ہو سکا تحریر کروں گا اس کوشش سے ممکن ہے کہ قارئین کرام ان کے مقصد سے قریب تر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ کی یہ روایت حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو نوجوانان جنت کے دو سرداروں میں سے پہلے سردار ہیں آپ فرماتے ہیں۔

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۲۶۵

سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ عَنْ حِلْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے حلیہ مبارکہ کے بارے میں استفسار کیا۔

كَانَ وَصَّافًا وَأَنَا أَرْجُوْ أَنْ يَّصِفَ لِيْ شَيْئًا مِّنْهُ أَتَعَلَّقُ بِهٖ
آپ کسی چیز کی حقیقت بیان کرنے میں مہارت رکھتے تھے مجھے یہ توقع تھی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ایسی چیزیں بیان کریں گے جن کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

فَقَالَ
انہوں نے کہا۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُّفَخَّمًا
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم لوگوں کی نگاہوں میں بڑے جلیل القدر اور عظیم الشان دکھائی دیتے تھے۔

يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ
حضور کا چہرہ اس طرح چمکتا تھا جس طرح چودھویں رات کا چاند۔

أَطْوَلُ مِنَ الْمَرْبُوْعِ وَأَقْصَرُ مِنَ الْمُشَذَّبِ
چھوٹے قد والے سے لانبے اور زیادہ طویل قد والے سے کم۔

عَظِيْمُ الْهَامَةِ
سر مبارک بڑا تھا۔

رَجِلُ الشَّعْرِ
گیسوئے مبارک زیادہ گھنگریالے نہ تھے۔

إِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيْقَتُهٗ فَرَقَ
اگر موئے مبارک الجھ جاتے تو حضور مانگ نکال لیتے۔

وَإِلَّا لَا يُجَاوِزُ شَعْرُهٗ شَحْمَةَ أُذُنِهٖ
ورنہ حضور کے گیسو کانوں کی لو سے نیچے نہ جاتے۔

ذَا وَفْرَةٍ
کانوں کی لو تک آویزاں رہتے۔

أَزْهَرُ اللَّوْنِ
چہرہ کا رنگ چمکدار تھا۔

وَاسِعُ الْجَبِيْنِ
پیشانی مبارک کشادہ تھی۔

أَزَجُّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغُ فِيْ غَيْرِ قَرَنٍ
ابرو مبارک باریک بھرے ہوئے لیکن باہم ملے ہوئے نہ تھے۔

بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ
دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت پھول جاتی۔

اَقْنَی الْعِرْنَیْنِ	ناک مبارک اونچی تھی۔
لَهٗ نُوْرٌ یَعْلُوْهُ یَحْسَبُهٗ مَنْ لَمْ یَتَاَمَّلْهُ اَشَمَّ	اس کے اوپر نور برس رہا ہوتا دیکھنے والا گمان کرتا کہ یہ بہت اونچی ہے۔
كَثُّ اللِّحْيَةِ	ڈاڑھی مبارک گھنی تھی۔
سَهْلُ الْخَدَّیْنِ	دونوں رخسار ہموار تھے۔
ضَلِیْعُ الْفَمِ اَشْنَبُ	دہن مبارک کشادہ اور دندان مبارک چمکدار اور شاداب تھے۔
مُفْلَجُ الْاَسْنَانِ	دندان مبارک کھلے تھے۔
دَقِیْقُ الْمَسْرُبَةِ	بالوں کا خط جو سینہ سے ناف تک چلا گیا تھا وہ باریک تھا۔
كَاَنَّ عُنُقَهٗ جِیْدُ دُمْیَةٍ فِیْ صَفَاءِ فِضَّةٍ	گردن مبارک یوں تھی جیسے کسی چاندی کی گڑیا کی صاف گردن ہو۔
مُعْتَدِلُ الْخَلْقِ بَادِیًا مُعْتَدِلًا	تمام اعضاء معتدل تھے اور ان کا اعتدال آشکارا تھا۔
سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ	شکم اور سینہ مبارک ہموار تھا۔
فَسِیْحُ الصَّدْرِ	سینہ مبارک کشادہ تھا۔
بَعِیْدُ مَا بَیْنَ الْمَنْكِبَیْنِ	دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔
ضَخْمُ الْكَرَادِیْسِ اَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ	ہڈیوں کے جوڑ ضخیم۔
مَوْصُوْلُ بَیْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ یَجْرِیْ كَالْخَطِّ	سینہ کی ہڈی اور ناف کے درمیان بالوں کا خط ملا ہوا تھا۔
عَارِی الثَّدْیَیْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوٰی ذٰلِكَ	اس کے علاوہ سینہ اور شکم بالوں سے صاف تھا۔
اَشْعَرُ الذِّرَاعَیْنِ وَالْمَنْكِبَیْنِ وَاَعَالِی الصَّدْرِ	دونوں بازوؤں، دونوں کندھوں اور سینہ کے اوپر والے حصے میں بال اگے ہوئے تھے۔
طَوِیْلُ الزَّنْدَیْنِ	دونوں بازوؤں کی ہڈی لمبی تھی۔
رَحْبُ الرَّاحَةِ شَثْنُ الْكَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ	ہاتھ مبارک کشادہ تھے دونوں ہتھیلیاں پُرگوشت تھیں اور دونوں پاؤں بھرے ہوئے تھے۔
سَائِلُ الْاَطْرَافِ سَبْطُ الْعَصَبِ	تمام اندام ہموار تھے۔

خَمْصَانُ الْاَخْمَصَيْنِ	دونوں پاؤں کا درمیانی حصہ اٹھا ہوا تھا۔
اِذَا زَالَ تَقَلُّعًا وَيَخْطُوْ تَكَفُّؤًا	جب قدم اٹھاتے تو قوت سے اٹھاتے رکھتے تو جما کر رکھتے۔
وَيَمْشِىْ هَوْنًا ذَرِيْعَ الْمِشْيَةِ	آہستہ خرام مگر تیز رفتار۔
اِذَا مَشٰى كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ	جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ بلندی سے پستی کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔
وَاِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ جَمِيْعًا	جب کسی کی طرف التفات فرماتے تو ہمہ تن ملتفت ہوتے۔
خَافِضُ الطَّرْفِ	نگاہیں جھکی ہوئی ہوتیں۔
نَظْرُهٗ اِلَى الْاَرْضِ اَطْوَلُ مِنْ نَظْرِهٖ اِلَى السَّمَاءِ	آپ کی نظر زمین کی طرف طویل ہوتی تھی بنسبت آسمان کی طرف آپ کی نگاہ کے۔
جُلُّ نَظْرِهِ الْمُلَاحَظَةُ	آپ کا دیکھنا گہرا مشاہدہ ہوا کرتا تھا۔
يَسُوْقُ اَصْحَابَهٗ	آپ حسن تدبیر سے اپنے صحابہ کو شاہراہ ہدایت پر چلاتے۔
وَيَبْدَاُ مَنْ لَقِيَهٗ بِالسَّلَامِ	جس سے ملاقات فرماتے اسے پہلے خود سلام دیتے۔ (۱)

ام معبد

سفر ہجرت درپیش ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم مکہ سے سکونت ترک کر کے یثرب کے بخت خفتہ کو جگانے کے لئے اور اس غیر معروف بستی کو شہرت وبقائے دوام بخشنے کے لئے صحرائی علاقہ کو عبور کر رہے ہیں حضرت ابو بکر اور آپ کے غلام عامر بن فہیرہ کو ہمرکابی کا شرف حاصل ہے۔ ایک بدو عورت کے خیمہ کے پاس سے گزر ہوا۔ جس کا نام ام معبد ہے ان اجنبی راہروؤں نے اس عورت کو کہا۔ اگر تمہارے پاس کچھ دودھ یا گوشت ہو تو وہ اسے قیمتاً خریدنے کے لئے تیار ہیں۔ ام معبد نے کہا اگر میرے پاس کھانے کی کوئی چیز ہوتی تو میں بصد مسرت تمہاری میزبانی کی سعادت حاصل کرتی ہمیں تو قحط سالی نے دانے دانے کا محتاج بنا

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۲۶۶

دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری دیکھی حضور نے پوچھا اے ام معبد! یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے کہا ضعف اور کمزوری کی وجہ سے چلنے سے قاصر ہے اس لئے ریوڑ کے ساتھ چرنے کے لئے نہیں جا سکی اور یہیں کھڑی رہ گئی ہے۔ حضور نے فرمایا اجازت دو تو ہم اس کا دودھ دوہ لیں۔ ام معبد نے کہا اگر اس میں کچھ دودھ ہے تو بصد شوق دوہ لیجئے بکری کو حضور کے پاس لایا گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کو دوھنا شروع کیا اس خشک کھیری والی بکری سے اتنا دودھ نکلا کہ سب نے خوب سیر ہو کر پیا حضور نے دوبارہ اسے دوہا تو ام معبد کے گھر کے سارے برتن لبالب بھر گئے جب اس کا خاوند دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر شام کو واپس آیا تو خیمہ میں ہر برتن دودھ سے بھرا ہوا دیکھ کر حیران و ششدر ہو کر رہ گیا پوچھنے لگا۔ اے ام معبد! یہ دودھ کی نہر کہاں سے بہ نکلی۔ گھر میں تو کوئی شیر دار جانور نہ تھا۔

ام معبد نے کہا۔ نہیں بخدا نہیں۔ لیکن ایک بابرکت ہستی یہاں سے گزری ہے یہ سب اس کا فیضان ہے۔ پھر اس نے سارا واقعہ اپنے خاوند کو کہہ سنایا۔ خاوند نے کہا اس بابرکت ہستی کا حلیہ بیان کرو اللہ کی قسم! مجھے تو یہ وہی شخص معلوم ہوتا ہے۔ جس کی تلاش اور تعاقب میں قریش چار سُو اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہے ہیں اس وقت ام معبد نے اس نورانی پیکر کی جو دلکش تصویر کشی کی آپ بھی اس کا مطالعہ فرمایئے اور لطف اٹھایئے۔

فَقَالَتْ — ام معبد کہنے لگی۔

رَأَیْتُ رَجُلًا ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ حَسَنَ الْخَلْقِ، مَلِیحَ الْوَجْهِ — میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حسن نمایاں تھا جس کی ساخت بڑی خوبصورت اور چہرہ ملیح تھا۔

لَمْ تَعِبْهُ ثَجْلَةٌ وَلَمْ تُزْرِ بِهِ صَعْلَةٌ — نہ رنگت کی زیادہ سفیدی اس کو معیوب بنا رہی تھی اور نہ گردن اور سر کا پتلا ہونا اس میں نقص پیدا کر رہا تھا۔

قَسِیمٌ وَسِیمٌ — بڑا حسین، بہت خوبرو۔

فِیْ عَیْنَیْهِ دَعَجٌ وَفِیْ أَشْفَارِهِ وَطَفٌ — آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں پلکیں لانبی تھیں۔

وَفِیْ صَوْتِهِ صَهَلٌ — اس کی آواز گونج دار تھی۔

أَحْوَلُ أَكْحَلُ — سیاہ چشم۔ سرگیں۔

أَزَجُّ ۔ أَقْرَنُ — دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے۔

فِیْ عُنُقِهِ سَطَعٌ — گردن چمکدار تھی۔

وَفِي لِحْيَتِهٖ كَثَافَةٌ
ریش مبارک گھنی تھی۔

اِذَا صَمَتَ فَعَلَيْهِ الْوَقَارُ
جب وہ خاموش ہوتے تو پروقار ہوتے۔

وَاِذَا تَكَلَّمَ سَمَا وَعَلَاهُ الْبَهَاءُ
جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پرنور اور بارونق ہوتا۔

حُلْوُ الْمَنْطِقِ
شیریں گفتار۔

فَصْلٌ لَا نَزْرٌ وَلَا هَذْرٌ
گفتگو واضح ہوتی نہ بے فائدہ ہوتی نہ بیہودہ۔

كَاَنَّ مَنْطِقَهٗ خَرَزَاتُ نَظْمٍ يَتَحَدَّرْنَ
گفتگو گویا موتیوں کی لڑی ہے جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے۔

اَبْهَى النَّاسِ وَاَجْمَلُهُمْ مِنْ بَعِيْدٍ
دور سے دیکھنے پر سب سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے۔

وَاَحْلَاهُمْ وَاَحْسَنُهُمْ مِنْ قَرِيْبٍ
اور قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین دکھائی دیتے۔

رَبْعَةٌ
قد درمیانہ تھا۔

لَا تَشْنُوْهُ عَيْنٌ مِنْ طُوْلٍ
نہ اتنا طویل کہ آنکھوں کو برا لگے۔

لَا تَقْتَحِمُهُ عَيْنٌ مِنْ قِصَرٍ
نہ اتنا پست کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں۔

غُصْنٌ بَيْنَ غُصْنَيْنِ فَهُوَ اَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ مَنْظَرًا وَاَحْسَنُهُمْ قَدًّا
آپ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی مانند تھے جو سب سے سرسبز و شاداب اور قد آور ہو۔

لَهٗ رُفَقَاءُ يَحُفُّوْنَ بِهٖ
ان کے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔

وَاِنْ قَالَ اِسْتَمَعُوْا لِقَوْلِهٖ
اگر آپ انہیں کچھ کہتے تو فوراً اس کی تعمیل کرتے۔

وَاِنْ اَمَرَ تَبَادَرُوْا اِلٰى اَمْرِهٖ
اگر آپ انہیں حکم دیتے تو وہ فوراً اس کو بجالاتے۔

مَحْفُوْدٌ، مَحْشُوْدٌ
سب کے مخدوم۔ سب کے محترم۔

لَا عَابِسٌ وَلَا مُفَنَّدٌ
نہ وہ ترش رو تھے نہ ان کے فرمان کی مخالفت کی جاتی تھی۔

(۱)

نبی کریم افضل الصلوٰۃ واطیب التسلیم کے خداداد حسن و جمال کے بارے میں دو چار یا دس بیس کی یہ رائے نہ تھی بلکہ ہر وہ شخص جس کو قدرت نے ذوق سلیم کی نعمت سے نوازا ہو تا وہ حسن مصطفوی کی دلربائیوں سے اسی طرح مسحور ہو جایا کرتا اور ہر ایک کی زبان سے بیساختہ یہی

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۲۶۸

نکلتا۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
نظارہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

"یعنی سر مبارک سے لے کر قدم ناز تک جہاں بھی نگاہ پڑتی ہے ہر عضو کا بانکپن یہی کہتا ہے کہ صرف مجھے ہی دیکھتے رہو اور صرف میری رعنائیوں میں ہی کھوئے رہو۔"

اس مرقع دلبری اور زیبائی کو جو دیکھتا سو جان سے اس پر قربان ہونے لگتا دوست، دشمن، اپنے اور بیگانے میں کوئی امتیاز باقی نہ رہتا۔

جسمانی خوبصورتی کے علاوہ قلبی طہارت، روحانی پاکیزگی کے باعث رخ انور پر انوار و تجلیات کی ہمہ وقت بارش برستی رہتی تھی اس نورانیت سے متاثر ہو کر ام معبد کی زبان سے بیساختہ نکلا تھا۔

وَضَّاءُ الْجَبِیْنِ مُتَلَأْلِئٌ بِالنُّوْرِ مِنْ غَیْرِ تَکَبُّرٍ وَلَا اِسْتِعْلَاء

"جبین سعادت چمک رہی ہے۔ چہرہ، نور سے دمک رہا ہے۔ بایں ہمہ نہ غرور ہے اور نہ نخوت۔"

جمال مصطفوی وہ پیکر حسن تھا جس میں کمال کشش کے ساتھ ہیبت و وقار کی حسین آمیزش تھی۔ نہ فرطِ جلال سے آنکھیں اُٹھ سکتی تھیں نہ کششِ جمال کے باعث دل کو یارائے صبر و قرار تھا اسے دیکھ کر کہنا پڑتا تھا۔

تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ

طہارت و نظافت

جسم کتنا حسین و جمیل ہو اگر وہ نظیف نہ ہو۔ اس سے بدبو آرہی ہو۔ تو اس کا سارا حسن و جمال غارت ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو پیکر رعنا رزانی فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی نظافت اور لطافت کا اہتمام بھی خود ہی فرما دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

مَا شَمِمْتُ عَنْبَرًا قَطُّ وَلَا مِسْکًا وَلَا شَیْئًا اَطْیَبَ مِنْ رِیْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

"کہ میں نے کوئی مشک اور عنبر ایسا نہیں سونگھا جس کی خوشبو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہک سے زیادہ عطر بیز ہو۔"

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَسَحَ خَدَّہٗ فَوَجَدْتُ لِیَدِہٖ بَرْدًا وَرِیْحًا کَاَنَّمَا اَخْرَجَہَا مِنْ جُوْنَۃِ عَطَّارٍ

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے چہرے پر پھیرا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا ابھی حضور نے اپنے دست مبارک کو عطار کی عطردانی سے باہر نکالا ہے۔" (۱)

صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم جس کسی سے مصافحہ فرماتے دن بھر اس کے ہاتھوں سے خوشبو آتی رہتی تھی اور جب کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے تو اپنی مخصوص مہک کی وجہ سے وہ دوسرے بچوں سے ممتاز ہوا کرتا تھا اور اسے بآسانی پہچان لیا جاتا تھا کہ اس خوش نصیب کے سر پر آقائے دوجہان نے اپنا دستِ شفقت رکھا ہے۔

حضور خوشبو لگاتے یا نہ لگاتے خوشبو کی لپٹیں مبارک ہاتھوں سے اٹھتی رہتیں۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت انس کے گھر میں قیلولہ فرمایا۔ حضور کو پسینہ آگیا۔ حضرت انس کی والدہ ایک شیشی میں پسینہ کے قطرے جمع کرنے لگی حضور نے پوچھا۔ کیا کر رہی ہو۔ عرض کی ان قطروں کو میں اپنی خوشبو میں ملاؤں گی اور یہ تمام خوشبوؤں سے بہترین خوشبو ہو جائے گی۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں حضرت جابر سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم جس راستہ سے گزرتے صحابہ کرام کو اس بھینی بھینی خوشبو کی وجہ سے پتہ چل جاتا تھا کہ یہاں سے ان کے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا گزر ہوا ہے۔ (۲)

عنبر زمین عبیر ہوا مشک تر غبار ادنیٰ سی یہ شناخت تیری رہگذر کی ہے

بلندی کردار

اللہ تعالیٰ کی حکمت جب اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ اس کا کوئی نبی یا رسول بد صورت اور

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۲۷۰

۲۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۲۷۰

قبیح المنظر ہو یا اس کا لباس میلا، اس کا جسم غلیظ اور بدبودار ہو تو اس کی حکمت یہ کیسے برداشت کر سکتی ہے کہ اس کا کوئی فرستادہ بدسیرت و بدکردار ہو۔ چہرہ کی ساری بدصورتی دلوں کو اتنا متنفر نہیں کرتی جتنا سیرت کے دامن پر اخلاق باختگی کا چھوٹا سا داغ دلوں کو اس شخص سے متنفر کر دیتا ہے۔ کسی جھوٹے، کسی بددیانت اور کسی بدعہد شخص کا دل سے احترام کرنے والا آپ کو کوئی نظر نہیں آئے گا اس لئے اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رسل جس طرح جسمانی عیوب سے منزہ ہوتے ہیں اسی طرح اخلاقی نقائص سے بھی ان کا دامن یکسر پاک ہوا کرتا ہے۔ جس قدر کسی کی رسالت کی ذمہ داریاں گراں اور دائرہ نبوت وسیع ہوتا ہے۔ اتنا ہی اس کی سیرت، اس کی صورت کو خوب سے خوب تر کرنے کا اہتمام فرمایا جاتا ہے۔ جس آمنہ کے لال کو، جس عبداللہ کے یتیم فرزند کو عالم انسانیت کی تا ابد راہنمائی کے لئے منتخب فرمایا جا رہا ہے نہ حسن صورت میں اس کا کوئی مثیل ہے اور نہ ارجمندی کردار میں اس کی کوئی نظیر، یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود ربِ قدیر قدم قدم پر اس کی راہنمائی فرما رہا ہے زندگی کے ہر کٹھن موڑ پر اس کی دستگیری کی جا رہی ہے عرب کے بگڑے ہوئے جاہل معاشرہ میں آنکھیں کھولنے والے۔ نشوونما پانے والے۔ فسق و فجور کی آندھیوں میں اپنی شمع فطرت کو فروزاں رکھنے والے کے بارے میں اس حقیقت کا اظہار مناسب وقت پر فرما دیا۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى

"اے محبوب! تیرے روئے تاباں کی قسم! تیرے گیسوئے واللیل کی قسم! ہم نے جب آپ کو یتیم پایا تو کیا اپنے آغوش رحمت میں نہیں لے لیا۔"

یہ سب کو معلوم ہے کہ حضور کے سر سے اس عالم آب و گِل میں قدم رنجہ فرمانے سے پہلے ہی آپ کے والد حضرت عبداللہ کا سایہ عاطفت اٹھا لیا گیا تھا۔ حضور پیدا ہوئے تو یتیم تھے اس وقت سے ہی مولا کریم کی ابدی نوازشات اور بیکراں انعامات نے حضور کو اپنی گود میں لے لیا۔ اس لئے پیدائش کے دن سے لے کر شب بعثت تک جتنی زندگی حضور نے بسر فرمائی اس کا ہر لمحہ اس کی ہر گھڑی مکارم اخلاق کا مرقع زیبا تھی۔ عدالت، صداقت، امانت، شجاعت، سخاوت، حق گوئی، غریب نوازی، یتیم پروری، صلہ رحمی، ہمسائیوں کی پاسداری۔ اقربا اور اعزہ کی دلجوئی اور خدمت گزاری۔ مظلوموں کی دادرسی۔ عفو و درگزر۔ ہیبت و رعب۔ شرم و حیا، جود و کرم۔ شفقت و رافت۔ عفت و پاکیزگی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ خوبیاں تھیں

جن کا نہ کوئی انکار کر سکتا ہے اور نہ کسی میں ہمت ہے کہ وہ ان میں ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ اس وقت جب کہ کفر و شرک کی بیماری ایک وبائی شکل اختیار کر چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کا دامن ہمیشہ مشرکانہ رسوم سے منزہ اور پاک رہا۔ کبھی کسی بت کی عبادت یا اس کی تعظیم بجالانے کا خیال تک بھی نہیں کیا۔ اس وقت بھی عبادت کی، تو اپنے مالک حقیقی، کائنات کے سچے خالق کی اور سجدہ کیا تو اپنے معبود برحق کو۔

مسٹر مارگولوس نے ایک افسوسناک جسارت کرتے ہوئے اس پاکیزہ دامن پر ایک داغ لگانے کی سعی مذموم کی ہے اس کے اس الزام سے اس دامن کی طہارت و پاکیزگی تو ہرگز متاثر نہیں ہوتی البتہ الزام لگانے والے کی کمینگی اور علمی بددیانتی کا پردہ ضرور چاک ہو جاتا ہے۔

اس نے لکھا ہے کہ

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت خدیجہ دونوں سونے سے پہلے (العیاذ باللہ) ایک بت کی پرستش کر لیا کرتے تھے جس کا نام "عزیٰ" تھا۔

یہ دعویٰ بھی سراپا کذب و افتراء ہے لیکن اس کو ثابت کرنے کے لئے جو دلیل دی گئی ہے اس نے علم و دانش کی دنیا میں مارگولوس کی علمیت اور ثقاہت کا جنازہ نکال دیا ہے اس نے مسند امام احمد بن حنبل کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے۔ روایت تحریر کی جاتی ہے۔ آپ خود اس میں غور فرمائیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ مارگولوس کا یہ استدلال کہاں تک قابل توجہ ہے۔

قَالَ (عُرْوَةُ) حَدَّثَنِيْ جَارٌ لِخَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ لِخَدِيْجَةَ اَيْ خَدِيْجَةُ وَاللّٰهِ لَا اَعْبُدُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَاللّٰهِ لَا اَعْبُدُ اَبَدًا قَالَ فَتَقُوْلُ خَدِيْجَةُ خَلِّ اللَّاتَ خَلِّ الْعُزّٰى قَالَ كَانَتْ صَنَمَهُمُ الَّتِيْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ثُمَّ يَضْطَجِعُوْنَ [1]

"عروہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ سے یہ کہتے سنا اے خدیجہ! بخدا میں لات اور عزیٰ کی کبھی پرستش نہیں کروں گا بخدا میں ان کی ہرگز پرستش نہیں کروں گا خدیجہ کہتی تھیں لات کو رہنے

دیجئے۔ عزّیٰ کو رہنے دیجئے (ان کا نام بھی نہ لیجئے) عروہ کہتے ہیں کہ لات و عزّیٰ وہ بت تھے جن کی پرستش اہل عرب سونے سے پہلے کر لیا کرتے تھے اس کے بعد وہ بستر پر لیٹتے تھے۔" (۱)

عربی کا ایک مبتدی طالب علم بھی اگر اس روایت کو نیک نیتی سے پڑھے تو کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتا سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اپنے معبود برحق کی بار بار قسم اٹھا کر فرما رہے ہیں کہ میں لات و عزّیٰ کی ہرگز ہرگز پوجا نہیں کروں گا حضرت خدیجہ بھی عرض کر رہی ہیں کہ ان منحوس بتوں کا نام ہی نہ لیجئے ان کے نام لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور مارگولوس صاحب ہیں کہ اس حدیث سے یہ استدلال فرما رہے ہیں کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ کہ حضور لات و عزّیٰ کی پرستش کرتے تھے۔

عروہ کے آخری جملہ میں بتایا گیا ہے کہ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ سونے سے پہلے ان دو بتوں کی پوجا پاٹ کر لیا کرتے تھے اور اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ آفتاب نبوت کے طلوع ہونے سے قبل شرک و کفر کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور بتوں کی پوجا عام کی جاتی تھی اس جملہ میں "کانوا" جمع کا صیغہ استعمال ہوا۔ جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس کا فاعل اہل عرب ہیں یعنی اہل عرب کا یہ دستور تھا جو بت پرست تھے اگر اس کے فاعل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ ہوتے تو "کانا" تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوتا بیشک ہدایت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے وہ ہدایت نہ دے تو بڑے بڑے عالم فاضل دلائل کے ایسے ہی محلات تعمیر کر کے جگ ہنسائی کا سبب بنتے ہیں۔

ستنتهي مدة الاقامة في حضرة المصطفى عليه وعلى اله
اسنى التحيات وازكى التسليمات مع انقضاء الليلة القادمة
واستاذن من حبيبي المرجو الى بلدي وارجو من الجواد الكريم
ان ياذن لي بالعودة مرة بعد مرة
احمد ربي واشكره على ما وهبني توفيقا لاستمر في تنوير السيرة
النيرة لحبيبه الكريم واساله متضرعا متذللا خاشعا ان يوفق
عبده الضعيف المسكين لاتمام هذا المشروع الرفيع الشان كما
يحب ويرضى لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم يا حي يا

۱۔ مسند احمد بن حنبل، جلد اول، صفحہ ۲۲۲

قَیُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ۔ لَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ۔

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَ أَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِينَ ۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيبِهٖ وَنَبِيِّهٖ وَصَفِيِّهٖ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ وَاحِبَّهٗ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

العبد الضعیف المسکین

محمد کرم شاہ

فی صحن المسجد النبوی الشریف

والقبة الخضری ترسل اشعة صاحبها الزاهیة النیرة

علی الکون تملاہ بہآ و نورا و طمانیة وسرورا۔

یوم الجمعة المبارک

۱۳ من شهر رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

۲۹ اپریل ۱۹۸۸ء

فی ساعة العشرة الا اثنتا عشرة دقیقة

بعثتِ مُبارکہ

بعثتِ مبارکہ

آثارِ بعثت کا ظہور

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں ہے۔ لحہ بھر میں جو چاہے وہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی شان ربوبیت کا ظہور آہستہ آہستہ ہو حیات طیبہ کے چالیس سال پورے ہونے والے ہیں۔ جسمانی نشوونما معراج کمال کو پہنچ چکی ہے۔ ذہنی قوتوں پر شباب کا عالم ہے اخلاق کی بلندی، کردار کی پختگی اور سیرت کی پاکیزگی۔ اپنوں اور بیگانوں کو اپنا گرویدہ بنا رہی ہے جس معاشرہ میں حضور نے اپنی زندگی کی یہ منزلیں طے کی ہیں بڑا پُر آشوب ہے۔ سیاہ کاری، اخلاق باختگی، ذہنی آوارگی، اور کفر و شرک کی عفونتوں سے دماغ پھٹ رہا ہے اس ناگفتہ بہ اور شرمناک ماحول میں پروان چڑھنے والا یہ جوانِ رعنا، شبنم کی طرح پاکیزہ، گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ و شاداب اور چودھویں کے چاند کی طرح تابناک اور ضیاء بار ہے اب وہ ساعت ہمایوں قریب آپہنچی ہے جب اسے وہ امانت عظمیٰ تفویض کی جائے گی جس کی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دینے کے لئے قدرت الٰہی کی رافتوں اور رحمتوں نے اس درّ یتیم کو اتنے اہتمام سے اپنے آغوشِ لطف و کرم میں لیا اور اتنے پیار سے ایک عظیم ترین مقصد کی تکمیل کے لئے اس کی تربیت فرمائی۔

اس ساعت ہمایوں کی آمد سے پہلے اس کے بابرکت آثار نمایاں ہونے لگے جن کا ذکر خود محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آثار کے نمایاں ہونے سے نزول وحی تک جو مرحلے پیش آئے اس کے بیان کے لئے وہ روایت جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے امام المحدثین حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری قدس سرہ نے اپنی صحیح میں درج کی ہے وہ مضمون کے لحاظ سے جامع اور مفصل اور سند کے لحاظ سے اصح ہے۔ میں اسی کے ذکر پر اکتفا کروں گا کیونکہ یہ روایت بہت طویل ہے اس لئے میں اسے مضمون کے مطابق مختلف حصوں میں تقسیم کر کے لکھوں گا تاکہ قارئین کو اس کی طوالت سے اکتاہٹ نہ ہو اور ہر مضمون آسانی سے ان کے ذہن نشین ہوتا جائے۔

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا قَالَتْ اَوَّلُ مَا بُدِءَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْا بِغَارِ حِرَا وَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَنْزِعَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَا

"ام المؤمنین حضرت عائشہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز سچی خوابوں سے ہوا جو خواب حضور رات کو دیکھتے اس کی تعبیر دن کو ہو بہو صبح کے اجالے کی مانند سامنے آجاتی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں خلوت گزینی کی محبت پیدا ہو گئی۔ خلوت گزینی کے لئے حضور غار حرا میں تشریف لے جایا کرتے وہاں عبادت میں مصروف رہتے چند راتیں عبادت الٰہی میں بسر فرماتے پھر اپنے اہل خانہ کی طرف واپس تشریف لے آتے کچھ عرصہ حضرت خدیجہ کے ساتھ گزار کر پھر خور و نوش کا سامان لے کر غار میں واپس آتے اور عبادت الٰہی میں مصروف ہو جاتے یہ آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ حق آ گیا۔ جب حضور غار حرا میں تھے۔"

روایت کے اس حصہ میں چند امور غور طلب ہیں۔

وَفَلَقُ الصُّبْحِ، اَیْ ضِیَاءُ الصُّبْحِ (عمدۃ القاری) صبح کا اجالا۔

یعنی رات کو نیند کی حالت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے دوسرے روز اس کی تعبیریں واضح صورت میں سامنے آجاتی جیسے صبح کا اجالا۔ اور اس خواب کے بارے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہتا سچے خواب دکھانے میں حکمت یہ ہے کہ منصب نبوت پر جب کسی ہستی کو فائز کیا جاتا ہے تو ان حقائق کو اس پر آشکارا کیا جاتا ہے جن کا تعلق عالم غیب سے ہوتا ہے اس سے پیشتر کہ عالم غیب کا دروازہ یکبارگی کھلے۔ اور عالم غیب کے محیّر العقول عجائبات آشکارا ہو کر نگاہوں کو خیرہ اور عقل کو دنگ کرنے کا سبب بنیں۔ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ اس سے پہلے سچے خواب دکھاتا ہے تاکہ عالم غیب کے حقائق سے کچھ انس اور مناسبت پیدا ہو جائے

اور جب اس کا دروازہ کھلے تو وہ حیران و سراسیمہ ہو کر نہ رہ جائے بلکہ ان کا مشاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق اور پھر اس پر ان کا توکل مزید پختہ اور مضبوط ہو جائے۔ تبلیغ حق کا جو جہاد انبیاء کو درپیش ہوتا ہے اس میں یہی قوت ان کے کام آتی ہے۔

جب سچی خوابوں کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ دل جو پہلے ہی معرفت الٰہی اور محبت الٰہی کے نور سے منور تھا اس میں اپنے معبود برحق بلکہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی کی یاد میں کھو جانے کا جذبہ، کارگاہِ حیات کی مصروفیتوں سے نکال کر اس کنج تنہائی میں گوشہ نشین ہونے پر مجبور کرنے لگا۔ جہاں یاد محبوب کے سوا کسی اور بات کا تصور تک خلل انداز نہ ہو۔ چنانچہ محبت الٰہی کا یہ طوفان حضور کو مکی زندگی کی مصروفیتوں سے نکال کر ایک غار میں لے آیا جس کا نام غار حرا ہے۔

یہ غار حرا، جس پہاڑ کی چوٹی پر ہے اس کا نام "جبل النور" ہے۔ یہ غار چار گز لمبی دو گز چوڑی ہے اس کی وسعت اتنی ہے کہ ایک آدمی اس میں لیٹ سکتا ہے۔ جبل النور اور اس کے اردگرد جتنے پہاڑ ہیں خشک اور بے آب و گیاہ ہیں راستہ اتنا کٹھن اور دشوار گزار ہے۔ کہ صحت مند اور طاقتور آدمی بھی وہاں بڑی مشکل سے پہنچنے میں کامیاب ہوتا ہے (یہ پہاڑ مکہ مکرمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے) اگرچہ دوسرے پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی اس قسم کے گوشہ عزلت کو تلاش کیا جا سکتا تھا۔ لیکن سرور عالم و عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی گوشہ نشینی کے لئے غار حرا کو اس لئے پسند فرمایا کہ یہاں بیٹھ کر بیت اللہ شریف کی زیارت بھی ہو سکتی تھی۔ (۱)

اس وقت تو جبل النور مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا لیکن اب یہ شہر کافی وسیع ہو گیا ہے اور اس کی حدود جبل نور کو چھونے لگی ہیں۔ عمرھا اللہ تعالیٰ وحفظھا واھلھا من الفتن والبلیات

علامہ احمد بن زینی دحلان نے تصریح کی ہے۔

وَابْهَمَ الْعَدَدَ لِاخْتِلَافٍ بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْمُدَدِ فَتَارَةً كَانَ ثَلَاثَ
لَيَالٍ وَتَارَةً كَانَتْ سَبْعَ لَيَالٍ وَتَارَةً تِسْعَ لَيَالٍ وَتَارَةً شَهْرًا
رَمَضَانَ وَغَيْرَهٗ

"یعنی قیام کی مدت کو مبہم رکھا کیونکہ یہ مدت متعین نہ تھی کبھی تین رات

۱۔ ارشاد الساری، جلد اول، صفحہ ۶۲

کبھی پانچ کبھی سات راتیں کبھی رمضان کا پورا مہینہ یہاں قیام فرمایا کرتے۔" (۱)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف رمضان شریف کا پورا مہینہ یہاں گزارتے تھے۔ لیکن احادیث صحیحہ کے مطالعہ سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ حضور رمضان المبارک کا پورا مہینہ یہاں گزارتے تھے لیکن اس کے علاوہ بھی بکثرت یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔

اس روایت کے الفاظ بھی اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔

وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَنْزِعَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى خَدِيْجَةَ وَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَا

"کہ حضور چند روز کے لئے خور و نوش کا سامان لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے جب یہ راشن ختم ہو جاتا تو پھر ام المومنین حضرت خدیجہ کے پاس آتے چند روز قیام فرماتے خور و نوش کا سامان لے کر پھر اس غار میں اپنے رب کو یاد کرنے کے لئے فروکش ہو جاتے۔ اسی حالت میں وحی کا آغاز ہوا۔"

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس غار میں آکر کیا کرتے؟

اس کا جواب ایک لفظ یَتَحَنَّثُ میں مذکور ہے۔ یہ باب تفعّل کا فعل مضارع ہے اس باب کا اہم خاصہ یہ ہے کہ مصدری معنی سے تجنب پر دلالت کرتا ہے یعنی مصدری معنی کی نفی کرتا ہے جیسے تاثم اس کا ماخذ اور مصدر اِثم ہے جس کا معنی گناہ کرنا لیکن جب اس مصدر سے باب تفعّل بنا کر تاثم کہا جاتا ہے تو اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے گناہ سے اجتناب کرنا اس طرح تہجد کا مصدر ہجود ہے جس کا معنی سونا ہے لیکن جب اس کا باب تفعّل بنا کر تہجد کہا جاتا ہے تو اس کا معنی جاگنا ہوتا ہے۔ جس میں سونے کی نفی کی جاتی ہے اسی طرح تحنث کا ماخذ حنث ہے جس کا معنی گناہ کا ارتکاب کرنا۔ اور تحنث کا معنی ہو گا۔ گناہوں سے اجتناب کرنا یعنی اپنا وقت یاد الٰہی میں صرف کرنا۔ (۲)

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول صفحہ ۱۶۳

۲۔ عمدۃ القاری۔ جلد اول۔ صفحہ ۵۵

علامہ عینی نے اس کا ایک دوسرا معنی بھی نقل کیا ہے۔

قَالَ اَبُو الْمَعَالِی فِی الْمُنْتَهٰی تَحَنَّثَ تَعَبَّدَ مِثْلَ تَحَنَّفَ

"ابو المعالی کہتے ہیں کہ تحنث کا معنی تعبد ہے یعنی عبادت کرنا۔"

علامہ عینی نے ایک اور قول بھی اس سلسلہ میں نقل کیا ہے۔

سُئِلَ ابْنُ الْاَعْرَابِی عَنْ قَوْلِهٖ يَتَحَنَّثُ فَقَالَ لَا اَعْرِفُهٗ وَ سَاَلْتُ اَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِی وَقَالَ لَا اَعْرِفُهٗ يَتَحَنَّثُ اِنَّمَا هُوَ يَتَحَنَّفُ۔

یعنی ابن الاعرابی اور شیبانی کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ یَتَحَنَّثُ نہیں ہے بلکہ یَتَحَنَّفُ ہے۔ املاء کی غلطی سے ایسا لکھا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا۔" (۱)

یہ سلسلہ جاری رہا۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّی لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ يُّنْزَلَ عَلَیَّ

"فرمایا میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہوں جو مجھ پر نزول وحی سے پہلے سلام بھیجا کرتا تھا۔ اسی طرح حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مکہ سے باہر وادیوں اور جنگل میں تشریف لے جاتے تو پتھر اور درخت الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔ کہہ کر سلام عرض کرتے۔"

ان تمام امور سے مقصد یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آنے والی ذمہ داریوں سے کچھ نہ کچھ آگاہ ہو جائیں اب ہم صحیح بخاری سے مذکورہ حدیث کا ایک اور حصہ نقل کرتے ہیں اور اس کا ترجمہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اِقْرَاْ قَالَ مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَاَخَذَنِی فَغَطَّنِی حَتّٰى بَلَغَ مِنِّی الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِی فَقَالَ اِقْرَاْ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِی فَغَطَّنِی الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّی الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِی فَقَالَ اِقْرَاْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِی فَغَطَّنِی

۱۔ عمدۃ القاری، جلد اول، صفحہ ۴۹

اَلثَّالِثَۃَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ۔ فَرَجَعَ بِھَا
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

"پھر آپ کے پاس (غار میں) فرشتہ حاضر ہوا اور کہا پڑھیے آپ نے جواب دیا میں پڑھنے والا نہیں ہوں حضور فرماتے ہیں پھر اس فرشتہ نے مجھے پکڑا مجھے سینہ سے لگا کر خوب بھینچا یہاں تک مجھے اس کے زور سے بھینچنے سے تکلیف محسوس ہوئی۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور دوبارہ کہا کہ پڑھیے میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ اس نے پھر مجھے پکڑا سینے سے لگا کر خوب بھینچا یہاں تک کہ مجھے اس کے زور سے بھینچنے سے تکلیف محسوس ہوئی۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور سہ بارہ کہا پڑھیے! میں نے پھر کہا میں پڑھنے والا نہیں پھر اس نے مجھے پکڑ کر تیسری بار خوب بھینچا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿١﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿٢﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ﴿٣﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿٤﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴿٥﴾

آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔" (سورۃ العلق: ١۔ ٥)

حدیث پاک کے اس حصہ میں چند امور کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔
اقرأ صیغہ امر ہے۔ جو وجوب اور حکم کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہاں یہ تلقین کے لئے ہے تکلیف کے لئے نہیں۔ بارگاہ نبوت کے ادب کا تقاضا بھی یہی ہے۔ (١)

اِقْرَاْ۔ لَیْسَ مِنْ بَابِ التَّکْلِیْفِ بَلْ مِنْ بَابِ التَّلْقِیْنِ

غط کا معنی ہے کسی چیز کو پانی میں ڈبو دینا۔ یا کسی چیز کو زور سے نچوڑنا تاکہ اس میں پانی کا قطرہ بھی نہ رہے۔ یہاں مراد ہے سینے سے لگا کر بھینچنا۔
علماء کے نزدیک اس سے مقصد تنبیہ کرنا ہے۔ لیکن صوفیاء کرام کے نزدیک اس سے مقصود

١۔ فیض الباری، جلد اول، صفحہ ٢٤

دل میں القاء کرنا بشریت سے ملکیت کی طرف قریب کرنا۔ استاد و تلمیذ میں مناسبت پیدا کرنا۔ (۱)

ذَکَرَ الْعُلَمَاءُ اَنَّهُ کَانَ ضَرْبًا مِنَ التَّنْبِیْهِ وَقَالَ الصُّوْفِیَّةُ کَثَّرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّهُ کَانَ لِلْاِلْقَاءِ فِی الْقَلْبِ وَلِلتَّقْرِیْبِ اِلَی الْمَلَکِیَّةِ وَاِحْدَاثِ الْمُنَاسِبَةِ بِهَا

جب تک جبرئیل امین نے صرف اقراء کہا تو جواب ملا مَا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھنے والا نہیں ہوں) جب چوتھی بار انہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام ساتھ ملا کر کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ "اے مصطفیٰ کریم! اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے ساری کائنات کو پیدا فرمایا ہے وہی آپ کے سینہ کو علم و معرفت کے انوار سے منور کرنے والا ہے وہی آپ کے اُمّی ہونے کے باوجود آپ کی زبان اقدس پر کلمات حکمت کو جاری کرنے والا ہے اس کے نام سے پڑھیے تو پھر حضور نے پڑھنے سے انکار نہیں کیا بلکہ فوراً آیات طیبات کی تلاوت شروع کر دی۔ علامہ سہیلیؒ نے الروض الانف میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شیخ محمد ابراہیم العرجون نے بڑی پیاری بات کہی ہے۔

لُبَابُ الْمَعْنٰی کُنْ قَارِئًا اِعْجَازًا وَلَوْ لَمْ تَکُنْ مِنَ الْقَارِئِیْنَ تَعَلُّمًا اِقْرَاْ مُسْتَعِیْنًا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ اَعَدَّكَ بِتَرْبِیَتِهٖ مُعَلِّمًا لِلدُّنْیَا

"خلاصہ کلام یہ ہے۔ اے حبیب! آپ بطور معجزہ اس کی قرأت کریں اگرچہ آپ علم سیکھ کر پڑھنے والے نہیں۔ آپ اپنے اس رب کے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے قرأت کریں جس نے آپ کی تربیت فرما کر آپ کو سارے عالم کے لئے استاد تیار کیا ہے۔" (۲)

اب ہم اس روایت کا وہ حصہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں جس میں نزول وحی کے بعد حضور کی گھر واپسی اپنی رفیقہ حیات سے اپنے بارے میں اندیشوں کا تذکرہ اور اس کے جواب میں اُم المومنین کی تسلی آمیز اور اطمینان بخش گفتگو ہے۔

وَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرْجُفُ

۱۔ فیض الباری، جلد اول، صفحہ ۲۴

۲۔ محمد رسول اللہ، جلد اول، صفحہ ۲۴۳

فُؤَادُهٗ وَدَخَلَ عَلٰی خَدِیْجَۃَ بِنْتِ خُوَیْلَدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا فَقَالَ زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ فَزَمَّلُوْہُ حَتّٰی ذَھَبَ عَنْہُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِیْجَۃَ وَاَخْبَرَھَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ فَقَالَتْ خَدِیْجَۃُ کَلَّا وَاللّٰہِ مَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْکَلَّ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ۔

"پس ان آیات کو سن کر اور دل میں محفوظ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس گھر تشریف لائے حضور کا دل کانپ رہا تھا۔ ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد کے پاس آئے۔ اور فرمایا مجھے چادر اوڑھاؤ۔ مجھے چادر اوڑھاؤ پس انہوں نے حضور پر چادر ڈال دی۔ یہاں تک کہ وہ ہراس دور ہو گیا حضور نے حضرت خدیجہ کو سارا ماجرا سنایا اور فرمایا مجھے اپنے بارے میں ڈر لگ رہا ہے آپ نے عرض کی ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو بے آبرو نہیں کرے گا۔ آپ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں کمزوروں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ جو مفلس نادار ہو اس کو اپنی نیک کمائی سے حصہ دیتے ہیں مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ حق کی وجہ سے کسی پر کوئی مصیبت آجائے تو آپ اس کی مدد کرتے ہیں اور دستگیری فرماتے ہیں۔"

اور جس شخص میں یہ خوبیاں ہوں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کو بے آبرو اور ذلیل نہیں کرتا بلکہ اس کی عزت و آبرو کا خود نگہبان ہوتا ہے۔

حدیث پاک کے اس حصہ میں دو باتیں ایسی ہیں جو آپ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ نزول وحی کے بعد خوف و ہراس کی یہ کیفیت کیوں رونما ہوئی؟

دوسری غور طلب بات حضرت ام المؤمنین کا تسلی آمیز جواب ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح ہر امتی پر لازم ہے کہ وہ اپنے نبی کی نبوت پر ایمان لائے اسی طرح ہر نبی پر بھی ضروری ہے کہ وہ بھی اپنی نبوت پر ایمان لے آئے اگر نبی کو اپنی نبوت پر یقین محکم نہ ہو گا تو وہ دوسروں کو کیونکر اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دے سکے گا۔ ارشاد الٰہی ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ

"رسول بھی ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل کیا گیا اور مومن بھی ایمان لے آئے۔" (سورہ البقرہ: ۲۸۵)

امتیوں کو تو یہ ایمان اپنے نبی کی دعوت اس کے دلائل سن کر نیز اس کے پیش کیے ہوئے معجزات دیکھ کر حاصل ہوتا ہے لیکن نبی کے دل میں اپنی نبوت کا عرفان منجانب اللہ پیدا ہو جاتا ہے وہ کسی دلیل اور معجزہ کا محتاج نہیں ہوتا۔

موسیٰ علیہ السلام جب حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس سے اپنے اہل و عیال سمیت اپنے وطن مصر واپس جا رہے تھے وادی سینا میں پہنچے رات کا وقت تھا۔ سخت سردی تھی، آپ نے دور سے آگ جلتی دیکھی وہاں گئے تاکہ آگ لے آئیں خود بھی تاپیں اور ان کے اہل و عیال بھی اس سے حرارت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰى اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى۔

"پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا کی گئی اے موسیٰ! بلاشبہ میں تمہارا پروردگار ہوں پس تو اتار دے اپنے جوتے۔ بے شک تو طویٰ کی مقدس وادی میں ہے۔ اور میں نے پسند کر لیا ہے تجھے (رسالت کے لئے) سو خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے۔" (سورہ طٰہٰ: ۱۱-۱۳)

اس آواز کے سننے سے موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اپنے نبی ہونے کے بارے میں یقینی علم پیدا ہو گیا جس میں شک و شبہ کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ یقینی علم جو دلائل و براہین کے بغیر دل میں پیدا ہو جائے اسے علم ضروری اور بدیہی کہتے ہیں۔

اچانک یہ آواز سننے سے جب موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اپنی نبوت کے بارے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا تو وہ ذات اقدس جس کو نزول وحی سے پہلے کئی علامات اور نشانات دکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا۔ انہیں اپنی رسالت کے بارے میں کیونکر کوئی شبہ ہو سکتا تھا۔ مکہ سے باہر جاتے ہیں وادیوں سے گزرتے ہیں تو دائیں بائیں شجر و حجر الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہہ کر اپنی نیاز مندی کا نذرانہ پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ ہر رات جو خواب دیکھتے ہیں صبح کی روشنی کی طرح دوسرے دن اس کی تعبیر ہو بہو سامنے آ جاتی ہے۔ ایسی ذات پر جب

ایسا مقدس کلام نازل ہوا ہو گا تو روح کو جو تازگی اور قلب کو جو مسرت ہوئی ہو گی اس کا صحیح اندازہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر اور کون لگا سکتا ہے۔

پھر یہ خوف و ہراس کیسا؟ پھر یہ سراسیمگی اور حیرانی کیسی؟

اس کے بارے میں علماء کرام نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں اور داد تحقیق دی ہے۔

لیکن اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اتنا ہی غور فرمائیے کہ وہ فرقان حمید جس کی جلالت شان کا یہ عالم ہے کہ۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ (۲۱:۵۹)

پہاڑ اس کی ہیبت سے ریزہ ریزہ ہونے لگتے ہیں تو جب اس کا نزول اس حساس قلب پر ہوا ہو گا جس کو اس کلام کی جلالت شان اور زہرہ گداز ذمہ داریوں کا سب سے زیادہ احساس تھا تو کیا وہ قلب لطیف لرز لرز نہ گیا ہو گا۔

حق تو یہ ہے کہ ان حالات میں خوف و ہراس۔ بے چینی و اضطراب کا پیدا ہونا باعث حیرت نہیں۔ بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو باعث صد حیرت و تعجب ہوتا۔ چنانچہ علماء محققین نے اس حدیث کے ان کلمات لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ کی متعدد توجیہات پیش کی ہیں جو توجیہ مجھے پسند ہے علامہ بدرالدین عینی نے اسے بایں الفاظ بیان کیا ہے۔

خَافَ اَنْ لَّا يَقْوٰى عَلٰى مُقَادَمَةِ هٰذَا الْاَمْرِ وَلَا يُطِيْقُ حَمْلَ اَعْبَاءِ الْوَحْيِ

"حضور کو اس بات پر اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس امر عظیم کی ذمہ داریوں کو آپ پوری طرح سے سرانجام نہ دے سکیں اور وحی کے اس بار گراں کے متحمل نہ ہو سکیں۔" (۱)

علامہ ابن حجر نے بھی اسی توجیہ کو بایں الفاظ بیان کیا ہے۔

اَلْعَجْزُ عَنْ حَمْلِ اَعْبَاءِ النُّبُوَّةِ

"مبادا میں نبوت کے اس بار گراں کو اٹھا نہ سکوں۔" (۲)

علامہ محمد الصادق عرجون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گراں قدر تصنیف "محمد رسول اللہ" میں

۱۔ عمدۃ القاری طبع البابی الحلبی، جلد اول، صفحہ ۶۸

۲۔ فتح الباری، جلد اول، صفحہ ۲۰

بحوالہ امام قسطلانی "قَدْ خَشِيتُ عَلَيَّ" کے جملہ کی ایک اور توجیہ پیش کی ہے اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

قَدْ خَشِيْتِ یہ واحد متکلم کا صیغہ نہیں بلکہ واحد مؤنث مخاطب کا صیغہ ہے اور یہاں حرف استفہام مقدر ہے أَقَدْ خَشِيْتِ عَلَيَّ

لکھتے ہیں کہ رحمت کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم شرف نبوت سے مشرف ہونے کے بعد گھر تشریف لائے اپنی رفیقہ حیات ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات فرمائی۔ کیونکہ حضور مقررہ وقت سے کافی دیر بعد تشریف لائے تھے اس تاخیر سے آپ بے چین ہو گئیں سرور عالم تشریف لائے تو عرض کی أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ اے ابو القاسم (حضور کی کنیت) حضور اتنی دیر کہاں تشریف فرما رہے۔ میں تو تاخیر کے باعث بے چین ہو گئی تھی حضور کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے لیکن جب وہ ناکام واپس آئے تو میری بے قراری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ سرور کائنات نے اپنی رفیقہ حیات کو تسلی دینے کے لئے فرمایا ذرا میری طرف دیکھو۔ مَالِيْ ؟ مجھے تو کوئی تکلیف نہیں پہنچی میں تو بخیر و عافیت تمہارے سامنے موجود ہوں پھر أَقَدْ خَشِيْتِ عَلَيَّ کیا تمہیں میرے بارے میں خوف و اندیشہ لاحق ہو گیا تھا انہوں نے عرض کی كَلَّا ؟ ہرگز مجھے کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہوا تھا چونکہ آپ ان صفات کمال سے متصف ہیں جو ہستی ایسے اوصاف حمیدہ سے متصف ہو اللہ تعالیٰ خود اس کا نگہبان ہوتا ہے وہ اسے رسوا نہیں کرتا۔ اس کے بعد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حرا کی خلوتوں میں جبرئیل کی آمد اور قرأت آیات قرآنی کے بارے میں بالتفصیل مطلع فرمایا۔ (۱)

حضرت خدیجہ کے یہ تسلی آمیز کلمات ایک آئینہ حق نما ہیں جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق عالیہ کے نقوش جمیلہ پوری آب و تاب کے ساتھ منعکس ہو رہے ہیں اس کے ساتھ ہی ان الفاظ سے حضرت خدیجہ کی فرزانگی، حقیقت شناسی اور حضور کے ساتھ آپ کی بے پایاں عقیدت کا بھی اظہار ہو رہا ہے۔ بیویاں اپنے شوہروں سے بہت کم متاثر ہوتی ہیں دوسرے لوگ بڑے لوگوں کے صرف کمالات اور ان کی خوبیوں سے آگاہ ہوتے ہیں لیکن بیویاں ان کی اُن کمزوریوں اور خامیوں پر بھی مطلع ہوتی ہیں جن پر ان کے بغیر اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا لیکن یہاں حضور کی جلوت و خلوت پر کامل آگاہی رکھنے والی خاتون، اپنے آقا کے ان محامد و کمالات کا نہایت بلیغ اور دلنشین انداز میں اظہار کر کے اپنی اس وارفتگی اور دلبستگی کا

۱۔ محمد رسول اللہ۔ ابراہیم عرجون، جلد اول، صفحہ ۳۷۰۔ ۳۷۱

والہانہ اظہار کر رہی ہیں جس کی مثال تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔

حضرت خدیجہ کے ایک چچازاد بھائی تھے جن کا نام ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ تھا۔ یہ ان چند لوگوں میں سے تھے جو بت پرستی سے دل برداشتہ ہو کر تلاش حق میں گرد و نواح کے ممالک میں چلے گئے تھے وہاں جا کر ورقہ نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ آپ عبرانی زبان لکھنا جانتے تھے انہوں نے انجیل کو عبرانی رسم الخط میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ آپ کی عمر کافی زیادہ ہو گئی تھی بینائی بہت کمزور ہو چکی تھی گویا نہ ہونے کے برابر حضرت خدیجہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر ورقہ کے پاس آئیں اور انہیں کہا۔

اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنو۔

ورقہ نے حضور کو کہا فرمایئے! آپ کو کیا نظر آیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سارا ماجرا ان سے بیان کیا۔

سن کر ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس (جبرئیل) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ اے کاش! میں اس وقت جوان ہوتا اے کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی۔ حضور نے پوچھا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے۔ ورقہ نے کہا جی ہاں! جو شخص بھی اس قسم کی دعوت لے کر آیا جو آپ لے کر آئے ہیں لوگوں نے اس سے دشمنی کی۔ اگر مجھے آپ کا وہ دن دیکھنا نصیب ہوا تو میں آپ کی پرزور مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے۔ جلد ہی انتقال فرما گئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور منصب نبوت پر فائز ہونے کے بارے میں یہ وہ جامع، مستند اور صحیح ترین روایت ہے۔ جو ہم نے صحیح بخاری سے نقل کر کے قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش کی ہے۔

اس موقع پر اگر وحی، نبوت اور رسالت کی اصطلاحات کی تشریح ہو جائے تو قارئین کے لئے از بس مفید ہو گا۔ کیونکہ سیرت نبوی کو سمجھنے کے لئے ان کلمات کی ماہیت پر آگاہی ضروری ہے جب تک ان کلمات کا صحیح مفہوم ذہن نشین نہ ہو جگہ جگہ پر الجھنیں انسان کے ذہن کو پراگندہ کرنے کے لئے موجود ہوتی ہیں۔

الوحی

کلمہ وحی کی ایسی تشریح جس سے اس کا لغوی اور اصطلاحی معنی واضح ہو جائے اور ذہن میں کسی قسم کی خلش باقی نہ رہے اس کے لئے تفسیر "المنار" کی مندرجہ ذیل عبارت غور و فکر کے لئے قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

الشیخ رشید رضا لکھتے ہیں۔

اَلْوَحْیُ فِی اللُّغَۃِ: یُطْلَقُ عَلَی الْاِشَارَۃِ وَالْاِیْمَاءِ وَمِنْہُ قَوْلُہٗ تَعَالٰی فَاَوْحٰۤی اِلَیْہِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُکْرَۃً وَّعَشِیًّا (مریم: ۱۱)
وَعَلَی الْاِلْہَامِ الَّذِیْ یَقَعُ فِی النَّفْسِ وَھُوَ اَخْفٰی مِنَ الْاِیْمَاءِ وَمِنْہُ قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰی (القصص: ۷)
وَیَظْہَرُ اَنَّ ھٰذَا بِعِنَایَۃٍ خَاصَّۃٍ مَا مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَعَلٰی مَا یَکُوْنُ غَرِیْزِیَّۃً دَائِمَۃً مِنْہُ قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ۔ (النحل: ۶۸)
وَعَلَی الْاِعْلَامِ فِی الْخَفَاءِ وَھُوَ اَنْ تُعَلِّمَ اِنْسَانًا بِاَمْرٍ تُخْفِیْہِ عَنْ غَیْرِہٖ وَمِنْہُ قَوْلُہٗ تَعَالٰی شَیَاطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُہُمْ اِلٰی بَعْضٍ (الانعام: ۱۱۳)
وَاُطْلِقَ عَلَی الْکِتَابَۃِ وَالرِّسَالَۃِ لِمَا یَکُوْنُ فِیْہِمَا مِنَ التَّخْصِیْصِ

لغت میں وحی کا اطلاق مختلف معنوں پر ہوتا ہے کبھی اشارہ کے معنی میں۔ جیسے سورہ مریم آیت ۱۱ میں ارشاد ہے پس اشارہ کیا زکریا علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف کہ تسبیح بیان کرو اللہ تعالیٰ کی صبح و شام۔

کبھی بمعنی الہام: جو دل میں ڈال دیا جاتا ہے اس میں اشارہ سے بھی زیادہ راز داری ہوتی ہے جس طرح سورہ القصص آیت نمبر ۷ میں ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ اور اس وحی الہام سے اسی شخص کو نوازا جاتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہو۔

ا۔ المنار، جلد ہشتم، صفحہ ۶۷ - ۶۸

اور کبھی اس کا اطلاق اس صفت پر ہوتا ہے جو کسی چیز کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہو اور اس میں دوام پایا جائے جیسے آیت ۶۸ سورہ النحل میں ہے آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی فرمائی یعنی اس کی فطرت میں یہ چیز ڈال دی۔

کبھی اس کا اطلاق کسی شخص کو راز داری اور چپکے سے کسی امر پر مطلع کر دینے پر ہوتا ہے تاکہ کسی دوسرے آدمی کو اس کا پتہ نہ چلے۔ جیسے آیت ۱۱۲ سورہ الانعام میں ہے کہ انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین چپکے چپکے ایک دوسرے کو اپنے منصوبوں سے آگاہ کرتے ہیں۔ جو وہ اللہ کے نبیوں کے خلاف بناتے رہتے ہیں۔

اور وحی کا اطلاق تحریر اور پیغام رسانی پر ہوتا ہے کیونکہ یہ چیز بھی ان دو آدمیوں کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور عام آدمی کو اس کا علم نہیں ہوتا۔

کلمہ وحی کے یہ لغوی معنی ہیں۔ جن میں اہل زبان اس کو استعمال کرتے ہیں اس سلسلہ میں آیات قرآنی کی متعدد مثالیں آپ ابھی پڑھ چکے ہیں۔

لیکن وہ وحی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اس کی تشریح صاحب المنار نے اس عبارت سے یوں کی ہے۔

وَوَحْيُ اللّٰهِ اِلٰى اَنْبِيَائِهٖ هُوَمَا يُلْقِيْهِ اِلَيْهِمْ مِنَ الْعِلْمِ الضَّرُوْرِى
الَّذِىْ يُخْفِيْهِ عَنْ غَيْرِهٖ بَعْدَ اَنْ يَكُوْنَ اَعَدَّ اَرْوَاحَهُمْ لِتَلَقِّيْهِ
بِوَاسِطَةٍ كَمَلَكٍ اَوْبِغَيْرِ وَاسِطَةٍ

"وہ وحی جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی طرف کرتا ہے اس سے مراد وہ علم ضروری اور بدیہی ہے جو منجانب الٰہی انبیاء کرام کے دلوں میں پیدا کر دیا جاتا ہے۔ جسے دوسرے لوگوں سے مخفی رکھا جاتا ہے اور اس وحی کے القا سے پہلے اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کی ارواح میں ایسی استعداد پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ اس وحی کو قبول کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں چاہے وہ وحی فرشتہ کے واسطہ سے ہو یا بغیر کسی واسطہ کے۔" (۱)

۱۔ المنار، جلد ششم، صفحہ ۶۸

وحی الٰہی کے مراتب

وحی الٰہی جو انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے اس کے متعدد مراتب وانواع ہیں۔

(۱) رؤیا صادقہ: سچے خواب: حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف وحی کا آغاز رؤیا صادقہ سے ہوا۔ حضور جو خواب دیکھا کرتے اس کی تعبیر دوسرے روز ہو بہو صبح کے اجالے کی طرح نمودار ہو جاتی۔

(۲) وحی کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ فرشتہ دکھائی دیئے بغیر حضور کے قلب مبارک میں القا کر دیا کرتا تھا۔ ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

> اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ اَنَّہٗ لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَھَا فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَلَا یَحْمِلَنَّکُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ عَلٰی اَنْ تَطْلُبُوْہُ بِمَعْصِیَۃِ اللّٰہِ فَاِنَّ مَا عِنْدَ اللّٰہِ لَا یُنَالُ اِلَّا بِطَاعَتِہٖ۔

> "روح القدس (جبرئیل) نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک وہ اپنا رزق مکمل نہ کر لے اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور طلب رزق میں خوبصورت طریقے اختیار کرو۔ رزق کے ملنے میں اگر دیر ہو جائے تو اس کو خدا کی نافرمانی سے مت طلب کرو کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس کی اطاعت سے ہی مل سکتی ہے۔"

(۳) فرشتہ انسان کی شکل میں حاضر ہو اور حضور سے مخاطب ہو۔ ایسی حالت میں کبھی کبھی صحابہ بھی اس فرشتہ کو دیکھ لیا کرتے تھے۔

(۴) وحی کا چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ گھنٹی کی آواز کی طرح وحی کی آواز سنائی دے۔ وحی کا یہ انداز حضور کے لئے بہت مشکل ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ سخت سردی کے موسم میں بھی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ اگر حضور کسی اونٹنی پر سوار ہوتے تو وہ اونٹنی بھی اس بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی بلکہ گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی تھی۔ ایک دفعہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ران مبارک حضرت زید بن ثابت کی ران پر تھی کہ وحی کی یہ کیفیت طاری ہوئی حضرت زید کو یوں محسوس ہونے لگا گویا ان کی ران ٹوٹ رہی ہے۔

(۵) کبھی فرشتہ اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام حضور کو پہنچاتا۔
(۶) وہ وحی جس سے اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کے بغیر اپنے حبیب کو خود مشرف فرمایا جیسے شب معراج، نماز کی فرضیت کا حکم اور دیگر راز و نیاز کی باتیں۔
(۷) اللہ تعالیٰ کا کسی فرشتہ کے بغیر حضور سے ہم کلام ہونا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔
(۸) لذت دید اور شرف تکلم سے بیک وقت مشرف فرمایا جیسے شب معراج مقام دَنَا فَتَدَلّٰی پر (رویت باری کی بحث اپنے مقام پر تفصیل سے آئے گی)
وحی کے یہ مراتب اور اقسام تمام شراح حدیث نے تحریر کیے ہیں۔ میں نے علامہ ابن قیم کی زاد المعاد سے ان مراتب کو ان کی ترتیب کے مطابق یہاں نقل کیا ہے (۱)
بعض تنگ نظر، متعصب مستشرقین نے سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی ان کیفیات کے بارے میں جب پڑھا جو نزول وحی کے وقت حضور پر طاری ہوتی تھیں۔ تو اپنے خبث باطن کی وجہ سے یہ کہنے میں ذرا تامل نہ کیا کہ یہ صرع یعنی مرگی کے دوروں کی کیفیت تھی اور جس چیز کو مسلمان بطور عقیدت وحی الٰہی کہتے ہیں یہ اس قسم کی باتیں ہیں جو مرگی کا مریض اس مرض کے دورہ کے وقت کہا کرتا ہے العیاذ باللہ۔
ہم ان مدعیان علم و دانش سے حق و صداقت کا واسطہ دے کر (اگر حق و صداقت نامی کوئی چیز دنیا میں موجود ہے تو) ایک بات پوچھتے ہیں کہ مرگی کے مریض ہر ملک میں ہر قوم میں اور ہر زمانہ میں سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہوئے ہیں اور آج بھی اعلیٰ ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ممالک کے ہسپتالوں میں بھی اس مرض کے لئے مخصوص وارڈ اس بیماری کے مریضوں سے بھرے ہوئے ہیں کیا ماضی بعید میں یا ماضی قریب میں یا زمانہ حال میں اس بیماری کے بیماروں میں سے کوئی ایسا بیمار گزرا ہے۔ جس نے کوئی محیر العقول کتاب عالم انسانیت کو دی ہو۔
جس اقدس و اطہر ہستی نے قرآن حکیم جیسا صحیفہ ہدایت بنی نوع انسان کو عطا فرمایا ہے اس نے روز اول سے ہی اپنے سنگ دل بے رحم اور ان گنت ناقدین اور منکرین کو چیلنج کیا کہ اگر اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے میں تمہیں شک ہے تو تم میں سے جس کا جی چاہے اس جیسی کتاب لکھ کر پیش کرے اگر تم فرداً فرداً ایسا نہیں کر سکتے تو سارے زمانہ کے فصحاء اور بلغاء سر جوڑ کر بیٹھیں اور اس جیسی کتاب پیش کریں اگر پوری کتاب نہیں پیش کر سکتے تو اس کی ایک

ا۔ زاد المعاد مطبوعہ بیروت۔ جلد اول۔ صفحہ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰

چھوٹی سی سورت جیسی کوئی سورت ہی لاکر دکھائیں یہ چیلنج اسلام اور قرآن حکیم کے ہر زمانہ کے ناقدین کے لئے ہے چودہ صدیوں کا طویل عرصہ گزر چکا ہے پندرہویں بھی شروع ہو چکی ہے اسلام کو مٹانے کے لئے کون سی کوشش ہے جو دشمنان اسلام نے نہیں کی جنگیں لڑی گئیں ان میں ہزاروں لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں امت مسلمہ کی جغرافیائی اور نظریاتی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے کون سا دقیقہ ہے جو فروگزاشت کیا گیا ہو۔ سینکڑوں ہزاروں ادارے قائم ہیں ان پر کروڑوں ڈالر سالانہ خرچ ہو رہے ہیں جن میں موجودہ وقت کے نابغہ روزگار فضلاء اپنی تصنیفات کے انبار لگا رہے ہیں لیکن آج تک کسی دشمن اسلام کو کسی منکر عظمت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ اس چیلنج کو قبول کر سکے زیادہ نہیں تو سورہ الکوثر جیسی تین آیات پر مشتمل ایک سورت ہی پیش کر سکے۔

خود سوچئے اگر دشمنان اسلام کے بس میں ہوتا تو کیا وہ یہ آسان کام کر نہ گزرتے لیکن منکران شان احمدی کان کھول کر سن لیں کہ وہ نہ اب تک ایسا کر سکے ہیں اور نہ تا قیامت ایسا کر سکیں گے کیونکہ جس خداوند ذوالجلال کا یہ کلام ہے اس کا یہ فرمان ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ

"اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے برگزیدہ بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی۔ اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز تم ایسا نہ کر سکو گے۔ تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔" (سورۃ البقرہ: ۲۳۔ ۲۴)

خود انصاف کرو کیا ایسی کتاب مرگی کے کسی مریض کے افکار و خیالات کا مجموعہ ہو سکتی ہے۔

صرف فصاحت و بلاغت میں ہی یہ کتاب عدیم النظیر اور بے مثال نہیں بلکہ اپنے معانی اور معارف میں بھی یہ لاجواب ہے جن عقائد پر ایمان لانے کی اس کتاب نے بنی نوع انسان کو

دعوت دی ہے کیا شرف انسانیت کو جلاء دینے کے لئے اس سے بہتر کوئی مجموعہ عقائد پیش کیا جاسکتا ہے۔ اپنے خالق کریم کے ساتھ بندگی کا رشتہ مستحکم کرنے کے لئے جو نظام عبادات قرآن کریم نے بتایا ہے کیا اس سے بہتر کوئی اور نظام عبادت تجویز کیا جاسکتا ہے انسان کی انفرادی اور اجتماعی نشوونما کے لئے جو ضابطہ اخلاق قرآن حکیم نے پیش کیا ہے کیا کوئی ماہر اخلاقیات و نفسیات اس کی گرد کو بھی پہنچ سکتا ہے سیاسی اور معاشی میدانوں میں افراط و تفریط سے بالاتر ہو کر جو حقیقت پسندانہ اصول اس کتاب مقدس نے بتائے ہیں کیا اس کی کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔

جب یہ ایسی حقیقتیں ہیں جو آفتاب و ماہتاب سے بھی تابندہ تر ہیں تو اس کے باوجود ذات پاک حبیب کبریاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی آسمانی کے بارے میں اس قسم کے خیالات کو بیہودگی کی انتہا نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

النبی

تفسیر ضیاء القران کے حوالہ سے اس کی تشریح اور معانی کی تحقیق پیش خدمت ہے۔

صاحب لسان العرب لفظ نبی کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

اس کے ماخذ اشتقاق کے متعلق اہل لغت کے تین قول ہیں۔

۱۔ یہ نَبَأٌ سے مشتق ہے۔

۲۔ یہ نُبُوۃٌ سے مشتق ہے۔

۳۔ یہ نَبَاوَۃٌ سے مشتق ہے۔

پہلے قول کے مطابق نبیٌّ بروزن فعیل بمعنی مفعل مخبر ہوگا یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا ہو۔

علامہ جوہری اور فراء دونوں کی یہ رائے ہے کہ نبأٌ سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا۔

الجوھری ، وَالنَّبِیُّ اَلْمُخْبِرُ مِنَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ لِاَنَّہٗ اَنْبَأَ عَنْہُ وَ
ھُوَ فَعِیْلٌ بِمَعْنٰی مُفْعِلٍ۔

قَالَ الْفَرَّاءُ : اَلنَّبِیُّ ھُوَ مَنْ اَنْبَأَ عَنِ اللّٰہِ وَتُرِکَ ھَمْزُہٗ

اور اگر اس کا ماخذ اشتقاق النبوۃ یا النباوۃ ہو تو اس کا معنی ہے بلند اور اونچی چیز۔ کیونکہ نبی

دوسروں سے ہر لحاظ سے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے اس لئے اسے نبی کہتے ہیں۔

وَاِنْ اُخِذَ مِنَ النَّبُوَۃِ وَالنَّبَاوَۃِ وَھِیَ الْاِرْتِفَاعُ عَنِ الْاَرْضِ اَوْھِیَ الشَّیْئُ الْمُرْتَفِعُ اَیْ اَنَّہٗ اَشْرَفُ عَلٰی سَائِرِ الْخَلْقِ

لیکن علامہ اصفہانی نے مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ نباء ہر خبر کو نہیں کہا جاتا بلکہ صرف اس خبر کو نباء کہتے ہیں جس میں تین اوصاف ہوں۔

۱۔ فائدہ مند ہو۔

۲۔ اہم اور عظیم ہو۔

۳۔ ایسی ہو کہ اس کے سننے سے علم یا کم از کم غلبہ ظن حاصل ہو۔

اصفہانی کی عبارت ہے۔

اَلنَّبَأُ ذُوْ فَائِدَۃٍ عَظِیْمَۃٍ یَحْصُلُ بِہٖ عِلْمٌ اَوْغَلَبَۃُ ظَنٍّ وَلَا یُقَالُ لِلْخَبَرِ فِی الْاَصْلِ نَبَأٌ حَتّٰی یَتَضَمَّنَ ھٰذِہِ الْاَشْیَاءَ الثَّلَاثَۃَ

اس لفظ پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

اَلنُّبُوَّۃُ سِفَارَۃٌ بَیْنَ اللّٰہِ وَبَیْنَ ذَوِی الْعُقُوْلِ مِنْ عِبَادِہٖ لِاِزَاحَۃِ عِلَّتِھِمْ فِیْ اَمْرِ مَعَادِھِمْ وَمَعَاشِھِمْ وَالنَّبِیُّ لِکَوْنِہٖ مُنَبِّئًا بِمَا تَسْکُنُ اِلَیْہِ الْعُقُوْلُ الذَّکِیَّۃُ وَھُوَیَصِحُّ اَنْ یَکُوْنَ فَعِیْلًا بِمَعْنٰی فَاعِلٍ وَاَنْ یَکُوْنَ بِمَعْنَی الْمَفْعُوْلِ

"نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان پیغام رسانی کو کہتے ہیں جس سے ان کی دنیا اور عقبیٰ کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ نبی کیونکہ ایسی باتوں سے آگاہ کرتا ہے جس سے عقل سلیم کو تسکین ہوتی ہے اس لئے یہ فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔" (۱)

(۲)

مولانا بدر عالم صاحب لفظ نبی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

۱۔ المفردات۔ لفظ نبی

۲۔ ضیاء القرآن، جلد چہارم، صفحہ ۹۔ ۱۰

کہ نبی کا لفظ نباء سے مشتق ہے اور لغت میں انباء گو ہر چیز کے لئے مستعمل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا عام استعمال اب صرف غیب کی خبروں میں ہونے لگا ہے .... اس لحاظ سے نبی اللہ کے معنی یہ ہوں گے اَلَّذِیْ نَبَّاَہُ اللہُ ' یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا ہو اور اس کو غیب کی خبریں دی ہوں۔ (۱)

الرَّسول

علامہ ابن منظور لسان العرب میں لفظ "رسول" کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اَلرَّسُوْلُ مَعْنَاہُ فِی اللُّغَۃِ الَّذِیْ یُتَابِعُ اَخْبَارَ الَّذِیْ بَعَثَہٗ

"رسول کا معنی لغت میں یہ ہے کہ جس نے اس کو بھیجا ہے اس کی اخبار کی پیروی کرے۔"

دائرۃ المعارف (اردو) میں لفظ رسول کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

جو اپنے بھیجنے والے کے احوال و واقعات کی مطابقت کرے عام استعمال میں یہ لفظ قاصد، ایلچی یا پیغام لانے والے کے لئے بولا جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں رسول سے مراد اللہ کا وہ برگزیدہ بندہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ انسانوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے مبعوث فرماتا ہے۔ (۲)

حقیقت نبوت

اگرچہ نبوت و رسالت کی حقیقت کو سمجھنا ہمارے بس کی بات نہیں اس کی ماہیت کو کماحقہ وہی نفوس قدسیہ سمجھ سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس منصب رفیع پر فائز فرمایا ہے۔ لیکن حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مفہوم کو ہمارے اذہان کے قریب تر کرنے کی سعی مشکور کی ہے اس کے مطالعہ سے مقام نبوت سے کچھ نہ کچھ تعارف ضرور ہو جاتا ہے۔ اتنا تعارف بھی ایک عام قاری کے لئے از بس مفید ہے۔ حجۃ الاسلام کی تصنیف لطیف "اَلْمُنْقِذُ مِنَ الضَّلَالِ" در حقیقت ان کی اپنی آپ بیتی ہے جس میں انہوں نے اپنے سیر روحانی کی

۱۔ ترجمان السنۃ۔ جلد چہارم۔ صفحہ ۲۴۱

۲۔ دائرۃ المعارف (اردو)۔ جلد دہم۔ صفحہ ۲۵۱۔ ۲۵۲

کیفیات قلم بند کی ہیں۔ اس کے ضمن میں "ضرورت نبوت" کے عنوان پر بحث کرتے ہوئے اپنے قارئین کو حقیقت نبوت سے بھی حتی الامکان روشناس کرانے کی کوشش فرمائی ہے۔ ان کی عبارت کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ان گنت اور بے شمار جہانوں سے وہ بالکل بے خبر ہوتا ہے اس میں سب سے پہلے لمس یعنی چھونے کی حس پیدا کی جاتی ہے۔ اس حس کی تخلیق سے موجودات کے متعدد انواع واقسام اس پر بے حجاب ہو جاتے ہیں۔ وہ حرارت اور ٹھنڈک، خشکی اور تری، ملائم اور درشت امور کا ادراک کرنے لگتا ہے۔ لیکن رنگ و روپ اور نغمہ و صوت کی دنیا سے وہ محض بے خبر ہوتا ہے اس کے نزدیک گویا ان اشیاء کا کوئی وجود ہی نہیں۔ پھر اس کو بینائی عطا کی جاتی ہے۔ جس سے وہ رنگوں۔ شکلوں اور صورتوں کے عالم سے آگاہ ہونے لگتا ہے اس سے اس کی دنیا پہلے سے وسیع تر ہو جاتی ہے۔ لیکن آواز اور کسی شے کے شیریں اور تلخ ہونے کا اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا گویا صوت و آہنگ اور شیریں و تلخ کا جہان اس کے لئے ابھی کتم عدم سے منصۂ شہود پر آیا ہی نہیں بعد ازاں اسے ذوق کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ اب وہ میٹھے کڑوے، پھیکے اور ترش وغیرہ اشیاء کو بھی پہچاننے لگتا ہے اسی طرح وہ قدم بقدم آگے بڑھتا رہتا ہے۔ جب اس کی عمر سات سال کے قریب ہوتی ہے تو اسے قوت تمیز سے بہرہ ور کر دیا جاتا ہے۔ جس سے پہلے وہ بے بہرہ تھا جب اس میں قوت تمیز کی آنکھ کھلتی ہے تو اسے ایک انوکھی حالت سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔ جو پہلے اسے میسر نہ تھی۔

صلاحیتوں کی نشو و نما میں اس کی پیش رفت جاری رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ جب عقل کی قوت اس میں تخلیق کی جاتی ہے اس قوت سے وہ واجبات، فرائض ممکنات اور مستحیلات وغیرہ امور پر آگاہی حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

امام فرماتے ہیں۔

اس عقل و فہم کی حالت سے ماورا ایک اور حالت ہے جس میں انسان کی وہ آنکھ کھلتی ہے جس سے وہ امور غیبیہ کو اور جو کچھ آئندہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والا ہے اس کو دیکھنے لگتا ہے یعنی وہ امور کہ جن کو سمجھنے سے عقل عاجز تھی جس طرح قوت تمیز عقل کی مدرکات کے فہم سے عاجز تھی بعینہٖ جس طرح حواس ظاہری مدرکات تمیز پالینے سے بے بہرہ اور بے بس تھے۔

اس مفصل بحث کا خلاصہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح بیان فرماتے

ہیں۔

كَمَا أَنَّ الْعَقْلَ طَوْرٌ مِنْ أَطْوَارِ الْآدَمِيِّ يَحْصُلُ فِيهِ عَيْنٌ يُبْصِرُ بِهَا أَنْوَاعًا مِنَ الْمَعْقُولَاتِ وَالْحَوَاسُّ مَعْزُولَةٌ عَنْهَا فَالنُّبُوَّةُ أَيْضًا عِبَارَةٌ عَنْ طَوْرٍ يَحْصُلُ فِيهِ عَيْنٌ لَهَا نُورٌ يَظْهَرُ فِي نُورِهَا الْغَيْبُ وَأُمُورٌ لَا يُدْرِكُهَا الْعَقْلُ

"جس طرح عقل انسان کی ایک مخصوص حالت کا نام ہے جس سے انسان کو وہ آنکھ ملتی ہے جس سے وہ معقولات کے مختلف انواع کو دیکھنے لگتا ہے جن کے ادراک سے حواس بے بہرہ ہوتے ہیں پس نبوت بھی اسی طرح ایک مخصوص حالت کا نام ہے جس میں نبی کو وہ آنکھ ارزانی ہوتی ہے۔ جو روشن اور بینا ہوتی ہے جس کے انوار کی روشنی میں غیب اور وہ امور نظر آنے لگتے ہیں جو عقل کی رسائی سے بالاتر ہیں۔" (۱)

نزولِ وحی کا آغاز

جس طرح پہلے بتایا جاچکا ہے کہ وحی کا آغاز سچی خوابوں کے دکھائے جانے سے ہوا۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ امام بیہقی سے مروی ہے کہ رؤیا صادقہ کی مدت چھ ماہ تھی اور اس کی ابتدا ربیع الاول شریف میں ہوئی جب کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک پوری چالیس سال ہوگئی۔ بیداری کی وحی کا آغاز ماہ رمضان المبارک میں ہوا۔ (۲)

لیکن اس بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ وہ کون سا مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور کو شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اور نزول وحی کا آغاز ہوا۔

ایک گروہ کی رائے ہے کہ ماہ ربیع الاول میں یہ شرف بخشا گیا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ماہ رمضان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ماہ رجب میں۔ لیکن نصوص قرآنی اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ نزول قرآن کی ابتداء رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوئی۔ ارشاد الٰہی ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

۱۔ المنقذ من الضلال صفحہ ۱۳۱۔ ۱۳۲ طبع دکتور عبدالحلیم محمود

۲۔ فتح الباری، جلد اول، صفحہ ۲۲

"رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔"

(سورۃ البقرہ: ۱۸۵)

دوسرا ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

"کہ ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔" (سورۃ قدر: ۱)

اور یہ امر مسلم ہے کہ لیلۃ القدر ماہ رمضان کی ایک رات ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ نزول وحی کا آغاز کس تاریخ کو ہوا۔ بعض نے سات۔ بعض نے سترہ بعض نے اٹھارہ رمضان المبارک کی تاریخیں مقرر کی ہیں لیکن اگر ہم اس تاریخ کے تعین کے لئے آیات قرآنی اور احادیث نبوی پر اعتماد کریں تو یہ الجھن بآسانی حل ہو جاتی ہے۔

نص قرآنی سے ثابت ہے کہ نزول قرآن کا آغاز ماہ رمضان میں ہوا یہ بھی آیت قرآنی سے ثابت ہوا کہ جس رات میں اس کا نزول ہوا اس رات کا نام لیلۃ القدر ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو مزید کرم فرمایا اور امت کی سہولت کے پیش نظر اس کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کی ترغیب دی ان آیات اور روایات کے مطالعہ سے ہم بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ نزول قرآن کا آغاز اکیسویں۔ تیئسویں۔ پچیسویں۔ ستائیسویں۔ اور انتیسویں راتوں میں سے کسی ایک رات میں ہوا ان پانچ راتوں میں سے وہ کون سی مخصوص رات ہے جس کو یہ سرمدی شرف و اعزاز نصیب ہوا تو اس بارے میں بھی زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث پاک ہمیں اس الجھن سے نکالنے کے لئے کافی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول مبارک تھا کہ ہر سوموار کو عام طور پر روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضرت ابو قتادہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ سوموار کے دن اکثر روزہ کیوں رکھتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ فِيْهِ وُلِدْتُ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ اور دوسری روایت میں ہے۔

ذٰلِكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيْهِ وَيَوْمٌ بُعِثْتُ اَوْ اُنْزِلَ عَلَيَّ فِيْهِ

"کہ اسی دن میری ولادت ہوئی اور اس دن میں مبعوث ہوا اور مجھ پر قرآن نازل ہوا۔" (صحیح مسلم)

اب ان پانچ راتوں میں سے یہ دیکھنا ہے کہ سوموار کی رات کون سی تھی۔ اگر یہ معلوم

ہو جائے تو پھر یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ تقویم علمی کے حساب سے اس آخری عشرہ میں سوموار کی دو راتیں بنتی ہیں ایک اکیسویں اور ایک اٹھائیسویں۔ طاق رات کیونکہ اکیسویں ہے اس لئے ان دلائل کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا قرین صحت ہے کہ اکیس رمضان المبارک کی بابرکت رات میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر اقدس پر ختم نبوت کا تاج سجا کر اور رحمۃ للعالمین کی خلعت فاخرہ پہنا کر خفتہ بخت انسانیت کی تقدیر کو جگانے کے لئے مبعوث فرمایا۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِىْ بَعَثَ اِلٰى خَلْقِهٖ اَحْسَنَهُمْ خَلْقًا وَاَكْرَمَهُمْ خُلُقًا مُحَمَّدًا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ صَلٰوةً وَّسَلَامًا كَثِيْرًا۔

فترۃ الوحی

یہ بات وضاحت سے لکھی جاچکی ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ کے چالیس سال پورے ہوگئے تو ماہ ربیع الاول میں آثار نبوت کا ظہور سچی خوابوں کی صورت میں شروع ہوگیا۔ چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا پھر رمضان المبارک کے مہینہ میں جب حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم حسب معمول غار حرا کی خلوتوں میں گوشہ نشین تھے عبادت وذکر الٰہی اور آیات ربانی میں غور و تدبر میں شب وروز منہمک تھے اس ماہ کی ایک بابرکت رات کی ایک سعید ترین ساعت میں نزول وحی کا آغاز ہوا اور جبرئیل امین نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کے رب قدوس کا پہلا روح پرور پیغام پہنچایا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (سورہ علق آیات ۱ تا ۵)۔

کچھ عرصہ کے لئے نزول وحی کا سلسلہ رک گیا۔ کان. سروش غیب کی لذتوں سے آشنا ہوچکے ہیں۔ روح اس پیغام کی لطافتوں کا مزا چکھ چکی ہے۔ دل بے قرار کو ان پیارے پیارے جملوں میں سکون واطمینان کا ایک گراں بہا خزانہ مل گیا ہے غار حرا کا خلوت نشین اس لطف عمیم کے لئے سراپا انتظار ہے وہ لمحہ اب کب آتا ہے جب محبوب حقیقی کی دل نواز صدا فردوس گوش بنے گی۔ روح کو قرار اور دل کو چین نصیب ہوگا۔ کئی راتیں گزر گئی ہیں۔ کئی دن بیت گئے ہیں۔ لیکن وہ سعادت آگیں گھڑی دوبارہ نہیں آئی۔ معلوم نہیں وہ قاصد فرخندہ فر، کب آئے گا۔ اگر وہ نہ آیا تو پھر کیا ہوگا۔ اس جان حزیں پر کیا گزرے گی. دل مضطرب کا کیا حال ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی یہ بے قراری اور بے چینی گوارا نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوگیا جس کا ذکر امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یوں کیا ہے۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَاَخْبَرَنِیْ اَبُوْسَلَمَةَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِیَّ قَالَ وَهُوَ یُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْیِ فَقَالَ فِیْ حَدِیْثِهٖ بَیْنَا اَنَا اَمْشِیْ اِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِیْ فَاِذَا الْمَلَكُ الَّذِیْ جَاءَنِیْ بِحِرَاءَ جَالِسٌ عَلٰی كُرْسِیٍّ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَرُعِبْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ

زَمِّلُوْنِیْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ اِلٰی قَوْلِهٖ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ فَحَمِیَ الْوَحْیُ وَتَتَابَعَ

ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ مجھے ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی کہ جابر بن عبداللہ انصاری جب فترۃ وحی کی حدیث بیان کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

دریں اثنا میں (حراء سے واپسی پر وادی میں) چل رہا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف سے آواز سنی۔ میں نے اپنی نگاہیں اوپر اٹھا کر دیکھا تو اچانک مجھے وہ فرشتہ نظر آیا جو حراء میں میرے پاس آیا تھا۔ وہ فرشتہ زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اسے اس حالت میں دیکھ کر میں مرعوب سا ہو گیا پھر میں گھر لوٹ آیا میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو جب میں چادر اوڑھ کر لیٹا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات مجھ پر نازل فرمائیں۔

یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (۷۴: ۱-۵)

"اے چادر لپیٹنے والے! اٹھئے اور لوگوں کو ڈرایئے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے لباس کو پاک رکھئے اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہئے۔"

اس کے بعد نزول وحی کا سلسلہ بڑی سرگرمی سے شروع ہو گیا۔

یہاں چند اہم امور غور طلب ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے ان پر غور کرنا ضروری ہے۔

۱۔ اس روایت کی اصلیت کیا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ فترۃ وحی کے عرصہ میں حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مایوسی کی حالت میں پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو نیچے گرا دینے کا کئی بار قصد کیا۔ ہر بار جبرئیل امین نے ظاہر ہو کر حضور کو اطمینان دلایا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

۲۔ فترۃ وحی کی مدت کے بارے میں صحیح قول کون سا ہے۔

۳۔ سب سے پہلے قرآن کریم کی کون سی آیات نازل ہوئیں۔

پہلے ہم مذکورہ بالا روایت کے بارے میں عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

امام بخاری نے "کتاب التعبیر" میں یہ روایت بایں الفاظ بیان کی ہے۔

وَفَتَرَ الْوَحْیُ فَتْرَۃً حَتّٰی حَزِنَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فِیْ مَا بَلَغَنَا حُزْنًا غَدَا مِنْہُ مِرَارًا کَیْ یَتَرَدّٰی مِنْ رُؤُسِ الْجِبَالِ فَکُلَّمَا اَوْفٰی بِذِرْوَۃِ جَبَلٍ لِکَیْ یُلْقِیَ مِنْہُ نَفْسَہٗ یَتَرَاٰی لَہٗ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ حَقًّا فَیَسْکُنُ لِذٰلِکَ جَاْشُہٗ وَتَقِرُّ عَیْنُہٗ حَتّٰی یَرْجِعَ فَاِذَا طَالَتْ عَلَیْہِ فَتْرَۃُ الْوَحْیِ غَدَا لِمِثْلِ ذٰلِکَ فَاِذَا اَوْفٰی بِذِرْوَۃِ جَبَلٍ یَتَرَاٰی لَہٗ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ لَہٗ مِثْلَ ذٰلِکَ

"کچھ عرصہ کے لئے نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا جس سے حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازحد غمگین ہوئے کئی بار پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس لئے گئے کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے پھینک دیں جب بھی اس خیال سے حضور پہاڑ کی کسی چوٹی پر پہنچتے تو جبرئیل سامنے نظر آنے لگتے اور یہ کہتے یَا مُحَمَّدُ اِنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ حَقًّا اے محمد! آپ بلاشبہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ یہ سن کر حضور کے دل کو قرار آتا اور جبرئیل کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور حضور واپس چلے آتے۔ پھر جب کچھ وقت گزر جاتا اور وحی کا سلسلہ منقطع رہتا تو حضور پھر بے چین اور مضطرب ہو کر پہاڑ کی کسی چوٹی کا رخ کرتے تاکہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے گرا دیں جبرئیل پھر نمودار ہو کر وہی تسلی آمیز جملہ دہراتے۔"

اس روایت کے مطالعہ سے دل میں طرح طرح کے شبہات انگڑائیاں لینے لگتے ہیں۔ کیا نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنی نبوت کے بارے میں یقین راسخ نہ تھا۔ کیا حضور کسی شک وشبہ میں مبتلا تھے۔ جس کے باعث حضور بار بار اپنی زندگی کا چراغ گل کرنے کا ارادہ کر کے پہاڑ کی کسی چوٹی پر پہنچتے اور حضرت جبرئیل کو نمودار ہو کر روکنا پڑتا۔ اور اِنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ حَقًّا کہہ کر شک وشبہ سے نجات دلانا پڑتی۔ کوئی امتی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے نبی کی نبوت پر اسے یقین راسخ نہ ہو۔ اسی طرح نبی پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی نبوت پر محکم ایمان لے آئے۔ اس لئے ہم سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کیونکر تصور کر سکتے ہیں کہ حضور ایسا کرتے تھے۔ یا مایوس ہو جاتے کیا نبی کا ظرف اتنا چھوٹا اور

حوصلہ اتنا تنگ ہوتا ہے کہ معمولی معمولی بات پر مایوس ہو جائے۔ اور مایوس بھی اتنا کہ زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دینے لگے۔

اس روایت کے بارے میں سیر حاصل بحث تو فضیلۃ الشیخ محمد الصادق ابراہیم عرجون نے اپنی کتاب "محمد رسول اللہ" میں کی ہے جو تقریباً سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ انہوں نے اس بحث کا حق ادا کر دیا ہے یہاں اس کو من و عن نقل کرنے کی تو گنجائش نہیں البتہ ان کی بحث کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ امید ہے اس کے مطالعہ سے قارئین کے شبہات کا مکمل طور پر ازالہ ہو جائے گا۔

بحث کا آغاز وہ اپنے اس پر جلال جملہ سے کرتے ہیں۔

هٰذَا الْبَلَاغُ اللَّصِيقُ بِحَدِيثِ بَدْءِ الْوَحْيِ بَاطِلٌ زَائِفٌ وَذٰلِكَ مِنْ وُجُوهٍ۔

"یعنی یہ فقرے جو بدء الوحی کی حدیث کے ساتھ باہر سے چسپاں کر دیئے گئے باطل ہیں۔ کھوٹے اور مردود ہیں اور اس کی کئی وجوہات ہیں۔"

پہلی وجہ:۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ جو علوم حدیث کے ماہر اور سنت نبویہ مطہرہ کے ائمہ کے سردار ہیں انہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس بلاغ کی نسبت معمر کی طرف ہو یا زہری کی طرف یہ مرفوع نہیں ہے درمیان میں دو یا تین واسطوں کا ذکر تک نہیں۔ معلوم نہیں یہ کس قسم کے لوگ تھے۔ یہ تسلیم کہ معمر اور زہری خود ثقہ ہیں۔ ان کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے۔ لیکن جن لوگوں سے انہوں نے یہ روایت نقل کی ہے ان کا نام تک بھی نہیں لیا گیا۔ تاکہ ہم تحقیق کر کے ان کے بارے میں فیصلہ کر سکیں کہ یہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر ثقہ راوی ہمیشہ ثقہ راوی سے ہی روایت کرتا ہے کبھی غیر ثقہ راویوں سے بھی ثقہ راوی روایت کرتے ہیں اس احتمال نے روایت کو پایہ اعتبار سے ساقط کر دیا ہے۔ اس لئے یہ حدیث ضعیف ہوگی۔ لکھتے ہیں۔

قَدْ يَرْوِي الثِّقَةُ عَنْ غَيْرِ الثِّقَةِ لِاَنَّهُ فِي نَظْرِهٖ وَتَقْدِيرِهٖ ثِقَةٌ وَهُوَ عِنْدَ غَيْرِهٖ ضَعِيفٌ لَا تُقْبَلُ رِوَايَتُهٗ

"کبھی ثقہ غیر ثقہ سے روایت کرتا ہے کیونکہ وہ اس کی نظر میں ثقہ ہوتا ہے لیکن دوسرے علماء کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔ اور اس کی روایت

قابل قبول نہیں۔" (۱)

یہ روایت زیادہ سے زیادہ امام زہری کی مرسلات میں سے ہوگی اور ان کی مرسلات کے بارے میں علماء جرح وتعدیل نے طویل گفتگو کی ہے ان کی مرسلات پر تنقید کرنے والوں میں یحیٰ بن سعید قطان پیش پیش ہیں اور یہ یحیٰ علماء ناقدین کے امام ہیں۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ امام زہری کی قوت حافظہ بے نظیر تھی۔ اس کے باوجود وہ معصوم نہ تھے۔

شیخ عرجون فرماتے ہیں کہ سند کے لحاظ سے اس بلاغ کو قابل اعتبار تسلیم کر بھی لیا جائے تو حدیث کی صحت کے لئے اتنا ہی کافی نہیں بلکہ سند کی صحت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا متن بھی صحیح ہو اور متن کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین کے اصولوں میں سے کسی اصول کے ساتھ ٹکراتا نہ ہو۔

چنانچہ علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

فَصِحَّةُ الْمَتْنِ شَرْطٌ مَعَ صِحَّةِ السَّنَدِ فِيْ قُبُوْلِ النَّصِّ الْمَسْمُوْعِ بِمَعْنٰى اَنَّ الْحَدِيْثَ يَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ صَحِيْحَ السَّنَدِ مَرْوِيًّا عَنِ الثِّقَاتِ وَالضَّابِطِيْنَ وَيَجِبُ مَعَ ذٰلِكَ اَنْ يَكُوْنَ صَحِيْحَ الْمَتْنِ فَلَا يَتَعَارَضُ مَعَ اَصْلٍ مِّنْ اُصُوْلِ الْاِيْمَانِ الْمُتَّفَقِ عَلَيْهَا بَيْنَ اَئِمَّةِ الدِّيْنِ وَالْعِلْمِ وَلَا يَتَعَارَضُ مَعَ الدَّلَائِلِ الظَّاهِرَةِ الَّتِيْ تُخَالِفُ مَدْلُوْلَ النَّصِّ الْمَرْوِيِّ بِالسَّنَدِ الصَّحِيْحِ

"سند کے صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ متن کا صحیح ہونا بھی شرط ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ وہ حدیث ایسے راویوں سے مروی ہو جو ثقہ اور ضابط ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ متن بھی صحیح ہو۔ یعنی ایمان کے وہ اصول جو ائمہ دین کے نزدیک متفق علیہ ہیں ان اصولوں میں سے کسی اصول کے ساتھ یہ متن ٹکرا نہ رہا ہو۔ اور ان قوی دلائل کے مخالف نہ ہو۔" (۲)

جب علماء حدیث کے نزدیک صحت حدیث کے لئے یہ تسلیم شدہ اصول ہے تو پھر یہ روایت

۱۔ محمد رسول اللہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۸۶۔ ۳۸۷

۲۔ محمد رسول اللہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۸۶۔ ۳۸۷

صحیح نہیں ہوگی کیونکہ یہ اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ کیونکہ اس سے عصمت انبیاء کا عقیدہ مجروح ہو جاتا ہے اور یہ عقیدہ دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ حضور کا بار بار حالتِ یاس میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس ارادہ سے جانا کہ اپنے آپ کو گرا کر زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ العیاذ باللہ حضور کو اپنی نبوت پر ایمان راسخ نہیں تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کی اجلی چادر پر اس سے زیادہ سیاہ داغ اور کیا لگایا جا سکتا ہے۔

دوسری وجہ:۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ فترۃ وحی کے بارے میں جو روایت مرفوعاً حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ حدیث ہم امام بخاری کے حوالہ سے اس بحث کی ابتدا میں نقل کر آئے ہیں آپ اس پر دوبارہ ایک نظر ڈال لیجئے آپ کو اس قسم کا کوئی اشارہ بھی وہاں نہیں ملے گا۔

مرفوع حدیث. مرسل حدیث سے یقیناً راجح ہوتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حدیث بھی امام زہری کے واسطہ سے مروی ہے ہمارے سامنے امام زہری کی دو روایتیں ہیں ایک مرفوع متصل اور دوسری مرسل اور منقطوع۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ ان میں سے آپ کس کو ترجیح دیں گے یقیناً مرفوع متصل کو ہی آپ ترجیح دیں گے اور اس میں اس واقعہ کے بارے میں اشارۃً بھی کہیں ذکر نہیں اگرچہ شیخ عرجون نے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں اور ان کی ہر دلیل بڑی بصیرت افروز اور ایمان پرور ہے لیکن میں انہیں دلائل کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں امید ہے قارئین کرام پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی ہوگی کہ وہ روایت جس میں پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا دینے کے ارادے کا ذکر ہے پایۂ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے قابل اعتنا نہیں۔

فترۃ وحی کے زمانے سے مراد یہ ہے کہ اس عرصہ میں وحی کا نزول نہیں ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بارگاہ رسالت میں جبرئیل امین کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ پہلی وحی کے نزول کے وقت جو رعب اور ہیبت طاری ہو گئی تھی اس کا اثر زائل ہو جائے نیز دوبارہ وحی کے نزول کے لئے ذوق شوق اپنے عروج پر پہنچے۔

اب ہم دوسرے سوال پر غور کرتے ہیں کہ فترۃ الوحی کا سلسلہ کتنے عرصہ تک جاری رہا۔ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

امام احمد نے اپنی تاریخ میں شعبی سے یہ قول نقل کیا ہے۔

اِنَّ فَتْرَةَ الْوَحْيِ كَانَتْ ثَلَاثَ سِنِيْنَ

"کہ فترۃ الوحی کی مدت تین سال تھی۔"

امام سہیلی نے اڑھائی سال کی مدت بتائی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ یہ مدت چالیس روز تھی۔ تفسیر ابن جوزی میں پندرہ دن اور مقاتل نے یہ مدت تین دن بتائی ہے امام محمد بن یوسف الصالحی یہ اقوال لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

لَعَلَّ هٰذَا هُوَ الْاَشْبَهُ بِحَالِهٖ عِنْدَ رَبِّهٖ لَا مَا ذَكَرَهُ السُّهَيْلِيُّ وَاحْتَجَّ لِصِحَّتِهٖ

بارگاہ الٰہی میں جو مقام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے اس کے پیش نظر یہ آخری قول (تین دن) زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اس قول کے جو سہیلی نے کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

بعض لوگوں نے شعبی کی روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے فترۃ کی مدت اڑھائی سال قرار دی ہے لیکن شعبی کی روایت مرسل ہے اور حضرت ابن عباس کی مرفوع روایت کے معارض ہے۔ جس کو ابن سعد نے آپ سے نقل کیا ہے۔

وَلٰكِنْ يُعَارِضُهٗ مَا اَخْرَجَهُ ابْنُ سَعْدٍ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِنَحْوِ هٰذَا الْبَلَاغِ الَّذِيْ ذَكَرَهُ الزُّهْرِيُّ وَقَوْلُهٗ مَكَثَ اَيَّامًا بَعْدَ مَجِيْءِ الْوَحْيِ لَا يَرٰى جِبْرَئِيْلَ ثُمَّ تَتَابَعَ الْوَحْيُ۔

شعبی کی اس روایت کے برعکس حضرت ابن عباس نے اپنی روایت میں فترۃ وحی کی مدت صرف چند روز بتائی ہے جیسے ابن سعد نے ان سے نقل کیا ہے۔ اور یہ روایت کیونکہ مرفوع ہے اس لئے شعبی کی روایت سے اقویٰ اور ارجح ہے۔ (۱)

آخری تحقیق طلب امر یہ ہے کہ قرآن کریم کی کون سی آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں۔

مشہور روایت تو یہ ہے کہ سورہ العلق کی پہلی پانچ آیتیں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیتیں ہیں۔ چند روایات میں یہ مذکور ہے کہ سورہ مدثر کی ابتدائی آیات کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ اور بعض روایات میں سورۂ والضحیٰ کو سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کہا گیا ہے ان مختلف روایات کی تطبیق یوں کی گئی ہے کہ حقیقی اولیت کا شرف تو اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ الآیہ کو حاصل ہے اور فترۃ وحی کے اختتام پر سب

۱۔ فتح الباری، کتاب التعبیر، جلد اول، صفحہ ۳۱۳

سے پہلے جو آیتیں نازل ہوئیں وہ سورۃ المدثر کی پہلی آیتیں ہیں یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ تا وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ" کیونکہ صحیحین کی روایت اسی کی تائید کرتی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

فَهٰذَا كَانَ اَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ بَعْدَ فَتْرَةِ الْوَحْيِ لَا مُطْلَقًا ذَاكَ قَوْلُهٗ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ

"سورہ مدثر کو اول اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے اس کا نزول ہوا۔ ورنہ مطلقاً اولیت کا شرف اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ کو حاصل ہے۔" (۱)

پھر کچھ عرصہ بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بیمار ہوگئے علالت کی وجہ سے رات کا قیام بھی نہ ہو سکا جس پر ایک مشرک عورت نے بڑی بے حیائی کا ثبوت دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ جو صحیح بخاری میں بایں الفاظ مروی ہے۔

عَنْ جُنْدُبُ بْنُ سُفْيَانَ الْبَجَلِيْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَكٰى فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا فَجَاءَتْ اِمْرَاَةٌ وَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ يَكُوْنَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ. لَمْ يَقْرَبْكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ اَوْ ثَلَاثٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَالضُّحٰى اِلٰى اٰخِرِ السُّوْرَةِ

"جندب بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بیمار ہوگئے اور دو یا تین راتیں قیام نہ فرما سکے پس ایک مشرک عورت آئی اور کہنے لگی یا محمد۔ میں خیال کرتی ہوں کہ (نعوذ باللہ) تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے۔ اور دو تین رات سے تیرے قریب نہیں آیا (اس دلخراش اور نازیبا جملہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب نازک کو جو تکلیف ہوئی ہوگی اس کا آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں) اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دلجوئی کے لئے یہ سورہ مبارکہ (والضحیٰ) نازل فرمائی۔" (۲)

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد اول صفحہ ۴۱۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ والضحیٰ

ان تمام روایات کو سامنے رکھتے ہوئے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وحی کا آغاز اقراء سے ہوا کچھ عرصہ کے لئے نزول وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ جب از سر نو وحی کا نزول شروع ہوا تو پہلے "یٰاَیُّہَا الْمُدَّثِّرُ" آیات نازل ہوئیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد حضور کا مزاج ہمایوں ناساز ہو گیا جس کی وجہ سے قیام لیل کا عمل موقوف ہو گیا۔ اس اثناء میں کفار نے طعن و تشنیع کے تیر چلانے شروع کر دیئے اس کے بعد سب سے پہلے سورہ والضحیٰ نازل ہوئی۔ جس میں بڑے پیارے انداز میں رب کائنات نے اپنے محبوب کو دلاسے دیئے اور دلجوئیاں کیں۔

آغاز رسالت

نبوت کا اظہار تو سورہ العلق کی ابتدائی پانچ آیات کے نزول سے ہو گیا۔ لیکن رسالت کا آغاز اس وقت ہوا جب سورہ المدثر کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔ ارشاد فرمایا گیا۔

یٰاَیُّہَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ	اے چادر لپیٹنے والے! اٹھئے اور لوگوں کو ڈرایئے۔
وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ	اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے۔
وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ	اور اپنے لباس کو پاک رکھیئے۔
وَالرُّجْزَ فَاہْجُرْ	اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہیے۔
وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ	کسی پر احسان نہ کیجئے زیادہ لینے کے لئے۔
وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ	اور اپنے رب کی رضا کے لئے صبر کیجئے۔

یہ وہ آیات طیبات ہیں جن سے رسالت محمدی کا آغاز ہوا۔

اپنے رب کریم کا یہ حکم ملتے ہی سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے کمر ہمت باندھ لی حق کا علم بلند کرنے کے لئے، ظلمت کدہ عالم کو نور توحید سے منور کرنے کے لئے باطل کو ہر میدان میں شکست فاش دینے کے لئے یتیم مکہ نے عزم مصمم کر لیا۔ بادیہ ضلالت میں صدیوں سے بھٹکنے والے قافلہ انسانیت کو منزل مراد تک پہنچانے کے لئے جو قدم اٹھا۔ وہ ہمیشہ آگے ہی بڑھتا گیا۔ مخالفت کا کوئی طوفان اس کی برق رفتاری کو متاثر نہ کر سکا۔ عداوت و حسد کے کتنے ہی آتش کدے بھڑکائے گئے لیکن اس بشیر و نذیر رسول کے مبارک قدموں کی برکت سے وہ گلستانوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ تند و تیز آندھیاں اس کے روشن کئے ہوئے چراغوں کو بجھا نہ سکیں، اس کے جاں نثاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے لیکن ان کی حوصلہ مندیوں میں ذرا فرق نمایاں نہ ہوا۔

حکم الٰہی

نزول وحی کے بعد سب سے پہلا حکم الٰہی نماز ادا کرنے کے بارے میں تھا۔ حضرت جبرئیل، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہمراہ لے کر ایک وادی میں سے گزرے۔ جبرئیل نے اپنا پر مارا۔ وہاں سے پانی کا ایک چشمہ اُبل پڑا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں جبرئیل نے وضو کیا۔ پھر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اسی طرح وضو کیا پھر جبرئیل نے حضور کی معیت میں نماز ادا کی یہ نماز دو رکعتوں پر مشتمل تھی۔ اس کی ادائیگی کے دو وقت تھے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ پانچ وقت کی نماز تو "اسراء" کی رات فرض ہوئی۔ ان کے اوقات کی تعلیم کے لئے جبرئیل امین دو روز برابر حاضر ہوتے رہے اور حضور کو نماز پڑھنے کا طریقہ اور اس کے اوقات کی تعلیم دیتے رہے۔ چنانچہ علامہ محمد بن یوسف صالحی لکھتے ہیں۔

> قَالَ السُّہَیلِیُ ذَکَرَ الْحَرْبِیُ وَیَحْیَی بْنُ سَلَامٍ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ قَبْلَ الْاِسْرَاءِ صَلٰوۃً قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ وَصَلٰوۃً قَبْلَ طُلُوْعِہَا۔ وَنَقَلَ ابْنُ الْجَوْزِی عَنْ مُقَاتِلِ بْنِ سُلَیْمَانَ قَالَ فَرَضَ اللہُ تَعَالٰی عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ فِیْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ رَکْعَتَیْنِ بِالْغَدَاۃِ وَرَکْعَتَیْنِ بِالْعَشِیِّ
>
> "سہیلی کہتے ہیں کہ حربی اور یحییٰ بن سلام نے کہا کہ شب معراج سے قبل دو نمازیں فرض تھیں، ایک غروب آفتاب سے پہلے اور ایک طلوع آفتاب سے پہلے ابن جوزی نے مقاتل بن سلیمان سے نقل کیا ہے کہ ابتدائے اسلام میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر دو رکعتیں صبح کو اور دو رکعتیں شام کو فرض کی تھیں۔" (۱)

وضو کی آیت تو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ لیکن وضو کی فرضیت کا حکم پہلی نماز کی فرضیت کے ساتھ دیا گیا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے بغیر وضو کے کوئی نماز ادا نہیں کی۔

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد جلد دوم۔ صفحہ ۴۰۰

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت کو آیت تیمم فرمایا کرتی تھیں کیونکہ تیمم کا حکم پہلی بار اس آیت میں نازل ہوا۔

دعوتِ اسلام

اور

اُسکے مختلف ادوار

دعوتِ اسلام اور اس کے مختلف اَدوار

سب سے پہلے ایمان لانے والے

تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ

خَدِیجَةُ اَوَّلُ خَلْقِ اللّٰهِ اَسْلَمَ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِیْنَ لَمْ یَتَقَدَّمْهَا رَجُلٌ وَّلَا اِمْرَاَةٌ۔

"یعنی اللہ کی ساری مخلوق میں سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجہ اسلام لائیں۔ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی مرد اور کوئی عورت آپ سے پہلے اسلام نہیں لایا۔" (۱)

علامہ ابن ہشام اپنی سیرت میں رقمطراز ہیں۔

وَاٰمَنَتْ بِهٖ خَدِیجَةُ بِنْتُ خُوَیْلِدٍ وَصَدَّقَتْ بِمَا جَاءَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَوَازَرَتْهُ عَلٰی اَمْرِهٖ وَكَانَتْ اَوَّلَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ صَدَّقَتْ بِمَا جَاءَ مِنْهُ وَخَفَّفَ اللّٰهُ بِذٰلِكَ عَنْ نَبِیِّهٖ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَسْمَعُ شَیْئًا مِمَّا یَكْرَهُهٗ مِنْ رَدٍّ عَلَیْهِ وَتَكْذِیْبٍ لَهٗ فَیُحْزِنُهٗ ذٰلِكَ اِلَّا فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا اِذَا رَجَعَ اِلَیْهَا تُثَبِّتُهٗ وَتُخَفِّفُ عَلَیْهِ وَتُصَدِّقُهٗ وَتُهَوِّنُ عَلَیْهِ اَمْرَ النَّاسِ رَحِمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حضرت خدیجہ بنت خویلد، ایمان لے آئیں۔ حضور کی تصدیق کی اور رسالت کی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں حضور کی ڈھارس بندھائی۔ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں۔ حضور کی تصدیق کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے

۱۔ الکامل ابن اثیر، جلد دوم، صفحہ ۳۷

ذریعہ اپنے محبوب نبی کے بوجھ کو ہلکا کیا۔ جب مخالفین حضور کے ساتھ تلخ کلامی کرتے یا جھٹلاتے تو حضور کو بہت دکھ ہوتا لیکن حضور جب گھر تشریف لاتے تو ام المؤمنین ایسی گفتگو کرتیں کہ غم واندوہ کے بادل چھٹ جاتے۔ وہ حضور کو ثابت قدمی پر ابھارتیں۔ اس غم کو ہلکا کرتیں۔ حضور کی تصدیق کرتیں۔ اس طرح لوگوں کی مخالفتوں کے باعث دل کو جو ملال اور رنج پہنچتا اس کا ازالہ کر دیتیں اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔" (۱)

ایمان لانے میں سب سے سبقت لے جانے اور ہر مرحلہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کرتے رہنے کا صلہ بارگاہ الٰہی سے حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کو یہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو سرور انبیاء کے پاس بھیجا۔ جب حضور غار حرا میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آکر عرض کی۔

اِقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامُ مِنْ رَبِّهَا وَمِنِّي وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ فَقَالَتْ هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ وَعَلَى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلسَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

یارسول اللہ! اپنے رب کی طرف سے اور میری طرف سے حضرت خدیجہ کو سلام پہنچایئے اور انہیں خوشخبری دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت میں موتیوں کا بنا ہوا ایک محل مخصوص کیا ہے جس میں کوئی شور نہیں ہوگا اور نہ کوئی کوفت۔ حضرت ام المؤمنین نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی سلام ہے ساری سلامتیاں اسی سے ہیں۔ جبرئیل پر سلام ہو۔ اور یارسول اللہ آپ پر سلام ہو نیز اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔" (۲)

اس جواب میں بارگاہ صمدیت کے آداب کا جس طرح خیال رکھا گیا ہے اس سے جہاں آپ کی عقلمندی اور دانشمندی کا پتہ چلتا ہے اس طرح آپ کی ایمانی قوت اور یقین کی نور افشانیاں بھی نمایاں ہو رہی ہیں۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۵۹

۲۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۱۷۵

سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعثت سے پہلے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم تھے ایک دوسرے کے پاس آمدورفت، نشست و برخاست، ہر اہم بات پر صلاح مشورہ، ہر روز کا معمول تھا۔ کئی تجارتی سفر جو بیرون ملک پیش آئے ان میں بھی ابو بکر حضور کے ہم سفر رہے طبائع میں کمال یکسانیت کے باعث باہمی انس و محبت بھی درجہ کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ اس بے تکلف میل جول کے باعث حضرت ابو بکر حضور سرور عالم کے کمالات و محامد کے عینی شاہد تھے اور دل سے گرویدہ تھے اس عرصہ میں آپ نے کئی خواب دیکھے جنہوں نے آپ کے قلب و ذہن کو حضور کی محبت اور عقیدت کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ شیخ محمد ابو زہرہ رحمتہ اللہ علیہ نے الروض الانف کے حوالے سے ایک خواب ذکر کیا ہے، جو درج ذیل ہے۔

حضرت ابو بکر نے ایک رات خواب دیکھا کہ چاند مکہ میں اترا ہے اور تمام گھروں میں اس کی روشنی پھیل گئی ہے اور اس کا ایک ایک ٹکڑا ہر گھر میں گرا ہے پھر آپ نے دیکھا کہ چاند کے بکھرے ہوئے ٹکڑے یکجا ہو گئے اور وہ مکمل چاند ان کی گود میں آ گیا۔ اہل کتاب کے کسی عالم سے آپ نے اس خواب کی تعبیر پوچھی اس نے بتایا کہ وہ نبی جس کی آمد کے ہم منتظر ہیں اور جس کے ظہور کی گھڑی بالکل قریب آ گئی ہے وہ ظاہر ہو گا۔ اور آپ اس کی اطاعت و پیروی کریں گے اور اس کی اطاعت کی برکت سے آپ سارے جہان میں سعید ترین شخص ہوں گے ایسے خوابوں نے اور ہر روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالات کے مشاہدہ نے انہیں اس سروش غیب کے لئے سراپا گوش بنا دیا جس کا سارے عالم کو انتظار تھا۔ اور علماء کتاب جس کی آمد کا برملا اعلان کرتے رہتے تھے مختلف سفروں کے دوران میں آپ نے حضور سے ایسی علامات دیکھی تھیں، جو حضور کی عظمت شان اور درخشاں مستقبل کی پیشین گوئی کر رہی تھیں، گویا رحمت خداوندی نے اپنے محبوب کی رفاقت کے لئے ابو بکر کو چن لیا تھا۔ اور ذہنی طور پر ان کو یوں تیار کر لیا تھا کہ ادھر نور نبوت چمکے ادھر یہ اس کے اجالے کو عام کرنے کے لئے اپنی ساری توانائیاں پیش کر دیں ادھر دعوت حق کا اعلان ہو۔ ادھر لبیک اللھم لبیک کی صدائیں اس کے استقبال کے لئے ان کی دل کی گہرائیوں سے بلند ہونے لگیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب آپ کو ایمان لانے کی دعوت دی تو بلا ادنیٰ تامل انہوں نے اس کو قبول کر لیا

سرور عالم خود فرماتے ہیں۔

مَا دَعَوْتُ اَحَدًا اِلَی الْاِسْلَامِ اِلَّا کَانَتْ عِنْدَہٗ کَبْوَۃٌ وَتَرَدُّدٌ وَنَظْرٌ اِلَّا اَبَا بَکْرٍ مَا عَکَمَ عَنْہُ حِیْنَ ذَکَرْتُہٗ لَہٗ وَلَا تَرَدَّدَ

"میں نے جس کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ تو اس کا پاؤں پھسلا۔ اور وہ تشویش میں مبتلا ہوا اور غور و فکر کرنے لگا۔ سوائے ابو بکر کے۔ اس نے نہ تردد کیا اور نہ جھجکا۔" (۱)

حقیقت یہ ہے کہ ورقہ اور دیگر علماء اور راہبوں نے حضور کے بارے میں بڑی پیش گوئیاں کی تھیں جن کو حضرت ابو بکر نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔ آپ کو یقین تھا کہ اس ہستی کو اللہ تعالیٰ نبی بنا کر مبعوث فرمانے والا ہے اور اس گھڑی کے لئے آپ شدت سے منتظر رہا کرتے تھے کہ حضور اپنی نبوت کا اعلان کریں اور یہ جلدی سے حضور کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے ایمان لانے کا شرف حاصل کریں چنانچہ ایک روز آپ، حکیم بن حزام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حکیم کی لونڈی اس کے پاس آئی اور بتایا کہ آپ کی پھوپھی خدیجہ آج یہ خیال کر رہی ہیں کہ ان کے خاوند نبی مرسل ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام تھے یہ سن کر ابو بکر خاموشی سے کھسک گئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ اور آپ سے خبر دریافت کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحی کی آمد کا واقعہ انہیں بتایا اور آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اسی وقت حضرت ابو بکر نے کہا۔

صَدَقْتَ بِاَبِیْ وَاُمِّیْ اَنْتَ وَاَھْلُ الصِّدْقِ اَنْتَ اَنَا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللہِ۔

"آپ نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے سچ فرمایا ہے اور آپ سچوں میں سے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

علامہ زرقانی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

شرح مواہب اللدنیہ میں علامہ زرقانی لکھتے ہیں۔

وَقُوْعُ اِسْلَامِ صِدِّیْقٍ عَقَبَ اِسْلَامِ خَدِیْجَۃَ لِاَنَّہٗ کَانَ یَتَوَقَّعُ

ا۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۳۰۶

ظُهُوْرَ نُبُوَّتِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِمَا سَمِعَهُ مِنْ وَرَقَةَ وَكَانَ۔
اَتٰى اَبُوْبَكْرٍ۔ يَوْمًا عِنْدَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اِذْ جَاءَتْ مَوْلَاةٌ
.....فَانْسَلَّ اَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ

"کہ حضرت خدیجہ کے ایمان کے فوراً بعد حضرت صدیق مشرف باسلام ہوئے کیونکہ آپ کو یہ توقع تھی کہ حضور اپنی نبوت کا اعلان فرمانے والے ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور کے بارے میں آپ نے ورقہ بن نوفل سے بہت کچھ سنا تھا۔ ایک روز حکیم بن حزام کے پاس حضرت ابو بکر بیٹھے تھے کہ ان کی لونڈی آئی اور حکیم کو بتایا کہ ان کی پھوپھی خدیجہ آج کہہ رہی تھیں کہ ان کے خاوند موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی مرسل ہیں یہ سنتے ہی حضرت ابو بکر چپکے سے وہاں سے کھسک گئے اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔" (۱)

اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت خدیجہ اور حضرت ابو بکر کی جو توصیف اور مدح حضور نے فرمائی ہے وہ مضمون کے اعتبار سے بالکل ایک جیسی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم جب بھی گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو نکلنے سے پہلے حضرت خدیجہ کا ذکر کرتے اور ان کی تعریف فرماتے حضرت عائشہ کہتی ہیں ایک دن اسی طرح حضور نے ان کا ذکر کیا اور ان کی تعریف فرمائی تو مجھے بڑی غیرت آئی۔ میں نے کہا وہ ایک بوڑھی عورت تھیں اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت بہتر ازواج آپ کو دی ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم یہ بات سن کر بڑے غضبناک ہوئے شدت غضب سے پیشانی کے بال کانپنے لگے پھر فرمایا بخدا ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر اس کے بدلے کوئی زوجہ مجھے نہیں دی وہ میرے ساتھ ایمان لائی جب کہ لوگوں نے کفر کیا۔ اس نے میری تصدیق کی۔ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ اس نے اپنے مال سے میری دلجوئی کی جب لوگوں نے مجھے محروم کیا اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی جب کہ دوسری ازواج سے اولاد پیدا نہ ہوئی۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ آئندہ میں آپ کا ذکر کرتے وقت ان کی عیب جوئی نہیں کروں گی۔

اسی طرح حضرت ابو بکر اور حضرت عمر میں تلخ کلامی ہوئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

ا۔ محمد رسول اللہ از محمد الصادق عرجون، جلد اول، صفحہ ۵۲۲

اس سے بڑی تکلیف ہوئی حضور نے حضرت عمر کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر مبعوث کیا تو تم نے مجھے جھٹلایا اور ابو بکر نے کہا یہ سچا ہے اس نے اپنی ذات اور مال سے میری دلجوئی کی کیا تم میرے لئے میرے اس دوست کو چھوڑو گے یا نہیں۔

ان احادیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت خدیجہ، حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ (۱)

آپ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کا نام بدل کر عبداللہ رکھا۔ ابو بکر آپ کی کنیت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ

کُنِیَ بِاَبِیْ بَکْرٍ لِابْتِکَارِہٖ بِالْخِصَالِ الْحَمِیْدَۃِ۔

"خصال حمیدہ میں جدت طراز ہونے کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو بکر رکھی گئی۔"

آپ کا لقب عتیق تھا۔ کیونکہ آپ بڑے خوبرو اور خوش شکل تھے اس لئے آپ کو عتیق کے لقب سے ملقب کیا گیا اور بعض کے نزدیک یہ لقب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے آپ کو دیا کیونکہ حضور نے آپ کو خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آتش جہنم سے آزاد کر دیا۔

اب رہا یہ سوال کہ سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف کس کو حاصل ہوا۔

اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس امر پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ ساری امت اسلامیہ میں سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان کے بعد اولیت کا شرف حضرت علی مرتضیٰ کو حاصل ہوا یا صدیق اکبر کو اس کے بارے میں متعدد روایات ہیں علماء ربانیین نے ان مختلف روایات میں یوں تطبیق کی ہے۔ کہ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت خدیجہ کو حاصل ہوا بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت علی مرتضیٰ کو حاصل ہوا اور بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے کی سعادت حضرت ابو بکر صدیق کو نصیب ہوئی۔ انہوں نے اسلام قبول بھی کیا اور اس کا اعلان بھی کیا۔ غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے زید بن حارثہ تھے۔

لیکن ابن جوزی صفوۃ الصفوۃ میں شعبی سے روایت کرتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَوَّلُ مَنْ صَلّٰی اَبُوْبَکْرٍ وَتَمَثَّلَ بِاَبْیَاتِ حَسَّانٍ

۱۔ محمد رسول اللہ از محمد الصادق۔ جلد اول۔ صفحہ ۵۲۳

بنِ ثابتِ

إِذَا تَذَكَّرْتَ شَجْوًا مِنْ أَخِيْ ثِقَةٍ ۔۔۔ فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَا بَكْرٍ بِمَا فَعَلَا

خَيْرَ الْبَرِيَّةِ أَتْقَاهَا وَأَفْضَلَهَا ۔۔۔ بَعْدَ النَّبِيِّ وَأَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا

وَالثَّانِي التَّالِي الْمَحْمُوْدُ مَشْهَدُهُ ۔۔۔ وَأَوَّلَ النَّاسِ مِنْهُمْ صَدَّقَ الرُّسُلَا

ترجمہ اشعار حضرت حسان رضی اللہ عنہ

"جب تم اپنے قابل اعتماد بھائی کے حزن وملال کو یاد کرنا چاہو تو اپنے بھائی ابو بکر کو یاد کرو ان تکالیف کے باعث جو انہوں نے برداشت کیں۔ نبی کریم کے بعد وہ ساری مخلوق سے بہتر۔ سب سے زیادہ متقی اور سب سے افضل تھے انہوں نے جو ذمہ داری اٹھائی اس کو پورا کرنے میں سب سے زیادہ وفادار تھے۔ حضور کے بعد آنے والے دوسرے آپ تھے آپ کا مشہد قابلِ تعریف تھا اور ان لوگوں میں سب سے پہلے تھے جو رسولوں پر ایمان لائے۔" (۱)

سہیلی کہتے ہیں کہ حضرت حسان نے یہ مدحیہ اشعار حضرت صدیق اکبر کی شان میں لکھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں سنا اور ان کی تردید نہیں کی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت صدیق اکبر کو نصیب ہوا آزاد شدہ غلاموں میں زید بن حارثہ اور غلاموں میں حضرت بلال کو اسلام لانے میں اولیت کا شرف حاصل ہوا۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ:۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ جناب ابو طالب کثیر العیال تھے۔ اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح خوش حال نہ تھے مکہ میں قحط پڑا اس سے ان کی مالی حالت اور زیادہ کمزور ہو گئی۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے آپ کی یہ تکلیف دیکھی نہ جا سکی حضور اپنے چچا حضرت عباس کے پاس گئے اور انہیں اس بات کی ترغیب دی کہ ہمیں مل کر جناب ابو طالب کا بوجھ بانٹ لینا چاہیے ان کا ایک بیٹا میں لے لیتا ہوں۔ اس کی کفالت میں کروں گا۔ ایک لڑکا آپ لے لیں۔ اور اس کی کفالت آپ اپنے ذمہ لے لیں اس طرح ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا چنانچہ دونوں جناب ابو طالب کے پاس گئے اور اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ حضرت ابو طالب کے چار بیٹے تھے۔

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۴۰۶

وہ سب ایک دوسرے سے دس دس سال چھوٹے تھے طالب۔ عقیل جعفر اور علی۔ انہوں نے کہا کہ عقیل اور طالب کو آپ میرے پاس رہنے دیں اور باقی بچوں کے بارے میں جو آپ لوگوں کی مرضی ہو کریں چنانچہ حضرت علی کو جو سب سے کمسن تھے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی کفالت میں لے لیا اور جعفر کو حضرت عباس اپنے ساتھ لے گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو اعلان نبوت سے پہلے ہی آغوش نبوت میں پہنچا دیا۔ تاکہ یہ قطرہ، صدف احمدی میں پرورش پاکر درشہوار بنے اپنے علمی اور روحانی انوار ساطعہ سے تاقیامت اکناف عالم کو منور اور روشن کرتا رہے۔

آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد فرماتی ہیں۔

جب میرا یہ بچہ پیدا ہوا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اس کا نام علی رکھا۔ اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی زبان مبارک اس مولود مسعود کو چوسنے کے لئے اس کے منہ میں ڈالی جسے یہ بچہ چوستا رہا یہاں تک کہ سو گیا۔ (۱)

حضرت سیدنا علی کے ایمان لانے کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

ایک روز آپ کاشانہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ دیکھا۔ کہ حضور کریم اور حضرت خدیجہ دونوں نماز پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنُ اللّٰهِ الَّذِي اصْطَفَاهُ لِنَفْسِهٖ وَبَعَثَ بِهٖ رُسُلَهٗ فَاَدْعُوْكَ اِلَى اللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاِلٰى عِبَادَتِهٖ وَاِلَى الْكُفْرِ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے اپنے لیے پسند کیا ہے اور اس کی تبلیغ کے لیے رسول مبعوث کئے ہیں۔ پس میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاؤ اور اس کی عبادت کرو۔ اور لات و عزیٰ کے ساتھ کفر کرو۔" (۲)

حضرت علی نے جواب دیا یہ عجیب بات ہے اس کے بارے میں، میں نے آج تک نہیں سنا۔ جب تک میں اپنے والد سے مشورہ نہ کرلوں میرے لئے کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔

حضور نے فرمایا اے علی! اگر تم اسلام نہیں لانا چاہتے تو کم از کم اس راز کو افشا نہ کرنا۔

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۸۲

۲۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۸۲

ایک رات یوں ہی گزر گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو نور ایمان سے روشن کر دیا وہ صبح سویرے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ سوموار کا دن تھا۔ جب حضرت علی نے حضور کو مع ام المؤمنین نماز پڑھتے دیکھا منگل کے روز آپ مشرف باسلام ہوئے اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی۔ ایک روایت میں آپ کی عمر دس سال بیان کی گئی ہے اگرچہ آپ بالغ نہیں ہوئے تھے۔ لیکن سن تمیز کو پہنچ چکے تھے ابتداء میں آپ نے ایمان کو اپنے والد کے خوف سے پوشیدہ رکھا۔ آخر یہ راز فاش ہو گیا۔ انہوں نے اپنے فرزند علی کو امام الانبیاء کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ پوچھا اے بیٹے یہ کیسا دین ہے جو تو نے اختیار کیا ہے آپ نے جواب دیا۔

يَا أَبَتِ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَصَدَّقْتُ بِمَا جَاءَ بِهٖ وَ صَلَّيْتُ مَعَهٗ لِلّٰهِ وَاتَّبَعْتُهٗ، قَالَ لَهٗ اَمَا اِنَّهٗ لَمْ يَدْعُكَ اِلَّا اِلٰى خَيْرٍ فَالْزَمْهُ۔

"اے میرے باپ! میں اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں اور جو دین لے کر یہ آئے ہیں اس کی میں نے تصدیق کی ہے اور آپ کی معیت میں اللہ کے لئے نماز پڑھی ہے اور آپ کی پیروی کی ہے۔ حضرت ابو طالب نے فرمایا اے علی! انہوں نے تمہیں خیر کی طرف بلایا ہے ان کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا۔" (۱)

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کا وقت قریب آجاتا تو مکے کی کسی وادی میں تشریف لے جاتے حضرت علی بھی حضور کے ہمراہ ہوتے اور وہاں مل کر نماز ادا کرتے اور شام کے وقت واپس آجاتے ایک روز جناب ابو طالب وہاں اچانک پہنچ گئے اور دونوں کو نماز پڑھتے دیکھ لیا تو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہنے لگے میرے بھتیجے! یہ کیا دین ہے جو تو نے اختیار کر رکھا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ اَیْ عَمِّ!

هٰذَا دِيْنُ اللّٰهِ وَدِيْنُ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَدِيْنُ رُسُلِهٖ وَدِيْنُ اَبِيْنَا اِبْرٰهِيْمَ۔ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ رَسُوْلًا اِلَى الْعِبَادِ وَاَنْتَ اَیْ عَمِّ اَحَقُّ مَنْ بَذَلْتُ لَهُ النَّصِيْحَةَ وَدَعَوْتُهٗ اِلَى الْهُدٰى وَاَحَقُّ مَنْ اَجَابَنِیْ اِلَيْهِ وَاَعَانَنِیْ عَلَيْهِ۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، ص ۲۶۵

"اے محترم چچا! یہ اللہ کا دین ہے۔ اس کے فرشتوں کا دین ہے اس کے رسولوں کا دین ہے۔ اور ہمارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر اپنے بندوں کی طرف مبعوث کیا ہے اور اے محترم چچا! آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ میں آپ کو نصیحت کروں اور ہدایت کی دعوت دوں اور آپ سب سے زیادہ حق دار ہیں کہ میری اس دعوت کو قبول کریں۔ اور اس سلسلہ میں میری مدد کریں۔

جناب ابو طالب نے جواب دیا میرے بھتیجے! میں (سردست) اپنے آباء کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن بخدا کوئی شخص تیرے قریب نہیں آسکتا کہ تمہیں تکلیف پہنچائے جب تک میں زندہ ہوں۔" (۱)

صدیق اکبر اور اشاعت اسلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کو گوناگوں صفات حمیدہ سے متصف فرمایا تھا۔ نسبی لحاظ سے آپ کا خاندان قوم قریش میں بڑا معزز شمار ہوتا تھا۔ آپ بڑے کامیاب تاجر تھے کاروبار میں راست بازی، لین دین میں دیانتداری آپ کا طرۂ امتیاز تھا، غریبوں کی امداد، تیموں اور بیواؤں کی سرپرستی آپ کا معمول تھا زمانہ جہالت کی آلودگیوں سے آپ کا دامن پاک تھا آپ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔

وَفِي السِّيرَةِ الْحَلَبِيَّةِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ لَمْ يَسْجُدْ لِصَنَمٍ قَطُّ

"سیرت حلبیہ میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔" (۲)

اخلاق باختگی کے اس دور میں مے خواری، قمار بازی سے آپ ہمیشہ دور رہے۔ دولتمند ہونے کے باوجود غرور اور تکبر کی انہیں ہوا تک نہ لگی تھی بات کے سچے، وعدہ کے پکے، بڑے خوش خلق، بلند کردار عالی ظرف، تحمل و بردباری کے پیکر الغرض ان صفات جمیلہ کے باعث تمام اہل مکہ دل سے ان کا احترام کرتے تھے معاشرہ کے ہر طبقہ میں ان کی عزت کی جاتی۔

آپ کے پاس آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہر شخص سے آپ عزت سے پیش آتے اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی دلجوئی کرتے۔ ان خداداد خوبیوں کے باعث آپ کے احباب کا ایک

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۶۵

۲۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۱۷۹

وسیع حلقہ معرض وجود میں آگیا تھا جو کہ کے چیدہ چیدہ افراد پر مشتمل تھا ان لوگوں کو آپ پر مکمل اعتماد تھا۔ ہر اہم کام میں مشورہ کے لیئے وہ لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ کی صائب رائے سے مستفید ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو شرف ایمان سے مشرف فرمایا اور ان کا دل نور ہدایت سے منور ہو گیا تو آپ کی طبع فیاض نے گوارا نہ کیا کہ لوگ اندھیروں میں بھٹکتے رہیں آپ نے اپنے دوستوں کے حلقہ میں تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا جن پر آپ کو اعتماد تھا چنانچہ آپ کی کوششیں بار آور ہونے لگیں اور بڑی بڑی عظیم شخصیتیں دین اسلام کو قبول کر کے امت مسلمہ میں شامل ہونے لگیں وہ سعادتمند روحیں جو حضرت صدیق اکبر کی مساعی جمیلہ سے مشرف باسلام ہوئیں ان میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

ان حضرات نے اسلام کی تاریخ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ اظہر من الشمس ہیں۔ ملت کا بچہ بچہ ان سے واقف ہے۔ ان کے نام پڑھ کر آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا اسلام کے لئے کتنا یمن و برکت کا باعث بنا۔

ا۔ امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ خلفاء راشدین میں سے خلیفہ ثالث تھے۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں مندرجہ ذیل ممالک فتح ہوئے۔

قبرص۔ اصطخر۔ خوز۔ فارس کا آخری حصہ۔ طبرستان۔ دارابجرد۔ کرمان۔ سجستان۔ سابور۔ وغیرہ۔ (۱)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحب زادیاں یکے بعد دیگرے آپ کو نکاح کر کے دیں اسی لئے ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی خوشحالی کے لئے آپ نے بڑی فیاضی سے اپنی دولت لٹائی آپ بڑے کامیاب تاجر تھے آپ کا چہرہ بڑا خوبصورت۔ جلد ریشم کی طرح نرم۔ گھنی داڑھی۔ گندم گوں رنگ تھا۔ آپ کو ذی الحجہ کی اٹھارہ تاریخ بروز جمعہ باغیوں نے شہید کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک بیاسی سال تھی آپ کی شہادت ۳۵ھ میں ہوئی۔ آپ ان دس خوش نصیبوں سے تھے جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی خوشخبری دی تھی جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ (۲)

ا۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۱۸۷ ۲۔ محمد رسول اللہ، شیخ محمد رضا، صفحہ ۷۷

۲۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے فرزند تھے ام المؤمنین حضرت خدیجہ کے بھتیجے تھے بارہ سال یا پندرہ سال کی عمر میں ایمان لائے آپ کے چچا کو جب آپ کے ایمان لانے کا علم ہوا تو غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے عزم کیا کہ وہ انہیں مجبور کر دے گا کہ وہ نئے دین کو چھوڑ کر پھر اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آئیں۔ چنانچہ وہ آپ کو چٹائی میں لپیٹتا اور رسی سے باندھ دیتا پھر نیچے سے دھواں دیتا یہاں تک کہ ان کا دم گھٹنے لگتا پھر کہتا اس عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو محمد (فداہ ابی وامی) کا انکار کر دو۔ نوخیز زبیر اپنی گرجدار آواز میں جواب دیتا لَا۔ وَاللّٰہِ لَا اَعُوْدُ لِلْکُفْرِ اَبَدًا ہرگز نہیں بخدا میں کسی قیمت پر کفر کی طرف نہیں لوٹوں گا۔ آپ کی شجاعت و سخاوت کے واقعات تاریخ اسلام کا روشن باب ہیں جن کا ایمان افروز تذکرہ اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آپ کا نسب قصی بن کلاب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اس چھ رکنی شوریٰ کمیٹی کے آپ بھی ایک رکن تھے جسے حضرت فاروق اعظم نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ پہلے حبشہ پھر مدینہ طیبہ ہجرت کی۔ امت مسلمہ میں سب سے پہلے جہاد کے لئے تلوار کو بے نیام کرنے کا شرف انہیں نصیب ہوا عہد رسالت کے تمام غزوات میں شرکت کی عہد خلافت راشدہ میں فتح یرموک اور فتح مصر میں حصہ لیا آپ کی عمر سرسٹھ سال تھی۔ (۱)

۳۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

یہ ان دس میں سے ایک ہیں جن کو حضور پرنور نے جنت کی بشارت دی یہ حضرت فاروق کی مقرر کردہ چھ رکنی شوریٰ کمیٹی کے ایک رکن بھی تھے آپ نے بھی پہلے حبشہ پھر مدینہ طیبہ ہجرت کی۔ حضور کی معیت میں تمام معرکوں میں شریک ہوئے۔ احد کی جنگ میں انہیں اکیس زخم آئے اور اگلے دو دانت ٹوٹ گئے کامیاب تاجر، بڑے دولتمند اور بڑے سخی تھے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پانی کی طرح روپیہ بہایا کرتے تھے سفید سرخ رنگت، خوبرو۔ سیاہ چشم۔ لبی پلکیں۔ اونچی بنی۔ ہتھیلی پر گوشت۔ انگلیاں بھاری تھیں۔ آخر عمر تک بال کالے تھے۔ بہتر سال کی عمر میں ۳۲ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (۲)

۱۔ محمد رسول اللہ از محمد رضا صفحہ ۸۷

۲۔ محمد رسول اللہ از محمد رضا صفحہ ۸۷

۴۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

انیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور اس چھ رکنی کمیٹی کے ممبر بھی تھے جو تقرر خلیفہ کے لئے حضرت عمر نے مقرر کی تھی آپ اسلام کے پہلے تیرانداز ہیں۔ جنہوں نے اللہ کی راہ میں تیر چلائے اور دشمن کا خون بہایا حضور سے پہلے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی آپ کا لقب "فارس الاسلام" ہے۔ یعنی اسلام کا شہسوار۔ تمام معرکوں میں شرکت کی۔ احد کی جنگ میں مردانگی اور شجاعت کے جوہر دکھائے آپ مستجاب الدعوات تھے۔ آپ اس لشکر اسلام کے سپہ سالار تھے جس نے شہنشاہ ایران کو شکست دی۔ مدائن جو کسریٰ کا پایۂ تخت تھا اس پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ ۵۵ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے آپ کا رنگ گندمی۔ قد لمبا۔ سر بڑا تھا۔ آپ کے ایمان لانے کا واقعہ بڑا حیرت انگیز ہے آپ کی ماں کو جب پتہ چلا کہ آپ اسلام لے آئے ہیں تو وہ آگ بگولہ ہو گئی۔ اس کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ اس کے جگر کا ٹکڑا، اس کی آنکھوں کا نور اس کے معبودوں لات و ہبل کے خلاف علم بغاوت بلند کرے۔ چنانچہ اس نے تہیہ کر لیا کہ جب تک سعد اس نئے دین کو چھوڑ کر اپنے آبائی مذہب کی طرف نہیں لوٹے گا نہ وہ کھائے گی نہ پیئے گی اور نہ سایہ میں بیٹھے گی۔ اسی طرح بھوکی پیاسی عرب کی چلچلاتی دھوپ میں تڑپ تڑپ کر جان دے دے گی۔ اسے یہ یقین تھا کہ اس کا بیٹا سعد اس کی اس تکلیف کو ہرگز برداشت نہیں کر سکے گا اور فوراً اس کی مرضی کے مطابق اس نئے مذہب کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

اِنَّهَا مَكَثَتْ يَوْمًا وَلَيْلَةً لَا تَأْكُلُ وَلَا تَشْرَبُ فَأَصْبَحَتْ وَقَدْ خَمِدَتْ ثُمَّ مَكَثَتْ يَوْمًا وَلَيْلَةً لَا تَأْكُلُ وَلَا تَشْرَبُ قَالَ سَعْدٌ فَلَمَّا رَأَيْتُ ذٰلِكَ قُلْتُ لَهَا تَعْلَمِيْنَ وَاللّٰهِ يَا أُمَّهْ لَوْ كَانَ لَكِ مِائَةُ نَفْسٍ تَخْرُجُ نَفْسًا نَفْسًا مَا تَرَكْتُ دِيْنَ مُحَمَّدٍ فَكُلِيْ إِنْ شِئْتِ أَوْلَا تَأْكُلِيْ فَلَمَّا رَأَتْ ذٰلِكَ أَكَلَتْ۔

"چنانچہ ایک دن اس نے نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا۔ جب صبح اٹھی تو ضعف و نقاہت کے آثار اس کے چہرہ سے عیاں تھے۔ دوسرے روز پھر اس نے نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا۔ کمزوری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ حضرت سعد فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنی ماں کی یہ ضد دیکھی تو میں نے کہا اے ماں! بخدا تم جانتی ہو کہ اگر تیری سو جانیں بھی ہوں۔ اور وہ ایک ایک کر

کے نکلتی جائیں تو پھر بھی میں دین مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔ اب تمہاری مرضی کھانا کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ پانی پیو یا نہ پیو۔ جب اس نے میرا یہ پختہ عزم دیکھا تو اس نے خود بخود کھانا شروع کر دیا۔ " (۱)

۵۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

حضرت صدیق اکبر کی کوششوں سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ نوفل بن عدویہ جو اسد قریش کے لقب سے مشہور تھا اسے جب اس بات کا علم ہوا تو وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے دونوں کو یعنی حضرت صدیق اور طلحہ کو ایک رسی میں جکڑا اور کس کر باندھ دیا۔ وہ دونوں کراہتے رہے لیکن ابن عدویہ کے قوت اور دبدبہ کے ڈر سے ان کے قبیلہ بنو تیم کے کسی فرد کو ہمت نہ ہوئی کہ انہیں آکر چھڑائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا فرمایا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اکْفِنَا شَرَّ ابْنِ الْعَدَوِیَّۃِ اے اللہ عدویہ کے بیٹے کے شر سے ہمیں بچا۔ حضرت طلحہ کے ایمان لانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ طلحہ بُصریٰ کی منڈی میں تجارت کے لیے گئے وہاں خانقاہ میں ایک راہب رہتا تھا اس نے اپنے لوگوں کو کہا کہ دریافت کرو کہ بیرونی تاجروں میں کوئی حرم کا تاجر بھی آیا ہوا ہے۔ میں نے بتایا کہ میں مکہ سے آیا ہوں۔ مجھے اس کے پاس لے گئے۔ اس نے دریافت کیا کہ کیا احمد نامی کوئی شخص تم میں ظاہر ہوا ہے میں نے پوچھا کون احمد؟ اس نے کہا احمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب یہ مہینہ اس کے ظہور کا ہے وہ نبی آخر الانبیاء ہے اس کے ظہور کی جگہ مکہ ہے اور ہجرت گاہ نخلستانوں والی وہ شور زمین ہے۔ خبردار! اس پر ایمان لانے میں تم پر کوئی سبقت نہ لے جائے میرے دل میں اس کی بات بیٹھ گئی۔ میں جلدی سے مکہ لوٹا میں نے پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ محمد بن عبد اللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور حضرت ابو بکر آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ میں آپ کے پاس گیا آپ نے مجھے اسلام کے بارے میں بتایا مجھے لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں مشرف باسلام ہوا۔ (۲)

یہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور اس شش رکنی کمیٹی کے رکن تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۸۸

۲۔ السیرۃ الحلبیہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۶۵

والسلام نے آپ کو طلحہ الخیر اور طلحہ الجود کے لقب سے ملقب فرمایا مہاجرین اولین سے ہیں بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت فرمائی آپ کی عمر چونسٹھ سال تھی۔

وَقَبْرُہٗ بِالْبَصْرَۃِ مَشْھُوْرٌ یُزَادُ وَیُتَبَرَّکُ

"آپ کا مزار شریف بصرہ میں ہے لوگ تبرک حاصل کرنے کے لئے وہاں حاضری دیتے ہیں۔" (۱)

دوسرے روز خوش نصیبوں کا ایک اور گروہ لے کر حضرت ابو بکر صدیق بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے ان حضرات نے بھی ہادی کونین کے دست ہدایت بخش پر ہاتھ رکھ کر بیعت اسلام کی۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح۔ ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد۔ ارقم بن ابی الارقم۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم (۲)

تبلیغ اسلام کا یہ سلسلہ خفیہ طور پر جاری رہا خوش نصیب روحیں جب پیغام حق کو سنتیں تو جس طرح پیاسے، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے کی طرف کھچے چلے آتے ہیں وہ بھی بے تابانہ وار اس دعوت کو قبول کرنے کے لئے لپکتیں۔ وہ ازلی نیک بخت جن کو "السابقون الاولون" کے زمرہ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں سے چند کے نام بطور تبرک تحریر کئے جاتے ہیں۔

عبیدہ بن حارث۔ سعید بن زید۔ ان کی اہلیہ فاطمہ (حضرت عمر کی ہمشیرہ) اسماء اور عائشہ دختران صدیق اکبر۔ خباب بن الارت۔ عمیر بن ابی وقاص۔ حضرت سعد کے بھائی۔ عبداللہ بن مسعود۔ مسعود بن القاری۔ سُلیط بن عمر۔ اور ان کے بھائی حاطب۔ عیاش بن ربیعہ۔ ان کی اہلیہ اسماء۔ خنیس بن حذافہ۔ عامر بن ربیعہ۔ عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابو احمد۔ جعفر بن ابی طالب۔ اور آپ کی اہلیہ۔ اسماء بنت عمیس۔ حاطب بن الحارث۔ عثمان بن مظعون کے دو بھائی قدامہ اور عبداللہ وغیر ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (۳)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے من موہنے انداز تبلیغ اور حضور کے یار وفاشعار حضرت صدیق کی کوششوں سے آہستہ آہستہ اسلام۔ سعید روحوں کو اپنی طرف ملتفت کرتا گیا اور

۱۔ محمد رسول اللہ محمد رضا، جلد اول، صفحہ ۷۹

۲۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۳۹

۳۔ محمد رسول اللہ محمد رضا، جلد اول، صفحہ ۷۹

ان کے دلوں میں نور توحید سے اجالا کر تا گیا یہاں تک کہ داعی حق کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد اڑتیس ہو گئی اور یہ ساری کوششیں خفیہ طور پر جاری تھیں اور ان کو صیغہ راز میں رکھا جاتا تھا۔

صدیق اکبر کی جوانمردی

اسلام کی ان ابتدائی شاندار کامیابیوں نے کفر و باطل کے ایوانوں میں ایک کہرام مچادیا اور انہوں نے حق و صداقت کے اس ابھرتے ہوئے آفتاب کی کرنوں کا راستہ روکنے کے لئے پردے تاننے کی مہم کا آغاز کر دیا وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح وہ باطل کے اندھیروں کو حق کی ان روپہلی اور تابندہ کرنوں کی یلغار سے بچا سکیں گے۔ جو بالکل ناممکن تھا۔ ان کے جور و ستم کی مہم کا آغاز ایک چھوٹے سے واقعہ سے ہوا۔ جس کو علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر رقمطراز ہیں

جب مسلمان مردوں کی تعداد اڑتیس ہو گئی تو حضرت ابو بکر نے بارگاہ رسالت پناہ میں عرض کی کہ یارسول اللہ! اب ہمیں کھل کر میدان میں نکل آنا چاہئے اور تبلیغ اسلام کا فریضہ پوری قوت سے انجام دینا چاہئے۔

حضور نے فرمایا اے ابو بکر! ابھی ہماری تعداد بہت کم ہے حضرت صدیق کا اصرار جاری رہا یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دار ارقم کے حجرہ سے نکل کر حرم شریف کے صحن میں اپنے غلاموں کی معیت میں تشریف لے آئے اور تمام مسلمان مسجد کے کونوں میں بکھر گئے اور اپنے اپنے قبیلہ میں جاکر نشستیں سنبھال لیں۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے دنیائے اسلام کا سب سے پہلا خطیب صدیق اکبر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دینے کے لئے کھڑا ہوا۔ کافر، صدیق اکبر کے اس خطبہ کو سن کر آگ بگولہ ہو گئے اور مشتعل ہو کر ابو بکر صدیق اور باقی مسلمانوں پر ہلہ بول دیا اور ان کو خوب مارا اور پیٹا۔ ابو بکر پر توان کا غصہ بڑا شدید تھا چنانچہ آپ کو دھکا دے کر زمین پر گرایا اوپر چڑھ گئے پاؤں سے لتاڑتے اور ڈنڈوں سے زدوکوب کرتے رہے اتنے میں بدبخت عتبہ بن ربیعہ آگیا اس نے اپنے بھاری بھرکم جوتے اتارے اور ان سے آپ کے چہرے پر پے در پے ضربیں لگانے لگا اور آپ کے پیٹ پر چڑھ کر کودنے لگا آپ کا چہرہ سوج کر پھول گیا یہاں تک

کہ ناک اس سوجن میں نظر ہی نہیں آتی تھی۔

آپ کے قبیلہ بنی تیم کو معلوم ہوا تو انہوں نے مشرکین کو دھکے دے کر حضرت ابو بکر سے دور ہٹایا اور آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے گھر لے آئے۔ آپ کی موت میں کسی کو شک نہ تھا۔ پھر بنو تیم مسجد حرام میں واپس آئے اور اعلان کر دیا کہ اگر ابو بکر مر گئے تو ہم عتبہ کو ضرور تہ تیغ کر دیں گے۔ یہ اعلان کرنے کے بعد پھر وہ حضرت ابو بکر کے پاس آئے جہاں وہ مدہوش پڑے تھے آپ کے والد ابو قحافہ اور آپ کے قبیلہ والے آپ کو بلاتے تھے لیکن آپ کوئی جواب نہیں دیتے تھے سارا دن غشی طاری رہی جب سورج غروب ہونے لگا تو آپ کو کچھ ہوش آیا۔ اور پہلا جملہ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مجھے بتاؤ میرے آقا۔ میرے ہادی کا کیا حال ہے۔

یہ سن کر ان لوگوں نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور ملامت کرنے لگے۔ پھر وہ لوگ وہاں سے واپس جانے کے لئے اٹھے اور آپ کی والدہ ام الخیر کو کہا کہ خیال رکھنا انہیں ضرور کچھ کھلانا پلانا۔ جب والدہ اکیلی آپ کے پاس رہ گئیں اور اصرار کرنا شروع کیا کہ آپ کچھ بولیں۔ آپ نے پھر وہی جملہ دہرایا "مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" کہ اللہ کے پیارے رسول کا کیا حال ہے۔ والدہ نے کہا بخدا! مجھے تیرے صاحب کے بارے میں کوئی خبر نہیں کہ ان کا کیا حال ہے۔ آپ نے کہا کہ اماں! ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور حضور کے بارے میں اس سے دریافت کرو۔

آپ کی والدہ وہاں سے نکل کر ام جمیل کے پاس آئیں اسے کہا کہ ابو بکر تجھ سے محمد بن عبداللہ کے بارے میں پوچھتا ہے اس نے جواب دیا نہ میں ابو بکر کو جانتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ کو اگر تو پسند کرے تو میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلی جاتی ہوں۔ ام الخیر نے کہا بہتر، چنانچہ ام جمیل ان کے ساتھ ان کے گھر آئی۔ دیکھا کہ ابو بکر مدہوش پڑے ہیں اور نزع کی حالت ہے ام جمیل آپ کے قریب گئی اور رونا چیخنا شروع کر دیا اور کہا بخدا جس قوم نے تیرے ساتھ یہ بیہمانہ سلوک کیا ہے بیشک وہ فاسق و فاجر اور کافر ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور ان سے انتقام لے گا لیکن صدیق اکبر نے اس سے بھی وہی سوال کیا "مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" کہ میرے آقا کا کیا حال ہے ام جمیل نے کہا کہ یہ آپ کی ماں سن رہی ہے آپ نے جواب دیا اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں مطمئن ہونے کے بعد ام جمیل نے کہا سالم صحیح۔ کہ حضور صحیح و سلامت ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ حضور کہاں ہیں اس خاتون نے بتایا کہ حضور دار

ابن ارقم میں ہیں۔ اپنے آقا کی خیریت کی خبر سن کر آپ کے (ہوش ٹھکانے لگ گئے) کہا۔ بخدا میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ ناز میں حاضری کا شرف حاصل نہ کروں گویا آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حضور کی خیریت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے ان دونوں خواتین نے کچھ دیر انتظار کیا یہاں تک کہ لوگوں کی آمدروفت ختم ہو گئی سناٹا چھا گیا وہ آپ کو لے کر گھر سے نکلیں حضرت صدیق ان پر ٹیک لگائے ہوئے حضور کی بارگاہ میں پہنچے۔

فَأَكَبَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَهٗ وَاَكَبَّ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَرَقَّ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِقَّةً شَدِيْدَةً۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر پر جھک گئے اور ان کو بوسے دینے لگے اور مسلمان بھی ان پر جھک گئے اور آپ کی حالت زار کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل رحیم پر بڑی رقت اور گداز طاری ہوا۔"

صدیق اکبر نے عرض کی یارسول اللہ۔ میرے ماں باپ حضور پر قربان جائیں مجھے کوئی تکلیف نہیں سوائے ان جوتیوں کی ضربوں کے جو عتبہ نے میرے چہرے پر ماری ہیں۔

وَهٰذِهٖ اُمِّيْ بَرَّةٌ بِوَلَدِهَا وَاَنْتَ مُبَارَكٌ فَادْعُهَا اِلَى اللّٰهِ وَادْعُ اللّٰهَ لَهَا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّسْتَنْقِذَهَا بِكَ مِنَ النَّارِ۔

"یہ میری ماں بیٹے کے ساتھ حاضر ہے حضور سراپا برکت ہیں اسے اللہ کی طرف بلائیے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں مجھے امید ہے حضور کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے آگ سے نجات دے گا۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی ہدایت کے لئے التجا کی پھر اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی چنانچہ وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔

پھر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مہینہ تک دار بنی ارقم میں قیام فرما رہے۔ اور خفیہ طریقہ سے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ (۱)

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۳۹ تا ۴۴۱۔ السیرۃ النبویہ، زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۲۱۰۔۲۱۱

اس زمانہ میں جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دعوت حق قبول کرنے کے لئے منشرح کیا ان میں سے چند حضرات کے کوائف پیش خدمت ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا ایمان:

امام ابو داؤد طیالسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے ان کے ایمان لانے کا واقعہ ان کی زبانی یوں بیان کیا ہے:۔

آپ بتاتے ہیں۔ میں اپنی نوعمری کے زمانہ میں عقبہ بن ابی مُعَیط کی بکریاں مکہ کے گرد و نواح میں چرایا کرتا تھا۔ ایک روز میرے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور مجھے فرمایا! اے جوان! کیا ہمیں دودھ پلاؤ گے۔ میں نے جواب دیا۔ کہ دودھ تو ہے لیکن میں امین ہوں۔ امانت میں خیانت نہیں کر سکتا اس لئے آپ کو دودھ پلانے سے معذور ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ کیا تمہارے پاس ایسی پٹھ ہے جس سے کسی نر نے جفتی نہ کی ہو۔ میں نے عرض کی جی ہاں چنانچہ میں ایک پٹھ کو پکڑ کر لے آیا۔ حضرت ابو بکر نے اسے رسی سے جکڑا اور نبی اکرم نے اس کی کھیری کو پکڑ کر دعا کی وہ اسی وقت دودھ سے لبریز ہو گئی۔ حضور نے اسے دوہا۔ پہلے وہ دودھ مجھے اور حضرت ابو بکر کو پلایا پھر خود نوش فرمایا۔ پھر اس کھیری کو حکم دیا "اِقْلِصْ" سکڑ جا۔ وہ پہلے کی طرح سکڑ گئی۔

یہ معجزہ دیکھ کر میں نے اسلام قبول کیا اور عرض کی "یارسول اللہ عَلِّمْنِیْ" مجھے کچھ سکھایئے! حضور نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا "بَارَكَ اللّٰهُ فِیْكَ فَاِنَّكَ غُلَامٌ مُّعَلَّمٌ" اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی برکتوں سے نوازے۔ تم تعلیم یافتہ نوجوان ہو۔ حضور کے اس ارشاد کی برکت سے حضرت ابن مسعود کا شمار طبقہ صحابہ کے جلیل القدر علماء میں ہوتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا بہت احترام کرتے بارگاہ رسالت میں ہر وقت حاضری کی انہیں اجازت تھی۔ حضور کی خدمت میں ہر وقت مشغول رہتے۔ حضور غسل فرماتے تو یہ پردہ تان کر کھڑے ہو جاتے۔ نعلین مبارک پہناتے۔ حضور جب اپنی نعلین اتارتے تو وہ انہیں اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیتے۔ سرکار دو عالم نے انہیں جنت کی خوشخبری سے نوازا تھا۔ (۱۔۲)

۱۔ السیرۃ الحلبیہ، جلد اول، صفحہ ۲۶۶۔ السیرۃ النبویہ، لابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۴۴

خالد بن سعید بن العاص کا ایمان:۔

انہوں نے ایک رات خواب دیکھا کہ وہ آگ کے ایک وسیع و عریض گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ کوئی شخص انہیں دھکا دے کر اس گڑھے میں گرانا چاہتا ہے۔ لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں کمر سے پکڑ رکھا ہے اور اس گڑھے میں انہیں گرنے نہیں دیتے۔ گھبرا کر جاگ اٹھے اور اپنے آپ سے کہنے لگے بخدا یہ سچا خواب ہے۔ حضرت ابو بکر کیونکہ خوابوں کی تعبیر میں بڑے ماہر تھے اس لئے ان کے پاس گئے اور اپنا خواب سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر بڑا احسان کیا ہے یہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کا دامن پکڑ لو ان کی برکت سے تمہیں دولت ایمان نصیب ہوگی تم مسلمان ہو جاؤ گے، اور اسلام تمہیں دوزخ میں گرنے سے بچالے گا۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محلہ اجیاد میں رونق افروز تھے خدمت عالی میں خالد حاضر ہوئے۔

عرض کی یا رسول اللہ! آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

حضور نے فرمایا۔ میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانو۔ مجھے اس کا بندہ اور رسول یقین کرو۔ اور جن پتھروں کی تم عبادت کیا کرتے تھے۔ جو نہ سن سکتے نہ دیکھ سکتے نہ ضرر پہنچا سکتے اور نہ نفع پہنچا سکتے ہیں ان سب کی عبادت کا طوق اپنے گلے سے اتار کر پھینک دو۔

حضور کے اس وعظ سے خالد کے دل کی دنیا بدل گئی۔ اور بیساختہ کہہ اٹھے۔

فَاِنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے ایمان لانے سے ازحد مسرت ہوئی۔

ایمان لانے کے بعد خالد اپنے باپ کے ڈر سے روپوش ہو گئے باپ کو جب ان کے مسلمان ہونے کی خبر ملی۔ تو ان کی تلاش میں کسی کو بھیجا چنانچہ انہیں پکڑ کر باپ کے سامنے پیش کیا گیا باپ نے پہلے زبانی سرزنش کی۔ اور جب اس کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا تو ایک ڈنڈے سے ان کے سر پر ضربیں لگانا شروع کیں یہاں تک کہ وہ ڈنڈا ٹوٹ گیا۔ پھر دھمکی دی کہ اگر تم باز نہیں آؤ گے تو میں رزق کے دروازے تمہارے لئے بند کر دوں گا۔ یہاں تک کہ تم بھوک سے ایڑیاں رگڑتے رگڑتے دم توڑ دو گے۔

لیکن جن کے سروں میں عشق کا خمار سما جاتا ہے۔ وہ ایسی باتوں کو کب خاطر میں لاتے ہیں

آپ بڑے صبر سے مار پیٹ سہتے رہے۔ باپ کی کڑوی کسیلی باتیں اور دھمکیاں سنتے رہے۔ اور آخر میں ایک جملہ سے اپنا مدعا بیان کر دیا۔ کہا

اِنْ مَنَعْتَنِیْ فَاِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُنِیْ مَا اَعِیْشُ بِہٖ

"اے ابا! اگر آپ میرا آب و دانہ بند کر دیں گے تو میرا اللہ میرے رزق کا سامان فرمادے گا جس پر میں زندگی گزاروں گا۔"

یہ کہہ کر حضور کی خدمت عالی میں حاضر ہو گئے حضور ان کی بڑی عزت فرماتے اور آپ ہمیشہ حضور کے قدموں میں حاضر رہتے۔ (۱)

حضرت ابو ذر غفاری کا ایمان

وہ نفوس قدسیہ جنہوں نے دعوت اسلامیہ کو ابتدا میں قبول کیا اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا مردانگی سے مقابلہ کیا۔ ان میں حضرت ابو ذر کا نام سرفہرست ہے آپ کا نام جندب بن جنادہ تھا۔ یہ بنی غفار قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ طبعی طور پر کفر و شرک سے دل برداشتہ تھے بعثت نبوت سے تین سال قبل آپ نماز پڑھا کرتے تھے جدھر اللہ تعالیٰ نے چاہا منہ کر کے کھڑے ہو جاتے اور اپنی عقل و فہم کے مطابق اپنے معبود برحق کی تسبیح و تحمید کر کے اپنے دلِ بے قرار کی تسلی کا اہتمام کر لیا کرتے۔ انہیں اطلاع ملی کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے انہوں نے اپنے بھائی اُنیس کو کہا کہ مکہ جا کر اس شخص سے ملاقات کرو۔ اور اس کی دعوت کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔ اور واپس آکر مجھے بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے۔ اُنیس مکہ گئے۔ چند روز وہاں قیام کیا جب واپس آئے تو ابو ذر نے ان سے پوچھا سناؤ کیا دیکھ کر آئے ہو۔

اُنیس نے جواب دیا! کہ میں نے ایک شخص کی زیارت کی ہے جو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی راہنمائی کے لئے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے وہ مکارم اخلاق کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔

ابو ذر نے پوچھا! لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

اُنیس نے بتایا! لوگ تو اسے شاعر۔ کاہن اور ساحر کہتے ہیں بخدا! وہ سچا ہے۔ لوگ جھوٹے

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۴۵

ہیں۔

ابوذر نے اپنے بھائی کو کہا! کہ میرے اہل و عیال اور کاروبار کا خیال رکھنا میں بذات خود اس ہستی کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔

انیس نے ہامی بھرلی۔ اور ساتھ ہی اپنے بھائی کو نصیحت کی کہ اہل مکہ سے محتاط رہنا۔

ابوذر کہتے ہیں کہ

میں نے ایک توشہ دان میں کھانے کا سامان رکھا ہاتھ میں عصا تھاما اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ساری مسافت پیدل طے کر کے مکہ پہنچا۔ وہاں نہ میری جان نہ پہچان۔ میں نے سیدھا حرم شریف کا رخ کیا۔ میں اس شخص کو نہیں جانتا تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور جس کی زیارت کا شوق کشاں کشاں مجھے یہاں لے آیا تھا۔ اور کسی سے حضور کے بارے میں پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ مبادا کسی مشکل میں پھنس جاؤں میں انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ میں وہیں لیٹ گیا۔ مجھے علی مرتضیٰ نے دیکھا۔ آپ سمجھ گئے کہ میں مسافر ہوں۔ میرا یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں اس لئے حرم شریف میں فروکش ہو گیا ہوں آپ نے مجھے اپنے پیچھے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ میں آپ کے پیچھے چل پڑا۔ راستہ میں نہ آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے خود کچھ بتایا۔ رات آپ کے ہاں بسر کی۔ صبح ہوئی۔ تو اپنا توشہ دان اٹھایا اور حرم میں آکر ڈیرا ڈال دیا دوسرا دن بھی گزر گیا۔ حضور کی زیارت نصیب نہ ہوئی شام ہوئی تو چادر بچھا کر لیٹ گیا حضرت علی مرتضیٰ کا پھر گزر ہوا۔ مجھے کل کی طرح بے خانماں دیکھ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ راستہ میں سکوت طاری رہا نہ انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے اپنے بارے میں از خود کچھ بتایا۔ دوسری رات بھی گزر گئی۔ صبح کا اجالا ہوا۔ تو اپنا سامان اٹھا کر حرم میں آ گیا۔ جب تیسرے دن کا سورج بھی غروب ہو گیا اور شام کے دھندلکے نے اپنی چادر پھیلانی شروع کر دی اور میں فرش حرم پر آرام کرنے کی غرض سے لیٹنے کی تیاری کرنے لگا تو پھر شاہ مردان علی مرتضیٰ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو آپ نے مہر سکوت توڑتے ہوئے دریافت کیا کہ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا ہے۔

میں نے عرض کی! اگر آپ میرے ساتھ پختہ وعدہ کریں کہ آپ میرا راز فاش نہیں کریں گے اور میری راہبری کریں گے تو میں اپنی آمد کا مقصد بیان کرتا ہوں۔ آپ نے مجھے رازداری کا یقین دلایا تو میں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ میری بات سن کر آپ نے فرمایا۔ بیشک وہ

اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ صبح میں تمہیں اپنے ساتھ ان کی خدمت میں لے جاؤں گا۔

صبح ہوئی تو حسب وعدہ آپ مجھے ساتھ لے کر جانے کے لئے تشریف لائے۔ مجھے فرمایا تم چپکے چپکے میرے پیچھے چلتے آنا۔ اگر مجھے کوئی خطرہ محسوس ہوا تو میں اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا جس طرح میں لوٹے سے پانی بہا رہا ہوں۔ یا اپنی جوتی کا تسمہ درست کر رہا ہوں۔ اور اگر کوئی خطرہ نہ ہوا تو میرے پیچھے اطمینان سے چلے آنا۔

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ سیدنا علی آگے آگے چلتے رہے۔ میں آہستہ آہستہ ان کے پیچھے پیچھے۔ چنانچہ آپ کی معیت میں میں حضور سرور کائنات کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے سامنے اسلام پیش فرمائیں حضور پر نور نے بڑے دلنشین پیرایہ میں اسلام کی حقیقت سے مجھے آگاہ کیا حضور کی ہر بات میرے دل میں اترتی چلی گئی۔ جب حضور کا ارشاد اختتام پذیر ہوا تو میرا بختِ خفتہ بیدار ہو چکا تھا۔ میرے تاریک دل میں ایمان کی نورانی شمع جگمگانے لگی تھی۔ شکوک و شبہات کا سارا غبار چھٹ گیا تھا۔ اسی وقت اور اسی جگہ حضور کے دستِ ہدایت بخش پر میں نے اسلام کی بیعت کی۔ حضرت ابو بکر بھی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ انہوں نے درخواست کی کہ حضور اپنے جان نثار غلاموں سمیت آج رات مرے کلبہ حزین میں رونق افروز ہوں اور ماحضر تناول فرماویں۔ حضور نے اپنے عاشق صادق کی اس درخواست کو قبول فرمایا۔ رات کا کھانا سرور کائنات حضرت ابوذر اور دیگر احباب نے کاشانہ صدیقی میں تناول فرمایا۔ ابوذر کہتے ہیں کہ میں زندگی میں پہلی مرتبہ طائف کے زبیب (خشک میوہ) کھانے سے لطف اندوز ہوا۔

مرشد کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے نو آموز مرید کو دو خصوصی نصیحتیں فرمائیں۔

بَایَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا تَاْخُذَہٗ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃُ لَائِمٍ وَعَلٰی اَنْ یَقُوْلَ الْحَقَّ وَلَوْ کَانَ مُرًّا۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان باتوں پر ان سے بیعت لی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے نیز وہ حق بات کہیں گے خواہ وہ کتنی کڑوی ہو۔" (۱)

ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ہدایت کی کہ وہ یہاں (مکہ

۱۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۱۹۱ - ۱۹۲

میں) ابھی اپنے ایمان کو ظاہر نہ کریں اور اپنے قبیلہ کے پاس واپس چلے جائیں اور انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ جب ہمارے فتح یاب ہونے کی تمہیں اطلاع ملے تو پھر میرے پاس آجانا۔ آپ نے عرض کی یارسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میں تو مشرکین کے مجمع میں جاکر اپنے ایمان لانے کا اعلان کروں گا۔ چنانچہ ایک روز جب قریش کے قبائل حرم شریف میں اپنی اپنی مجلسیں جماکر بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابوذر آئے اور پورے زور کے ساتھ اعلان کر دیا۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ :

ابوذر کہتے ہیں قریش یہ سن کر بھڑک اٹھے اور مجھ پر ہلہ بول دیا۔ جو چیز کسی کے ہاتھ میں آئی۔ لکڑی۔ ڈھیلا۔ ہڈی۔ پتھر۔ اس سے مجھے زدوکوب کرنے لگے۔ یہاں تک کہ میں غش کھاکر گر پڑا۔ اتنے میں عباس آگئے۔ انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا تو پہچان لیا۔ اور انہیں جھڑکتے ہوئے کہا۔ کم بختو! یہ کیا کر رہے ہو۔ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے۔ جسے مار مار کر تم نے ادھ مؤا کر دیا ہے۔ تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے تجارتی قافلوں کا راستہ ان کے علاقہ سے گزرتا ہے۔ تب ان لوگوں نے مجھے چھوڑا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں اٹھ کر زمزم کے کنوئیں کے پاس گیا۔ اس کے پانی سے اپنے جسم پر لگاہوا خون دھویا۔ جوں توں کر کے رات گزری۔ صبح ہوئی۔ تو جنون عشق نے پھر مجبور کیا کہ کفار کے بھرے مجمع میں اپنے محبوب کی رسالت کا پھر اعلان کروں۔ اس کے جرم عشق میں پیٹا جاؤں۔ اور میرے انگ انگ سے خون کی ندیاں رواں ہوں چنانچہ دوسرے روز قریش حسب دستور جب اپنی محفلیں جماکر بیٹھ گئے تو میں نے اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے نعرہ لگایا اشہد ان محمدا رسول اللہ۔ میں نے یہ اعلان کر کے گویا بھڑوں کے چھتہ میں پتھر مار دیا۔ یہ سنتے ہی سب بپھر گئے اور غضبناک ہو کر مجھ پر ٹوٹ پڑے مکوں، گھونسوں، سوٹیوں اور پتھروں سے میری خوب مرمت کی جگہ جگہ سے خون بہنے لگا غش کھاکر پھر گر پڑا حضرت عباس پھر میرے لئے نجات کا فرشتہ بن کر آپہنچے۔ ان کو خوب ڈانٹا۔ اور انہیں بتایا کہ جس شخص پر تم یہ زیادتی کر رہے ہو یہ اس قبیلہ کا فرد ہے جس کے علاقہ سے تمہارے تجارتی کارواں گزرتے ہیں اس طرح مجھے ان سے چھٹکارا ملا۔

میں اپنے وطن واپس آگیا۔ اپنے بھائی کو حضور کی بارگاہ اقدس میں شرف باریابی حاصل کرنے اور ایمان لانے کا واقعہ بتایا اس نے کہا میں تو پہلے ہی اس دین کو قبول کر چکا ہوں۔ دونوں بھائی اپنی والدہ کے پاس گئے اسے حالات سے مطلع کیا وہ نیک بخت خاتون بھی پہلے ایمان

لانے پر آمادہ ہو چکی تھی ان کی دعوت کی دیر تھی۔ کہ انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا پھر حضرت ابوذر اپنے قبیلہ غفار کے پاس گئے انہیں اس دین حنیف کو قبول کرنے کی تلقین کی۔ نصف قبیلہ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور دوسرے نصف نے اس وقت اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ رونق افروز ہو چکے تھے۔ (۱)

مرشد کامل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس صداقت شعار نیاز مند کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا۔

مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ (السَّمَاءُ) وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ (الْاَرْضُ)
اَصْدَقُ مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ

"جن پر نیلگوں آسمان سایہ فگن ہے اور جنہیں گرد آلود زمین نے اٹھایا ہوا ہے ان میں سے سب سے زیادہ سچا ابوذر ہے۔"

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا ایمان

ان کا باپ کسریٰ کی حکومت میں اعلیٰ افسر تھا۔ رومی لشکر نے ایران پر حملہ کیا صہیب کو جو ابھی چھوٹے بچے تھے قیدی بنا کر لے گئے۔ انہوں نے روم میں ہی نشوونما پائی۔ یہاں تک کہ جواں ہو گئے پھر عرب کا ایک گروہ روم گیا۔ ان میں سے کسی نے صہیب کو خرید لیا۔ وہ انہیں سوق عکاظ میں لے آیا اور یہاں انہیں فروخت کر دیا۔ پھر عبداللہ بن جدعان نے انہیں خرید لیا جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو ایک روز صہیب حضور کے کاشانہ اقدس کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔ وہاں عمار بن یاسر سے ملاقات ہو گئی۔ عمار نے پوچھا صہیب، کدھر کا قصد ہے انہوں نے کہا میں حضور کی گفتگو سننے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ عمار نے کہا میرا بھی یہی ارادہ ہے دونوں اکٹھے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے حضور نے انہیں خوش آمدید کہی۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ دونوں بیٹھ گئے سرکار نے دونوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش کیں اور قرآن کریم کی چند آیات تلاوت کر کے انہیں سنائیں دونوں کے دل نور ایمان سے منور ہو گئے انہوں نے فوراً کلمہ

۱۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۱۹۳

شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا شام تک وہیں حاضر رہے۔ شام کے وقت چھپ چھپا کر اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ عمار، جب گھر پہنچے والدہ نے پوچھا دن بھر کہاں غائب رہے۔ انہوں نے صاف صاف بات بتادی اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اس دین حق کو قبول کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے ماں باپ کے سامنے اسلام کی موثر تعلیمات پیش کیں قرآن کریم کی چند آیتیں جو آج ہی انہوں نے ازبر کی تھیں پڑھ کر سنائیں دونوں اتنے متاثر ہوئے کہ اسی وقت ایمان لانے کا اعلان کر دیا گویا اس ایک دن میں حضرات صہیب، عمار، ان کے والدین یاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہم چاروں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

حصین والد عمران کا ایمان

عمران، حصین کے فرزند پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اور آج حصین کی سوئی ہوئی قسمت کے بیدار ہونے کی ساعت سعید آپہنچی تھی۔ ہوا یوں کہ قریش کا ایک وفد ان کے پاس آیا سارے قریش دل سے ان کا ادب واحترام کیا کرتے تھے انہوں نے ایک روز حصین کو آکر کہا کہ اس شخص نے (حضور علیہ السلام) ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے۔ ہمارے بتوں کی عیب جوئی کرتا رہتا ہے ہر لحظہ انہیں برا بھلا کہتا ہے۔ تم عقلمند اور زیرک آدمی ہو۔ ذرا جا کر ان کو سمجھاؤ کہ وہ اس سے باز آجائیں ورنہ اس کا نتیجہ بڑا اندوہناک ہو گا۔ چنانچہ حصین، نے قوم کے اس وفد کو ہمراہ لے کر حضور سے گفتگو کرنے کی غرض سے حضور کے کاشانہ اقدس کا رخ کیا۔ اور حضور کے در اقدس کے نزدیک آکر بیٹھ گئے۔ دوسرے لوگ باہر ٹھہرے رہے۔ اور حصین خود اندر چلا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اسے دیکھا تو اہل مجلس کو فرمایا کہ اپنے سردار کے لئے بیٹھنے کی جگہ کشادہ کرو۔ عمران، اس کا بیٹا پہلے ہی وہاں موجود تھا جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو حصین نے سلسلہ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

مجھے آپ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ آپ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان کی ہجو کرتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

حضور نے فرمایا اے حصین! تم کتنے خداؤں کی عبادت کرتے ہو۔

اس نے کہا! ہم سات خداؤں کی جو زمین میں ہیں اور ایک خدا کی جو آسمان میں ہے کی عبادت کرتے ہیں۔

حضور نے پوچھا! کہ اگر تمہیں کوئی ضرر اور تکلیف پہنچے تو کس خدا کو پکارتے ہو۔ کہا اس ایک خدا

کو جو آسمان میں ہے پھر پوچھا اگر مال ہلاک ہو جائے تو پھر کس کو پکارتے ہو تو کہا آسمان والے ایک خدا کو۔

حضور نے فرمایا! بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمہاری دعائیں تو ایک آسمانی خدا قبول کرتا ہے مصیبتوں سے وہی اکیلا تمہیں نجات دیتا ہے لیکن جب عبادت کا وقت آتا ہے تو زمین کے بے فیض خداؤں کی پوجا بھی کرنے لگتے ہو کیا تم اس شرک کو پسند کرتے ہو۔ اے حصین! اسلام کو قبول کر لو عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے۔

حضور کی نگاہ کرم سے دلوں پر پڑے ہوئے پردے اٹھ گئے اسی وقت اس نے اسلام قبول کر لیا اس کا بیٹا عمران خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا وہ اٹھا اپنے باپ کے سر کو چوما۔ اس کے ہاتھوں کو اور اس کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ رؤف و رحیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آنکھوں سے فرط مسرت سے اشکوں کے موتی ٹپکنے لگے فرمایا میں تو عمران کے طرز عمل سے متاثر ہو کر اشک بار ہوا ہوں۔ حصین جب یہاں آیا تو عمران بیٹھا رہا جب یہ مسلمان ہو گیا تو عمران وارفتگی کے عالم میں باپ کے پاس دوڑ کر پہنچا اس کے سر کو چوما۔ اس کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسے دینے لگا۔ اس کے اس طرز عمل سے میں بہت متاثر ہوا ہوں جب حصین واپس جانے لگے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِہٖ شَیِّعُوْہُ اِلٰی مَنْزِلِہٖ۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ حضرت حُصین کو ان کے گھر تک پہنچا آئیں۔"

حضرت حُصین کے قومی بھائی باہر ان کا انتظار کر رہے تھے انہوں نے دہلیز سے جب قدم باہر رکھا تو اس کے چہرے پر انوار الٰہی کا ہجوم دیکھ کر سہم گئے اور سمجھ گئے کہ یہ کفر سے رشتہ توڑ چکا ہے۔ معبودان باطل کی بندگی کی قید سے آزاد ہو چکا ہے اب یہ ہمارے کسی مصرف کا نہیں۔ (۱)

عمرو بن عتبہ السلمی کا ایمان

یہ اپنے ایمان لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں۔

ا۔ السیرۃ الحلبیہ، جلد اول، صفحہ ۲۶۹ و دیگر کتب سیرت

زمانہ جاہلیت میں ہی میں اپنی قوم کے معبودوں سے بیزار اور متنفر ہو چکا تھا ایسے بتوں کی پرستش کرنا جو نہ نفع پہنچا سکتے ہوں اور نہ نقصان۔ میرے نزدیک بڑا احمقانہ فعل تھا میں نے اہل کتاب کے ایک عالم سے پوچھا کہ افضل ترین دین کون سا ہے۔ اس نے بتایا کہ عنقریب مکہ میں ایک آدمی ظاہر ہو گا جو اپنی قوم کے معبودوں سے بیزاری کا اعلان کرے گا اور ایک دوسرے خدا کی عبادت کی دعوت دے گا جو دین لے کر وہ آئے گا۔ وہ افضل الادیان ہو گا تم جب اس شخص کے ظہور کے بارے میں سنو تو فوراً اس کی اطاعت اختیار کر لو۔

مکہ میں مجھے اور کوئی کام نہ تھا۔ میں بار بار وہاں جاتا تاکہ اس نبی منتظر کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ میں تھوڑے وقفہ کے بعد مکہ جایا کرتا۔ اور جا کر دریافت کرتا کہ کیا کوئی نیا واقعہ رونپذیر ہوا ہے۔ جب نفی میں جواب ملتا تو واپس چلا آتا۔ مکہ جانے والی شاہراہ جو ہمارے علاقہ سے گزرتی تھی وہاں سے گزرنے والے قافلوں سے بھی میں یہی استفسار کرتا رہتا آخر ایک روز جب میں مکہ کی شاہراہ پر محو انتظار تھا تو ایک قافلہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ میں نے کسی سے پوچھا بتاؤ مکہ کی کوئی نئی بات اس نے کہا نئی بات یہ ہے کہ وہاں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس نے اپنی قوم کے معبودوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور خدائے واحد کی عبادت کی لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ یہ سن کر میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی گویا مجھے گوہر مقصود مل گیا۔ سفر کے لئے سامان باندھا اور میں فوراً مکہ روانہ ہو گیا۔

وہاں پہنچ کر اپنی سابقہ قیام گاہ پر اپنا سامان رکھا اور اس شخص کی تلاش شروع کر دی آخر اسے ڈھونڈ نکالا وہ وہاں ایک مکان میں خفیہ طور پر لوگوں کو اپنی دعوت پہنچا رہے تھے قریش اس کی مخالفت میں دیوانے ہو رہے تھے بڑی مشکل سے میں ان کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوا وہاں جا کر سلام عرض کیا اور پوچھا آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا میں اللہ کا نبی ہوں۔ میں نے پوچھا نبی اللہ۔ کیا ہوتا ہے فرمایا وہ اللہ کا فرستادہ ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا آپ کو کس نے رسول بنا کر بھیجا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ اس نے کیا پیغام پہنچانے کے لئے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟۔

قَالَ اَنْ تُوْصِلَ الرَّحِمَ وَتَحْقِنَ الدِّمَاءَ وَتَاْمَنَ السَّبِيْلَ وَتَكْسِرَ الْاَوْثَانَ وَتَعْبُدَ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا

"آپ نے فرمایا: اس نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں تمہیں یہ چیزیں بتاؤں کہ صلہ رحمی کیا کرو۔ خونریزی سے اجتناب کیا کرو۔ راستوں کو پر

امن رکھا کرو۔ بتوں کو توڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ۔ "

یہ سن کر میں نے عرض کی۔ یہ بہترین دعوت ہے۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔

پھر میں نے کہا۔ کیا میں آپ کے پاس ٹھہروں یا واپس وطن چلا جاؤں۔ آپ کی مرضی کیا ہے حضور نے فرمایا لوگ ہم سے جس طرح نفرت کرتے ہیں وہ تم دیکھ رہے ہو۔ سردست تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ جب تمہیں پتہ چلے کہ میں مکہ سے ہجرت کر کے کہیں باہر چلا گیا ہوں تو پھر میرے پاس آ جانا۔ کچھ عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ حضور مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے ہیں تو میں بھی حضور کی خدمت میں وہاں جا پہنچا۔ میں نے عرض کی یا نبی اللہ! کیا آپ نے مجھے پہچان لیا ہے فرمایا ہاں۔ تم سُلمیٰ ہو تم مکہ میں میرے پاس آئے تھے اور میں نے تمہیں یہ یہ باتیں کہی تھیں۔ پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ! دعا کی قبولیت کی بہترین ساعتیں کون سی ہیں۔

قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَالصَّلٰوةُ مَشْهُوْدَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ

"نصف رات کا پچھلا حصہ اور نماز کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ بھی قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے۔"

ایمان حضرت حمزہ

اسلام کا نور تاباں آہستہ آہستہ سلیم الفطرت لوگوں کے اذہان و قلوب کو منور کرتا جا رہا تھا اسلام نے اپنے فطری حسن و جمال سے بڑی بڑی جلیل القدر اور نادرہ روزگار ہستیوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی عظیم شخصیت اسلام قبول کر کے اس کی قوت میں اضافہ کا باعث بن رہی تھی اسلام کے خلاف اگرچہ مشرکین مکہ کا اجتماعی ردّعمل ابھی شروع نہیں ہوا تھا لیکن اکا دکا ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے جس سے اس بغض و عداوت کا اظہار ہوتا رہتا جو اسلام کے بارے میں ان کے دلوں میں سلگ رہا تھا حضرت صدیق اکبر کو جس بے رحمی سے کفار نے پیٹا۔ اس کے بارے میں آپ پہلے پڑھ چکے ہیں اسی طرح بے سہارا اور بے آسرا لوگ جو دین حق کو قبول کرتے ان پر ظلم و ستم توڑنے میں وہ قطعاً تامل نہ کرتے یہاں تک ان میں سے جو زیادہ شقی القلب تھے انہوں نے محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر بھی

دست تعدی دراز کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایک روز رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم صفا کی پہاڑی پر تشریف فرما تھے ابو جہل کا ادھر سے گزر ہوا حضور کو دیکھا تو اس کے سینے میں بغض و عناد کا جو لاوا سلگ رہا تھا پھٹ پڑا۔ اس نے سَبّ و شتم کے تیر برسانے شروع کر دیئے حلم و وقار کے اس کوہ گراں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اس بے اعتنائی پر ابو جہل کا غصہ اور تیز ہو گیا اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا۔ اس نے اس سے مارنا شروع کیا پے درپے ضربوں سے جسم نازک واطہر سے خون رسنے لگا لیکن اس پیکر تسلیم ورضا نے صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا اور اُف تک نہ کی۔ دل کا غبار نکال کر ابو جہل اتراتا ہوا اپنے مداحوں کی اس محفل میں جا بیٹھا جو صحن حرم میں اس کے قبیلہ والوں نے منعقد کی ہوئی تھی۔

اس کے چلے جانے کے بعد رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بھی خاموشی سے اپنے گھر تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن جدعان کا گھر کوہ صفا کے قریب تھا۔ اس کی ایک لونڈی نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا حضرت حمزہ اس روز جنگل میں شکار کے لئے گئے ہوئے تھے۔ چاشت کے وقت ایک کامیاب شکاری کی طرح شاداں و فرحاں واپس آ رہے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ شکار سے واپسی پر پہلے حرم شریف میں حاضری دیتے بیت اللہ شریف کا طواف کرتے پھر صحنِ حرم میں رؤسا قریش نے اپنی اپنی محفلیں جہاں جہاں جمار کھی ہوتی تھیں وہاں جاتے۔ سب سے علیک سلیک کرتے۔ مزاج پرسی کرتے تب گھر واپس جاتے۔ اس روز بھی اسی ارادہ سے وہ حرم شریف کی طرف جا رہے تھے کہ کوہ صفا کے پاس سے گزر ہوا۔ عبداللہ بن جدعان کی جس کنیز نے ابو جہل کی تعدّی کا دلخراش منظر دیکھا تھا وہ ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور کہا۔

يَا اَبَا عُمَارَةَ لَوْ رَأَيْتَ مَا لَقِيَ ابْنُ اَخِيْكَ مُحَمَّدٌ مِنْ اَبِي الْحَكَمِ
اٰنِفًا وَجَدَهُ هٰهُنَا فَاٰذَاهُ فَشَتَمَهُ وَبَلَغَ مِنْهُ مَا يَكْرَهُ ثُمَّ
اِنْصَرَفَ عَنْهُ وَلَمْ يُكَلِّمْهُ

"اے ابو عمارہ! آج تیرے بھتیجے کے ساتھ ابو جہل نے یہ وحشیانہ سلوک کیا ہے پہلے گالیاں دیتا رہا جب حضور نے خاموشی اختیار کئے رکھی پھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔"

یہ سن کر حضرت حمزہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی غصہ سے آگ بگولہ ہو کر ابو جہل کی تلاش میں آگے بڑھے۔ آج ان کی کیفیت ہی نرالی ہے نہ کسی سے پرسش احوال کر رہے ہیں نہ

کسی محفل میں کھڑے ہو کر سلام کہہ رہے ہیں ابو جہل کی تلاش میں سیدھے آگے بڑھے چلے جاتے ہیں آخر کار آپ کی نظر ابو جہل پر پڑ گئی جو اپنے اہل قبیلہ کی محفل میں بڑی تمکنت سے بیٹھا ہے۔ لوگ سراپا ادب بن کر اس کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں آپ اس مجمع میں گھس گئے اپنی کمان سے اس مردود کے سر پہ درپے ضربیں لگائیں کہ خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور غصہ سے گرجتے ہوئے کہا۔ اَتَشْتِمُهٗ وَاَنَا عَلٰی دِیْنِهٖ "اے ابو جہل تیری یہ مجال کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں نکالے حالانکہ میں نے اس کا دین قبول کر لیا ہے۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو آ اور مجھے روک کر دیکھ۔

بنو مخزوم قبیلہ کے لوگ اپنے سردار کی اس رسوائی پر سیخ پا ہو گئے اٹھے کہ حمزہ سے اس کا بدلہ لیں۔ ابو جہل بڑا کائیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حمزہ جیسے شیر دل کا مقابلہ ان لومڑیوں سے نہیں ہو سکے گا خواہ مخواہ کئی جانیں ضائع ہوں گی اپنے قبیلہ والوں کو کہا کہ۔

دَعُوْا اَبَا عُمَارَةَ فَاِنِّیْ وَاللهِ قَدْ سَبَبْتُ اِبْنَ اَخِیْهِ سَبًّا قَبِیْحًا

"ابو عمارہ (حمزہ) کو کچھ نہ کہو بخدا میری غلطی ہے کہ میں نے اس کے بھتیجے سے بد کلامی کی ہے۔"

رشتہ داری کے جوش میں یہ سب کچھ ہو گیا ابو جہل سے اپنے پیارے بھتیجے کا انتقام بھی لے لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دیا لیکن جب گھر واپس آئے تو نفس امارہ نے ملامت کرنا شروع کر دی اے حمزہ! تو نے یہ کیا کیا۔ فرط غضب میں تو اتنا دور چلا گیا کہ اپنے آباؤ اجداد کے عقیدے کو بغیر سوچے سمجھے ترک کر دیا اور ایک نئے دین کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ تو نے جلد بازی میں بڑا غلط فیصلہ کیا ہے۔ حمزہ گومگو کے عالم میں ہیں۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کریں انہیں یہ بات اپنی شان کے سراسر خلاف معلوم ہوئی کہ انہوں نے ایک ایسے دین کو قبول کر لیا ہے جس کے بارے میں انہوں نے پوری طرح سے غور و خوض ہی نہیں کیا۔ ساری رات بڑے قلق و اضطراب میں کٹی۔ ایسی پریشان رات انہوں نے آج تک نہیں گزاری تھی۔ اور ایسے ذہنی کرب سے انہیں کبھی پالا نہیں پڑا تھا جب صبح ہوئی تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے عرض کی۔

یَا ابْنَ اَخِیْ اِنِّیْ قَدْ وَقَعْتُ فِیْ اَمْرٍ لَا اَعْرِفُ الْمَخْرَجَ مِنْهُ وَ اِقَامَةُ مِثْلِیْ عَلٰی مَا لَا اَدْرِیْ مَا هُوَ۔ اَرُشْدٌ اَمْ هُوَ غَیٌّ شَدِیْدٌ وَحَدِّثْنِیْ وَقَدِ اشْتَهَیْتُ یَا ابْنَ اَخِیْ اَنْ تُحَدِّثَنِیْ

"اے میرے بھتیجے! میں ایک ایسی مشکل میں گرفتار ہو گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ میں نہیں جانتا۔ اور ایسی بات پر میرا قائم رہنا بڑا مشکل ہے جس کے بارے میں مجھے یہ علم نہیں کہ یہ ہدایت ہے یا گمراہی۔ اس لئے مجھے اس بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے میرے بھتیجے! میری خواہش ہے کہ آپ اس سلسلہ میں گفتگو کریں۔" (۱)

عقل و دل و نگاہ کے مرشد کامل نے حمزہ کے بے تاب دل کی طلب پر توجہ فرمائی اور بڑے دلنشین انداز میں اسلام کی صداقت و حقانیت کے بارے میں چند ارشادات فرمائے "دَیْرُکَیْہِمْ" کی شان والے نبی کی نگاہ التفات کی دیر تھی کہ سارے حجابات اٹھ گئے ساری ظلمتیں کافور ہو گئیں۔ شک و شبہ کا غبار چھٹ گیا دل کی دنیا نور ایمان سے جگمگ جگمگ کرنے لگی۔ اور عرض کی اَشْهَدُ اَنَّكَ لَصَادِقٌ" میں دل کی گہرائیوں سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔

فَاَظْهِرْ یَا ابْنَ اَخِی دِیْنَكَ فَوَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِی مَا اَظَلَّتْهُ السَّمَاءُ وَاَنِّی عَلٰی دِیْنِی الْاَوَّلِ

"اے میرے بھائی کے فرزند! آپ اپنے دین کا اظہار فرماتے رہیے۔ بخدا! میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ مجھے ہر وہ نعمت دے دی جائے جس پر آسمان سایہ فگن ہے تاکہ میں اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جاؤں۔"

آپ کے ایمان لانے سے عالم کفر پر ایک رعب طاری ہو گیا بے آسرا مسلمانوں پر ان کی ستم رانیوں میں بڑی حد تک کمی آگئی۔ آپ کے اشعار جو آپ نے اپنے ایمان لانے کی خوشی میں بطور شکر و حمد کہے ہیں آپ بھی انہیں پڑھیے اور لطف اٹھائیے۔

حَمِدْتُ اللّٰهَ حِیْنَ هَدٰی فُؤَادِی ۔۔۔ اِلَی الْاِسْلَامِ وَالدِّیْنِ الْحَنِیْفِ

"میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی اسلام قبول کرنے کے لئے جو دین حنیف ہے۔"

لِدِیْنٍ جَاءَ مِنْ رَبٍّ عَزِیْزٍ ۔۔۔ خَبِیْرٍ بِالْعِبَادِ بِهِمْ لَطِیْفِ

۱۔ سبل الہدیٰ، جلد دوم، صفحہ ۴۴۴

"وہ دین جو رب کریم کی طرف سے آیا ہے جو عزت والا ہے جو اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے ساتھ لطف و احسان فرمانے والا ہے۔"

إِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهُ عَلَيْنَا تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِي اللُّبِّ الْحَصِيفِ

"جب اس کے پیغاموں کی ہم پر تلاوت کی جاتی ہے تو ہر عقل مند اور زیرک انسان کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔"

رَسَائِلُ جَاءَ أَحْمَدُ مِنْ هُدَاهَا بِآيَاتٍ مُبَيِّنَةِ الْحُرُوفِ

"یہ ایسے پیغامات ہیں جو احمد مجتبیٰ لے کر آئے ہیں ایسی آیات کے ساتھ جن کے حروف روشن ہیں۔"

وَأَحْمَدُ مُصْطَفًى فِينَا مُطَاعٌ فَلَا تَغْشُوهُ بِالْقَوْلِ الضَّعِيفِ

"احمد مصطفیٰ وہ ہیں جن کی ہم میں اطاعت کی جاتی ہے کوئی کمزور قول اور عقل و فہم سے گری ہوئی کوئی بات ان کا گھراؤ نہیں کرتی۔"

مشہور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنی سیرت کی کتاب "رحمتہ للعالمین" میں حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی ایک اور وجہ تحریر فرمائی جو بڑی ایمان افروز ہے لکھتے ہیں۔

قرابت کے جوش میں حمزہ، ابو جہل کے پاس پہنچے اور اس کے سر پر اس زور سے کمان کھینچ ماری کہ وہ زخمی ہو گیا حمزہ پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے پاس گئے اور کہا بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابو جہل سے تمہارا بدلہ لے لیا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا چچا! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ حمزہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ (۱)

قاضی صاحب نے اس کا حوالہ نہیں دیا۔ میرے پاس جتنے مراجع ہیں مجھے ان میں سے کہیں اس کا سراغ نہیں ملا۔ لیکن قاضی صاحب کی ثقاہت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یقیناً ان کے پاس اس کا مستند حوالہ ہو گا۔

۱۔ رحمتہ للعالمین، مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور جلد اول، صفحہ ۶۳

آپ کب ایمان لے آئے:۔

اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اعلان نبوت کے پانچویں سال اور بعض نے اعلان نبوت کے چھٹے سال۔ لیکن علماء محققین کی تحقیق یہ ہے کہ آپ اعلان نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے۔ چنانچہ۔

علامہ ابن حجر، جو فنِ رجال کے امام ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

وَاَسْلَمَ فِی السَّنَةِ الثَّانِیَةِ مِنَ الْبِعْثَةِ وَلَازَمَ نَصْرَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهَاجَرَ مَعَهُ

" آپ بعثت کے دوسرے سال ایمان لائے دم واپسیں تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نصرت میں کمر بستہ رہے اور مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔ "

اَسْلَمَ فِی السَّنَةِ الثَّانِیَةِ مِنَ الْمَبْعَثِ

" آپ نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے۔ "

انہوں نے سن چھ کا قول بھی لکھا ہے لیکن "قیل" کے ساتھ جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

اَسْلَمَ فِی السَّنَةِ الثَّانِیَةِ مِنَ الْمَبْعَثِ

" آپ بعثت کے دوسرے سال ایمان لے آئے۔ " (۱)

علامہ احمد بن زینی دحلان السیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں۔

کَانَ اِسْلَامُ حَمْزَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ فِی السَّنَةِ الثَّانِیَةِ مِنَ النُّبُوَّةِ عَلَی الصَّحِیْحِ وَقِیْلَ فِی السَّنَةِ السَّادِسَةِ

"صحیح قول یہ ہے کہ حضرت حمزہ نبوت کے دوسرے سال ایمان لائے اور بعض نے چھٹا سال لکھا ہے۔ " (۲)

۱۔ اسد الغابہ، جلد دوم، صفحہ ۴۶

۲۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۲۱۳

فضیلۃ الشیخ محمد الصادق العرجون، اپنی سیرت کی کتاب میں رقمطراز ہیں۔

فَقَدْ جَذَبَتْ اِلٰی سَاحَتِہَا فِی السَّنَۃِ الثَّانِیَۃِ مِنْ بَدْءِ وَحْیِ الرِّسَالَۃِ کَمَا قَطَعَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ بِہٖ فِی الْاِصَابَۃِ وَصَدَّرَبِہٖ اَبُوْعُمَرَ بْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِی الْاِسْتِیْعَابِ وَتَبِعَہُمَا الْقَسْطَلَانِیُّ فِی الْمَوَاہِبِ اَعَزَّ فَتًی فِیْ قُرَیْشٍ وَاَشَدَّ شَکِیْمَۃً اَسَدَ اللّٰہِ وَاَسَدَ رَسُوْلِہٖ سَیِّدَ الشُّہَدَآءِ مَرْغَمَ کَتَائِبِ الشِّرْکِ وَالْوَثَنِیَّۃِ فِیْ بَدْرٍ وَرَافِعَ رَایَۃِ الْاِسْلَامِ وَالتَّوْحِیْدِ الْفَارِسَ الْمُعْلَمَ اَبُوْعُمَارَۃَ حَمْزَۃُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، عَمُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَخُوْہُ مِنَ الرَّضَاعِ وَابْنُ خَالَتِہٖ نَسَبًا وَمَنْزِلَۃً فَاُمُّہٗ ہَالَۃُ بِنْتُ وُہَیْبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ زُہْرَا ابْنَۃُ عَمِّ اٰمِنَۃَ بِنْتِ وَہْبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ اُمِّ سَیِّدِ الْخَلْقِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

"دعوت اسلامی نے وحی رسالت کے آغاز میں دوسرے سال اپنے آغوش میں قریش کے معزز ترین جوان، بڑے طاقتور، اللہ اور اس کے رسول کے شیر، سارے شہیدوں کے سردار، میدان بدر میں شرک اور بت پرستی کے لشکروں کو تہس نہس کر دینے والے، اسلام اور توحید کے پرچم بلند کرنے والے، مشہور شہسوار ابو عمارہ حمزہ بن عبدالمطلب کو کھینچ لیا۔ علامہ ابن حجر کی یہی قطعی رائے ہے علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور علامہ قسطلانی نے مواہب میں اسی قول کو ترجیح دی ہے حضرت حمزہ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی تھے اور نسب کے اعتبار سے خالہ کے بیٹے بھی تھے۔ کیونکہ آپ کی والدہ ہالہ، وہیب کی بیٹی تھیں جو حضرت آمنہ جو سید الخلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی والدہ تھیں۔ کے والد وھب کے بھائی تھے۔"

بلاشبہ حضرت حمزہ جیسے مرد میدان، بہادر اور نڈر، اور قریش کے معزز نوجوان کا بغیر کسی جبر اور بغیر کسی لالچ کے اسلام کو بطیب خاطر قبول کر لینا اسلام کی صداقت کی ناقابل تردید دلیل ہے اور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ حضرت حمزہ غزوہ احد میں شہید ہوئے اور غزوہ احد سنہ ۳ ھ میں وقوع پذیر

ہوا۔ یہ امر بھی اسی قول کی تائید کرتا ہے کہ آپ دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت سیدنا عمر بن خطاب کا ایمان لانا

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے شیر دل اور بہادر سردار کے اسلام لانے سے مکہ کی طاغوتی قوتوں پر سکتہ طاری ہو گیا لیکن اسلام کی قلوب و اذہان کو مسخر کرنے والی قوتیں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز معجزوں کو بروئے کار لانے والی تھیں۔ چند روز میں عالم کفر کی ایک عدیم المثال شخصیت نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے حضور دست بستہ حاضر ہو کر سر تسلیم خم کرنے والی تھی چنانچہ تین چار روز بعد خطاب کا جوشیلا بیٹا، عمر۔ جو ایک قوی ہیکل، بلند قامت، بے باک مزاج ۲۶ سالہ نوجوان تھا گوشہ تنہائی میں بیٹھا ہوا اپنے ارد گرد وقوع پذیر ہونے والے واقعات پر غور و فکر کر رہا تھا۔ اسے اس بات پر سخت حیرت تھی کہ تنہا ایک آدمی کی دعوت نے سارے ماحول کو پراگندہ کر کے رکھ دیا ہے مکہ کی پرامن فضا میں عداوت کی چنگاریاں سلگنے لگی ہیں۔ قبائل میں باہمی ہم آہنگی تہ و بالا ہو رہی ہے۔ خاندانوں کی ایک دوسرے سے محبت نفرت کا رنگ اختیار کرتی جا رہی ہے بلکہ باپ بیٹوں سے، بھائی بھائی سے اور پڑوسی پڑوسی سے بدگمان ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جن بتوں کی صدیوں سے پوجا کی جا رہی تھی۔ اب ان کی بے بسی اور بے کسی کے افسانے ہر کس و ناکس کی زبان پر ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کی دانش مندی کی قسمیں کھائی جاتی تھیں۔ اب انہیں گمراہ اور احمق کہا جا رہا ہے۔ عمر اور رتبہ میں چھوٹے لوگ بڑوں پر پھبتیاں کسنے لگے ہیں۔ اگر حالات پر قابو نہ پایا گیا تو ہمارا یہ عظیم اور مقدس معاشرتی نظام دھڑام سے زمین بوس ہو جائے گا۔ جو لوگ اس سلسلہ میں کوئی مؤثر کردار انجام دے سکتے ہیں انہیں جلد کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہئے۔ ورنہ پانی سر سے گزر جائے گا۔

وہ نوجوان اس بات پر بھی حیران و ششدر رہتا۔ کہ جو لوگ اس شخص کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں ان پر جتنی بھی سختیاں کی جائیں انہیں جتنے سنگین نوعیت کے عذاب کے شکنجوں میں کس دیا جائے۔ وہ کسی قیمت پر اس دین سے اپنا رابطہ منقطع کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ وہ سسک سسک کر جان تو دے سکتے ہیں۔ لیکن اس نبی مکرم کا دامن چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔

طویل غور و خوض کے بعد وہ نوجوان اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس فتنہ پر قابو پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ اس شخص کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا جائے جس نے یہ سد افساد برپا کر رکھا

ہے۔ لیکن وہ کون ماں کا لال ہے جو اس ذمہ داری کو اٹھا سکے۔ اس کی نگاہ انتخاب ادھر ادھر سے گھوم پھر کر اپنی ذات پر ہی مرکوز ہو کر رہ جاتی تھی۔ اسے اپنی سخت جانی، شجاعت اور مستقل مزاجی پر کامل بھروسا تھا۔ اپنے عقائد اور نظریات کے ساتھ اسے جو وابستگی تھی۔ اپنے بتوں سے اسے جو قلبی عقیدت تھی۔ اپنے معاشرتی نظام کو بچانے کا جو جذبہ اس کے رگ و پے میں بجلی بن کر دوڑ رہا تھا۔ اس نے اسے اس راہ میں ہر قربانی دینے کے لئے آمادہ کر دیا تھا۔ وہ اپنے میں وہ دم خم محسوس کرنے لگا تھا جو سارے بنو ہاشم کے غم و غصہ کے طوفانوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو سکتا تھا۔

آخر کار طویل سوچ بچار کے بعد وہ اس از حد خطرناک مہم کو سرانجام دینے کے لئے اٹھا، اپنی شمشیر بر آں اپنے گلے میں حمائل کی، اور اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا عزم بالجزم کر کے وہ اپنے گھر سے نکلا۔ گرمی کا موسم تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ دھوپ بڑی سخت تھی۔ گرم لو، جسم کو جھلسا رہی تھی۔ لیکن عمر، ان تمام چیزوں سے بے نیاز اپنی دھن میں گم آگے بڑھ رہا تھا۔ راستہ میں ایک قرشی نوجوان نُعیم بن عبداللہ النحّام سے مڈبھیڑ ہو گئی نُعیم مسلمان ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ عمر کے تیور دیکھ کر ان سے صبر نہ ہو سکا۔ پوچھ لیا۔ عمر، کدھر کا قصد ہے۔ عمر نے بڑی رعونت سے جواب دیا کہ اس شخص کا سر قلم کرنے کے لئے جا رہا ہوں جس نے میرے شہر کا سکون چھین لیا ہے۔ اور گھر گھر نفرت کے انگارے دہکا دیئے ہیں۔ نعیم نے کہا! ادھر بعد میں جانا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تیری بہن فاطمہ اور تیرے بہنوئی سعید بن زید اس نبی کا کلمہ پڑھ چکے ہیں۔

یہ خبر سن کر عمر کے اوسان خطا ہو گئے آگے بڑھنے کے بجائے اپنے بہنوئی کے گھر کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر کواڑ کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ تو کسی کلام کے پڑھے جانے کی آواز سنائی دی زور سے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی۔ کون؟ کڑک کر جواب دیا۔ خطاب کا بیٹا عمر، دروازہ کھولو۔ جب اہل خانہ نے عمر کی آواز سنی تو سہم گئے ان اوراق کو احتیاط سے سنبھال کر رکھ دیا جن پر قرآن کریم کی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ ہمشیرہ نے جا کر دروازہ کھولا۔ اپنی بہن کو دیکھتے ہی عمر بہت غضبناک ہو کر گرجے۔ اے اپنی جان کی دشمن! مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مرتد ہو گئی ہو۔ اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے۔ اور نیا مذہب قبول کر لیا ہے ہاتھ میں سوٹی تھی اس سے بہن کو پیٹنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ پھر اپنے بہنوئی سعید بن زید کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔ جب عمر کی

دست درازی حد سے تجاوز کر گئی تو بہن نے زخمی شیرنی کی طرح گرج کر کہا۔

اے بھائی! جتنا تیرا جی چاہتا ہے مجھے مار۔ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے لیکن کان کھول کر سن لے۔ میں اپنا دین کسی قیمت پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ سارا جسم خون سے لت پت ہے سر کے زخموں سے خون رس رہا ہے اس حالت میں یہ جرأت مندانہ جواب سن کر عمر کا دل پسیج گیا کہنے لگا بہن! مجھے وہ صحیفہ دکھاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں۔ بہن نے بے دھڑک جواب دیا۔ کہ تم مشرک ہو۔ نجس اور ناپاک ہو۔ تم اس صحیفہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ اگر تمہیں شوق ہے تو غسل کر کے پہلے اپنے آپ کو پاک کرو تب میں تمہیں وہ صحیفہ پڑھنے کے لئے دے سکتی ہوں۔ عمر اٹھے۔ غسل کیا بہن فاطمہ نے وہ صحیفہ بھائی کو دیا۔ کھولا تو سامنے سورہ طٰہٰ تھی پڑھنا شروع کیا۔ ابھی چند آیتیں ہی تلاوت کی تھیں کہ اس کی تاثیر سے سنگ خارہ سے بھی سخت تر دل پانی پانی ہو گیا آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے بے چین ہو کر پوچھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کہاں ہیں میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بگڑی سنوارنا چاہتا ہوں۔

یہ سارا انقلاب خود بخود رونما نہیں ہو رہا تھا۔ بلکہ اس کے پس پردہ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی دعا کی تاثیر کارفرما تھی۔ صرف ایک روز پہلے حضور سرور عالم نے اپنے مولا کریم کی بارگاہ بیکس پناہ میں دست مبارک اٹھا کر التجا کی تھی۔

اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ الرَّجُلَيْنِ اِلَيْكَ بِعُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ۔

"اے اللہ! ان دو آدمیوں عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابو جہل) میں سے جو تمہیں زیادہ پسند ہے اس سے دین کو عزت عطا فرما۔"

اور جو روایت حضرت ابن مسعود سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ۔

"اے اللہ! عمر کو مشرف باسلام کر کے اسلام کی مدد فرما۔"

اس روایت میں صرف حضرت عمر کے لئے دعا فرمائی گئی ہے۔

درحقیقت اس مقبول دعا کی کمند عمر جیسے سخت دل دشمن اسلام کو کشاں کشاں رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے دربار میں لا رہی تھی۔ حضور اس وقت دار ارقم میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ دروازہ بند تھا۔ اس پر دستک ہوئی۔ کسی نے

کواڑ کے سوراخ سے دیکھا کہ باہر عمر کھڑا ہے۔ ننگی تلوار گلے میں لٹک رہی ہے صحابہ جھجکے۔ دروازہ کھولیں یا نہ کھولیں۔ حضرت حمزہ موجود تھے فرمایا۔ مت ڈرو۔ دروازہ کھول دو اگر عمر اندر داخل ہو کر بارگاہ مصطفوی کے آداب ملحوظ رکھے گا تو ہم ادب و احترام سے اس کو خوش آمدید کہیں گے اور اگر اس کی نیت میں ذرا فتور محسوس ہوا تو اسی کی تلوار اس سے چھین کر اس کا سر اڑا دیا جائے گا۔

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِفْتَحُوْا لَہٗ فَاِنَّہٗ اِنْ یُّرِدْ بِہٖ خَیْرًا یَّھْدِہٖ۔

"رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ اللہ تعالیٰ نے اگر اس کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے تو اس کو ہدایت دے دے گا۔"

چنانچہ دروازہ کھولا گیا دو آدمیوں نے عمر کو دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا۔ یہاں تک کہ وہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے قریب پہنچ گیا۔ حضور نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے چھوڑ دیا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اٹھے اور عمر کی چادر کو پکڑ کر اسے زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا۔

اَسْلِمْ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَہٗ اَللّٰھُمَّ اھْدِ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الدِّیْنَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَللّٰھُمَّ اَخْرِجْ مَا فِیْ صَدْرِ عُمَرَ مِنْ غِلٍّ وَ اَبْدِلْہُ اِیْمَانًا۔

"فرمایا اے عمر اسلام قبول کر لے۔ اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت کے نور سے روشن کر دے اے اللہ! عمر بن خطاب کو ہدایت عطا فرما تا۔ اے اللہ! عمر بن خطاب کے ذریعہ دین کو عزت بخش۔ اے اللہ! عمر کے سینہ میں اسلام کی جو عداوت ہے اس کو نکال دے اور اس کو ایمان سے تبدیل کر دے۔"

حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد عرض کی۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔"

حضور نے جب یہ سنا تو فرط مسرت سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ حضور کے نعرہ کے بعد تمام مسلمانوں نے اس زور سے نعرہ تکبیر لگایا کہ سارے مکہ کی گلیاں اور فضائیں اس نعرہ سے گونج اٹھیں۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں جب مشرف باسلام ہوا تو میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی۔

يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ اِنْ مُتْنَا وَاِنْ حَيِيْنَا

"اے اللہ کے پیارے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ ہم مریں خواہ ہم زندہ رہیں۔"

حضور نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم حق پر ہو خواہ تم مرو یا زندہ رہو۔

پھر میں نے عرض کی۔

فَفِيْمَ الْخِفَاءُ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔ عَلَامَ نُخْفِيْ دِيْنَنَا وَنَحْنُ عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ۔

"اے اللہ کے رسول! پھر ہم کیوں چھپتے ہیں۔ ہم اپنے دین کو کیوں چھپاتے ہیں حالانکہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں۔"

حضور نے فرمایا اے عمر! ہماری تعداد کم ہے اور تم دیکھتے ہو جو کفار ہمارے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔

حضرت عمر نے عرض کی۔

وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ نَبِيًّا لَا يَبْقٰى مَجْلِسٌ جَلَسْتُ فِيْهِ بِالْكُفْرِ اِلَّا جَلَسْتُ فِيْهِ بِالْاِيْمَانِ۔

"اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے تمام وہ مجلسیں جن میں، میں کفری حالت میں بیٹھا کرتا تھا اب مسلمان ہونے کے بعد میں ان سب میں بیٹھوں گا۔"

پھر ہم دار ارقم سے دو قطاریں بنا کر نکلے۔ ایک قطار کے آگے آگے میں تھا اور دوسری قطار کے آگے حضرت حمزہ تھے یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ جب قریش نے ہمیں اس حالت میں دیکھا تو ان پر کوہ الم ٹوٹ پڑا میں نے اپنے ایمان کی خبر کو مشتہر کرنے کے لئے

جمیل بن مغمر کو اطلاع دی۔ اور اس نے شور مچادیا کہ خطاب کا بیٹا صابی ہو گیا۔ یعنی مرتد ہو گیا۔

حضرت صہیب جو سابقین اولین میں سے ہیں۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد کے واقعات یوں روایت کرتے ہیں۔

وَقَالَ صُهَيْبٌ لَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُكْتَمَ هٰذَا الدِّيْنُ اَظْهِرْ دِيْنَكَ وَخَرَجَ وَمَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَ عُمَرُ اَمَامَهُمْ مَعَهُ سَيْفٌ يُنَادِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَقَالَتْ قُرَيْشٌ لَقَدْ اَتَاكُمْ عُمَرُ مَسْرُوْرًا مَا وَرَاءَكَ يَا عُمَرُ۔ قَالَ وَرَائِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ تَحَرَّكَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ لَاُمَكِّنَنَّ سَيْفِيْ مِنْهُ ثُمَّ تَقَدَّمَ اَمَامَهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ وَيَحْمِيْهِ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ طَوَافِهٖ۔ (رواہ ابن ماجہ)

"حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر مشرف باسلام ہوئے تو آپ نے عرض کی یارسول اللہ اب یہ مناسب نہیں کہ اس دین کو چھپایا جائے۔ حضور اپنے دین کو ظاہر فرمائیے۔ حضور مسلمانوں کی معیت میں دار ارقم سے باہر تشریف لائے۔ حضرت عمر اپنی تلوار لئے آگے آگے چل رہے تھے اور بلند آواز میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا ورد کر رہے تھے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہوئے قریش نے دیکھ کر کہا آج عمر بڑا خوش خوش آرہا ہے انہوں نے پوچھا عمر، کیا خبر ہے۔ آپ نے فرمایا "وَرَائِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خبر یہ ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خبردار اگر تم میں سے کسی نے ہلنے کی کوشش کی ورنہ میں اپنی تلوار سے تمہیں گھائل کر دوں گا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور کے آگے آگے چلتے رہے حضور نے طواف فرمایا آپ حضور کی حفاظت کر رہے تھے یہاں تک کہ حضور طواف سے فارغ ہو گئے۔" (۱)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایمان کا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک عظیم ترین واقعہ

۱۔ شرح مواہب اللدنیہ، جلد اول، صفحہ ۱۷۷

ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔

لَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَالَ جِبْرَئِیْلُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا مُحَمَّدُ لَقَدِ اسْتَبْشَرَ اَھْلُ السَّمَاءِ بِاِسْلَامِ عُمَرَ۔

"یعنی جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو جبرئیل امین بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ عمر کے مسلمان ہونے سے آسمان کے سارے رہنے والوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا ہے۔"

حضرت ابن مسعود نے آپ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے پر بڑا جامع تبصرہ فرمایا ہے۔

قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ کَانَ اِسْلَامُ عُمَرَ عِزًّا وَھِجْرَتُہٗ نَصْرًا وَاِمَارَتُہٗ رَحْمَۃً وَاللّٰہِ مَا اسْتَطَعْنَا اَنْ نُّصَلِّیَ حَوْلَ الْبَیْتِ ظَاھِرِیْنَ حَتّٰی اَسْلَمَ عُمَرُ (رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی)

"حضرت عمر کا اسلام، مسلمانوں کے لئے باعث عزت اور آپ کی ہجرت باعث نصرت اور آپ کی خلافت سراپا رحمت تھی۔ بخدا! ہماری طاقت نہ تھی کہ ہم ظاہری طور پر کعبہ کے صحن میں نماز ادا کر سکیں۔ یہاں تک کہ حضرت عمر نے اسلام قبول کیا۔" (۱)

آپ کے ایمان لانے کی تاریخ

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے صرف تین دن بعد اسلام کو قبول کیا اور علماء محققین کی یہ رائے بھی بیان کی ہے کہ صحیح قول کے مطابق حضرت حمزہ، نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبوت کے دوسرے سال حضرت حمزہ کے تین دن بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔

اس قول کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ آپ سے پہلے انتالیس مرد مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ کے مسلمان ہونے سے چالیس کا عدد پورا ہوا۔ اس سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔ کہ آپ نبوت کے دوسرے سال حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ لیکن

۱۔ شرح مواہب اللدنیہ، جلد اول، صفحہ ۲۷۷

بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ آپ نے بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا جب کہ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت مکمل ہو چکی تھی۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ہمارے نزدیک وہی قول راجح ہے جس کو علامہ ابن حجر وغیرہ محققین کی تائید حاصل ہے۔

علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں "مناقب عمر" کے باب میں تحریر کیا ہے۔

رَوَى ابْنُ اَبِي خَيْثَمَةَ عَنْ عُمَرَ۔ لَقَدْ رَاَيْتُنِي وَمَا اَسْلَمَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا تِسْعَةٌ وَّثَلَاثُوْنَ وَكَمَّلْتُهُمْ اَرْبَعِيْنَ

"ابن ابی خیثمہ حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ صرف انتالیس آدمی اسلام لا چکے تھے۔ اور میں نے ایمان لا کر چالیس کا عدد مکمل کیا۔"

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر کے ایمان لانے سے مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی تو جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

قَالَ فِيْهِ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ وَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

"حضرت عمر کے ایمان لانے کے بعد جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ اے نبی! کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور وہ مومن جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔"

کیا اسلام تلوار سے پھیلا

نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے بعثت کے بعد پہلے تین سال اعلانیہ تبلیغ کے بجائے خاص خاص لوگوں تک اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو محدود رکھا۔ اس میں ایسی ایسی ہستیاں مشرف باسلام ہوئیں جن کے زریں کارناموں سے ملت اسلامیہ کی تاریخ کے صفحات جگمگا رہے ہیں۔ بے مثال خوبیوں اور عظیم صلاحیتوں سے مالا مال شخصیتوں نے ایسے نازک وقت اور مشکل حالات میں حبیب کبریا علیہ اطیب التحیۃ والثنا کے دست مبارک پر بیعت کر کے اسلام کو دل کی گہرائیوں سے قبول کیا جب کہ اسلام کے بیت المال میں ان کو دینے کے لئے ایک درہم

بھی نہ تھا۔ مسلمانوں کی بے بسی اور بیکسی کا یہ عالم تھا کہ مشرکین ان پر ظلم کے پہاڑ توڑتے اور یہ اُف تک نہ کر سکتے تھے۔ ان حالات میں اسلام قبول کرنے والے وہ لوگ تھے۔ جو طبعی طور پر بڑے خوددار غیور اور مستغنی تھے جہاں بھر کے سارے خزانے اگر ان کے قدموں پر ڈھیر کر دیئے جاتے۔ تو وہ کسی ایسے نظریہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے جسے ان کا ذہن اور ضمیر مسترد کر چکا ہو۔ وہ فطری طور پر اتنے نڈر اور بیباک تھے کہ وہ کسی جابر حکمران کے خوف سے کسی باطل کے سامنے سر جھکا نہیں سکتے تھے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو جو نہ لالچی تھے۔ نہ مفاد پرست نہ بزدل تھے اور نہ ڈرپوک. کس چیز نے انہیں اسلام کا اس قدر گرویدہ بنا دیا اپنے محبوب اور حبیب رسول کے دست مبارک پر ایمان کا عہد کیا تو عمر بھر اس کو نبھایا۔ اور ان میں سے اکثر و بیشتر نے شہادت گہ الفت میں بصد مسرت اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کر دیا۔ بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسلام کی حقانیت کا حسن و جمال تھا جس نے ان شیر دل انسانوں کے دلوں کو موہ لیا تھا۔ یہ سرور عالم و عالمیان کے اسوہ حسنہ کی رعنائیاں اور زیبائیاں تھیں جنھوں نے ان عظیم انسانوں کو اپنا شیدائی بنا لیا تھا۔ یہ اتنے باضمیر اور باکردار لوگ تھے جنہیں کوئی قارون خریدنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ وہ جری اور بہادر لوگ تھے جن کی ہیبت سے کوہساروں کے دل لرزتے تھے۔ اور جن کے رعب سے سمندروں کے طوفان سہم جایا کرتے تھے۔

ایسی نادرہ روزگار ہستیوں کا اسلام لانا، اسلام کی حقانیت اور نبی اسلام. محسن کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

جس اسلام نے اپنی انتہائی بے بسی اور بے کسی کے دور میں محض اپنے فطری حسن اور کمال دلنوازی سے ابو بکر جیسے زیرک و دانا۔ عمر جیسے بہادر و مدبر. عثمان جیسے غنی اور فیاض۔ علی جیسے شیر دل اور بسر علم و حکمت کے نیر اعظم. سعد اور ابو عبیدہ جیسے سپہ سالاروں اور فاتحین کو (رضی اللہ عنہم) اپنا جان نثار بنا لیا تھا۔ اسے کسی اور تلوار کی کیا ضرورت تھی۔

یقیناً وہ سچا دین ہے اس کے ان عظیم فرزندوں کی دلکش صورت اور جہاں افروز سیرت سے بڑھ کر کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔

دعوت اسلامیہ کا دوسرا دور

اپنے قریبی رشتہ داروں کو، دعوت حق دینے کے لئے حکم الٰہی

بعثت کے بعد تین سال کا عرصہ خاموشی سے تبلیغ کرنے میں گزرا۔ اس عرصہ میں اسلام نے جن اولوالعزم ہستیوں کو اپنے پرچم کے نیچے جمع کر لیا۔ اس کے بارے میں تفصیلات کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔ ان عظیم لوگوں کا اس دین کو قبول کر لینا حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پرامن جہاد کی شاندار اور بے مثال فتوحات تھیں۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ دعوت توحید کے دائرہ کو مزید وسعت دی جائے۔ چنانچہ جبرئیل امین خداوند قدوس کی جانب سے یہ حکم لے کر تشریف لائے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور نیچے کیا کیجئے اپنے پروں کو ان لوگوں کے لئے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے۔" (سورۃ الشعرا: ۲۱۴۔ ۲۱۵)

اس حکم خداوندی کی تعمیل ضروری تھی لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ کفر و شرک کے خوگر معاشرہ میں ایسے لوگوں کو توحید کی دعوت دینا جو صدہا سال سے پتھر کے بنے ہوئے اندھے، بہرے، بے جان بتوں کی پوجا کے متوالے تھے اور ان کی آن پر اپنی جان تک قربان کرنا اپنے لئے سرمایہ سعادت تصور کرتے تھے اور وہ بھی اس طرح کہ یہ دعوت ان کے دلوں میں اتر جائے ان کے ذہنوں میں اجالا کر دے، اور ان کی روح بن کر ان کے رگ و پے میں سرایت کر جائے یہ بڑا کٹھن کام تھا کئی ہفتوں تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سوچ میں مستغرق رہے۔ رات اور دن اسی غور و فکر میں بیت جاتے۔ حضور گھر میں گوشہ نشین رہے۔ اس خاموشی اور عزلت گزینی کے باعث حضور کی پھوپھیوں کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ حضور کہیں بیمار تو نہیں۔ عیادت کے لئے جب آئیں تو حضور نے بتایا کہ میری صحت بالکل ٹھیک ہے لیکن میں اس سوچ میں کھویا کھویا رہتا ہوں کہ اپنے رب کے اس حکم کی تعمیل کیسے کروں۔ انہوں

نے عرض کی آپ بیشک عبدالمطلب کی ساری اولاد کو بلا کر یہ پیغام پہنچائیں لیکن عبدالعزیٰ (ابولہب) کو نہ بلائیں۔ وہ آپ کی بات نہیں مانے گا۔

دوسرے روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کو بلا بھیجا وہ بھی آئے اور عبد مناف کی اولاد میں سے بھی چند لوگ پہنچ گئے۔ سب کی تعداد پینتالیس کے قریب تھی اس سے پیشتر کہ حضور اپنا مدعا بیان فرماتے ابولہب نے گفتگو کا آغاز کر دیا۔ اس نے کہا۔

یہ آپ کے چچے ہیں۔ اور چچازاد بھائی ہیں اب آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہئے۔ لیکن یہ بات نہ بھولئے کہ آپ کی قوم میں اتنی قوت نہیں کہ وہ سارے اہل عرب کا مقابلہ کر سکے مناسب تو یہ ہے کہ جو کام آپ نے شروع کیا ہے آپ کے قبیلے والے اور آپ کے قریبی رشتہ دار آپ کو اس سے روک دیں یہ ان کے لئے آسان ہے۔ بجائے اس کے کہ قریش کے سارے خاندان آپ کے خلاف متحد ہو کر مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور عرب کے سارے لوگ ان کی تائید کر رہے ہوں۔ اے میرے بھتیجے! کوئی آدمی ایسا فتنہ و فساد کا پیغام لے کر اپنی قوم کے پاس نہیں آیا جس فتنہ و فساد کا پیغام لے کر آپ آئے ہیں۔"

ابولہب کہتا رہا۔ حضور خاموش رہے اور اس مجلس میں کوئی گفتگو نہ کی۔ (۱)

چند روز خاموشی سے گزر گئے پھر جبرئیل امین آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ آپ دین حق کی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھیں اللہ تعالیٰ آپ کا معاون و مددگار ہو گا۔ دوسری بار پھر حضور نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اپنے پاس بلا بھیجا جب وہ سب جمع ہو گئے تو مندرجہ ذیل ارشاد فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَحْمَدُہٗ وَاَسْتَعِیْنُہٗ وَاُؤْمِنُ بِہٖ وَاَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔

ثُمَّ قَالَ:۔
اِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ وَاللّٰہِ لَوْ کَذَبْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا کَذَبْتُکُمْ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ مَا غَرَرْتُکُمْ وَاللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ اِنِّیْ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ خَاصَّۃً وَاِلَی النَّاسِ کَافَّۃً وَ اللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ وَلَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ وَلَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَبِالسُّوْءِ سُوْءًا وَ

۱۔ سبل الہدیٰ۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴۳۲۔ السیرۃ الحلبیہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۷۱

إِنَّهَا لَلْجَنَّةُ أَبَدًا أَوِ النَّارُ أَبَدًا وَاللّٰهِ يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ مَا أَعْلَمُ شَابًّا جَاءَ قَوْمَهُ بِأَفْضَلَ مِمَّا جِئْتُكُمْ بِهِ إِنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِأَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں اور اس پر ایمان لایا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے جو یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

پھر فرمایا!

قافلہ کا پیشرو اپنے قافلہ والوں سے جھوٹ نہیں بولتا بفرض محال اگر میں دوسرے لوگوں سے جھوٹ بولوں تو بخدا میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ بفرض محال۔ اگر میں ساری دنیا کے ساتھ دھوکہ کروں تو تم سے میں دھوکا نہیں کر سکتا۔ اس ذات کی قسم جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بالخصوص اور ساری انسانیت کی طرف بالعموم۔ بخدا تمہیں موت اس طرح آئے گی جس طرح تمہیں نیند آتی ہے اور قبروں سے زندہ یوں اٹھائے جاؤ گے جیسے تم خواب سے بیدار ہوئے ہو۔ اور جو عمل تم کرتے ہو۔ ان کا تم سے محاسبہ ہو گا تمہارے اچھے اعمال کی اچھی جزا اور برے کاموں کی بری جزا تمہیں دی جائے گی۔ ٹھکانہ یا ابدی جنت ہے یا ابدی جہنم۔ بخدا اے فرزندان عبدالمطلب! میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا جو اس چیز سے بہتر اپنی قوم کے پاس لے کر آیا ہو جو میں لے کر آیا ہوں میں تمہارے پاس دین او آخرت کی فوز و فلاح لے کر آیا ہوں۔" (۱)

دوسرے لوگوں نے تو ان ارشادات کا معقول جواب دیا لیکن ابو لہب نے بڑی خست اور رذالت کا ثبوت دیا وہ بولا۔ اے فرزندان عبدالمطلب! یہی چیز ہمارے لئے ذلت و رسوائی کا باعث بنے گی تم آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لو۔ اس سے پیشتر کہ دوسرے لوگ اس کے ہاتھوں کو پکڑیں۔ اس وقت اگر تم اس کو ان کے حوالے کر دو گے تو تم ذلیل و رسوا ہو گے اور

۱۔ السیرة الحلبیہ، جلد اول، صفحہ ۲۷۲۔ السیرة النبویہ۔ زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۱۹۸

اگر تم اس کا دفاع کرو گے تو وہ لوگ تمہیں تہ تیغ کر دیں گے۔

حضرت صفیہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں وہ ابولہب کی یہ بات سن کر ضبط نہ کر سکیں انہوں نے فرمایا اے بھائی! کیا تمہیں یہ بات زیب دیتی ہے کہ تو اپنے بھتیجے کو بے یار و مددگار چھوڑ دے۔ بخدا آج تک ہمیں اہل علم یہ بتاتے رہے ہیں کہ عبدالمطلب کی نسل سے ایک نبی ظاہر ہو گا بخدا یہ وہی نبی ہیں۔ اور ابولہب کہنے لگا کہ یہ ساری باتیں بے سروپا اور خوش فہمیاں ہیں اور پردہ نشین عورتوں کی باتیں ہیں۔ جس وقت قریش کے سارے خاندان تمہارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے اور جزیرہ عرب کے سارے قبیلے ان کی امداد کر رہے ہوں گے تو اس وقت ہمیں اپنی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

اس کے بعد ابوطالب اٹھے اور انہوں نے اعلان کر دیا۔

وَاللّٰهِ لَنَمْنَعَنَّهٗ مَا بَقِيْنَا.

"بخدا جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم ان کی حفاظت اور دفاع کریں گے۔"

ان پہلے دو اجتماعات میں صرف عبدالمطلب کا خاندان مدعو تھا اور وہی لوگ شریک ہوئے تھے۔

اب تیسرے اجتماع کا حضور نے اہتمام فرمایا اس میں قریش کے سارے قبیلوں کو دعوت دی گئی اور صفا کی پہاڑی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھڑے ہو کر سب حاضرین کو خطاب فرمایا اور آغاز کلام اس سے کیا۔

حاضرین! اگر میں تمہیں کہوں کہ پہاڑ کی دوسری جانب سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے لئے بڑھتا چلا آ رہا ہے کیا تم میری بات تسلیم کرو گے؟ سب نے جواب دیا بے شک تسلیم کریں گے آج تک آپ کی زبان سے ہم نے کبھی ایسی بات نہیں سنی جو غلط ہو۔

پھر فرمایا اے گروہ قریش! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچاؤ۔ کیونکہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ میں عذاب شدید سے پہلے تمہیں واضح طور پر بروقت ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہوں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک شخص ہو جس نے دشمن کو دیکھ لیا ہو۔ پس وہ چل پڑے تاکہ اپنے رشتہ داروں کو دشمن کی آمد سے باخبر کر دے۔ پھر اسے یہ اندیشہ لاحق ہو جائے کہ دشمن کہیں اس سے پہلے ہی نہ پہنچ جائے۔ دور سے ہی زور زور سے یہ اعلان کرنا شروع کر دے یا صباحاہ۔ یا صباحاہ اُتِیتُمْ اُتِیتُمْ جاگو۔ جاگو۔ دشمن پہنچ گیا

دشمن پہنچ گیا۔

امام بخاری نے ابو ہریرہ سے، امام مسلم نے امام قبیصہ بن المخارق سے اور بلاذری نے ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ تو اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے اعلان کیا "یا صباحاہ!" میری فریاد سنو۔ میری فریاد سنو۔ لوگ کہنے لگے یہ کون بلا رہا ہے چنانچہ عرب کے رواج کے مطابق وہ لوگ اس صدا پر لبیک کہتے ہوئے اس سمت میں دوڑے اور جو شخص خود نہ جاسکا اس نے صورت حال معلوم کرنے کے لئے اپنا کوئی نمائندہ بھیج دیا ابولہب اور دیگر قریش بھی وہاں جمع ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ دشمن کے سواروں کا دستہ اس پہاڑ کے دامن سے نکل کر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے کیا تم میری بات مانو گے سب نے کہا بے شک ہم نے کبھی آپ کو غلط بیانی کرتے نہیں سنا۔ اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا۔

قَالَ یَا بَنِیْ کَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ۔ یَا بَنِیْ مُرَّۃَ بْنِ کَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ۔ یَا بَنِیْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ۔ یَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ۔ یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ۔ یَا بَنِیْ زُهْرَۃَ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ۔ یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ۔ یَا فَاطِمَۃُ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ۔ یَا صَفِیَّۃُ عَمَّۃُ مُحَمَّدٍ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ۔ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا اِلَّا اَنْ تَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

"اے کعب بن لوی کے بیٹو! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے مرہ بن کعب کے فرزندو! آتش جہنم سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی ہاشم! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی شمس! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی عبد مناف! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی زہرہ! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی عبد المطلب! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے فاطمہ! آگ سے اپنے آپ کو بچا۔ اے صفیہ (محمد رسول اللہ کی پھوپھی) آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ کہ میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ مگر یہ کہ تم کہو لا الٰہ الا اللہ۔" (۱)

۱۔ السیرۃ الحلبیہ، جلد اول، صفحہ ۲۷۱

یہ سن کر ابولہب بولا۔

تَبًّا لَکَ سَائِرَ الْیَوْمِ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا

"تو برباد ہو! کیا اسی لئے ہمیں آج جمع کیا تھا؟"

اللہ کے محبوب نے تو اس گستاخی کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنے بے پایاں حلم اور عالی ظرفی کے باعث سکوت اختیار فرمایا لیکن آپ کے غیور رب نے اس وقت اس بدبخت اور گستاخ کی مذمت میں ایک پوری سورت نازل فرمادی "تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ" کہ ابولہب کے وہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں جس کی ایک انگلی سے میرے محبوب کی طرف اشارہ کیا اور وہ خود بھی تباہ و برباد ہو جائے۔ حضور کے اس خطاب کا آخری جملہ یہ تھا۔

یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَعْلَمُ شَابًّا مِّنَ الْعَرَبِ جَآءَ قَوْمَہٗ بِاَفْضَلَ مَا جِئْتُ بِہٖ اِنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاَمْرِ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ۔

"اے فرزندان عبدالمطلب! بخدا کوئی جوان اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر اور افضل چیز لے کر نہیں آیا جیسی میں تمہارے لئے لے آیا ہوں میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی فوز و فلاح لے کر آیا ہوں۔"

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ

"اے میرے حبیب! حق کو کھول کر بیان کیجئے اور مشرکین کی طرف سے منہ پھیر لیجئے۔" (سورۃ الحجر۔ ۹۴)

کسی سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں میری مدد اور نصرت آپ کے شامل حال ہے۔

دعوت اسلامیہ کا تیسرا دور۔ کھلی اور عام دعوت

یہ دعوت اسلامیہ کا تیسرا مرحلہ تھا اس کا دائرہ رشتہ داروں سے بڑھا کر سب انسانوں تک بڑھا دیا گیا تھا جب کفار مکہ نے دیکھا کہ اب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برملا اپنے دین کی تبلیغ کا کام شروع کر دیا ہے آہستہ آہستہ مختلف قبائل کی اہم شخصیتیں اس نئی دعوت سے متاثر ہو رہی ہیں اور اس کو قبول کر رہی ہیں تو انہوں نے سوچا کہ اگر نئی تحریک کو روکنے کے لئے انہوں نے کوئی مؤثر اور بروقت قدم نہ اٹھایا تو سارا معاشرہ ایک ہمہ گیر انقلاب کی زد میں آ جائے گا۔ ان کے معبودوں کے تخت اوندھے کر دیئے جائیں گے ان کی پوجا پاٹ کے لئے ان کے استھانوں پر دور و نزدیک سے آنے والے پجاریوں کی نہ یہ ریل پیل رہے گی نہ نذرانوں کے انبار لگیں گے. ان کی مذہبی چودھراہٹ کا بھی جنازہ نکل جائے گا چنانچہ انہوں نے اسلام اور نبی اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف راست اقدام کا فیصلہ کر لیا لیکن کوئی قدم اٹھانے سے پہلے انہوں نے مناسب سمجھا کہ آپ کے چچا حضرت ابو طالب سے بات کریں اور ان کے ذریعہ حضور کو اس نئی دعوت سے دست بردار ہونے کی ترغیب دلائیں چنانچہ ایک روز رؤساء قریش کا ایک نمائندہ وفد جو مندرجہ ذیل اکابر قوم پر مشتمل تھا۔ حضرت ابو طالب کے پاس گیا۔ وفد کے ارکان کے نام یہ ہیں۔

عتبہ۔ شیبہ۔ پسران ربیعہ۔ ابو سفیان بن حرب بن امیہ۔ ابو البختری۔ العاص بن ہشام۔ الاسود بن مطلب۔ ابو جہل۔ ولید بن مغیرہ۔ نبیہ اور منبہ پسران حجاج بن عامر۔ اور عاص بن وائل (۱)

انہوں نے بڑی احتیاط سے سلسلہ کلام کا آغاز کیا۔ کہنے لگے

اے ابو طالب! آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ اور ہمارے مذہب کے عیب نکالتا ہے۔ ہمیں بے وقوف اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے یا تو آپ اسے روک لیں یا درمیان سے ہٹ جائیں ہم خود اسے روک لیں گے۔ حضرت ابو طالب نے ان کو بڑی نرمی سے جواب دیا اور بڑی خوبصورتی سے انہیں ٹال دیا۔ وہ لوگ مطمئن ہو کر واپس آ گئے۔

ا۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۷۶۔ ۲۷۷

لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسب سابق تبلیغ دین میں مصروف رہے اور اپنے حسن بیان اور زور استدلال سے اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لئے کوشش فرماتے رہے اسلام کی روزافزوں ترقی کے باعث کفار کے ساتھ تعلقات میں مزید کشیدگی پیدا ہوتی گئی۔ قریش کے سردار حضور سے بہت دور چلے گئے ان کے دلوں میں سرکار دوعالم کی عداوت کے شعلے تیز تر ہونے لگے۔ اب ہروقت اور ہر جگہ حضور کے خلاف باتیں ہونے لگیں اور منصوبے بنائے جانے لگے وہ ایک دوسرے کو نبی رحمت کے خلاف ابھارنے اور اسلام کے خلاف سخت اقدامات کرنے کے لئے بھڑکانے لگے۔ (۱)

انہوں نے طے کیا کہ ایک بار پھر ہمیں ابو طالب کے ذریعہ کوشش کرنی چاہئے چنانچہ مکہ کے معززشہریوں کا ایک وفد دوبارہ آپ کے پاس گیا اور پہلے سے زیادہ درشت اور فیصلہ کن لہجہ میں گفتگو کی۔ کہنے لگے۔

اے ابو طالب! عمر، عزو شرف اور قدر و منزلت کے اعتبار سے ساری قوم میں آپ کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ ہم پہلے حاضر ہوئے تھے اور ہم نے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے باز آنے کا حکم دیں لیکن آپ نے انہیں نہیں روکا بخدا! اب ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے ہمیں مزید یارائے صبر نہیں رہا۔ وہ ہمارے آباؤاجداد کو برا بھلا کہتا ہے ہمیں احمق اور بیوقوف بتاتا ہے ہمارے خداؤوں کی عیب جوئی کرتا ہے یا تو آپ انہیں ان باتوں سے روک لیں۔ ورنہ ہم تم دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے اور یہ جنگ جاری رہے گی جب تک ہم میں سے ایک فریق فنا نہ ہو جائے۔

ان کے انداز تکلم سے پتہ چلتا تھا کہ وہ گفتگو کے ذریعہ معاملات سدھارنے نہیں آئے تھے بلکہ کھلا چیلنج دینے کے لئے آئے تھے ان الفاظ میں دھمکی تھی اور حضرت ابو طالب کا کوئی جواب نے بغیر وہاں سے اٹھ کر چل دیئے۔

حضرت ابو طالب کو اس دھمکی سے بڑا دکھ ہوا اس پیرانہ سالی میں وہ ساری قوم سے دشمنی مول لینا نہیں چاہتے تھے لیکن وہ اس بات پر بھی تیار نہ تھے کہ حضور کی نصرت واعانت سے دست کش ہو جائیں اور حضور کو کفار کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ حضرت ابو طالب نے آدمی بھیج کر حضور کو اپنے پاس بلایا اور اس گفتگو سے آگاہ کیا جو ان کے درمیان اور اس وفد کے درمیان ہوئی تھی۔ واپس جانے سے پہلے انہوں نے جو دھمکی دی تھی اس کے بارے میں بھی

۱۔ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۷۳۔ سیرت ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۷۹

بتایا۔ پھر کہا۔

فَابْقِ عَلَیَّ وَعَلٰی نَفْسِکَ وَلَا تُحَمِّلْنِیْ مِنَ الْاَمْرِ مَا لَا اُطِیْقُ

(۱)

اے جان عم! مجھ پر بھی رحم کرو اور اپنے آپ پر بھی۔ مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو اٹھانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔

اپنے چچا کی یہ باتیں سن کر نبی کریم کو یہ خیال گزرا کہ شائد ابو طالب آپ کی مدد اور تعاون سے دست کش ہونے والے ہیں اب ان میں سکت نہیں رہی کہ مزید حضور کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو سکیں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑے اطمینان و سکون سے جواب دیا۔

یَا عَمِّ: وَاللّٰہِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِیْ یَمِیْنِیْ وَالْقَمَرَ فِیْ یَسَارِیْ عَلٰی اَنْ اَتْرُکَ ھٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰی یُظْھِرَہُ اللّٰہُ اَوْ اَھْلِکَ فِیْہِ مَا تَرَکْتُہٗ

"اے میرے چچا! اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں اور یہ توقع کریں کہ میں دعوت حق کو ترک کر دوں گا تو یہ ناممکن ہے یا تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ دے دے گا یا میں اس کے لئے جان دے دوں گا۔ اس وقت تک میں اس کام کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔" (۲)

حضور نے زبان مبارک سے یہ جملہ فرمایا اور چشمان مبارک سے آنسو ٹپک پڑے۔ اور حضور وہاں سے اٹھ کر واپس چل دیئے۔ چچا نے آواز دے کر بلایا اور کہا واپس تشریف لایئے۔ حضور واپس تشریف لے آئے چچا نے کہا۔

اِذْھَبْ یَا ابْنَ اَخِیْ وَقُلْ مَا اَحْبَبْتَ فَوَاللّٰہِ لَا اُسْلِمُکَ لِشَیْءٍ اَبَدًا

"اے میرے بھتیجے! آپ کا جو جی چاہے کہئے میں آپ کو کسی قیمت پر کفار کے حوالے نہیں کروں گا۔" (۳)

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۷۸

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۷۴

۳۔ السیرۃ النبویہ بن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۷۸

اور چند شعر کہے جن میں سے ایک یہ ہے۔

وَاللّٰهِ لَنْ يَصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ حَتّٰى اُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِيْنَا

"بخدا یہ سارے مل کر بھی آپ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک مجھے مٹی میں دفن نہ کر دیا جائے۔" (۱)

اہل مکہ کو جب یہ پتہ چلا کہ ہماری یہ کوشش بھی بے سود اور ہماری دھمکی بھی بے اثر ثابت ہوئی ہے ابو طالب نے اپنے بھتیجے کی امداد سے نہ ہاتھ اٹھایا اور نہ اسے ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہوا ہے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اس کی پشت پناہی کا اسے یقین دلایا ہے تو انہوں نے ایک اور چال چلی یہ سارا وفد تیسری بار پھر ابو طالب کے پاس حاضر ہوا اور اپنے ساتھ ولید بن مغیرہ کا جواں سال خوبرو، اور تندو توانا بیٹا عمارہ بھی ساتھ لے گئے اور جاکر بڑے ادب سے گزارش کی کہ اے ابو طالب! ہم آپ کے ساتھ ایک سودا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ مکہ کے سردار ولید بن مغیرہ کا یہ خوبصورت اور جواں بیٹا تم دیکھ رہے ہو۔ اس کا عنفوان شباب، اس کا حسن و جمال، اس کی قوت اور توانائی سارے مکہ میں ضرب المثل ہے۔ یہ ہم آپ کو دیتے ہیں۔ اس کو فرزندی میں لے لیجئے آج کے بعد یہ تمہارا بیٹا۔ اور تم اس کے باپ۔ اگر اسے قتل کر دیا جائے تو اس کی ساری دیت آپ کو ملے گی۔ ہر میدان، ہر معرکہ میں یہ آپ کا دست و بازو ہو گا۔ ہمارا اس سے اب کوئی سروکار نہیں اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو۔ جو آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے دین کا دشمن ہے جس نے آپ کی قوم کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے ہمیں احمق اور بے وقوف کہتا ہے۔ ہم اس کا قصہ تمام کر دیں گے۔ اس طرح آپ کا بھی نقصان نہ ہو گا اور ہم سب ایک بہت بڑی مصیبت سے بچ جائیں گے۔

جب وہ اپنا فلسفہ بگھار چکے تو آپ نے جواب دیا

وَاللّٰهِ لَبِئْسَ مَا تَسُوْمُوْنَنِيْ اَتُعْطُوْنِيْ اِبْنَكُمْ اَغْذُوْهُ لَكُمْ وَ اُعْطِيْكُمْ اِبْنِيْ تَقْتُلُوْنَهٗ هٰذَا وَاللّٰهِ مَا لَا يَكُوْنُ اَبَدًا۔

"بخدا! تم میرے ساتھ بہت برا سودا کر رہے ہو۔ مجھے تو اپنا بیٹا دے رہے ہو کہ میں اس کی خاطر و مدارات کروں اور اس کی پرورش کروں اور اس کے بدلے میں میرا بیٹا لینا چاہتے ہو تا کہ تم اس کو قتل کر دو بخدا ایسا ہرگز نہ ہو گا۔"

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۷۱

مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی بولا۔ خدا کی قسم! اے ابو طالب تیری قوم نے تیرے ساتھ کمال انصاف کیا ہے اور حتی المقدور کوشش کی ہے کہ اس الجھن سے تمہیں نکالیں جو تم ناپسند کرتے ہو۔ تم نے ان کی یہ منصفانہ پیش کش ٹھکرا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم ان سے کسی قیمت پر مفاہمت کرنے کے لئے تیار نہیں حضرت ابو طالب نے فرمایا۔ اے مطعم! میری قوم نے ہر گز میرے ساتھ انصاف نہیں کیا البتہ تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اور میرے خلاف ساری قوم کی مدد کی ہے یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔

دن بدن کشیدگی میں اضافہ ہوتا گیا۔ حالات سنگین سے سنگین تر ہونے لگے عداوت کی آگ تیزی سے بھڑکنے لگی۔ ایک دوسرے کی کھل کر مخالفت ہونے لگی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کئی قریبی رشتہ دار بھی حضور کی مخالفت میں پیش پیش تھے اس تکلیف دہ ماحول سے متاثر ہو کر حضرت ابو طالب نے ایک قصیدہ لکھا جس میں اس طوطا چشمی پر ان رشتہ داروں کو عار دلائی۔ اس قصیدہ کے چند شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

أَرَى أَخَوَيْنَا مِنْ أَبِينَا وَأُمِّنَا   إِذَا سُئِلَا قَالَا إِلَى غَيْرِنَا أَمْرُ

"میں اپنے دو سگے بھائیوں کو دیکھتا ہوں جب ان سے صورت حال کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہمارے بس میں کچھ نہیں سب کچھ دوسروں کے اختیار میں ہے۔"

بَلَى لَهُمَا أَمْرٌ وَلَكِنْ تَجَرْجَمَا   كَمَا جُرْجِمَتْ مِنْ رَأْسِ ذِي عَلَقٍ صَخْرُ

"ان کے بس میں تو سب کچھ تھا۔ لیکن وہ دونوں اپنے مقام سے گر پڑے جیسے ذی علق پہاڑ سے پتھر لڑھک جاتا ہے۔"

أَخَصُّ خُصُوصًا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا   هُمَا نَبَذَانَا مِثْلَ مَا يُنْبَذُ الْجَمْرُ

"میں خاص طور پر عبد شمس اور نوفل کا ذکر کرتا ہوں جنہوں نے ہمیں اس طرح دور پھینک دیا ہے جس طرح دہکتے ہوئے انگارے کو دور پھینک دیا جاتا ہے۔" (۱)

کفار مکہ کا وفد تیسری بار جب حضرت ابو طالب کے پاس گیا اور عمارہ کی پیش کش کی جسے آپ نے بھی حقارت سے ٹھکرا دیا۔ تو حالات اور کشیدہ ہو گئے اور کفار نے متحد ہو کر اسلام اور پیغمبر

۱۔ السیرۃ النبویہ بن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۸۰

اسلام کی مخالفت کے پروگرام بنانے شروع کیے۔

حضرت ابو طالب نے محسوس کیا کہ میں تنہا کفر کی اجتماعی یلغار کو نہیں روک سکتا چنانچہ آپ نے ایک قصیدہ لکھا اور اس میں بنو ہاشم اور بنی مطلب کی غیرت و حمیت کو للکارا کہ جس طرح دوسرے قبائل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت اور عداوت میں متحد ہو گئے ہیں ہمیں بھی آپ کے دفاع کے لئے متحدہ محاذ بنانا چاہئے وہ قصیدہ کافی طویل ہے اس کے چند اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

وَلَمَّا رَاَیْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِیْھِمْ وَقَدْ قَطَعُوْا کُلَّ الْعُرَیٰ وَالْوَسَائِلِ

"جب میں نے قوم کو دیکھا کہ ان میں محبت کا نام و نشان باقی نہیں رہا انہوں نے محبت و قرابت کے سارے رشتے توڑ دیے ہیں۔"

وَقَدْ صَارَحُوْنَا بِالْعَدَاوَۃِ وَالْاَذیٰ وَقَدْ طَاوَعُوْا اَمْرَ الْعَدُوِّ الْمُزَایِلِ

"اور انہوں نے کھلم کھلا ہماری دشمنی اور ایذا رسانی شروع کر دی۔ اور انہوں نے ہمارے دشمن کا حکم ماننا شروع کر دیا۔"

وَقَدْ حَالَفُوْا قَوْمًا عَلَیْنَا اَظِنَّۃً یَعَضُّوْنَ غَیْظًا خَلْفَنَا بِالْاَنَامِلِ

"انہوں نے ہمارے دشمنوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیا ہے اور ہمارے پس پشت غصے سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔"

صَبَرْتُ لَھُمْ نَفْسِیْ بِسَمْرَاءَ سَمْحَۃٍ وَاَبْیَضَ عَضْبٍ مِّنْ تُرَاثِ الْمَقَاوِلِ

"میں نے اپنے نفس کو صبر کی تلقین کی اور میرے ہاتھ میں گندم گوں لچک دار نیزہ تھا اور سفید کاٹنے والی تلوار جو بزرگ سرداروں سے ہمیں ورثہ میں ملی تھی۔"

وَاَحْضَرْتُ عِنْدَ الْبَیْتِ رَھْطِیْ وَاِخْوَتِیْ وَاَمْسَکْتُ مِنْ اَثْوَابِہٖ بِالْوَصَائِلِ

"میں نے بیت اللہ شریف کے پاس اپنی قوم اور اپنے بھائیوں کو جمع کیا اور میں نے بیت اللہ کے سرخ دھاریوں والے غلاف کو پکڑ لیا۔"

کَذَبْتُمْ وَبَیْتِ اللّٰہِ نَتْرُکُ مَکَّۃَ وَنَظْعَنُ اِلَّا اَمْرُکُمْ فِیْ بَلَابِلِ

"خانہ خدا کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم مکہ کو چھوڑ جائیں گے اور یہاں سے کوچ کر جائیں گے یہاں تک کہ تمہاری حالت مضطرب ہو جائے اور تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔"

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ نُبْزِي مُحَمَّدًا وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُوْنَهٗ وَنُنَاضِلِ

"خدا کی قسم تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم محمد کو چھوڑ دیں گے جب تک ان کا دفاع کرتے ہوئے نیزوں اور تیروں سے تم پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔"

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ وَنُذْهَلَ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

"اور ہم اسے تمہارے حوالے کر دیں گے اس سے پیشتر کہ ہمارے لاشے اس کے اردگرد خاک آلود پڑے ہوں اور ہم اپنے بچوں اور اپنی بیویوں کو بھی فراموش کر چکے ہوں۔"

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

"میرا بھتیجا گوری رنگت والا ہے جس کے چہرے کی برکت سے بارش طلب کی جاتی ہے وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کی ناموس کا محافظ ہے۔"

يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ رَحْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

"یہ وہ جواں مرد ہے کہ جس کی پناہ آل ہاشم کے مفلس لیتے ہیں پس وہ جب اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو وہ ان پر اپنے رحم و کرم کی بارش برسا دیتا ہے۔" (۱)

اس قصیدہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائل حمیدہ اور اخلاق جمیلہ کا تذکرہ ہے ساتھ ہی اپنے اور بنو ہاشم، بنو مطلب کے نوجوانوں کے اس عزم مصمم کا پرجوش انداز میں اعلان ہے کہ جب تک ہم میں سے ایک مرد یا ایک عورت زندہ ہے کسی کی مجال نہیں کہ میرے بھتیجے کا بال بھی بیکا کر سکے۔ اگرچہ اس قصیدہ کا ہر شعر عربی فصاحت و بلاغت کی جان ہے اور اس کا ہر مصرعہ اس محبت و شیفتگی کا آئینہ دار ہے، جو محترم چچا کو اپنے بلند اقبال، فرخندہ فال، بھتیجے سے تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مکمل قصیدہ ہدیہ قارئین کیا جاتا۔ لیکن یہ کافی طویل ہے اس لئے اس کے چند اشعار بطور تبرک قارئین کی خدمت میں پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ محبت کے ان عمیق جذبات کا کچھ تو آپ کو احساس ہو جائے۔

حضور کے دفاع کے لئے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے جملہ افراد کو متحد کرنے کی یہ کوشش بار

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۹۰۔ ۲۹۱

آور ثابت ہوئی ان دونوں خاندانوں نے وعدہ کیا کہ وہ حضور کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے بلکہ دشمنوں کے ہروار کے سامنے وہ خود سینہ سپر ہوں گے۔ اور وہ اپنی جان کی پروا تک بھی نہیں کریں گے۔ البتہ ابولہب جو حضور کا سگا چچا تھا۔ اور خاندان بنی ہاشم کا ایک سرکردہ فرد تھا۔ اس نے اپنے خاندان کے مؤقف کے برعکس حضور کی عداوت میں اپنی ہر چیز داؤ پر لگانے کی قسم کھائی اس کی زندگی کا لمحہ لمحہ حضور کو دکھ پہنچانے اور صحابہ کرام پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں صرف ہونے لگا۔ (۱)(۲)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے دیگر مساعی

کفار مکہ کے جتنے وفد حضرت ابو طالب کے پاس گئے وہ ناکام و نامراد لوٹے۔ لیکن کفار نے اب براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ گفتگو کا آغاز کیا۔

عتبہ بن ربیعہ، رؤساء قریش میں سے ایک سربر آوردہ رئیس تھا۔ ایک روز صحن حرم میں قریش کی ایک محفل جمی ہوئی تھی۔ یہ بھی اس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم دور حرم کے ایک گوشہ میں یاد الٰہی میں مصروف تھے۔ عتبہ بولا۔ اے قریش بھائیو! کیا میں محمد (روحی فداہ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس نہ جاؤں اور اس سے گفتگو کروں اور اس کے سامنے چند تجاویز پیش کروں شائد ان میں سے کوئی تجویز وہ مان لے اور ہماری اس پریشانی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب حضرت حمزہ نئے نئے مشرف باسلام ہوئے تھے اور آئے روز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ سب نے اس بات کی تائید کی اور کہا اے ابو الولید! اٹھئے اور ان سے گفتگو کیجئے۔ عتبہ اٹھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جا کر بیٹھ گیا کچھ دیر سکوت طاری رہا پھر اس نے مہر سکوت توڑی اور یوں گویا ہوا۔

"اے میرے پیارے بھتیجے! حسب و نسب کے لحاظ سے جو تیرا مقام ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے لیکن تو نے اپنی قوم کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے تو نے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے تو انہیں بے وقوف کہتا ہے۔ ان کے خداؤں اور ان کے عقائد کی عیب چینی کرتا ہے ان کے باپ دادوں کو کافر کہتا ہے اب میری بات سنو۔ میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں ان

۱۔ السیرۃ الحلبیہ، جلد اول، صفحہ ۴۷۲

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۸۱

میں غور کرو اور ان میں سے جو تجویز تمہیں پسند ہو وہ قبول کر لو۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا اے ابا ولید! اپنی تجاویز پیش کرو میں سننے کے لئے تیار ہوں۔

عتبہ کہنے لگا۔ پہلی تجویز تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ جو تم کر رہے ہو۔ اگر اس سے تمہارا مقصد مال جمع کرنا ہے تو ہم تیرے سامنے تیرے لئے دولت کا انبار لگا دینے کے لئے تیار ہیں تاکہ تو سارے ملک عرب کا رئیس اعظم بن جائے۔

اور اگر اس کا مقصد عزت اور سرداری حاصل کرنا ہے تو ہم سب تم کو اپنا سردار ماننے کے لئے آمادہ ہیں تیرے حکم کے بغیر ہم کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔

اور اگر تم بادشاہی کے طلب گار ہو تو ہم سب تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔

اور اگر جنات کا کوئی اثر ہے جس سے مغلوب ہو کر تم نے ساری قوم کے خلاف محاذ قائم کر رکھا ہے تو ہم تیرا علاج کرانے کے لئے تیار ہیں۔ اس علاج میں جتنا بھی خرچ اٹھے گا وہ ہم برداشت کریں گے۔ تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

وہ کہتا رہا حضور خاموشی سے سنتے رہے۔ جب وہ خود ہی چپ ہو گیا تو رحمت عالم گویا ہوئے۔ قَدْ فَرَغْتَ يَا اَبَا الْوَلِيْدِ "اے ابا ولید! تم نے اپنی بات پوری کر لی۔

اس نے کہا ہاں! حضور نے فرمایا اب میرا جواب سن۔

اس نے کہا فرمائیے میں سنتا ہوں۔

وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ۔ (۴۱: ۱-۵)

"اور فرمایا۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حم۔ اتارا گیا ہے یہ قرآن رحمٰن و رحیم خدا کی طرف سے یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔ یہ قرآن عربی (زبان میں) ہے یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو علم و (فہم) رکھتے ہیں۔ یہ مژدہ سنانے والا اور بروقت خبردار کرنے والا ہے۔ بایں ہمہ منہ پھیر لیا۔ ان

میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے اور ان (ہٹ دھرموں) نے کہا ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے تم اپنا کام کرو ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔" (سورۂ حم السجدۃ)

اللہ کا حبیب اپنے رب کا کلام پڑھتا جا رہا تھا اور عتبہ دم بخود سنتا جا رہا تھا اس نے اپنے بازو پیٹھ کے پیچھے زمین پر ٹیک لئے تھے۔ حضور نے آیت سجدہ تک اس سورت کی تلاوت کی اور پھر خود سجدہ کیا۔ پھر حضور نے عتبہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

قَدْ سَمِعْتَ يَا اَبَا الْوَلِيْدِ مَا سَمِعْتَ فَاَنْتَ وَذَاكَ

"جو تجھے سننا چاہئے تھا وہ تم نے سن لیا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔"

عتبہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کی طرف گیا اسے آتا دیکھ کر وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے بعض نے کہا ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ عتبہ جو آ رہا ہے یہ وہ نہیں جو گیا تھا۔ اب اس کا چہرہ بالکل بدلا ہوا ہے اتنے میں عتبہ آ کر ان کے پاس بیٹھ گیا وہ بولے فرمایئے۔ کیا کر آئے ہو۔ اس نے کہا میں نے وہاں ایک ایسا کلام سنا ہے۔ بخدا میں نے اس سے پہلے اس جیسا کبھی نہیں سنا۔ بخدا نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔ اے قوم قریش! میری بات مانو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ تم اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ جو کلام میں سن کر آیا ہوں خدا کی قسم اس کا بہت بڑا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر عرب کے دوسرے قبائل اس کے ساتھ جنگ کر کے اس کا خاتمہ کر دیں تو تمہارا مطلب بغیر کسی تکلیف کے پورا ہو گیا۔ اور اگر سارے عرب پر اس نے غلبہ پالیا اور ان پر حکومت قائم کر لی تو وہ حکومت تمہاری ہی ہو گی۔ وہ عزت جو اس وقت اسے ملے گی وہ بھی تمہاری عزت ہو گی۔ اس طرح تم خوش نصیب ترین قوم ہو گے کہ بغیر کشت و خون کے تم عرب کے تاج و تخت کے مالک بن جاؤ گے۔

وہ یہ سن کر چیخ اٹھے اے ابو الولید! اس کی زبان کا جادو تم پر چل گیا ہے اور تم بھی اپنے مذہب سے مرتد ہو گئے ہو۔ عتبہ بولا۔ میں نے اپنی رائے تمہیں بتا دی اب جو تمہاری مرضی تم وہ کرو۔ (۱)

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۴۴۹

اس واقعہ کے بارے میں ایک اور روایت بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے بعد وہ قریش کے پاس لوٹ کر نہیں آیا بلکہ سیدھا گھر چلا گیا اور کئی روز تک اپنے قریشی بھائیوں سے ملاقات تک نہ کی۔ ابوجہل کہنے لگا اے گروہ قریش! میرا خیال ہے کہ عتبہ مرتد ہوگیا ہے اور محمد (فداہ روحی) کی طرف مائل ہوگیا ہے حقیقت یہ ہے کہ عتبہ کو محمد کے لذیذ کھانوں نے اپنا گرویدہ بنالیا ہے یا اسے کوئی ایسی ضرورت لاحق ہوگئی ہے۔ جو ان کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی اس لئے اس نے ہم سے منہ موڑ لیا ہے۔ اٹھو! اس کے پاس چلتے ہیں اور اس سے بات کرتے ہیں۔ ابوجہل ان سب کو لے کر عتبہ کے گھر پہنچا۔ اور کہنے لگا اے عتبہ! ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے اور محمد کے فریفتہ ہوگئے ہو۔ اگر تجھے تنگ دستی کی شکایت ہے۔ جس کی بنا پر تم گھر لذیذ کھانے نہیں پکوا سکتے تو ہمیں حکم دے ہم تیرے لئے اتنا مال جمع کردیں گے کہ تو غنی ہوجائے گا۔ اور اپنے گھر میں جیسے لذیذ کھانے چاہے گا پکوا لیا کرے گا اوروں کے دسترخوان پر جانے کی تمہیں محتاجی نہیں رہے گی۔

عتبہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ قریش کا رئیس تھا۔ دولت مند تھا مکہ کے دانش مندوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ لیکن کفر کی نحوست نے اس کی عقل سلیم کو مسخ کردیا تھا۔ ابوجہل کے اس بیہودہ طعنہ نے اس کی اندھی عصبیت کو برافروختہ کردیا۔ اور غضب ناک ہوکر اس نے قسم کھائی کہ آج کے بعد میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات تک نہ کروں گا۔ تم سب کو علم ہے کہ میں قریش میں سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہوں مجھے تمہاری خیرات کی کیا ضرورت ہے۔

پھر اس نے وہ سارا واقعہ بیان کیا جو ذکر ہو چکا ہے۔ (۱)

جس کلام الٰہی کے اعجاز بلاغت نے عتبہ جیسے دشمن اسلام کو پانی پانی کردیا اگر دنیاوی مفاد حائل نہ ہوتا تو وہ آج یقیناً حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کرلیتا اسی طرح باقی لوگ بھی اسلام سے متاثر ہورہے تھے۔ آج یہ کل وہ ساری رکاوٹوں کو عبور کرکے غلامی مصطفیٰ علیہ التحیہ والثنا کا طوق زیب گلو کررہا تھا۔ مکہ کے قریشی قبائل میں سے کوئی قبیلہ بھی ایسا نہ رہا تھا جس میں سے کوئی نہ کوئی ایمان نہ لا چکا ہو۔ اگر ان سے کوئی طاقتور شخص مسلمان ہوتا تو خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے۔ اگر اپنے جیسا کوئی ایسا کرتا تو اس کے ساتھ سارے تعلقات منقطع کردیئے جاتے۔ لیکن اگر کوئی کمزور اور بے

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۳۱۳ - ۳۱۴

یار ومدد گار یہ جسارت کر بیٹھتا تو اس کے لئے جینا حرام کر دیا جاتا۔ طرح طرح سے اسے ستایا جاتا۔ اسے تڑپتا دیکھ کر مسرت سے قہقہے لگائے جاتے۔ لیکن دست حبیب کبریا سے توحید کی شراب کا جام پینے والے اپنی جرأت واستقامت کے ایسے مظاہرے کرتے کہ پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیاں ادب سے ان کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے جھک جھک جایا کرتیں۔

اس قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں یہ پیش کش تنہا عتبہ نے کی تھی اور مندرجہ ذیل روایت میں یہی پیش کش پوری قوم کے سربر آوردہ لوگ اجتماعی طور پر بارگاہ حبیب کبریاء میں پیش کرتے ہیں اس کے علاوہ یہاں حضور کا جواب پہلے جواب سے مختلف ہے نیز حضور کے اس جواب کے بعد کفار نے شدید قسم کے ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ یہ ساری چیزیں پہلی روایت میں نہیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں ایک دوسرے واقعہ کو بیان کیا جارہا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔ کہ

کفار کی دن بدن صورت حال بگڑتی جارہی تھی۔ حالات قابو سے باہر ہوتے جارہے تھے۔ چنانچہ بگڑتی ہوئی صورت حال پر قابو پانے کے لئے سارے قبائل کے سردار جمع ہوتے ہیں جن میں سے چند سربر آوردہ سرداروں کے نام یہ ہیں۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابو سفیان بن حرب۔ نضر بن حرث۔ ابوالبختری بن ہشام۔ اسود بن مطلب۔ زمعہ بن اسود۔ ولید بن مغیرہ۔ ابو جہل بن ہشام۔ عبداللہ بن ابی امیہ۔ عاص بن وائل۔ نبیہ اور منبہ پسران حجاج۔ امیہ بن خلف وغیرہ۔ (۱)

یہ سارے سردار غروب آفتاب کے بعد کعبہ شریف کی پشت کی سمت میں جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک بولا۔

محمد (فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آدمی بھیج کر یہاں بلاؤ اور اس کے ساتھ دوٹوک بات کرو چنانچہ ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر حضور کی خدمت میں بھیجا گیا کہ آپ کی قوم کے سارے سردار کعبہ کے پاس حرم میں اکٹھے ہیں۔ اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں وہ آج آپ سے فیصلہ کن گفتگو کرنا چاہتے ہیں اس لئے آپ آیئے اور ان سے بات کیجئے۔

پیغام سنتے ہی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اور ان کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے گفتگو کا اس طرح آغاز کیا۔

ا۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۳۱۵

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے آج آپ کو بلا بھیجا ہے ہم آپ کے ساتھ فیصلہ کن بات کرنا چاہتے ہیں خدا کی قسم! جس مصیبت میں آپ نے اپنی قوم کو مبتلا کیا ہے ہم نہیں جانتے کہ کسی اور نے بھی اپنی قوم پر ایسی زیادتی کی ہو۔ آپ ہمارے باپوں کو گالیاں دیتے ہیں ہمارے دین میں سو سو عیب نکالتے ہیں ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ہمیں بے وقوف کہتے ہیں۔ آپ نے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ کوئی بری بات ایسی نہیں رہی۔ جس سے تم نے اپنی قوم کو پریشان نہ کیا ہو۔

اس ہنگامہ آرائی سے اگر آپ کا مقصد دولت جمع کرنا ہے تو ہم آپ کے لئے اتنا مال و زر جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ساری قوم میں امیر ترین آدمی بن جائیں گے اور اگر آپ عزت و سیادت کے خواہش مند ہیں تو ہم سب آپ کو بڑی خوشی سے اپنا سردار تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر تخت و تاج کی آرزو میں آپ یہ سارے پاپڑ بیل رہے ہیں تو آپ ہمیں بتائیے ہم متفقہ طور پر بصد مسرت آپ کے سر پر تاج شاہی سجانے کا اعزاز حاصل کریں گے اور اگر آسیب اور جنات کا اثر ہے جس سے مجبور ہو کر آپ نے اپنی قوم کا امن و سکون برباد کر دیا ہے تب بھی بتا دیجئے ہم آپ کا ماہر ترین طبیب سے علاج کرائیں گے خواہ اس علاج پر کتنا ہی روپیہ ہمیں خرچ کرنا پڑے ہمیں اس کی ذرا پروا نہیں۔

جب وہ اپنی تجاویز پیش کر چکے تو ہادی انس و جان صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم یوں گوہر فشاں ہوئے

> "ان چیزوں میں سے میں کسی چیز کا طلب گار نہیں۔ نہ مجھے مال و دولت کی خواہش ہے اور نہ ہی عزت و سیادت کی آرزو اور نہ میری نگاہوں میں تخت و تاج سلطانی کی کوئی قدر و قیمت ہے بلکہ اللہ تعالی نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے مجھ پر کتاب نازل کی ہے۔ مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی رحمت کا مژدہ سناؤں اور اس کے عذاب سے بروقت خبردار کروں۔ میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں اور اپنی طرف سے تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ جو دعوت حق لے کر میں آیا ہوں اگر تم اس کو قبول کر لو گے تو دنیا و آخرت میں تم سعادت مند ہو گے اور اگر تم اس کو مسترد کر دو گے تو میں پھر بھی صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ

فرمادے۔

حضور کے فیصلہ کن انداز تکلم نے انہیں بے بس کر دیا اور لگے حجت بازیاں کرنے۔ کہنے لگے اگر آپ ہماری ان تجاویز کو در خور اعتنا نہیں سمجھتے تو آپ کی مرضی۔ پھر ہماری اس درخواست پر غور فرمائیں آپ جانتے ہیں کہ ہمارا شہر جس وادی میں آباد ہے وہ بڑی تنگ وادی ہے پانی نایاب ہے ہم سے زیادہ مشکل گزران کسی کی نہیں۔ آپ اپنے رب سے جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے یہ دعا کریں کہ وہ ان پہاڑوں کو یہاں سے دور ہٹا دے تاکہ میدان کشادہ ہو جائے شام و عراق کی طرح یہاں بھی دریا جاری کر دے ہمارے آباؤ اجداد سے چند بزرگوں کو زندہ کر دے ان میں قصی بن کلاب کا زندہ ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ وہ راست گو شخص تھا۔ تاکہ ہم ان بزرگوں سے آپ کے بارے میں دریافت کریں کہ آپ سچے ہیں یا نہیں۔ اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ نے ہمارے دوسرے مطالبات بھی پورے کر دیئے تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اس طرح ہمیں پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا بڑا رتبہ ہے اور آپ اسی کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی ہرزہ سرائی سنی اور فرمایا۔ اے قریشیو! اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کاموں کے لئے مبعوث نہیں فرمایا میں تو اس کا ایک پیغام لے کر تمہاری طرف آیا ہوں اور میں نے وہ پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اگر تم اسے قبول کر لو۔ تو یہ تمہاری دارین کی خوش نصیبی ہے اور اگر تم اسے مسترد کر دو تو پھر بھی میں حکم الٰہی سے صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔

وہ کہنے لگے کہ اگر آپ ہمارے بھلے کے لئے کچھ نہیں کرتے تو نہ کریں ہمیں اصرار نہیں۔ لیکن اپنے لئے تو کچھ مانگیں زیادہ نہیں تو کم از کم تمہارا خدا ایک فرشتہ تمہارے ہمراہ کر دے جو آپ کی ہربات کی تصدیق کرے اور ہمیں آپ سے دور رکھے۔ نیز آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ اس ریگزار میں باغات اُگا دے محلات تعمیر کر دے۔ زر و سیم کے خزانوں کے ڈھیر لگا دے تاکہ موجودہ افلاس اور تنگ دستی سے آپ کو نجات مل جائے۔ کسب معاش کی تکلیف سے آپ بچ جائیں۔ آج کل تو آپ بھی ہماری طرح بازار میں چکر لگاتے ہیں۔ اور ہماری طرح اس سلسلہ میں پریشانیاں برداشت کرتے ہیں اگر آپ کے بارے میں آپ کی یہ دعائیں قبولیت کا شرف حاصل کر لیں تب ہم مانیں گے کہ واقعی آپ اس کے سچے رسول ہیں۔

ان کی بے معنی باتیں سننے کے بعد حضور نے فرمایا میں تمہاری اس فرمائش پر عمل کرنے سے

قاصر ہوں میں وہ نہیں جو اپنے رب سے ایسی حقیر چیزوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور نہ اس نے مجھے اس مقصد کے لئے مبعوث فرمایا ہے بلکہ اس نے مجھے بشیر و نذیر بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے۔

پھر وہ بولے۔ اگر ان کاموں میں سے کوئی کام آپ نہیں کر سکتے تو چلئے آسمان کا ایک ٹکڑا ہم پر گرا کر ہمارا قصہ پاک کر دیں۔ حضور نے فرمایا یہ کام اللہ کی مرضی پر موقوف ہے، جو وہ چاہے تمہارے ساتھ کرے۔ (۱)

اُن کے ان مطالبات کو قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے سورہ اسراء کی مندرجہ ذیل آیات میں تقریباً ان کے سارے مطالبات یکجا کر دیئے گئے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۔ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۔ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۔ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔

"اور کفار نے کہا۔ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ یا (لگ کر تیار) ہو جائے آپ کے لئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا پھر آپ جاری کر دیں ندیاں جو اس باغ میں (ہر طرف) بہ رہی ہوں۔ یا آپ گرا دیں آسمان کو۔ جیسے آپ کا خیال ہے، ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے۔ یا آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو (بے نقاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں یا (تعمیر) ہو جائے آپ کے لئے ایک گھر سونے کا یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ کہ آپ آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ آپ اتار لائیں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں۔ آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرما دیں میرا رب ہر عیب

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۳۱۵ - ۳۱۷

سے پاک ہے اور میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔" (سورۂ بنی اسرائیل ۹۰۔ ۹۳)

آخر میں انہوں نے کہا کہ ہم نے تحقیق کی ہے ہمیں پتہ چلا ہے کہ یمامہ کا ایک شخص جس کا نام رحمٰن ہے وہ آپ کو یہ سب کچھ سکھاتا ہے آپ اس سے سیکھ کر ہمیں سنا دیتے ہیں ہم بخدا رحمٰن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے آج اپنی طرف سے حجت پوری کر دی ہے۔ اب ہم آپ کا مقابلہ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ ختم ہو جائیں یا ہم ہلاک ہو جائیں۔ (۱)

ان کی یہ باتیں سن کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور گھر کی طرف چل پڑے حضور کے ساتھ ہی حضور کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا لڑکا عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ بھی ساتھ اٹھا۔ اور حضور کے ساتھ ساتھ چل پڑا راستہ میں اس نے حضور کو کہا یا محمد (روحی فداک) میری قوم نے بہت سی تجویزیں آپ کے سامنے پیش کیں آپ نے ان میں سے کوئی تجویز نہیں مانی۔ پھر انہوں نے اپنے لئے چند مطالبات کئے وہ بھی آپ نے مسترد کر دیئے۔ پھر یہاں تک کہا اگر آپ ہمارے لئے کچھ نہیں مانگتے تو آپ کی مرضی۔ اپنے لئے تو اپنے رب سے باغات۔ محلات اور خزانے مانگیے اگر وہ آپ کو بھی یہ چیزیں دے دے تو پھر بھی وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے وہ بھی آپ نے ٹھکرا دی پھر انہوں نے وہ عذاب نازل کرنے کا مطالبہ کیا جس سے آپ ہر وقت ان کو ڈراتے رہتے تھے یہ بات بھی آپ نے نہ مانی۔ بخدا میں تو اب کسی قیمت پر آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔

یہ لاف زنیاں کرتا ہوا وہ اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔ لیکن اپنی قوم کی اس ہٹ دھرمی اور محرومی پر حضور از حد کبیدہ خاطر اور غمزدہ تھے۔

حضور کے وہاں سے چلے آنے کے بعد قریش ابھی وہیں بیٹھے تھے کہ ابو جہل کہنے لگا اے گروہ قریش! اب تم نے دیکھ لیا ہماری اتنی مغزماری کے باوجود وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ ہمارے دین کی عیب جوئی۔ ہمارے بتوں کی توہین۔ اور ہمیں احمق و بے وقوف کہنے سے نہیں رکے۔

میں نے بھی قسم کھائی ہے کہ کل میں بہت بھاری پتھر جتنا میں اٹھا سکتا ہوں لے کر ان کی انتظار میں بیٹھوں گا جونہی وہ سجدہ میں مجھے نظر آئیں گے (العیاذ باللہ) ان کے سر پر دے ماروں

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۳۱۷۔ سیرت ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۸۱

گا پھر تم مجھے ان کے حوالے کر دینا یا میرا دفاع کرنا۔ یہ تمہاری مرضی اس کے بعد بنو عبد مناف جو چاہیں میرے ساتھ کریں مجھے اس کی پروا نہیں۔ سامعین نے اس کا پروگرام سن کر پسندیدگی کا اظہار کیا اور اسے یقین دلایا۔

وَاللّٰهِ مَا نُسْلِمُكَ لِشَيْءٍ أَبَدًا فَامْضِ مَا تُرِيْدُ.

"خدا کی قسم! ہم تمہیں کسی قیمت پر ان کے حوالے نہیں کریں گے۔ اب جاؤ جو چاہتے ہو کرو۔" (۱)

دوسرے روز علی الصبح ابو جہل نے حسب وعدہ بھاری پتھر اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا اور حضور کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ حضور حسب معمول صبح سویرے تشریف لائے حجر اسود اور رکن یمانی کی دیوار کو قبلہ بنا کر نماز کی نیت باندھ لی۔ ہجرت سے پہلے حضور جب بھی نماز ادا کرنے لگتے اسی جگہ کھڑے ہوتے۔ کعبہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھتے۔ قریش بھی ادھر ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے کہ ابو جہل کیا کرتا ہے۔ حضور جب اپنے رب کی جناب میں سربسجود ہوئے تو ابو جہل اٹھا۔ پتھر اٹھایا اور حضور کی طرف چل پڑا جب قریب پہنچا تو دفعتہً پیچھے کی طرف بھاگا چہرہ کا رنگ فق ہو گیا تھا رعب سے رعشہ طاری تھا۔ جس ہاتھ میں اس نے پتھر اٹھایا ہوا تھا وہ سوکھ گیا یہاں تک کہ اس نے پتھر پھینک دیا قریش دوڑ کر اس کے پاس آئے۔ پوچھا ابو الحکم۔ کیا بات ہے۔ کہنے لگا۔ کہ جب پتھر اٹھا کر میں ان کے نزدیک پہنچا اور ارادہ کیا کہ اسے آپ کے سر پر دے ماروں تو ایک نر اونٹ منہ کھولے مجھے کھانے کے لئے میری طرف لپکا اس کی کھوپڑی اتنی بڑی تھی اور اس کی گردن اتنی موٹی تھی کہ میں نے آج تک کسی اونٹ کی نہیں دیکھی۔

کفار نے پہلے حضرت ابو طالب کے ذریعہ حضور کو اپنے مشن سے دست بردار کرنا چاہا اس میں ناکامی ہوئی پھر براہ راست حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر طرح طرح کی پیش کشیں شروع کر دیں۔ کبھی انفرادی طور پر کبھی اجتماعی طور پر۔ اس میں بھی وہ بری طرح ناکام ہوئے۔ لیکن ابھی تک وہ اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور افہام و تفہیم کے ذریعہ اسلام کی اس تحریک کو بال و پر نکالنے سے پہلے موت کی نیند سلا دیں گے۔ ان سابقہ کوششوں کے بعد ایک بار پھر وہ ایک وفد کی شکل میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آج ہم آپ کی خدمت میں صرف ایک تجویز پیش کرنے کے لئے آئے ہیں اور اس

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۳۱۸

کے مان لینے میں سوفی صدی آپ کا ہی بھلا ہے۔ حضور نے پوچھا وہ تجویز کیا ہے انہوں نے کہا کہ

ایسا کریں ایک سال آپ ہمارے خداؤں لات و عزّیٰ وغیرہ کی ہمارے ساتھ مل کر پرستش کریں اور ایک سال ہم سب آپ کے ساتھ مل کر آپ کے خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کا فلسفہ انہوں نے یہ بتایا کہ ایک تو یہ کہ ہماری آپس کی بے اتفاقی اور جنگ و جدال ختم ہو جائے گا دوسرا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یا ہم حق پر ہیں اور جن معبودوں کی عبادت کرتے ہیں وہی سچے خدا ہیں تو ایک سال جب آپ ہمارے ساتھ مل کر ان کی پوجا کریں گے تو ان کی برکتوں سے آپ بھی مالا مال ہو جائیں گے۔ اور اگر ہمارے معبود باطل ہیں اور آپ جس خداوند قدوس کی عبادت کرتے ہیں وہی سچا خدا ہے تو جب ہم ایک سال آپ کے ساتھ مل کر اس کی عبادت کریں گے تو اس کی مہربانی اور نوازشات سے ہماری جھولیاں بھر جائیں گی۔ ہم بھی اس طرح محروم نہیں رہیں گے۔

ان کا یہ شیطانی فلسفہ سن کر رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہاری اس تجویز کا جواب اپنے رب سے پوچھ کر دوں گا مجھے اس کی وحی کا انتظار ہے چنانچہ جبرئیل امین یہ سورت لے کر نازل ہوئے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔

" آپ فرما دیجئے اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا ان بتوں کی جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس خدا کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں اور نہ میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔ " (سورۃ الکافرون)

چنانچہ اس مہم سے بھی کفار کو خائب و خاسر لوٹنا پڑا۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ انہیں کفر و شرک کی ظلمتوں سے

نکال کر توحید کی جگمگاتی ہوئی شاہراہ پر گامزن کر دیا جائے۔ اس کے لئے جو تجاویز انہوں نے پیش کی تھیں ان کو عملی جامہ پہنانا اگرچہ کسی انسان کے بس کی بات تو نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس نے اپنے ایک کلمہ کن سے اس عالم رنگ و بو کو تخلیق فرمایا۔ اس کے سامنے کوئی مشکل نہ تھا کہ وہ ان پہاڑوں کو پرے دھکیل دیتا یا ان کا نام و نشان ہی مٹا دیتا اور مکہ کی وہ تنگ وادی وسیع اور فراخ ہو جاتی۔ جس نے ننھے اسماعیل کی ایڑی سے زمزم کا چشمہ جاری کر دیا اس کے لئے یہ امر ہرگز مشکل نہ تھا کہ وہ ایک دو دریا جاری کر دیتا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام نے اگر مردوں کو زندہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں ان لوگوں کے جملہ شکوک دور کرنے کے لئے اگر قصی اور دیگر چند بزرگوں کو زندہ کر دیتا تو ساری مشکلیں دور ہو جاتیں۔

اس میں کیا حکمت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اِن تجاویز کو مسترد کر دیا۔

علماء کرام نے اس کی متعدد حکمتیں بیان کی ہیں۔ ایک حکمت تو یہ ہے کہ ان کے یہ سوالات اس لئے نہ تھے کہ وہ ہدایت قبول کریں گے۔ گمراہی کو چھوڑ کر صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں گے بلکہ انہوں نے ازراہ عناد ان امور کے بارے میں اصرار کیا تھا۔ اگر ان کی نیت ہدایت پذیری کی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ضرور ان پر نظر رحمت فرماتا لیکن قدرت معاندین اور بد نہاد لوگوں کی ناز برداری نہیں کیا کرتی۔

دوسری حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اگر ان کے یہ سارے مطالبات پورے بھی کر دیئے گئے تو پھر بھی وہ اپنے کفر پر اڑے رہیں گے اور اس دعوت کو قبول نہیں کریں گے تو ایسے لوگوں کے بارے میں ان معجزات کے ظہور کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۔

"اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو۔ تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں۔" (سورۃ الانعام: ۱۱۲)

علامہ سہیلی نے اس کی یہ حکمت بیان کی ہے فرماتے ہیں
کہ کفار اللہ تعالیٰ کی حکمتوں سے بے خبر تھے اس لئے وہ اس قسم کی بے سروپا فرمائشیں کیا کرتے تھے اگر انہیں ان حکمتوں کا علم ہوتا تو کبھی وہ اس قسم کی باتیں کرنے کی جسارت نہ کرتے نبی پر ایمان وہ معتبر ہے جو اس کی بات کو سچا مان کر قبول کیا جائے۔ اور یہی انسان کی آزمائش ہے جو شخص نبی کے اقوال کو تو تسلیم نہیں کرتا لیکن اس کی فرمائش کے مطابق اگر کوئی معجزہ دکھایا جائے اور اسے وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلے تو پھر وہ تسلیم کرے تو ایسا ایمان بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوتا۔ انہیں چاہئے تھا کہ وہ نبی جس کی زندگی کا بہت بڑا حصہ ان کے درمیان گزرا ہے اور اس کے دامن عصمت پر کوئی معمولی سا داغ بھی کہیں نظر نہیں آتا اس کی زبان سے نکلی ہوئی دعوت کو وہ بے چون وچرا تسلیم کرلیتے۔ نبی کے ارشاد پر تو ایمان لانے کے لئے وہ تیار نہیں لیکن اپنے ذاتی مشاہدات کو وہ حق کے پہچاننے کا معیار قرار دیتے ہیں ایسا ایمان اللہ تعالیٰ کی جناب میں منظور نہیں۔

نیز حضور نے اس سے پہلے بھی تو بے شمار معجزات دکھائے تھے اگر ان میں ایمان لانے کی صلاحیت ہوتی تو ان معجزات کے مشاہدے کے بعد ذرا تامل نہ کرتے اور فوراً اس دعوت کو قبول کرلیتے پہلے معجزات سے انہوں نے فائدہ نہیں اٹھایا تو ان عقل کے اندھوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ اگر ان کی یہ فرمائشیں پوری کر دی جائیں تو وہ ایمان لے آئیں گے کوئی اور عذر لنگ پیش کر کے باطل سے چمٹے نہیں رہیں گے۔ (۱)

اور اس کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ جب بھی کسی قوم نے اس قسم کا معجزہ طلب کیا اور ان کے مطالبہ پر وہ معجزہ دکھایا گیا اور پھر بھی وہ ایمان نہ لائے اور کفر پر اڑے رہے۔ تو اسی وقت ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔

قَالَ سَأَلَ اَهْلُ مَكَّةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّجْعَلَ لَهُمُ الصَّفَا ذَهَبًا وَاَنْ يُّنَحِّيَ عَنْهُمُ الْجِبَالَ فَيَزْرَعُوْنَ فَاَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ وَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ لَكَ اِنْ شِئْتَ اَصْبَحَ الصَّفَا لَهُمْ ذَهَبًا وَمَنْ كَفَرَ مِنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ عَذَّبْتُهُ عَذَابًا لَا اُعَذِّبُهُ اَحَدًا مِنَ الْعٰلَمِيْنَ وَاِنْ شِئْتَ

۱۔ سبل الہدیٰ، جلد دوم، صفحہ ۵۱۱

فَتَحْتُ لَهُمْ بَابَ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ قَالَ أَيْ رَبِّ بَابُ الرَّحْمَةِ

رَوَى الْإِمَامُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالْحَاكِمُ وَالضِّيَاءُ فِي صَحِيحِهِ

"امام احمد۔ نسائی۔ حاکم اور ضیاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا آپ نے کہا اہل مکہ نے اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ صفا کی پہاڑی کو سونا بنا دیا جائے اور پہاڑوں کو دور ہٹا دیا جائے تاکہ کھلے میدانوں میں وہ زراعت کر سکیں جبرئیل امین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! آپ کا پروردگار آپ کو سلام فرماتا ہے اور آپ کو یہ پیغام دیتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو صفا کی پہاڑی سونا بن جائے۔ اگر اس کے بعد ان میں سے کسی نے کفر کیا تو ان کو میں ایسے المناک عذاب میں مبتلا کروں گا جس میں آج تک کسی کو مبتلا نہ کیا گیا ہو۔ اور اگر آپ کی مرضی ہو تو میں ان کے لئے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھوں۔ حضور نے اپنے کریم و رحیم خدا کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے پروردگار! تیرے اس بندے کی مرضی یہ ہے کہ تو ان کے لئے رحمت کا دروازہ کھلا رکھے۔" (۱)

قرآن کریم کی اثر آفرینی

کفار اگرچہ بظاہر ضد اور تعصب کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے۔ لیکن ان میں یہ جرأت بھی نہ تھی کہ حضور کی دعوت حقہ کو کلیۃً مسترد کر دیں۔ اس پاکیزہ اور رسیلی صدا کی گونج وہ اپنے نہاں خانہ دل میں واضح طور پر محسوس کرتے تھے جب کبھی انہیں خلوت میسر آتی یارات کے سناٹے میں ان کی آنکھ کھل جاتی وہ اس دعوت کے اثرات کو اپنے آبائی عقائد پر یلغار کرتے ہوئے محسوس کرتے اور اس یلغار کے سامنے انہیں اپنے توہمات کے یہ قلعے ریت کے گھروندے محسوس ہونے لگتے اپنے دلوں کی اس بے چینی سے نجات پانے کے لئے وہ طرح طرح کے حیلے کرتے لیکن بے چینی اور قلق ان کا پیچھا نہ چھوڑتا انتہائی ضبط اور احتیاط کے باوجود کفر کے بڑے بڑے سرغنوں کی زبان پر بے ساختہ ایسے فقرے آجاتے جو اُس کشمکش کا راز فاش کر دیتے جو ان کے قلوب واذھان میں بڑے زور و شور سے برپا تھی۔ مثال کے طور پر چند واقعات ملاحظہ

۱۔ سبل الہدیٰ، جلد دوم، صفحہ ۴۵۸۔ السیرۃ النبویہ۔ لابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۸۲

فرمایئے۔

نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف

نضر۔ قریش کا ایک رئیس تھا۔ پرلے درجے کا بدباطن اور خبیث النفس۔ اس کا شمار شیاطین قریش میں ہوتا تھا۔ اس کا دل حضور کے بغض اور عناد سے لبریز تھا۔ یہ حیرہ گیا وہاں ایران کے بادشاہوں اور وہاں کے پہلوانوں، رستم و اسفندیار کے قصے کہانیاں سیکھ کر واپس آیا اور اپنے ساتھ ان کہانیوں کی کتابیں بھی لے آیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنے مواعظِ حسنہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے جاتے تو یہ اس مجلس میں آکر براجمان ہو جاتا اور لوگوں کو ایران کے بادشاہوں اور پہلوانوں کے عجیب و غریب قصے اور کہانیاں سناتا۔ پھر کہتا میرے جیسا حسنِ بیان کسے میسر ہے۔ جس دل نشین انداز سے میں ان تاریخی واقعات کو بیان کرتا ہوں بھلا اور کون کر سکتا ہے۔

اس قماش کا آدمی جس کی رگ و پے میں اسلام کی عداوت سرایت کئے ہوئے تھی وہ بھی قرآن کریم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ابو جہل نے جب اپنے منصوبہ کی ناکامی کی وجہ بیان کی کہ وہ کیوں نہ حسب وعدہ حضور کو اپنے پتھر کا نشانہ بنا سکا تو نضر بھی اسی محفل میں موجود تھا اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ اٹھ کھڑا ہوا اور یوں گویا ہوا۔

اے گروہ قریش! جس بڑی مصیبت میں تم مبتلا ہو اس سے نجات کی کوئی صورت تمہیں نہیں سوجھتی۔ یہ وہی محمد ہے جو کل تک جب جوان تھا۔ تو سب کی آنکھوں کا نور تھا۔ تم میں سے سب سے زیادہ سچی بات کرنے والا تھا۔ تم میں سب سے زیادہ دیانتدار اور امین تھا۔ آج جب اس کی کنپٹی کے بالوں میں سفیدی آگئی ہے اور تمہارے پاس ایک مخصوص پیغام لایا ہے جو تم نے سن لیا ہے تو آج تم کہتے ہو کہ یہ جادوگر ہے "لَا وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِسَاحِرٍ" نہیں بخدا وہ جادوگر نہیں ہے۔ ہم نے جادوگر بھی دیکھے ہوئے ہیں اور ان کی گرہیں لگا کر ان میں پھونک مارنے کے انداز بھی ہمیں معلوم ہیں۔ آج تم کہتے ہو وہ کاہن ہے "لَا وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِكَاهِنٍ" نہیں بخدا وہ کاہن نہیں۔ ہم نے کاہن دیکھے ہیں اور ان کے مسجع۔ مقفٰی جملے بارہا سنے ہیں آج تم کہتے ہو یہ شاعر ہے "لَا وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِشَاعِرٍ" نہیں بخدا وہ شاعر نہیں۔

ہمیں شعر کی حقیقت معلوم ہے۔ اس کی ساری صنفوں سے بھی ہم باخبر ہیں آج تم کہتے ہو وہ مجنون ہے "لَا وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِمَجْنُونٍ" نہیں بخدا وہ مجنون نہیں ہے ہم جنون کی حالت سے

بھی بے خبر نہیں اور اس حالت کی وسوسہ اندازیوں اور خلط ملط سے بھی ہم خوب واقف ہیں۔ اے گروہ قریش! اپنی حالت پر مزید غور کرو۔ بے شک تمہیں ایک بڑی مشکل صورت حال کا سامنا ہے۔ (۱)

ولید بن مغیرہ کے خیالات

حج کا موسم قریب آرہا تھا۔ جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ سے آنے والے حاجیوں کے قافلوں کی آمد آمد تھی۔ اہل مکہ اپنے ان مہمانوں کی پیشوائی اور خاطر مدارات کے لئے انتظامات میں مصروف تھے ایک روز سب اکابر قریش ولید بن مغیرہ کے پاس جمع تھے ایام حج کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے باہم مشورے کر رہے تھے۔ ولید بن مغیرہ، عمر میں بھی سب سے بڑا تھا اور قومی معاملات میں وسیع تجربہ رکھنے کے باعث لوگ اس کی عزت و احترام کرتے تھے۔ اسی نے سلسلہ گفتگو کا آغاز کیا اس نے کہا۔

تمہیں معلوم ہے کہ حج کا موسم آگیا ہے۔ دور دراز علاقوں سے مختلف قبائل کے وفود یہاں آئیں گے یہ خبر تو ہر جگہ پہنچ چکی ہے کہ یہاں ایک ایسا شخص ظاہر ہوا ہے جو ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے۔

ان کی عبادت کی بجائے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کی دعوت دیتا ہے وہ اس کے بارے میں ضرور ہم سے پوچھیں گے اگر ہم نے ایک متفقہ جواب نہ دیا بلکہ ہر ایک نے الگ الگ جواب دیا تو وہ لوگ ہمارا مذاق بھی اڑائیں گے اور ہمیں جھوٹا بھی سمجھیں گے اس لئے ہمیں اس کے بارے میں ایک جواب پر متفق ہو جانا چاہیے آج ہم اتفاق سے اکٹھے بیٹھے ہیں۔ اس کے بارے میں ہمیں کوئی فیصلہ کر لینا چاہئے سب نے کہا اے ابا عبد شمس! آپ ہی کہیں۔ آپ سے زیادہ سیانا اور کون ہے آپ جو طے کریں گے اس پر ہم سب عمل کریں گے اس نے کہا نہیں آپ لوگ بتائیں میں سنوں گا۔ ولید کے اصرار پر لوگوں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار شروع کیا کسی نے کہا کہ ہمیں لوگوں کو بتانا چاہئے کہ یہ کاہن ہے۔ ولید نے کہا! بخدا وہ کاہن تو نہیں۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے نہ اس کے کلام میں کاہنوں جیسی گنگناہٹ ہے اور نہ سجع ہے۔ چند اور لوگ بولے پھر ہمیں کہنا چاہئے کہ یہ مجنون ہے۔ ولید نے اس سے بھی اتفاق نہ کیا۔ کہا وہ ہر گز مجنون نہیں۔ جنون کی کوئی ایک نشانی بھی تو اس میں نہیں پائی جاتی۔ نہ اس کے اعضاء از خود

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۳۱۹۔ ۳۲۰

کپکپاتے ہیں اور نہ اس کی زبان سے کوئی مہمل اور بے معنی بات نکلتی ہے چند اور نے یہ تجویز کی کہ پھر بہتر ہے کہ ہم اسے شاعر کہیں۔ ولید نے کہا ہم اسے شاعر کیونکر کہہ سکتے ہیں ہم خود اہل زبان ہیں شعر کی تمام صنفوں سے بخوبی واقف ہیں جو کلام یہ سناتے ہیں وہ شعر کی جملہ صنفوں سے کسی صنف کے نیچے مندرج نہیں ہو سکتا۔ ساری محفل پر سکوت چھا گیا دیر تک سر جھکائے سوچ و بچار کرتے رہے پھر کسی نے سر اٹھایا اور کہا ہم اسے ساحر کہیں گے ولید نے اس رائے کو بھی مسترد کر دیا کہ کیا ہم جادوگروں اور ان کے جادو سے واقف نہیں نہ یہ ان کی طرح پھونکیں مارتے ہیں نہ تاگوں میں گرہیں لگاتے ہیں۔ جب ان پیش کردہ ساری آراء کو ولید نے خلاف حقیقت اور غلط قرار دے دیا تو سب نے عاجز ہو کر کہا کہ پھر تم ہی بتاؤ کہ ہمیں لوگوں کو ان کے بارے میں کیا بتانا چاہئے ولید نے کہا۔ بخدا! جو کلام یہ سناتے ہیں اس میں ایک عجیب قسم کی مٹھاس ہے یہ ایسا سرسبز و شاداب تنا ہے جس سے بے شمار شاخیں پھوٹی ہوئی ہیں اس کی ٹہنیاں پکے پھلوں سے لدی ہوئی ہیں۔ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہم کہیں گے تو لوگ جھٹ کہیں گے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اس کے بغیر ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں کہ ان کے بارے میں ہم سے جو کوئی پوچھے تو ہم کہیں کہ وہ ساحر ہے اس نے اپنے سحر کے اثر سے باپ سے بیٹے کو بھائی سے بھائی کو شوہر سے بیوی کو دوست کو دوست سے جدا کر دیا ہے اور سارے قبیلے میں پھوٹ ڈال دی ہے۔

آخر اسی بات پر اتفاق رائے ہو گیا اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ جب ایام حج میں حجاج کے قافلے مختلف سمتوں سے آنے شروع ہوئے تو یہ لوگ مختلف راستوں پر بیٹھ گئے اور جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان سے دریافت کرتا سب وہی طے شدہ جواب دیتے کہ وہ بڑا جادوگر ہے اس نے اپنے جادو کے زور سے مکہ کے پر امن معاشرہ میں فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔

اس واقعہ سے آپ نے اندازہ لگا لیا کہ مکہ کے دانشور خوب سمجھتے تھے کہ حضور نہ کاہن ہیں نہ مجنون نہ شاعر ہیں اور نہ ساحر۔ قرآن کریم کے بارے میں بھی وہ دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرتے تھے کہ اسلام کے شجرِ دعوت کا تنا۔ اتنا سرسبز و شاداب ہے کہ اس سے بے شمار شاخیں پھوٹ رہی ہیں اور ہر شاخ میٹھے اور پکے ہوئے پھلوں سے جھوم رہی ہے۔

ولید نے قرآن کریم کے بارے میں جو رائے دی۔ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

اِنَّ اَصْلَهٗ لَعَذَقٌ وَاِنَّ فَرْعَهٗ لَجَنَاةٌ

اَلْعَذَقَ الْكَثِيْرُ الشُّعَبِ وَالْاَطْرَافِ عذق وہ تنا جس سے بکثرت شاخیں پھوٹی ہوئی ہوں۔

لَجَنَاةٌ اَیْ فِیْہِ ثَمَرٌ یُجْنٰی ایسا پھل جو پکا ہوا ہو اور جس کو توڑنے والے توڑتے ہیں۔

یہ سب کچھ جاننے اور ماننے کے باوجود وہ حضور علیہ السلام پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھے یہ ان کی حرماں نصیبی تھی جس کا سبب ان کا اندھا تعصب تھا۔ (۱)

چنانچہ اسی ولید کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۔ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۔ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ۔ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۔ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ۔ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ۔ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۔ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۔ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ۔ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ۔ ثُمَّ نَظَرَ ۔ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۔ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۔ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۔ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۔

"آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے۔ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔" (سورۃ المدثر: ۱۱ تا ۲۵)

کفار مکہ نے اپنے پروگرام کے مطابق باہر سے آنے والے حاجیوں کو حضور کے بارے میں یہی بتایا کہ آپ ساحر ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قافلے واپسی میں جہاں جہاں سے گزرتے جہاں جہاں پہنچے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں سب کو بتاتے گئے چنانچہ حضور کے ذکر خیر سے عرب کی سرزمین کا چپہ چپہ گونجنے لگا۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۸۳ - ۲۸۴

قریش کے رئیسوں کا چھپ چھپ کر قرآن سننا

سچ تو یہ ہے کہ بہت سے کافر ایسے تھے۔ جن کے دلوں کو قرآن کے حسن اعجاز نے اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ وہ یہ مانتے تھے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں لیکن انہیں حسد اور بغض اجازت نہ دیتا تھا کہ وہ اسلام کو قبول کرنے کا اعلان کریں۔ آیات قرآنی کی تلاوت سننے کا شوق صرف معمولی قسم کے لوگوں تک محدود نہ تھا۔ بلکہ وہ لوگ بھی اس کے سننے کے متوالے تھے جو دنیائے کفر کے رکن رکین تھے۔ چنانچہ امام ابن ہشام نے اپنی سیرت کی شہرہ آفاق کتاب میں ایک حیران کن واقعہ قلم بند کیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم رات کے وقت تنہائی میں قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے ایک رات اس روح پرور تلاوت کو سننے کے شوق میں ابو سفیان آیا اور چپکے سے ایک کونہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ پھر ابو جہل رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور کی جاں نواز تلاوت کو سننے کے لئے اس مجلس میں آیا اور ایک گوشہ میں چپ کر کے بیٹھ گیا۔ تلاوت قرآن کریم سننے کی کشش ایک تیسرے کافر اخنس بن شریق کو بھی کشاں کشاں اس محفل میں لے آئی وہ بھی دبک کر کہیں بیٹھ گیا تینوں کٹر کافر اور اسلام کے خون آشام دشمن تھے۔ لیکن قرآن سننے کے شوق میں یہاں بیٹھے تھے۔ انہیں ایک دوسرے کا کوئی علم نہ تھا۔ رات بھر یہ نورانی تلاوت نور برساتی رہی۔ یہ لوگ کیف و مستی میں ڈوبے بیٹھے رہے یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی سب حاضرین اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے راستہ میں ان تینوں کی ملاقات ہو گئی لگے ایک دوسرے کو ملامت کرنے اور ایک دوسرے کو منع کیا کہ ایسی محفل میں شرکت کرنے سے باز آئیں اگر سادہ لوح لوگوں کو پتہ چل گیا کہ ہم بھی رات بھر چھپ چھپ کر قرآن سنتے ہیں تو ان کا عقیدہ متزلزل ہو جائے گا۔

خبردار پھر ایسی حرکت نہ کرنا جب دوسری رات آئی تو ان تینوں سے صبر نہ ہو سکا۔ تلاوت سننے کی بے قراری ہر ایک کو پھر وہاں کھینچ لائی ہر ایک یہی سمجھ رہا تھا کہ صرف وہی آیا ہے اور کوئی نہیں آیا کیف و سرور میں ڈوبی ہوئی رات پل بھر میں بیت گئی۔ صبح کا اجالا پھیلنے لگا۔ سب اٹھے اور گھروں کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں پھر اچانک ایک دوسرے کا سامنا ہو گیا پھر ایک دوسرے کو مطعون کرنے لگے اور پھر تاکید کی کہ آئندہ یہ غلطی نہ کرنا ورنہ بے وقوف لوگ گمراہ

ہو جائیں گے تیسری رات نے جب اپنے پر پھیلائے ساری کائنات ظلمت شب میں ڈوب گئی شوق کی چنگاری پھر سلگنے لگی۔ بے قابو اور بے اختیار ہو کر پھر ادھر کا رخ کیا۔ جہاں سے اللہ تعالیٰ کے محبوب کا دلکش لحن سنائی دے رہا تھا۔ یہ رات بھی بہت جلد صبح آشنا ہو گئی۔ وہ بھی اٹھے اور گھروں کو روانہ ہوئے راستہ میں تینوں کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ فرط خجالت سے ایک دوسرے سے آنکھیں ملانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے آج پختہ عہد کیا کہ آئندہ نہیں آئیں گے لَا نَبْرَحُ حَتّٰی نَتَعَاهَدَ اَنْ لَا نَعُوْدَ ہم یہاں سے رخصت نہیں ہوں گے جب تک پھر یہاں واپس نہ آنے کا پکا عہد و پیمان نہ کر لیں۔

جب صبح ہوئی۔ اخنس بن شریق نے عصا پکڑا اور اس پر ٹیک لگاتا ہوا ابو سفیان کے گھر آیا اور اسے کہا۔

اَخْبِرْنِيْ يَا اَبَا حَنْظَلَةَ عَنْ رَاْيِكَ فِيْمَا سَمِعْتَ عَنْ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

"اے ابو حنظلہ (ابو سفیان کی کنیت) مجھے بتاؤ جو کلام تم نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

فَقَالَ يَا اَبَا ثَعْلَبَةَ وَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ اَشْيَاءَ اَعْرِفُهَا وَاَعْرِفُ مَا يُرَادُ بِهَا وَسَمِعْتُ اَشْيَاءَ مَا عَرَفْتُ مَعْنَاهَا وَمَا يُرَادُ بِهَا

"ابو سفیان نے جواب دیا! اے ابو ثعلبہ (یہ اخنس کی کنیت ہے) بخدا بعض چیزیں جو میں نے سنی ہیں ان کو میں جانتا تھا اور ان کا مفہوم بھی مجھے معلوم ہے۔ لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو نہ میں جانتا تھا اور نہ مجھے ان کا مفہوم معلوم ہے۔"

اخنس نے کہا۔ اس ذات کی قسم جس کی تم نے قسم کھائی ہے میرا بھی یہی حال ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر اخنس ابو جہل کے گھر گیا اور اس سے پوچھا۔

يَا اَبَا الْحَكَمِ مَا رَاْيُكَ فِيْمَا سَمِعْتَ مِنْ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

"اے ابو الحکم! جو تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ ابو جہل نے کہا۔"

مَاذَا سَمِعْتُ ؟ تَنَازَعْنَا نَحْنُ وَبَنُوْ عَبْدِ مَنَافٍ الشَّرَفَ اَطْعَمُوْا

فَأَطْعَمْنَا وَحَمَلُوا فَحَمَلْنَا۔ وَأَعْطَوْا فَأَعْطَيْنَا حَتّٰى إِذَا تَجَاذَيْنَا عَلَى الرُّكَبِ وَكُنَّا كَفَرَسَيْ رِهَانٍ قَالُوا مِنَّا نَبِيٌّ يَأْتِيهِ الْوَحْيُ مِنَ السَّمَاءِ فَمَتٰى نُدْرِكُ مِثْلَ هٰذِهٖ وَاللّٰهِ لَا نُؤْمِنُ بِهٖ أَبَدًا وَلَا نُصَدِّقُهُ

"میں نے کیا خاک سنا؟ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا اور بنو عبد مناف کا جھگڑا اس بات پر تھا کہ قوم کا سردار کون ہے۔ اس شرف اور سیادت کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے بھی اپنے دستر خوان کو وسیع کیا اور ہر غریب مسکین کو کھانا کھلایا اور ہم نے بھی ان سے بازی لے جانے کے لئے دستر خوان کو وسعت دی اور ہر غریب مسکین کی ضیافت کا اہتمام کیا انہوں نے بھی لوگوں کے بوجھ اٹھائے اور ہم نے بھی بوجھ اٹھائے۔ انہوں نے بھی اپنی فیاضی سے مانگنے والوں کی جھولیاں بھریں۔ ہم نے بھی اس بات میں ان سے سبقت لے جانے کی کوشش میں اپنی سخاوت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اور جب ہم مقابلہ کے دو گھوڑوں کی مانند ہو گئے تو انہوں نے اچانک اعلان کر دیا کہ ہم میں سے ایک شخص کو نبوت ملی ہے اور اس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ ہم یہ دعوی کیسے کر سکتے تھے۔ بخدا ہم تو اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔" (۱)

یہ سن کر اخنس اٹھا اور اس کو خشم ناک حالت میں بڑبڑاتے ہوئے چھوڑ کر چلا گیا۔

قرآن کریم کا حسن بیان اور زور استدلال ہر سننے والے کو اندر ہی اندر سے متاثر کر رہا تھا۔ وہ سچائیاں جو اس کتاب مجید نے بیان کی تھیں۔ ان کی وہ تردید نہیں کر سکتے تھے وہ دلائل جن سے اس فرقان حمید کے صفحات جگمگا رہے تھے ان کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۳۳۷۔۳۳۸

کفار مکہ کا اہل کتاب سے استفتاء

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے اس تبلیغی مشن سے باز رکھنے کے لئے کفار مکہ نے بڑے جتن کئے لیکن ان کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی۔ ان کی پے در پے کوششیں ناکام ہوچکی تھیں لیکن ابھی تک اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت اور عداوت کی آگ ان کے سینوں میں بھڑک رہی تھی جب ان کی آخری سازش بھی ناکام ہو گئی تو پھر وہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سر جوڑ کر بیٹھے۔ نضر بن حارث نے یہ تجویز پیش کی کہ اگر ہمارا ایک وفد یثرب جائے اور وہاں اہل کتاب کے علماء احبار سے ملاقات کرے اور ان سے ان کے بارے میں پوچھے کیا یہ سچے نبی ہیں یا نہیں۔ ممکن ہے ان کی راہنمائی سے ہم کسی حتمی نتیجہ پر پہنچ جائیں اور اس مصیبت سے نجات کی کوئی صورت نکل آئے چنانچہ کفار مکہ نے اس مقصد کے لئے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو نامزد کیا اور انہیں کہا کہ آپ یثرب جائیں۔ وہاں کے یہودی علماء اور احبار سے ملاقات کریں اور ان صاحب کے حالات سے ان کو تفصیل سے آگاہ کریں پھر ان سے پوچھیں کیا یہ سچا نبی ہے یا نہیں۔ چونکہ ان کے پاس آسمانی صحیفہ تورات موجود ہے وہی اس عقدہ کو حل کر سکتے ہیں اور ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ وہ دونوں اس مہم پر روانہ ہوئے، لق ودق صحراؤں۔ بنجر میدانوں۔ خشک پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے کئی دنوں کے بعد وہ یثرب پہنچے وہاں کے جید علماء سے رابطہ قائم کیا اور انہیں بتایا کہ ہمیں اہل مکہ نے آپ کی خدمت میں ایک خاص مقصد کے لئے روانہ کیا ہے۔ قَدْ جِئْنَاكُمْ لِتُخْبِرُونَا عَنْ صَاحِبِنَا هٰذَا ہم اتنا طویل سفر طے کر کے اس لئے آپ کے پاس آئے ہیں کہ آپ اس مدعی نبوت کے بارے میں ہمیں آگاہ کریں کہ وہ سچا ہے یا نہیں۔

انہوں نے حضور کے سارے حالات تفصیل سے ان کو بتائے۔ ان احبار نے کہا کہ ہم تمہیں تین سوالات بتاتے ہیں تم واپس جا کر ان سے یہ تین سوال پوچھو اگر وہ ان کے جوابات دے دیں تو وہ سچے نبی ہیں ورنہ وہ دھوکا باز اور ملمع ساز شخص ہے۔ تم جس طرح چاہو اس کے ساتھ نمٹ سکتے ہو۔

ان سوالات میں سے پہلا سوال یہ تھا کہ وہ نوجوان کون تھے جنہوں نے گزشتہ زمانہ میں ایک ظالم بادشاہ کے خوف سے اپنا وطن چھوڑا تھا تاکہ وہ انہیں کافر ہونے پر مجبور نہ کر دے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ وہ سیاحت کرنے والا شخص کون تھا جو زمین کے مشارق و مغارب تک پہنچا۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ روح کی حقیقت کیا ہے۔

ان سوالات کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے وہ دونوں صاحب مکہ واپس روانہ ہوئے جب وہ مکہ پہنچے تو بڑے خوش و خرم تھے اور اپنی قوم کو انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ہم تمہارے پاس ایک فیصلہ کن چیز لے آئے ہیں اس سے ہم سب کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سچے نبی ہیں یا نہیں اب مزید پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ پھر انہوں نے اہل مکہ کو وہ تین سوال بھی بتائے جو احبار یہود نے حضور کی صداقت کو جاننے کے لئے انہیں بتائے تھے۔ مکہ میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی گویا اب یہ معمہ حل ہوا چاہتا ہے۔ اس کے بعد کوئی ذہنی اضطراب ان کا تعاقب نہیں کرے گا۔ سب اکٹھے ہو کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لئے حضور کے پاس آئے اور کہا اگر آپ سچے نبی ہیں تو ان سوالات کا جواب دیجئے حضور نے نزول وحی کے بعد ان کا جواب دینے کا وعدہ فرمایا چنانچہ چند روز بعد (بعض روایات میں پندرہ دن اور بعض میں تین دن) کے بعد جبرئیل امین سورہ کہف لے کر نازل ہوئے اس سورت میں ان تینوں سوالات کا مکمل جواب تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سورت پڑھ کر کفار کو سنائی۔ اس میں واضح طور پر بتایا گیا تھا کہ وہ نوجوان اصحاب کہف تھے۔ وہ سیاح ذوالقرنین تھا۔ اور روح کی حقیقت جو تمہیں بتائی جا سکتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ یہ امر الٰہی ہے۔ روح کے بارے میں اس سے زائد کچھ جاننا انسان کی عقل و فہم سے ماوراء ہے۔ (۱)

اس سورت کی پہلی آیت میں ہی حضور کی رسالت کا اعلان موجود ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (۱۸:۱)

”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب۔“

اگرچہ ان کے اپنے تسلیم کردہ معیار کے مطابق سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی ثابت ہو چکی تھی۔ لیکن ہدایت انہیں ہی نصیب ہوتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اس نعمت سے سرفراز کرنے کا فیصلہ صادر کرتا ہے۔

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ ۳۲۰ - ۳۲۲

پیکرِ حسن و جمال صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر کفار کا ہولناک ظلم و تشدّد

ان پر آشوب حالات میں بغض و عناد کی ان تند آندھیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ اپنے رب کریم کی توحید کی دعوت کو عام کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے ہر گھر میں یہ پیغام پہنچا رہے ہیں۔ ہر مجمع میں اس کا اعلان فرما رہے ہیں۔ ہر خلوت میں اسی کا ذکر ہے۔ مکہ کے ہر کوچہ و بازار میں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا چرچا کر رہے ہیں۔ یہ ساری کوششیں ایک نقطہ پر مرکوز ہیں کہ جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ میں آپ کے خالقِ قدیر کی یکتائی کا ڈنکا بجنے لگے انسانوں کی پیشانیاں معبودان باطل کے آستانوں کو چھوڑ کر صرف اور صرف اس حَیٌّ وَقَیُّومٌ کی بارگاہ بے کس پناہ میں سجدہ ریز ہوں جو ساری کائنات کا سچا اور حقیقی خالق اور مالک ہے۔

ہر شخص جس سے ملاقات ہوتی ہے آزاد ہو یا غلام، کمزور ہو یا توانا، غریب ہو یا امیر، مرد ہو یا عورت سب کو یہی درس دیا جا رہا ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ اس کے علاوہ دنیا کی کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں کفار و مشرکین اذیت رسانی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رہے ہے لیکن ہر جور و ستم۔ حضور کے ذوق بندگی اور شوق محبت کو کم کرنے کے بجائے فزوں سے فزوں تر کرتا چلا جاتا ہے۔ اس اذیت رسانی میں حضور کا چچا ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل، جس کا نام اروی بنت حرب بن امیہ ہے اور جو ابوسفیان کی بہن ہے سب سے پیش پیش ہے۔

امام احمد بن حنبل، ربیعہ بن عباد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا۔
میں نے ذوالمجاز کے میلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حضور فرما رہے تھے۔

یَاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

"اے لوگو! کہو کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے یہ کہو گے تو دونوں جہانوں میں سرخرو ہو جاؤ گے۔"

حضور وعظ فرما رہے ہیں لوگوں کا جمگھٹا ہے آپ کے پیچھے ایک شخص لگا ہوا ہے۔ جس کی آنکھیں بھینگی اور چہرہ چمکدار ہے بالوں کی دو لٹیں اس کے گلے میں لٹکی ہوئی ہیں وہ بلند آواز سے چیخ رہا ہے۔ اِنَّهٗ صَابِیٌٔ کَاذِبٌ یَتْبَعُهٗ حَیْثُ ذَهَبَ یہ شخص بے دین ہے کاذب ہے حضور جدھر جاتے ہیں وہ آپ کے پیچھے جاتا ہے۔

میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے انہوں نے بتایا کہ یہ ان کا چچا ہے اور اس کا نام ابولہب ہے۔ (۱)

امام بیہقی، ربیعہ الدئلی سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذی المجاز کی منڈی میں دیکھا حضور لوگوں کے گھروں میں جاجا کر ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے تھے۔ حضور کے پیچھے پیچھے ایک شخص تھا جس کی آنکھیں بھینگی تھیں جس کے رخسار چمک رہے تھے وہ یہ اعلان کرتا پھرتا تھا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا يَغُرَّنَّكُمْ هٰذَا عَنْ دِيْنِكُمْ وَدِيْنِ آبَآئِكُمْ

"اے لوگو یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے اور تمہارے باپ دادا کے دین سے گمراہ نہ کردے۔"

میں نے لوگوں سے پوچھا یہ اعلان کرنے والا کون ہے انہوں نے بتایا یہ ابولہب ہے۔

بنی کنانہ قبیلہ کا ایک آدمی روایت کرتا ہے کہ ذی المجاز کی منڈی میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حضور فرمارہے تھے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

"اے لوگو! کہو لا الہ الا اللہ فلاح پاجاؤ گے۔"

میں نے دیکھا کہ ایک آدمی حضور کے پیچھے پیچھے ہے اور آپ پر مٹی ڈال رہا ہے پس میں نے غور کیا تو وہ ابولہب تھا اور وہ کہ رہا تھا اے لوگو یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے گمراہ نہ کر دے اس کی مرضی یہ ہے کہ تم لات و عزیٰ کی پرستش کو چھوڑ دو۔ ابولہب کی طرح اس کی بیوی ام جمیل اروی بنت حرب بھی حضور کی عداوت میں اندھی ہو چکی تھی۔ جب یہ سورت (تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ) نازل ہوئی تو اس کا وہ جذبہ عناد سہ آتشہ ہو گیا اس کے ہاتھ میں ایک لمبوترہ سا پتھر تھا۔ وہ حضور کی تلاش میں حرم شریف میں آئی۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صدیق اکبر بھی حاضر تھے انہوں نے جب اس ظالم عورت کو حضور کی طرف آتے دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ! یہ بڑی بدزبان عورت ہے فحش کلامی اس کی فطرت ہے بہتر ہے حضور یہاں سے تشریف لے جائیں ایسا نہ ہو کہ وہ حضور کو اپنی بدکلامی اور ہرزہ سرائی سے اذیت پہنچائے حضور نے فرمایا ابوبکر فکر نہ کرو۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی جب وہ قریب پہنچی تو کہنے لگی۔ اے ابوبکر! تیرے دوست نے میری ہجو کی ہے انہیں کیا ہو گیا ہے کہ

۱۔ سیرت ابن کثیر جلد اول صفحہ ۴۶۲

میرے بارے میں شعر کہنے شروع کر دیئے ہیں آپ نے فرمایا بخدا! آپ تو شعر نہیں کہا کرتے
دوسری روایت میں ہے آپ نے کہا اس گھر کے رب کی قسم! انہوں نے تیری ہجو نہیں کی ہے
اور نہ وہ شاعر ہیں وہ کہنے لگی آپ میرے نزدیک سچے ہیں۔ اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے واپس
چلی گئی کہ سارے قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار عبد مناف کی بیٹی ہوں۔ اور جس کا
باپ عبد مناف ہو۔ کسی کو زیب نہیں دیتا کہ اس کی مذمت کی جسارت کرے حضرت ابو بکر
نے عرض کی یا رسول اللہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضور کو دیکھا ہی نہیں صرف میرے
ساتھ ہی باتیں کرتی رہی ہے حضور نے فرمایا جب تک وہ کھڑی رہی ایک فرشتہ اپنے دونوں
پروں سے مجھ پر پردہ کئے رہا۔ حضور نے ابو بکر کو کہا آپ اس سے پوچھیں کہ تمہیں میرے پاس
کوئی اور شخص بھی نظر آ رہا ہے۔ آپ نے جب اس سے پوچھا تو کہنے لگی تم میرے ساتھ مذاق
کرتے ہو بخدا مجھے تو تمہارے پاس اور کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ اس وقت آئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے
اور حضرت ابو بکر و عمر حضور کی خدمت میں حاضر تھے اس کے ہاتھ میں ایک لمبوترہ پتھر تھا جب وہ
حضور کے قریب کھڑی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی سلب کر لی وہ حضور کو نہیں دیکھ رہی تھی
لیکن ان دو صاحبان کو دیکھ رہی تھی چنانچہ حضرت ابو بکر کی طرف متوجہ ہو کر اس نے پوچھا کہ
تمہارے صاحب کہاں ہیں آپ نے پوچھا تم انہیں کیا کہنا چاہتی ہو۔ وہ کہنے لگی مجھے اطلاع ملی کہ
اس نے میری ہجو کی ہے اگر میں اس کو پالوں تو اس پتھر سے اس کے منہ پر ضرب لگاؤں گی۔
حضرت عمر نے فرمایا بیوقوف عورت! آپ شاعر تو نہیں پھر اس نے کہا اے خطاب کے بیٹے! میں
تجھ سے بات نہیں کر رہی کیونکہ وہ آپ کی سخت مزاجی سے واقف تھی اور پھر حضرت ابو بکر کی
طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ ان ستاروں کی قسم! تمہارا دوست شاعر ہے اور میں بھی شاعرہ
ہوں جس طرح اس نے میری ہجو کی میں بھی اس کی ہجو میں شعر کہوں گی اور یہ کہہ کر واپس چلی
گئی۔ حضور سے عرض کی گئی یا رسول اللہ شائد اس نے آپ کو دیکھا ہی نہیں حضور نے فرمایا وہ
مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکتی میرے درمیان اور اس کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ایک حجاب تان
دیا ہے۔

علامہ سیوطی نے دُرِّ منثور میں یہ روایت نقل کی ہے ایک روز حضور ایک مجلس میں تشریف
فرما تھے وہ آئی اور کہنے لگی یا محمد تو نے کس بنا پر میری ہجو کہی ہے۔ حضور نے فرمایا بخدا میں نے
تیری مذمت نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تیری ہجو کہی ہے وہ کہنے لگی آپ نے مجھے کبھی ایندھن سر پر

اٹھائے دیکھا کہ مجھے حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کہا ہے اور کبھی میرے گلے میں کھجور کی چھال کی رسی دیکھی ہے کہ میرے بارے میں کہا فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ

اس کے اس قول سے ان مفسرین کے قول کی تائید ہوتی ہے جنہوں نے حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا معنی "چغل خوری کرنے والی" کیا ہے اور اس رسی سے وہ رسی مراد ہے جو آگ سے بنی ہو گی اور ستر گز لمبی ہوگی اور دوزخ میں اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔

اکثر علماء نے اس کا ترجمہ ایندھن اٹھانے والی کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دن بھر جنگل میں کانٹے اور خار دار ٹہنیاں چنتی رہتی تھی اور رات کو حضور کے راستہ میں پھینک دیتی تھی بعض روایات میں ہے جب سورۃ تبت نازل ہوئی تو ام جمیل نے سُنی غصے سے بے قابو ہو گئی اور اپنے بھائی ابو سفیان کے گھر گئی اور اسے جا کر کہا اے میرے بہادر بھائی کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہوا کہ محمد فِدَاهُ أَبِيْ وَأُمِّيْ نے میری ہجو کی ہے، کہنے لگا میں ابھی اس کا بدلہ لیتا ہوں پھر تلوار لے کر بجلی کی سرعت کے ساتھ گھر سے نکل گیا تھوڑی دیر کے بعد تیزی سے بھاگتا ہوا لوٹ آیا ام جمیل نے پوچھا کہ کیا اسے قتل کر آئے ہو ابو سفیان نے بڑی حسرت سے پوچھا اے میری بہن! کیا یہ بات تمہیں خوش کرتی ہے کہ تیرے بھائی کا سر کسی اژدھا کے منہ میں ہو۔ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ اس نے کہا کہ جب میں تلوار لے کر ان کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک اژدھا منہ کھولے میری طرف بڑھ رہا ہے اور مجھے نگلنا چاہتا ہے۔ اس کے خوف سے میں پیچھے بھاگ آیا۔

ابتدا میں مشرکین سے مومن عورتوں کے نکاح کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا حضور کی دو صاحب زادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم ابو لہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے عقد میں تھیں۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ابو لہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر حکم دیا کہ تم فوراً ان کی لڑکیوں کو طلاق دے دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میرا تمہارا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا۔ ابھی ان دو صاحب زادیوں کی رخصتی نہیں ہوئی تھی چنانچہ ظالم باپ کے بے رحم بیٹوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب نازک کو دکھ اور رنج پہنچانے کے لئے انہیں طلاق دے دی۔

اذیت پہنچانے کا کوئی ایسا طریقہ نہ تھا جس سے انہوں نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ نہ پہنچایا ہو۔ مندرجہ بالا طریقوں کے علاوہ اپنے بغض باطنی کا اس طرح بھی اظہار کیا کرتے تھے کہ اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے حضور کے کاشانہ اقدس میں ڈال دیا کرتے

تھے۔ چنانچہ ابولہب، عقبہ بن ابی مُعیط، حکم بن ابی العاص حضور کے پڑوسی تھے اور ان کا ہر روز کا یہ معمول تھا۔ حضور صبر و تحمل کے ساتھ ان کی اس رذیل حرکت کو بھی برداشت فرماتے اور اس کوڑے کو اٹھا کر باہر پھینکتے اور صرف اتنا فرماتے۔

يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ اَيُّ جِوَارٍ هٰذَا

"اے عبد مناف کے بیٹو! تم ہمسائیگی کا حق خوب ادا کر رہے ہو۔"

(۱)

عقبہ بن ابی معیط بے حیائی اور خبث باطنی میں سب سے آگے تھا۔ وہ حضور کا پڑوسی بھی تھا۔ وہ غلاظت اکٹھی کر کے حضور کے دروازے پر پھینک دیا کرتا تھا۔ حضور نے فرمایا۔

كُنْتُ بَيْنَ شَرِّ جَارَيْنِ اَبِيْ لَهَبٍ وَعُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ اِنْ كَانَا لَيَاْتِيَانِيْ بِالْفُرُوْثِ فَيَطْرَحَانِهَا عَلٰى بَابِيْ

"میں دو شریر پڑوسیوں میں گھرا ہوا تھا ایک طرف ابولہب اور دوسری طرف عقبہ بن ابی مُعیط تھا۔ وہ دونوں لید اور گوبر اکٹھا کر کے لے آتے اور میرے دروازے پر آکر پھینک دیا کرتے۔" (۲)

اپنے خبث باطنی اور بغض کے باعث ان سے رذیل حرکتیں سرزد ہوا کرتیں۔

ایک روز عقبہ بن ابی مُعیط نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ روشن پر تھوکنے کی گستاخی کی بجائے اس کے کہ تھوک آگے جائے وہ آگ کا انگارہ بن کر اس کے رخسار پر آگری اور اس کو جلا کر رکھ دیا جس کا برص کی طرح سفید داغ ساری عمر اس کے چہرے پر باقی رہا۔

علامہ برہان الدین حلبی نے اپنی سیرت میں ایک واقعہ لکھا ہے۔

کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ بن ابی معیط کے پاس بکثرت تشریف لے جاتے تھے ایک دفعہ عقبہ اپنے سفر سے واپس آیا تو قریش کے تمام رؤساء کی ضیافت کا اہتمام کیا اور حضور کو بھی دعوت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ فرمایا جب تک تم لا الہ الا اللہ کی شہادت نہ دو۔ میں تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا عقبہ نے کہا! اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد انک رسول اللہ چنانچہ حضور نے اس کی ضیافت میں شرکت کی اور کھانا تناول فرمایا۔ فارغ

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۱۰

۲۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۲۲۶

ہو کر لوگ چلے گئے عقبہ، ابیّ بن خلف کا دوست تھا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ عقبہ نے تو کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے۔ ابیّ اس کے ہاں آیا اور اس سے پوچھا اے عقبہ! کیا تم مرتد ہو گئے ہو اس نے کہا بخدا نہیں بات یہ ہوئی کہ ایک مرد شریف میرے گھر آیا اور اس نے میرا کھانا کھانے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ میں کلمہ شہادت پڑھوں۔ مجھے شرم محسوس ہوئی کہ میرے گھر سے کوئی شخص کھانا کھائے بغیر چلا جائے اس لئے زبان سے میں نے کلمہ شہادت پڑھا ہے۔ میرے دل نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ ابیّ نے کہا! جب تک تو محمد (فداہ ابی و امی) سے ملاقات کر کے اس کی گردن پر اپنے پاؤں نہ رکھے اس کے چہرے پر نہ تھوکے اس کی آنکھوں پر طمانچے نہ لگائے اس وقت تک میرا چہرہ دیکھنا تجھ پر حرام ہے عقبہ نے اس سے ایسا کرنے کا وعدہ کیا پھر جب عقبہ حضور کے روبرو ہوا تو اس نے رخِ انور پر تھوکنے کی جسارت کی اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ کا انگارہ بنا دیا اور اسے واپس اس کے منہ پر دے مارا جہاں وہ لگا وہ جگہ جل گئی اور برص کی طرح وہاں سفید داغ پڑ گیا جو اس کی موت تک باقی رہا اس بدبخت کے بارے میں ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۔ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۔ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا

"اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کاٹے گا اپنے ہاتھوں کو۔ (اور) کہے گا کاش میں نے اختیار کیا ہوتا رسول مکرم کی معیت میں نجات کا راستہ۔ ہائے افسوس کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔ واقعی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آجانے کے بعد ۔ اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو (مشکل کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے۔" (سورۃ الفرقان ۲۷ تا ۲۹)

ابولہب کے بارے میں یہی ہے کہ وہ حضور کو اپنی زبان سے طعن و تشنیع کر کے غمزدہ کیا کرتا تھا۔ لیکن ابوجہل کی عداوت میں خست اور کمینگی بھی تھی وہ دست تعدی دراز کرنے سے بھی باز نہیں آتا تھا۔

عباس بن عبدالمطلب سے مروی ہے۔ آپ کہتے ہیں میں ایک دن مسجد میں تھا۔ ابوجہل

ملعون آگیااور کہنے لگا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی نذر مانی ہے کہ اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سجدہ کی حالت میں دیکھوں گا تو اپنا قدم آپ کی گردن پر رکھوں گا۔ یہ سن کر میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے مذموم ارادہ سے آگاہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو کر اٹھے اور مسجد حرام میں تشریف لے گئے میں نے کہا کہ آج بڑا شر و فساد کا دن ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں جاکر سورہ علق کی تلاوت شروع کی جب اس آیت پر پہنچے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۔ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى

"ہاں بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔" (سورۃ العلق آیت ۶۔ ۷)

کسی نے ابو جہل کو کہا یہ محمد ہے اس بد باطن کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس کو اس کی نذر یاد دلائے۔ ابو جہل کہنے لگا۔

اَلَا تَرَوْنَ مَآ اَرٰى ۔ وَاللّٰهِ لَقَدْ سُدَّ اُفُقُ السَّمَآءِ عَلَىَّ

"کہ تم وہ نہیں دیکھ رہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ بخدا آسمان کا سارا افق مجھ پر مسدود کر دیا گیا ہے۔"

جب سرکار اس سورت کی انتہا تک پہنچے تو آپ نے سجدہ کیا۔

امام بخاری سے یہ روایت منقول ہے کہ ابو جہل نے ایک دن کہا اگر میں نے محمد (فداہ ابی وامی) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو میں اپنے پاؤں سے ان کی گردن کو پامال کروں گا۔ جب اس کی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور نے فرمایا اگر اس نے ایسا کرنے کی جرأت کی تو فرشتے اس کو پکڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے سب لوگ اپنی آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کریں گے۔ (۱)

ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ شریف کے قریب نماز پڑھ رہے تھے تو یہ مغرور کہنے لگا کیا میں نے یہاں نماز پڑھنے سے تمہیں منع نہیں کیا تھا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ جتنے میرے دوست ہیں اتنے اور کسی کے نہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے جھڑک دیا اسی وقت جبرئیل امین حاضر ہوئے اور یہ پیغام ربانی سنایا۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (۹۶: ۱۷۔ ۱۸)

"اسے کہو کہ وہ اپنے دوستوں کو بلائے ہم اپنے فرشتوں کو ان کا دماغ

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۶۶

درست کرنے کے لئے بھیج دیں گے۔ "

جبرئیل نے کہا اللہ کی قسم اگر اس نے اپنے دوستوں کو بلایا تو اسی وقت عذاب کے فرشتے اسے پکڑلیں گے۔

ایک روز پھر اِس بد بخت نے حضور کو نماز پڑھتے دیکھا تو بکنے لگا کہ کیا تمہارے سامنے محمد اپنے چہرہ کو خاک آلود کرتا ہے یعنی سجدہ کرتا ہے لوگوں نے کہا ہاں۔ اس ملعون نے کہا لات و عزیٰ کی قسم اگر میں نے اس کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا تو اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے روند ڈالوں گا۔ اور اس کے چہرے کو گرد آلود کردوں گا۔

ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو وہ نزدیک آیا تاکہ اپنے خبیث ارادہ کی تکمیل کرے لیکن قریب آتے ہی اچانک الٹے پاؤں پیچھے بھاگا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا اسے کہا گیا تمہیں کیا ہو گیا۔ کیا کر رہے ہو اس نے کہا میرے درمیان اور ان کے درمیان ایک خندق ہے جس میں آگ بھڑک رہی ہے ایک ہولناک منظر ہے اور فرشتے پر مارتے نظر آرہے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ بد بخت میرے قریب آتا تو فرشتے اس پر جھپٹ پڑتے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

پیکر حلم و رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار کی اذیت رسانیوں کو صبر اور حوصلہ سے برداشت کرتے تھے۔ وہ نابکار حضور کے حلم کو کمزوری پر محمول کرتے اور اپنی دل آزاریوں میں اضافہ کرتے جاتے اس کے باوجود حضور نے کبھی ان کے بارے میں بد دعا نہ کی ایک روز کفار کا مجمع حرم میں لگا ہوا تھا۔ دو تین روز پہلے یہاں سے تھوڑے فاصلے پر لوگوں نے اونٹ ذبح کئے تھے ان کی اوجڑیاں وغیرہ وہاں پڑی تھیں ان میں سے ایک بد بخت کہنے لگا تم میں سے کون ایسا بہادر ہے جو ان بدبو دار اوجڑیوں کو اٹھالائے اور جب یہ سجدہ میں گرے ہوں تو ان گندی اوجڑیوں کو ان کی گردن اور پشت پر ڈال دے تو مزہ ہی آجائے۔

عقبہ بن ابی معیط بولا! یہ کارنامہ انجام دینے کے لئے میں تیار ہوں وہ گیا اور ان گندی اور بدبو دار اوجڑیوں کو اٹھالایا۔ جب نظافت و لطافت کا یہ پیکر دلربا اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوا تو وہ بد بخت اٹھا اور ان غلیظ اوجڑیوں کو حضور کی مبارک گردن پر ڈال دیا۔ کفار یہ منظر دیکھ کر خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے۔ ہنستے تھے قہقہے لگاتے تھے اور ایک دوسرے پر لوٹ پوٹ ہوئے جاتے تھے اس حالت میں حضور کو اس سجدہ میں کیا لطف و سرور حاصل ہوا ہو گا۔ ذوق و شوق کے دریا میں موجیں اٹھنے لگی ہوں گی۔ کیف و سرور کی جو کیفیت طاری ہوئی ہو گی اس

قلب طیب وطاہر کے بغیر کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ یہ خیال کہ حضور ان کے بوجھ کی وجہ سے سر مبارک اٹھا نہ سکے ہر گز قابل قبول نہیں دس بیس سیر زیادہ سے زیادہ من سوا من ان کا وزن ہو گا۔ یہ کون سا ایسا بوجھ تھا جسے بآسانی حضور پرے نہ پھینک سکتے حقیقت یہ ہے کہ جو سرور اس سجدہ میں آیا اس کی کیفیت ہی نرالی تھی دل چاہتا تھا کہ اس حالت میں یہ سر اپنے خداوند قدوس کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہے زبان اس کی تسبیح کے مزے لوٹتی رہے اور دل ان خصوصی عنایات ربانی سے سیر کام ہوتا رہے آخر حضرت سیدہ فاطمہ علی ابیہا وعلیہا افضل الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ان اوجڑیوں کو ہٹایا۔ حضور نے سر مبارک سجدہ سے اٹھایا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ بلند ہوئے۔ یہ دعا کیا تھی اس کے بارے میں نہ پوچھیے اس کے اثر نے کفر وباطل کی بنیادوں کو لرزا کر رکھ دیا ان کی شوکت و جبروت کے محلوں کو مسمار کر کے رکھ دیا کفار مکہ کی ذلت وبربادی اور شکست کے دور کا آغاز ہو گیا۔ اس دعا کا انجام یہ ہوا کہ صرف مکہ ہی نہیں بلکہ سارا جزیرہ عرب جو بتوں کی پرستش کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ان کے ناپاک وجود سے پاک ہو گیا۔ اس ملک کے دشت وجبل، اس کے شہروں کے در وبام، نور توحید سے جگمگا اٹھے۔ اور جن بدبختوں نے اللہ کے حبیب کی اذیت کے لئے یہ اہتمام کیا تھا ان کی رسوا کن موت کا فیصلہ کر دیا گیا۔

اس دعا کے الفاظ یہ تھے۔

اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِهٰذَا الْمَلَاِ مِنْ قُرَيْشٍ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِاَبِيْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِعُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ اَوْ اُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ۔

الٰہی! ان دشمنان حق کو ہلاک کر دے۔

"عبداللہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے نام لے کر حضور نے بددعا فرمائی وہ تمام بدر کے میدان میں موت کے گھاٹ اتارے گئے پھر ان کو ان کے مقتلوں سے گھسیٹ کر لایا گیا اور ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا سوائے ابی بن خلف یا امیہ بن خلف کے کہ اس کا جسم بھاری تھا اور وہ باہر ہی پھول کر پھٹ گیا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔" (۱)

عروہ بن زبیر نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے درخواست کی کہ مجھے کوئی واقعہ سنایئے

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۶۸

جب کہ کفار نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی ہو۔ حضرت عبداللہ نے بتایا ایک روز سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم شریف میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اس نے اپنی چادر حضور کی گردن میں ڈال دی اور اسے بل دینے شروع کئے اور اس زور سے بھینچا کہ دم گھٹنے لگا اچانک ابو بکر صدیق آگئے آپ یہ منظر دیکھ کر بے چین ہو گئے عقبہ کو اس کے کندھے سے جا پکڑا اور اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ دور جا گرا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔

"(بے شرمو) تم ایسی ہستی کو قتل کرتے ہو؟ جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور وہ تمہارے سامنے اس پر دلائل بھی پیش کرتا ہے۔" بخاری (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے اس سلسلہ میں ایک دوسری روایت بھی منقول ہے۔

عروہ نے ان سے پوچھا کہ قریش کی حضور کو اذیت رسانی کا کوئی واقعہ سنایئے تو انہوں نے بتایا ایک روز قریش کے رؤساء حجر میں اکٹھے تھے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر چل نکلا کہنے لگے کہ ہم نے اس شخص کے طرز عمل پر جتنا صبر کیا ہے کبھی ایسا صبر ہم نے نہیں کیا اس نے ہمیں احمق کہا ہمارے آباء واجداد کو برا بھلا کہا۔ ہمارے دین کے عیب نکالے۔ ہمارے خداؤں کو گالیاں دیں اور ہمارے قومی اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا اس نے ہمیں بہت بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے وہ اس قسم کی گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک حضور پر نور دور سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ حضور آہستہ آہستہ کعبہ شریف تک پہنچے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر طواف کرنے لگے جب قریش کے مجمع کے پاس سے گزرے۔ تو انہوں نے پھبتیاں کسیں اور نازیبا جملے کہے جن کو سن کر حضور کے رخ انور پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ جب دوسری مرتبہ طواف کرتے ہوئے حضور ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر وہی حرکت کی۔ میں نے دیکھ لیا۔ ناراضگی کے اثرات پھر چہرہ اقدس پر نمایاں تھے لیکن حضور خاموشی سے طواف میں مصروف رہے۔ تیسری مرتبہ طواف کرتے ہوئے جب حضور کا گزر ان کے پاس سے ہوا تو انہوں نے پھر وہی نازیبا حرکت کی۔ تو حضور رک گئے بڑے غصہ سے فرمایا۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۷۰

اَتَسْمَعُوْنَ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اَمَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ جِئْتُکُمْ بِالذَّبْحِ ۔

"اے گروہ قریش! میری بات سن رہے ہو۔ اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے پاس تمہارے قتل وہلاکت کا پیغام لے کر آیا ہوں۔"

یہ سن کر قریش کے اوسان خطا ہو گئے سب یوں سہم گئے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں حتیٰ کہ ان میں سے جو بڑے تیز و طرار تھے وہ بھی بڑی نرمی سے محبت بھری باتیں کرنے لگے۔

اِنْصَرِفْ اَبَا الْقَاسِمِ رَاشِدًا فَمَا کُنْتَ بِجَهُوْلٍ فَانْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

"اے ابو القاسم! تشریف لے جائیے ایسا تلخ جواب آپ کی عادت نہ تھی۔" (۱)

چنانچہ حضور وہاں سے چلے گئے دوسرے روز کفار پھر حجر میں اکٹھے تھے۔ حضرت عبد اللہ کہتے ہیں میں بھی ان میں موجود تھا۔ ایک دوسرے کو کل کے واقعہ پر ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے۔ کل تم اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا اور تم نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ پھر جب وہ آیا اور اس نے تمہارے منہ پر تمہیں جھڑکا تو تم جواب تک نہ دے سکے اور خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے۔ تمہارے لئے یہ بزدلی باعث ننگ و عار ہے وہ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ حضور پرنور پھر نمودار ہوئے۔ حضور کو دیکھتے ہی سب نے مل کر حضور پر بلہ بول دیا اور گھیرے میں لے لیا اور بڑبڑانے لگے۔ تم وہ ہو جو ایسا کہتے ہو۔ تم ہمارے بتوں کے بارے میں ایسا کہتے ہو۔ ہمارے دین کا مذاق اڑاتے ہو۔ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بڑی جرأت اور حوصلہ سے ان کو جواب دیتے رہے نَعَمْ اَنَا الَّذِیْ اَقُوْلُ ذٰلِكَ ہاں بیشک میں ایسا کہتا ہوں۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے حضور کی چادر کے پلو پکڑ لئے۔ ان کے اس جمگھٹے میں حضرت صدیق بھی پہنچ گئے۔ کفار کی اس زیادتی کو دیکھ کر ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ آپ انہیں بلند آواز سے ڈانٹ رہے تھے۔

وَیْلَکُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ ثُمَّ انْصَرَفُوْا عَنْہُ

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۷۱

"خدا تمہیں ہلاک کرے۔ کیا تم ایک ایسی ہستی کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے آپ کے ڈانٹنے سے وہ کافر منتشر ہو گئے۔" (۱)

ان سنگدلانہ ایذار سانیوں کا سلسلہ سالہا سال جاری رہا۔ حضور اپنے رب کریم کے نام کو بلند کرنے کے لئے اور اس کی وحدانیت کے عقیدہ کو عام کرنے کے لئے ان تمام سختیوں کو ہنستے مسکراتے برداشت فرماتے رہے ارشاد گرامی ہے۔

لَقَدْ اُوْذِیْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُؤْذٰی اَحَدٌ وَاُخِفْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یَخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَیَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَیْنِ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ وَمَالِیْ وَلِبِلَالٍ مَا یَاْکُلُہٗ ذُوْکَبِدٍ اِلَّا مَا یُوَارِیْ اِبْطُ بِلَالٍ۔

(اَخْرَجَہُ التِّرْمِذِیُّ قَالَ حَسَنٌ صَحِیْحٌ)

"مجھے اللہ کی راہ میں اتنی اذیت دی گئی کہ اور کسی کو نہیں دی گئی اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا خوفزدہ کیا گیا جتنا اور کسی کو نہیں کیا گیا۔ مجھ پر تیس دن اور راتیں ایسی بھی گزریں کہ میرے لئے اور بلال کے لئے کھانے کے لئے کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکتا ہے مگر قلیل مقدار۔" (۲)

اگرچہ سارے مشرکین مکہ حضور کو اذیت پہنچانے اور حضور پر زبان طعن دراز کرنے میں مقدور بھر کوشاں رہتے تھے لیکن پانچ سردار سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ظلم و تشدد کرنے اور طرح طرح کے الزامات عائد کرنے اور پھبتیاں کسنے میں دیگر سب کفار سے بازی لے گئے تھے جب ان کی دل آزاریاں انتہا کو پہنچ گئیں اور حبیب کبریاء کے دل نازک کو ہر وقت دکھ پہنچانا اس کا شعار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ۔ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ

"ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے جو بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا۔ سو یہ ابھی جان لیں گے۔" (سورۃ الحجر ۹۵۔ ۹۶)

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۷۱

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۷۱۔ ۴۷۲

ان پانچوں کے نام یہ ہیں۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل۔ حرث بن قیس۔ اسود بن عبد یغوث۔ اور اسود بن مطلب۔

ان واقعات سے آپؐ نے اندازہ لگا لیا کہ کفار کے دل میں حضور کے بارے میں نفرت، حقارت، عداوت اور عناد کے کتنے جذبات شعلوں کی طرح بھڑک رہے تھے۔ اس کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوب شخصیت کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ اگر بڑے سے بڑا دشمن بھی حضور کے روبرو ہوتا تو تعمیل حکم کو اپنے لئے باعث شرف سمجھتا۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

اراش کا ایک آدمی اپنے اونٹ فروخت کرنے کے لئے مکہ آیا ابو جہل کو اونٹ پسند آگئے اور اس سے خرید لئے۔ لیکن قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ صبح کو دے دوں گا شام کو آکر رقم لے جانا اس صبح شام کے چکر میں کئی دن گزر گئے وہ بیچارا مایوس ہو گیا تنگ آکر وہ وہاں پہنچا جہاں قریش اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے سرکار دو عالم بھی حرم شریف میں پاس ہی مصروف عبادت تھے اس مظلوم اور پردیسی شخص نے قریش سے اپنا ماجرا بیان کیا اور فریاد کی کہ کون ہے جو مجھ غریب الوطن اور بے یار و مددگار کی امداد کرے اور ابو جہل سے میری رقم لے کر دے۔ قریش نے ازراہ تمسخر حضور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کہا کہ اگر یہ صاحب ابو جہل کو کہے تو تیرا کام بن جائے گا۔ وہ شخص جو یہاں کے حالات سے بے خبر تھا۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی پریشانی کا ذکر کیا اور مدد کی درخواست کی۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کسی ضرورت مند کو مایوس نہیں لوٹایا کرتے تھے آپ نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس کو ابو جہل سے اپنے تعلقات کی نوعیت سے آگاہ کر کے معذرت کر دیں، اس طرح تو وہ ناامید ہو جائے گا اس کا دل ٹوٹ جائے گا اور یہ کریم ٹوٹے ہوئے دلوں کو بس جوڑنا ہی جانتا تھا۔ حضور بلا تامل کھڑے ہو گئے اراشی کو ہمراہ لیا۔ اور ابو جہل کے گھر کی طرف چل دیئے۔ کفار نے ایک آدمی کو ساتھ بھیج دیا کہ جائے اور واپس آکر بتائے کہ کیا بات ہوئی اور کس طرح ابو جہل نے ڈھٹائی اور بے ادبی سے نہ کر دی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو جہل کے گھر پہنچے دروازہ بند تھا۔ دستک دی۔ اس نے اندر سے پوچھا۔ کون۔ حضور نے فرمایا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) باہر آؤ وہ فوراً باہر آگیا شدت خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا حضور نے اسے فرمایا۔ اس کی رقم ابھی ادا کرو دست بستہ عرض کی ابھی رقم حاضر کرتا ہوں گھر گیا اور چند لمحوں میں رقم لے کر آیا اور اراشی کے

حوالے کر دی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس تشریف لائے اور اپنے اراشی مہمان کو رخصت کیا۔ وہ شخص خوش و خرم قریش کی محفل میں آیا حضور کو دعائیں دینے لگا اور شکر ادا کیا کہ حضور نے خود قدم رنجہ فرما کر مجھے میری ساری رقم لے کر دی ہے۔

اتنے میں وہ آدمی بھی پہنچ گیا جسے قریش نے بھیجا تھا۔ سب نے بڑی بے صبری سے پوچھا بتاؤ کیا دیکھا؟ کہنے لگا عجیب و غریب بات دیکھی۔ جونہی آپ نے ابو جہل کے دروازے پر دستک دی اور بتایا کہ میں محمد ہوں باہر آؤ۔ اسی وقت وہ باہر آیا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ گویا اس کے جسم میں جان ہی نہیں آپ نے فرمایا اس کا حق ابھی ادا کرو کہنے لگا ابھی تعمیل ارشاد کرتا ہوں۔ گھر گیا۔ اور ساری رقم لا کر اراشی کی جھولی میں ڈال دی۔

تھوڑی دیر گزری ابو جہل بھی منہ لٹکائے آگیا۔ سب نے اس کو گھیر لیا اور کہنے لگے تیرا برا ہو تو نے یہ کیا کیا کہنے لگا تمہیں کیا خبر کہ مجھ پر کیا بیتی۔ میں گھر میں تھا جب انہوں نے باہر سے آواز دی۔ میں خوف و دہشت سے لرز گیا۔ جب باہر آیا تو دیکھا کہ ایک بڑی کھوپڑی اور ایک موٹی گردن والا اونٹ مجھ پر لپک رہا ہے۔ اگر میں ذرا لیت و لعل کرتا تو وہ مجھے چبا ڈالتا۔

زبیدی کا واقعہ

اراشی کے ساتھ جو گزری تھی اسی قسم کا ایک واقعہ زبیدی کو بھی پیش آیا۔ زبید یمن کا ایک شہر ہے۔ وہاں کا ایک آدمی اپنے تین اونٹ فروخت کرنے کے لئے مکہ لے آیا۔ ایک روز وہ حرم شریف میں آیا۔ جہاں جہاں قریش مجلسیں جمائے بیٹھے تھے۔ وہاں گیا ہر جگہ جا کر یہ فریاد کی کہ گروہ قریش! اب کون تمہارے پاس سامان تجارت لے کر آیا کرے گا۔ کون دور دراز علاقوں سے خورونوش کی چیزیں اونٹوں پر لاد کر تمہارے لئے آئے گا اور کون سا حمق تاجر ہے جو تمہاری منڈیوں میں اپنا سامان فروخت کرے گا۔ تمہاری یہ حالت ہے کہ تم حرم کا پاس بھی نہیں کرتے۔ جو شخص تمہارے پاس آتا ہے اس پر تم ظلم و تعدی کرنے سے باز نہیں آتے۔ وہ قریش کی تمام مجالس میں گیا لیکن کسی نے اس کی دادرسی کرنے کا دم نہ بھرا۔

سرکار دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی صحن حرم میں تشریف فرما تھے۔ حضور کے کئی غلام بھی حاضر خدمت تھے۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر یہاں پہنچا اور اپنی فریاد دہرائی۔ رحمت عالم نے پوچھا "مَنْ ظَلَمَكَ" تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے۔ اس نے اپنا ماجرا کہہ سنایا کہ میں فروخت کرنے کے لئے تین اونٹ اپنے ساتھ لے آیا تھا میرے اونٹ میرے بہترین اونٹ تھے۔

ابو جہل نے میرے ساتھ سودا کرنا چاہا۔ اور ان اونٹوں کی صحیح قیمت سے ایک تہائی قیمت بتائی۔ میں نے اتنی کم قیمت پر اپنے اعلیٰ نسل اونٹ فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ اب مجھے یہاں کئی دن گزر گئے ہیں۔ لیکن لوگ ابو جہل سے ڈرتے ہیں اور اس سے زیادہ قیمت دینے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے ابو جہل نے اتنی کم قیمت لگا کر میری اونٹوں کی قیمت گرادی۔ اور مجھ پر ظلم کیا۔

اس کی داستانِ الم سن کر حضور نے پوچھا تیرے اونٹ کہاں ہیں؟ اس نے عرض کی یہ سامنے "حزورة" میں بندھے ہیں۔ حضور اپنے غلاموں کے ہمراہ ان کے پاس تشریف لے گئے انہیں دیکھا واقعی وہ بڑے اعلیٰ قسم کے اونٹ تھے۔ حضور نے زبیدی سے قیمت پوچھی۔ جو قیمت اس نے مانگی وہی اسے دے دی اور اسے خوش کر دیا۔ امور تجارت کے اس ماہر نبی نے ان میں سے دو اونٹ اتنی قیمت سے فروخت کر دیئے جتنی قیمت حضور نے تین اونٹوں کی دی تھی۔ ایک اونٹ زائد بچ گیا۔ وہ اونٹ فروخت کیا اس کی جو قیمت ملی اسے بنو عبدالمطلب کے خاندان کی بیواؤں میں تقسیم فرما دیا۔

ابو جہل بازار میں ایک جگہ بیٹھا یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا۔ لیکن اسے تاب گفتگو نہ تھی۔ گویا اسے سانپ سونگھ گیا ہو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے پاس تشریف لے گئے اسے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا۔

يَا عَمْرُو! إِيَّاكَ أَنْ تَعُوْدَ إِلٰى مِثْلِ مَا صَنَعْتَ بِهٰذَا الْأَعْرَابِيِّ فَتَرَى مِنِّيْ مَا تَكْرَهُ۔

اے عمرو! خبردار! اگر تم نے پھر ایسی حرکت کی تو تمہیں عبرتناک سزا ملے گی۔

حضور کا یہ فرمان واجب الاذعان سن کر اس دشمن خدا کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ کوئی گستاخانہ جواب دے سکے۔ بلکہ بڑی عاجزی سے عرض پرداز ہوا۔

لَا أَعُوْدُ يَا مُحَمَّدُ لَا أَعُوْدُ يَا مُحَمَّدُ

"یعنی میں پھر ایسی حرکت نہیں کروں گا، ہرگز نہیں کروں گا۔"

اس کے بعد حضور تشریف لے گئے۔

حضور کے چلے جانے کے بعد امیہ بن خلف اور دوسرے کفار اکٹھے ہو کر آگئے اور ابو جہل کو کہنے لگے تو نے ہم سب کو محمد (فداہ ابی وامی) کے سامنے ذلیل و رسواء کر دیا ہے۔ یا تو تو اس

کی بیعت کرنا چاہتا ہے اور یا تو اس سے سخت مرعوب ہو گیا ہے کہ تیرے منہ سے بات تک نہ نکلی۔ اور بزدلوں کی طرح سر جھکائے اس کے سامنے بیٹھا رہا۔

اس نے کہا یقین کرو میں کسی قیمت پر ان کا اتباع نہیں کروں گا۔ تم نے جس حالت میں مجھے دیکھا ہے اس کی وجہ اور تھی جب وہ میرے پاس آیا تو اس کے دائیں بائیں طاقتور نوجوانوں کے دستے تھے جنہوں نے ہاتھوں میں نیزے پکڑے ہوئے تھے اور انہیں لہرا رہے تھے۔ اگر میں ان کی مخالفت کرتا تو فوراً وہ اپنے نیزے مجھے گھونپ دیتے۔ اور میرے پرزے پرزے اڑا دیتے۔ اس ڈر کی وجہ سے میں گربہ مسکین بنا بیٹھا رہا۔ (۱)

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد۔ جلد دوم۔ صفحہ ۵۵۲

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم و ستم کی
رُوح فرسا داستانیں

صحابہ کرام پر ظلم و ستم کی روح فرسا داستانیں

حضور نبی روف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپنی ذات ، اپنی صفات حمیدہ کے باعث خود بھی بڑی محترم اور معظم تھی خواہ مخواہ دل حضور سے پیار کرنے پر اور حضور کی تعظیم بجالانے پر مجبور ہوتے تھے۔ پھر حضور کو اپنے محترم چچا حضرت ابو طالب اور سارے خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب کی اس معاملہ میں تائید حاصل تھی کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ حضور پر حملہ آور ہو سکے ورنہ جوانان بنی ہاشم اور مطلب کی شمشیریں حضور کے دفاع میں بے نیام ہو جاتیں لیکن آپ نے مطالعہ فرمایا کہ اس شخصی عظمت اور خاندانی سطوت کے باوجود مشرکین مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس کس طرح ستایا کرتے تھے۔ طعن و تشنیع کے سارے تیر جوان کی ترکش میں تھے ان کو وہ بے رحمی سے استعمال کرتے تھے جھوٹے الزامات اور بہتانوں کی بارش کرتے تھے۔ راستہ میں کانٹے بچھایا کرتے تھے۔ اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ حضور کے صحن میں پھینک دیا کرتے تھے۔ غلاظتیں اٹھا کر در اقدس پر ڈھیر کر دیا کرتے تھے نماز بھی سکون اور اطمینان سے پڑھنے کی فرصت نہیں دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنی خصوصی مہربانی سے اپنے حبیب کی حفاظت کا اہتمام نہ فرماتا تو ابو جہل اور ابو لہب کے ارادے تو بڑے ہی خطرناک تھے جب حضور سے ان کا یہ معاملہ تھا تو جو لوگ حضور پر ایمان لائے تھے ان کے ساتھ ان کے جور و ستم کا کیا عالم ہو گا۔ اگر ان کا بس چلتا تو وہ ان صحابہ کو بھی اپنے ظلم کا ہدف بنانے سے باز نہ آتے جو اپنے خاندان اور معاشرہ میں بڑے باعزت مقام کے مالک تھے آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب حرم شریف میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی تو کافروں نے آپ کو اس قدر مارا کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اسی غشی کی حالت میں آپ کو گھر اٹھا کر لایا گیا اور کئی پہر گزرنے کے بعد آپ کو ہوش آیا۔ یہ اس ابو بکر کے ساتھ ان کی دست درازی تھی ، جو مکہ کا ایک بااثر بارسوخ اور متمول تاجر تھا اور اپنے قبیلہ بنی تیم کا سردار تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی قبیلہ بنو امیہ کے معزز رکن تھے جب حضرت صدیق اکبر کی

کوشش سے وہ مشرف باسلام ہوئے توان کا چچاان کو کچے چمڑے میں لپیٹ کر اور اسے رسی میں باندھ کر دھوپ میں ڈال دیا کرتا تھا۔ کچے چمڑے کی بدبو اس پر عرب کی دھوپ، آپ حضرت عثمان کی تکلیف کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اسی طرح حضرت سعد، جب مشرف باسلام ہوئے۔ توان کو ایسے ابتلا کا سامنا کرنا پڑا جس کی شدت سے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ آپ کے خاندان والوں کوان کے مسلمان ہونے کا جب علم ہوا تو انہوں نے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے سارے حیلے کئے لیکن بے سود۔ ان کی والدہ بھی اپنے کفر میں بڑی پختہ تھی اسے جب پتہ چلا کہ اس کے لخت جگر نے اس کے معبودوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ہے اور قبیلہ کے لوگوں نے ان کو اس بغاوت سے دستبردار ہونے کے لئے بڑے جتن کئے ہیں لیکن وہ بری طرح ناکام ہوئے ہیں توماں کو بڑا صدمہ ہوا آخری حربہ کے طور پر اس نے اپنے بیٹے کو بلا کر کہا۔ کہ بیٹا! بہتر ہے کہ اس نئے مذہب کو چھوڑ دو۔ اگر تم میری یہ بات نہیں مانو گے تو میں بھوک ہڑتال کر دوں گی۔ نہ کچھ کھاؤں گی اور نہ پیوں گی۔ دھوپ میں پڑی رہوں گی۔ یہاں تک کہ مجھے موت آجائے۔ اگر اس طرح میں مر گئی تو سارے عرب میں تم بدنام ورسوا ہو جاؤ گے۔ کہ یہ وہ بیٹا ہے کہ جس کی ضد نے اپنی ماں کی جان لے لی۔

چندروز حضرت سعد نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی یہی خیال کیا ہو گا کہ جب بوڑھی اماں کو بھوک اور پیاس تنگ کرے گی تو وہ خود ہی کھانا پینا شروع کر دے گی لیکن وہ بھی ہٹ کی پکی تھی۔ کئی دن گزر گئے نہ اس نے کھایا۔ نہ پیا۔ نقاہت اس حد تک پہنچ گئی کہ اس کی موت یقینی نظر آنے لگی اس نے لوگوں کو کہا کہ سعد کو میرے پاس لے آؤ اس کو یہ خیال تھا کہ مجھے اس نزع کی حالت میں دیکھ کر یقیناً سعد کا دل پسیج جائے گا اور وہ اپنے اس نئے دین کو ترک کر دے گا جب سعد کو لایا گیا اور انہوں نے اپنے ماں کی یہ حالت دیکھی تو ایک سچے مومن کی طرح ماں کو بلند آواز سے مخاطب کر کے فرمایا۔

تَعْلَمِيْنَ وَاللّٰهِ يَا اُمَّاهُ لَوْ كَانَتْ لَكِ مِائَةُ نَفْسٍ فَخَرَجَتْ نَفْسًا نَفْسًا مَا تَرَكْتُ دِيْنِيْ هٰذَا الشَّيْءِ فَكُلِيْ اِنْ شِئْتِ اَوْلَا تَاْكُلِيْ

"اے میری ماں، تم جانتی ہو کہ اگر تیری سو جانیں ہوں۔ اور ہر جان ایک ایک کر کے تیرے بدن سے نکلے تب بھی میں بخدا اپنا دین نہیں چھوڑوں گا۔ اب تیری مرضی تو کچھ کھا یا نہ کھا۔"

ماں نے اپنے بیٹے کا جب یہ عزم مصمم دیکھا تو اس نے بھوک ہڑتال ختم کر دی اور کھانا پینا شروع کر دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد کے اس مؤقف کی تائید اور توصیف کرتے ہوئے فرمایا۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

"اگر تیرے والدین اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو اس بات میں ان کی پیروی مت کر۔"

(سورۂ لقمان . ۱۵)

جب ان بااثر اور متمول لوگوں کے ساتھ کفار کا یہ رویہ تھا کہ جتنا ان کا قابو چلتا وہ ان پر جور وتشدد کرنے میں ذرا تساہل نہ کرتے۔ تو اب آپ خود اندازہ لگالیں کہ ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو غریب اور بے آسرا تھے جن کا کوئی حامی و ناصر، پُرسانِ حال نہ تھا، یا جو بے یار و مدد گار غلام تھے۔ کون سا ایسا ظلم ہو گا جو ان مسکینوں پر اس جرم میں نہ توڑا گیا ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک کیوں ماننے لگے ہیں۔

مثال کے طور پر چند حضرات کے حالات پیش خدمت ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

آپ امیہ بن خلف کے غلام تھے اور ان ازلی سعادتمندوں میں سے تھے جن کا شمار السابقون الاولون میں ہوتا ہے امیہ کی اسلام دشمنی یہ کب برداشت کر سکتی تھی کہ اس کا زر خرید غلام اس کی مرضی کے بغیر اس کے بیشمار خداؤں کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور ایک خداوند حقیقی کی بندگی کا دم بھرنے لگے۔ اسے جب معلوم ہوا کہ اس کا حبشی غلام مسلمان ہو گیا ہے تو غصہ سے اس کا خون کھولنے لگا۔ اس نے عزم کر لیا کہ وہ اس جرم کی بلال کو اتنی سخت سزا دے گا کہ اس کا برداشت کرنا ممکن نہ ہو گا۔ وہ مجبوراً اس نئے دین سے اپنا رشتہ توڑ لے گا وہ آپ کے گلے میں رسی ڈال کر آوارہ لڑکوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیتا۔ وہ ان کا تمسخر اڑاتے مذاق کرتے، مکہ کی گھاٹیوں میں لے کر انہیں گھومتے اور گلیوں میں انہیں گھسیٹتے۔ لیکن میخانہ وحدت کا یہ مستانہ کیف و مستی میں کھویا رہتا۔ اور اَحَدٌ۔ اَحَدٌ کے نعرے لگا لگا کر کفر و شرک کے حواریوں کا منہ چڑاتا رہتا۔

وہ بے شعور بچے، رسی کو اس زور سے کھینچتے کہ ان کی گردن پر گہری خراشیں پڑ جاتیں اور خون بہنے لگتا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ میں اسلام قبول کرنے سے پہلے حج کرنے کے لئے مکہ آیا میں نے بلال کو دیکھا کہ اس کے گلے میں ایک لمبی رسی تھی جسے بچوں نے پکڑا ہوا تھا اور وہ اسے کھینچ رہے تھے اور بلال کہہ رہے تھے۔

اَحَدٌ۔ اَحَدٌ اَنَا اَکْفُرُ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰی وَھُبَلَ وَنَائِلَه

"وہ یکتا ہے یکتا ہے میں لات عزیٰ، ہبل اور نائلہ کی خدائی کا انکار کرتا ہوں۔" (۱)

امیہ کا دوسرا انداز تعذیب یہ تھا کہ پہلے وہ آپ کو بھوکا اور پیاسا رکھتا پھر دوپہر کے وقت جب دھوپ خوب چمک رہی ہوتی اور ریتلی زمین تانبے کی طرح تپ رہی ہوتی۔ تو وہ آپ کو اس

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد۔ جلد دوم۔ صفحہ ۷۷۴

پر لٹادیتا پھر بھاری بھر کم پتھر آپ کی چھاتی پر رکھ دیتا اور کہتا یا تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا دین چھوڑ دو اور لات و عزّٰی کی عبادت کرو اور یا تم اسی طرح تڑپتے رہو گے یہاں تک کہ تمہارا دم نکل جائے۔ آپ نیم مدہوشی کے عالم میں یہی جواب دیتے۔

اَحَدٌ۔ اَحَدٌ۔ اَنَا لَا اُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اَنَا كَافِرٌ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى

"وہ یکتا ہے یکتا ہے۔ میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا میں لات اور عزّٰی کا انکار کرتا ہوں۔"

حضرت عمرو بن عاص کہتے ہیں۔

مَرَرْتُ بِبِلَالٍ وَهُوَ يُعَذَّبُ فِي رَمْضَاءَ وَلَوْ اَنَّ بِضْعَةَ لَحْمٍ وُضِعَتْ عَلَيْهِ لَنَضِجَتْ۔

"ایک روز میں بلال کے پاس سے گزرا جبکہ اسے گرم کنکریوں پر لٹا کر عذاب دیا جارہا تھا۔ وہ کنکریاں اتنی شدید گرم تھیں کہ اگر گوشت کا ٹکڑا بھی ان پر رکھا جائے تو ان کی حرارت سے پک جائے۔"

اس کے باوجود وہ کہہ رہے تھے۔ اَنَا كَافِرٌ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى میں لات و عزّٰی کو نہیں مانتا میں ان کی خدائی کا انکار کرتا ہوں۔

امیہ یہ سن کر اور غضبناک ہو جاتا اور انہیں مزید ستانے لگتا۔ ان کے گلے کو زور سے دباتا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو جاتے۔ (۱)

حضرت بلال جب شدت عذاب میں اَحَدٌ اَحَدٌ کے نعرے لگاتے تو کافر ان کو تلقین کرتے کہ اس اذیت سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ تم یہ کفریہ جملے کہو آپ فرماتے میری زبان ان کو بولنے سے قاصر ہے۔ میں معذور ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال، عبداللہ بن جدعان کے غلاموں میں سے تھے اور مکہ کے گرد و نواح میں اس کی بکریاں چرایا کرتے تھے جب انہیں اسلام کی دعوت پہنچی تو انہوں نے بلا جھجک اسے قبول کر لیا لیکن اس کو ظاہر نہیں ہونے دیا ایک روز یہ کعبہ کا طواف کرنے گئے اس کے ارد گرد بت قطار در قطار نصب تھے ان پر نفرت سے تھوک دیا اور زبان سے نکل گیا۔

خَابَ وَخَسِرَ مَنْ عَبَدَكُنَّ

"وہ نامراد اور گھاٹے میں ہے، جو تمہاری عبادت کرتا ہے۔"

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۴۷۷

قریش نے ان کی یہ حرکت دیکھ لی اور ان کے مالک عبداللہ بن جدعان سے ان کی شکایت کی۔ اس نے بلال کو امیہ بن خلف کے حوالے کر دیا۔ تاکہ وہ ان کی خوب مرمت کرے اور یہ نئے مذہب کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائے وہ سنگدل اس مسکین کو عذاب دینے کے نئے نئے طریقے اختیار کرتا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالتا۔ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ جہاں انہیں عذاب دیا جا رہا تھا اور یہ کیف و مستی سے سرشار نیم مدہوشی کے عالم میں اَحَدٌ اَحَدٌ کے نعرے بلند کر رہے تھے اس رحمت مجسم نے اپنے ستم جھیلنے والے غلام کو یہ مژدہ سنا کر مطمئن کیا۔

سَيُنْجِيكَ اَحَدٌ اَحَدٌ

"کہ جس وحدہ لاشریک کے تم نعرے لگا رہے ہو وہی اس عذاب الیم سے تمہیں نجات دے گا۔"

یہاں علامہ حلبی نے کتنا پیارا جملہ لکھا ہے۔

وَكَانَ بِلَالُ بِقَوْلِهِ اَحَدٌ اَحَدٌ يَمْزُجُ مِرَارَةَ الْعَذَابِ بِحَلَاوَةِ الْاِيْمَانِ۔

"یعنی بلال، اَحَدٌ اَحَدٌ کہہ کر عذاب کی تلخی میں ایمان کی مٹھاس کا امتزاج کر رہے تھے۔"

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ حضرت بلال کی وفات کا جب وقت آیا آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کے سرہانے بیٹھی تھیں شدت غم سے ان کی زبان سے نکلا۔ وَاحُزْنَاهُ ہائے میرا رنج و غم۔ اس نزع کی حالت میں بلال یہ سن کر خاموش نہ رہ سکے۔ فرمایا یہ مت کہو بلکہ کہو۔

وَاطَرَبَاهُ : غَدًا اَلْقَى الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ وَكَانَ بِلَالُ يَمْزُجُ مِرَارَةَ الْمَوْتِ بِحَلَاوَةِ اللِّقَاءِ

"کیا خوشی کی گھڑی ہے کل ہماری اپنے پیاروں سے ملاقات ہوگی۔ یعنی محمد مصطفیٰ سے اور آپ کے صحابہ سے۔"

گویا یہاں بھی حضرت بلال موت کی کڑواہٹ کو ملاقات محبوب کی مٹھاس سے ملا رہے ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کے محبوب کی خوشخبری کے پورے ہونے کا وقت آ ہی گیا۔ ایک روز آگ کی طرح سلگتی ہوئی ریت پر آپ کو امیہ نے لٹایا ہوا تھا۔ آپ کے سینہ پر بھاری چٹان رکھی تھی کہ وہاں سے حضرت صدیق کا گزر ہوا۔ اپنے دینی بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر دل بھر آیا اور

امیہ کو فرمایا۔

لَا تَتَّقِي اللّٰهَ تَعَالٰى فِي هٰذَا الْمِسْكِيْنِ حَتّٰى مَتٰى تُعَذِّبُهٗ۔

"اس مسکین کے بارے میں تم اللہ سے نہیں ڈرتے کب تک اس بیکس پر یوں ظلم کرتے رہو گے۔"

امیہ بولا۔ اے ابو بکر! تو نے ہی اسے خراب کیا ہے اگر تمہیں اس پر زیادہ ترس آتا ہے تو اس کو چھڑالو حضرت ابو بکر نے فرمایا میرے پاس ایک حبشی غلام ہے جو اس سے مضبوط اور توانا ہے تیرا ہم مذہب ہے ایسا کرو۔ وہ تم لے لو۔ اور یہ نحیف و نزار غلام مجھے دے دو۔ امیہ نے کہا مجھے یہ سودا منظور ہے۔ حضرت صدیق نے اپنا جوان اور تنومند غلام امیہ کو دے دیا اور بلال کو خود لے لیا۔ پھر اسے اپنے محبوب کریم کی بارگاہ جمال میں پیش کیا اور عرض کی یارسول اللہ! آپ کے روئے زیبا کے صدقے میں نے بلال کو آزاد کر دیا۔ (۱)

مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ اس واقعہ کو اپنے خاص انداز میں یوں نظم کرتے ہیں۔

سید کونین و سلطان جہاں
در عتاب آمد زمانے بعد ازاں

سید کونین اور سلطان جہاں ایک دن حضرت صدیق پر ناراض ہوئے۔

گفت اے صدیق آخر گفتمت
کہ مرا انباز کن در مکرمت

حضور نے فرمایا۔ اے صدیق! کیا میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ مجھے بلال کو آزاد کرنے کے شرف میں شریک کرنا۔

تو چرا تنہا خریدی بہر خویش
باز گو احوال اے پاکیزہ کیش

تو نے کیوں اس کو اپنے لئے تنہا خریدا ہے اے پاکیزہ فطرت آدمی مجھے اپنے حال سے مطلع کر۔

گفت ما دو بندگان کوئے تو
کردمش آزاد من بر روئے تو

حضرت صدیق نے عرض کی یارسول اللہ! ہم دونوں آپ کی گلی کے غلام ہیں میں نے آپ کے

ا۔ السیرۃ الحلبیہ۔ امام محمد ابو زہرہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۷۴

روئے تاباں کے صدقے اس کو آزاد کر دیا ہے۔

تو مرا رمیدار بندہ و یار غار
ہیچ آزادی نخواہم زینہار

لیکن یا رسول اللہ! خدارا مجھے اپنا غلام اور یار غار بنائے رکھئے میں اس غلامی سے ہرگز آزادی نہ چاہوں گا۔

سعید بن میسیب سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر نے بلال کے بدلے اپنا غلام قسطاس امیہ کو دیا تھا قسطاس کی قیمت کئی ہزار دینار تھی۔ وہ حضرت ابو بکر کے ایک کاروباری ادارہ کا انچارج تھا اتنا قیمتی غلام دے کر خستہ جان بلال لے لیا۔ کیونکہ ایمان اور عشق مصطفیٰ نے اس کو انمول بنا دیا تھا

جب مشرکین کو پتہ چلا کہ حضرت ابو بکر نے اتنی گراں قیمت ادا کر کے امیہ سے بلال خریدا ہے اور پھر اسے آزاد کر دیا ہے تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی اور حیرت کا اظہار کرنے لگے۔ ان میں سے ایک سیانے نے کہا کہ حیرت کی کوئی بات نہیں۔ بلال نے ابو بکر پر کوئی احسان کیا ہو گا اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے ابو بکر نے اسے گراں قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر اس غلط فہمی کی تردید کر دی فرمایا۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى

"اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے۔"

(سورۃ والیل: ۱۹ - ۲۰)

قربان جائیں مصطفیٰ کریم کے ان جان نثار غلاموں پر کہ اگر ان کے خلوص پر کوئی شک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے کلام ازلی سے ان کی نیت کے خلوص کی گواہی دے دیتا ہے۔ اور اس علیم بذات الصدور کی شہادت کے بعد کسی اور گواہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف مؤذن بارگاہ رسالت کو ہی اس کے ظالم اور کافر آقا سے اس کی منہ مانگی قیمت ادا کر کے اور اسے لوجہ اللہ تعالیٰ آزاد کر کے سرمدی سعادت حاصل نہیں کی بلکہ ان کے علاوہ بہت سے اسیران جور و جفا۔ جو اسلام قبول کرنے کے جرم میں اپنے مشرک آقاؤں کے ظلم کی چکی میں پس رہے تھے ان کو بھی قیمتاً خرید کر ان کے پنجہ استبداد سے رہائی دلائی اور آزادی کی نعمت سے مالا مال کیا تاکہ وہ جیسے چاہیں۔ اپنے

خداوند قدوس کی حمد و تسبیح اور عبادت میں مشغول رہیں اور جس وقت چاہیں۔ جتنا چاہیں اس کے محبوب کریم کی بارگاہ حسن و جمال میں حاضر ہو کر شربت دیدار سے اپنے دل کی پیاس بجھاتے رہیں (۱) ان میں سے چند اسماء گرامی مع مختصر حالات درج ذیل ہیں۔

حمامہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت بلال کی والدہ تھیں یہ بھی مشرف باسلام ہو گئی تھیں ان کو بھی اس جرم میں ان کا کافر مالک طرح طرح کی سزائیں دیتا تھا اور اذیتیں پہنچایا کرتا انہیں بھی حضرت صدیق نے خرید کر ان کے بدباطن سنگدل۔ مشرک آقا کے چنگل سے رہائی دلائی۔

عامر بن فہیرہ

یہ بنی تیم قبیلہ کے ایک شخص کے غلام تھے یہ شخص حضرت صدیق کا ہم قبیلہ تھا۔ ان کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے وہ انہیں بہت دکھ پہنچایا کرتا وہ ان پر اتنا تشدد کرتا کہ ان پر غشی طاری ہو جاتی۔ اور انہیں پتہ ہی نہ چلتا کہ اس بے ہوشی کے عالم میں ان کی زبان سے کیا نکل رہا ہے۔

یہ حضرت صدیق کے وہ قابل اعتماد غلام ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہجرت کے سفر میں غار ثور میں قیام فرمایا تو یہ ریوڑ لے کر شام کو غار کے قریب پہنچ جاتے اور دودھ دوہ کر پیش کیا کرتے تھے۔

ابو فکیہہ

یہ امیہ کے بیٹے صفوان کے غلام تھے اور حضرت بلال کے ساتھ ایمان لائے تھے ایک روز حضرت صدیق کا ادھر سے گزر ہوا کیا دیکھتے ہیں کہ صفوان کے باپ امیہ نے انہیں پکڑا ہوا ہے اور رسیوں سے باندھ کر عین دوپہر کے وقت کوئلوں کی طرح دہکتی ہوئی ریت پر ان کو پیٹھ کے بل لٹایا ہوا ہے اور ان کے پیٹ پر ایک وزنی پتھر رکھا ہوا ہے اوپر سے دھوپ کی تپش نیچے سے گرم ریت کی جلن اور پیٹ پر بھاری پتھر کا وزن زبان منہ سے باہر لٹک آئی ہے اور امیہ کا بھائی

۱۔ السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۲۸۴

کہہ رہا ہے کہ اسے اور عذاب دو۔ اسے اور اذیت پہنچاؤ۔ یہاں تک اس کی چیخ و پکار سن کر خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آئے اور اپنے جادو کے زور سے اسے ہم سے چھڑائے۔ حضرت ابو بکر سے اپنے دینی بھائی کی یہ اذیت دیکھی نہ جا سکی۔ اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کی اس طرح انہیں ظلم و تعدی کے شکنجہ سے نجات دلائی۔

ایک دفعہ امیہ نے آپ کے پاؤں میں رسی باندھی اور نوکروں کو حکم دیا انہیں زمین پر گھسیٹیں۔ پھر آپ کو گرم سنگریزوں پر ڈال دیا پاس سے جعل (گوبر کا کیڑا) گزرا۔ امیہ نے پوچھا کیا یہ تمہارا رب نہیں ہے آپ نے جواب دیا۔

اَللّٰہُ رَبِّیْ خَلَقَنِیْ وَخَلَقَکَ وَخَلَقَ ھٰذَا الْجُعَلَ

"میرا رب تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھے بھی پیدا کیا۔ تجھے بھی پیدا کیا اور اس گوبر کے کیڑے کو بھی پیدا کیا۔"

امیہ اس جواب سے آگ بگولہ ہو گیا اور آپ کا گلا گھونٹنے لگا۔ (۱)

زنیرہ

یہ بھی ایک مشرک کی کنیز تھیں۔ جب مسلمان ہو گئیں تو ان کے بے رحم مالک نے ان پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی۔ یہاں تک کہ ان کی بینائی ختم ہو گئی۔ ایک روز ابو جہل نے اس پاک باز خاتون کو طعنہ دیتے ہوئے کہا لات و عزیٰ نے تیری آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے انہوں نے جھٹ جواب دیا۔

کَلَّا لَا تَمْلِكُ اللَّاتُ وَالْعُزّٰی نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ھٰذَا اَمْرٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَرَبِّیْ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یَّرُدَّ بَصَرِیْ۔

"ہرگز نہیں بخدا لات و عزیٰ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر۔ یہ تو آسمانی حکم ہے اور میرا رب اس چیز پر قادر ہے کہ میری بینائی لوٹا دے۔"

جب صبح ہوئی تو ان کی بینائی لوٹ آئی اب ہر چیز ان کو نظر آنے لگی تھی قریش کی آنکھوں پر بدبختی کے پردے پھر بھی پڑے رہے کہنے لگے یہ محمد کے جادو کا اثر ہے۔

حضرت صدیق نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا ان کی ایک لڑکی تھی اسے بھی آپ نے خرید ا اور

ا۔ انساب الاشراف۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۹۵

آزاد کر دیا۔ ابو جہل ان کی غربت ان کی بے کسی کو دیکھ کر لوگوں کو کہا کرتا تھا۔ کہ تم ان غلاموں اور لونڈیوں کو دیکھ کر حیران نہیں ہوتے ہو کہ وہ کس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرتے ہیں اتنا نہیں سوچتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ لے آئے ہیں اگر اس میں کوئی خیر اور بھلائی ہوتی تو کیا اس کو قبول کرنے میں یہ اُجڈ اور جاہل ہم سے سبقت لے جاتے۔ کیا ہم آگے بڑھ کر اس دین کو سب سے پہلے قبول نہ کر لیتے گویا اس جہالت کے باپ کے نزدیک ان غریبوں اور مسکینوں کا اس نبی مکرم پر ایمان لے آنا اور ان سرکشوں اور متکبروں کا ایمان نہ لانا اسلام کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل تھی حالانکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے۔

اُمِّ عُنَیس

بعض روایات میں ان کا نام ام عُبَیس لکھا ہے۔ یہ بنو زہرہ خاندان کی کنیز تھی اسود بن عبد یغوث انہیں طرح طرح کا عذاب دیا کرتا تھا ان کو بھی حضرت صدیق نے خرید ا اور آزاد کر دیا۔

النہدیہ اور ان کی بیٹی

یہ دونوں ولید بن مغیرہ کی لونڈیاں تھیں۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے نعمت ایمان سے مالا مال کر دیا تھا پھر یہ ایک عورت کی ملکیت میں چلی گئیں جب یہ ایمان لے آئی تو یہ بے رحم مالکہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتی اور کہتی کہ میں کبھی بھی تمہیں ستانے اور اذیت دینے سے باز نہیں آؤں گی یا جس نے تجھ کو بے دین کیا وہ تمہیں خرید کر آزاد کر دے۔

ایک دن وہ ماں بیٹی اپنی مالکہ کا آٹا پیسنے کے لئے جا رہی تھیں حضرت ابو بکر نے انہیں خریدا اور اسی وقت آزاد کر دیا اس نے جو قیمت مانگی وہی اس کو دے دی اور انہیں کہا اب تم دونوں آزاد ہو۔ اور جو آٹا پیسنے کے لئے جا رہی تھیں ان کے بارے میں فرمایا وہ اس کو واپس کر دو۔ لیکن انہوں نے عرض کی ہم چاہتی ہیں کہ آٹا پیس کر ہم اس کے حوالے کریں آپ نے فرمایا ذَاکُمَا اِنْ شِئْتُمَا یہ تمہاری مرضی۔

لطیفہ

یہ عامر بن فہیرہ کی بہن تھی۔ اور حضرت عمر کی لونڈی تھی۔ ان کی ایک اور لونڈی بھی تھی جو مسلمان ہو گئی تھی اسلام لانے سے پہلے عمر بن خطاب کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد کے جو دریا موجزن تھے۔ اس کی وجہ سے ان بیچاری لونڈیوں کو وہ خوب پیٹتے تھے انہیں کوئی چھڑانے والا بھی نہ تھا۔ اتنا پیٹتے کہ تھک جاتے۔ اور ستانے کے لئے رکنا پڑتا انہیں کہتے کہ میں ذرا دم لے لوں پھر تمہاری خبر لیتا ہوں۔ اس بہیمانہ زدو کوب کا سلسلہ دیر تک جاری رہتا۔

ایک روز جب عمر، ان پر مشق ستم کر رہے تھے اور مار مار کر تھک گئے تو اس لونڈی نے کہا اے عمر! اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو میرا رب تمہیں بھی ایسے ہی عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (۱)

الٰہی! کیا شان ہے تیرے نام کی، کن ناقابل تسخیر قوتوں کا مخزن ہے تیری ذات پر ایمان، کیا عظمتیں ہیں تیرے محبوب کے طوق غلامی کی جن کو یہ سرمدی نعمتیں تو ارزانی فرماتا ہے، وہ ذرے ہوں تو رشک آفتاب بن جاتے ہیں، وہ قطرے ہوں تو سمندر کی بیکرانیوں کے امین بن جاتے ہیں، وہ غلام ہوں تو دنیا کے کج کلاہ ان کے باج گزار بن جاتے ہیں۔

اس لطیفہ کو بھی حضرت صدیق اکبر نے خریدا۔ اور خرید کر اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔

حضرت ابو بکر کے والد ابو قحافہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ نحیف و نزار غلاموں اور لونڈیوں کو ان کا بیٹا ابو بکر خریدتا ہے اور آزاد کر دیتا ہے تو انہوں نے ازراہ خیر خواہی اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔

يَا بُنَيَّ أَرَاكَ تُعْتِقُ رِقَابًا ضِعَافًا فَلَوْ أَنَّكَ فَعَلْتَ فَأَعْتَقْتَ رِجَالًا جُلْدًا يَمْنَعُونَكَ وَيَقُومُونَ دُونَكَ

"اے میرے بیٹے! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسے غلاموں کو آزاد کرتے ہو جو ضعیف اور کمزور ہیں اگر تمہیں غلاموں کو آزاد کرنے کا شوق ہے تو جواں اور طاقتور غلاموں کو آزاد کیا کرو۔ جو مشکل میں تمہارے دست و

ا۔ السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۲۸۶

بازو بنیں اور دشمن کے مقابلہ میں وہ تمہارے لئے سینہ سپر ہوں۔" (۱)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

یَا اَبَتِ اِنَّمَا اُرِیْدُ مَا اُرِیْدُ لِلّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ

"کہ میں تو یہ جو کچھ کر رہا ہوں محض اپنے بزرگ برتر رب کی رضا کے لئے کر رہا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے باپ اور بیٹے کی گفتگو سنی اور یہ پیغام دے کر جبرئیل امین کو اپنے محبوب رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى ؕ

"پھر جس نے راہ خدا میں اپنا مال دیا۔ اور اس سے ڈرتا رہا اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راہ۔" (سورۃ و الیل: ۵-۷)

دیگر مردانِ وفا کیش

حضرت خباب بن الارت

یہ آزاد ماں باپ کے آزاد فرزند تھے۔ کسی نے ان کو زمانہ جاہلیت میں پکڑ لیا اور اپنا اسیر بنالیا۔ اور کسی منڈی میں جاکر فروخت کر دیا۔ اُمِ انمار نے ان کو خرید لیا آہن گری، ان کا پیشہ تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان سے الفت تھی۔ حضور اکثر ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس صحبت کی برکت سے آپ مشرف باسلام ہو گئے ان کی مالکہ ام انمار کو جب یہ اطلاع ملی۔ تو اس کی ناراضگی اور برہمی کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ سنگ دل لوہے کا ایک ٹکڑا بھٹی میں گرم کرتی جب وہ لال سرخ ہو جاتا تو اسے چمٹے سے اٹھا کر خباب کے سر پر رکھ دیتی۔ اس سے جو اذیت آپ کو پہنچتی ہوگی اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایک روز اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں انہوں نے اپنی اس تکلیف کے بارے میں گزارش کی حضور نے دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ خَبَّابًا اے اللہ! اس آزمائش میں تو

۱۔ سبل الھدیٰ والرشاد، جلد اول، صفحہ ۴۸۳

خباب کی مدد فرما۔

لب مصطفیٰ کے حرکت میں آنے کی دیر تھی۔ کہ اس ظالمہ کو درد سر کی تکلیف شروع ہو گئی درد کی شدت سے وہ کتوں کی طرح بھونکا کرتی تھی۔ اسے کہا گیا کہ سینگیاں لگواؤ۔ اب اس کے لئے حضرت خباب لوہے کا ایک ٹکڑا آگ میں گرم کرتے پھر اسے اس کے سر پر رکھتے۔ تب اسے کچھ افاقہ محسوس ہوتا۔

حضرت خباب کی آزمائش نے جب طول کھینچا تو انہوں نے اپنی داستان درد والم حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں پیش کی۔ اس عرض داشت میں کچھ بے صبری کا اظہار بھی تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت کعبہ شریف کے سایہ میں تکیہ سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھے یہ وہ دن تھے جب کہ مشرکین عام مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کیا کرتے تھے۔

خباب کہتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا حضور ہمارے لئے دعا نہیں فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس تکلیف سے نجات دے۔ میری یہ بات سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا اور اٹھ کر بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے تھے۔ کفار لوہے کی کنگھیوں سے ان کی ہڈیوں سے گوشت ادھیڑ لیا کرتے تھے اس کے باوجود وہ اپنے دین سے روگردانی نہیں کرتے تھے۔ بعض مومنین کے سروں پر آری رکھ کر چلائی جاتی تھی وہ ان کو دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیتی تھی پھر بھی وہ اپنے دین سے روگردانی نہیں کرتے تھے۔ اے خباب! سنو! یقیناً اللہ تعالیٰ دین اسلام کو غلبہ بخشے گا (اور سارے جزیرہ عرب پر اسلام کا پرچم لہرائے گا) یہاں تک کہ صنعاء (یمن) سے ایک مسافر روانہ ہو کر حضرموت تک اکیلا جائے گا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہو گا۔

کسی کو یہ بھی خطرہ نہ ہو گا کہ کوئی بھیڑیا اس کی بھیڑوں کو پھاڑ ڈالے گا (رواہ البخاری)

انہیں انگاروں کی طرح گرم سنگریزوں پر پیٹھ کے بل لٹایا جاتا۔ یہاں تک کہ ان کی پیٹھ کا پانی خشک ہو گیا تھا۔ (۱)

آپ اپنی داستان الم یوں بیان فرماتے ہیں۔

کہ میں نے ایک روز دیکھا کہ کفار نے میرے لئے آگ بھڑکائی۔ مجھے زمین پر لٹا دیا اس کے انگارے میری پشت پر رکھے ان کی تپش سے میری چربی پگھلی اور اس سے یہ انگارے

۱۔ انساب الاشراف، جلد اول، صفحہ ۱۷۶

بجے۔ (۱)

حضرت خباب، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انہیں اپنے کندھے کے ساتھ بٹھایا اور فرمایا کہ تجھ سے زیادہ صرف ایک شخص ہے جو اس جگہ بیٹھنے کا حق دار ہے میں نے پوچھا اے امیر المؤمنین وہ کون ہے۔ آپ نے فرمایا بلال۔ خباب نے عرض کی کہ وہ مجھ سے زیادہ حق دار نہیں ان کے لئے تو چند معاون تھے جو مشرکین کو انہیں عذاب دینے سے روکتے تھے لیکن میرے لئے تو کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا۔ مجھے یاد ہے ایک دن انہوں نے میرے لئے آگ جلائی۔ پھر انہوں نے مجھے اس پر گھسیٹ کر لٹا دیا۔ پھر ایک کافر نے میرے سینہ پر پاؤں رکھ دیا پھر حضرت خباب نے اپنی پیٹھ سے قمیص اٹھائی تو آپ کی پشت پر برص کی طرح داغ تھے۔ (۲)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت خباب کہتے ہیں کہ میں لوہاروں کا کام کرتا تھا اور تلواریں بنایا کرتا تھا۔ عاص بن وائل نے مجھ سے تلواریں خریدیں اس کی قیمت اس کے ذمہ قرض تھی میں اس سے قرض مانگنے کے لئے آیا تو اس گستاخ نے کہا۔ بخدا! میں تمہیں اس وقت تک قرض ادا نہیں کروں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہ کرو۔ آپ نے بڑی جرأت سے جواب دیا۔

وَاللّٰهِ لَا اَكْفُرُ بِمُحَمَّدٍ حَتّٰى تَمُوْتَ ثُمَّ تُبْعَثَ

"خدا کی قسم! میں اپنے محبوب کا انکار ہرگز نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ تو مر جائے اور پھر روز محشر تجھے قبر سے اٹھایا جائے۔" (۳)

عمار بن یاسر

ان کو بھی آگ سے عذاب دیا جاتا تھا۔ ابن جوزی لکھتے ہیں بسا اوقات سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے اوقات میں تشریف لاتے جب انہیں آگ سے عذاب دیا جا رہا ہوتا۔ حضور اپنا دست شفقت ان کے سر پر پھیرتے اور فرماتے۔

۱۔ السیرۃ الحلبیہ، جلد اول، صفحہ ۳۸۶

۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۴۷۹

۳۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۹۶

يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ

"اے آگ! جس طرح تو حضرت ابراہیم کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث تھی اسی طرح عمار کے لئے بھی ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا۔"

ایک روز حضرت عمار نے اپنی پشت سے قمیص اٹھائی تو وہاں برص کی طرح سفید داغ تھے۔ در حقیقت یہ آگ کے انگاروں کے جلانے کے نشانات تھے۔ جو برص کے داغوں کی طرح سفید ہو گئے تھے۔ اور انگاروں کا ان کو جلانا، حضور کی دعا سے پہلے پہلے تھا۔ اس مبارک دعا کے بعد پھر ان انگاروں کی مجال نہ تھی کہ حضرت عمار کو جلاتے اور اذیت دیتے۔ (۱)

حضرت ام ہانی سے مروی ہے کہ عمار، ان کے والد یاسر، ان کی والدہ سمیہ، ان کے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہم یہ سب وفا کیشوں کے اس زمرہ میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے جرم میں طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ ایک روز جب ان پر جور و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے تو راہنمائے جادۂ مہر و وفا علیہ التحیۃ والثنا کا ادھر سے گزر ہوا حضور نے فرمایا۔

صَبْرًا اٰلَ يَاسِرٍ صَبْرًا اٰلَ يَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ

"اے آل یاسر صبر کرو، اے آل یاسر صبر کرو! تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ ہے۔"

کفار کی ان گوناگوں اور وحشیانہ اذیت رسانیوں سے حضرت یاسر جاں بحق ہو گئے۔ ابو حذیفہ بن مغیرہ نے اپنی لونڈی سمیہ، ابو جہل کو دے دی۔ پہلے اس نے ان کو ورغلانے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن جب وہ سچی مومنہ اپنے ایمان پر پہاڑ کی طرح جمی رہی۔ تو مکہ کے ایک چوراہے میں تماشائیوں کے ایک ہجوم میں اس نے آپ کے اندام نہانی پر نیزہ مارا اور وہ غش کھا کر گریں اس عاشقہ صادقہ کے خون نے مکہ کی پیاسی ریت کو سیراب کیا۔ اور اپنی جان، جاں آفرین کے نام کو بلند کرنے کے لئے بطور نذرانہ پیش کر دی۔

فَهِيَ اَوَّلُ شَهِيْدَةٍ فِي الْاِسْلَامِ

"تحریک اسلام میں سب سے پہلے شہادت کی خلعت فاخرہ سے جس کو

۱۔ السیرۃ الحلبیہ۔ امام محمد ابو زہرہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۸۶

نوازا گیا وہ آپ کی ذات والا صفات تھی۔ "

بعض رواۃ نے بیان کیا ہے کہ ابو جہل، عمار اور ان کی والدہ سمیہ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا اور لوہے کی زرہیں پہنا کر انہیں عرب کی چلچلاتی دھوپ میں ریت پر لٹا دیتا تھا۔ ایک دن عمار نے بارگاہ رسالت میں فریاد کی۔

لَقَدْ بَلَغَ مِنَّا الْعَذَابُ كُلَّ مَبْلَغٍ

"میرے آقا! اب تو میرے جسم کا انگ انگ کفار کی بھڑکائی ہوئی آگ میں جل بھن رہا ہے۔ "

اس ہادی برحق نے فرمایا۔

صَبْرًا يَا اَبَا الْيَقْظَانِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَا تُعَذِّبْ اَحَدًا مِنْ اٰلِ عَمَّارٍ بِالنَّارِ۔

"اے ابوالیقظان (عمار کی کنیت) صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ الٰہی! عمار کی آل کو بھی آگ کے عذاب سے بچانا۔ " (۱)

اسلام کے صدہا جان نثاروں میں سے چند حضرات کے احوال بطور نمونہ قارئین کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں ورنہ اس ابتلاء و آزمائش کے دور میں جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے حبیب کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کی اسے آزمائش کی ان بھٹیوں میں جھونکا گیا تشدد اور بے رحمی کی ان پر انتہا کر دی گئی ابو جہل بد بخت اور اس کی قماش کے لوگوں کا اس کے علاوہ کوئی شغل ہی نہ تھا کہ وہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے اور جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے تاکہ وہ مرتد ہو جائیں اگر کوئی ایسا شخص مسلمان ہو جاتا جو اثر ورسوخ کا مالک ہوتا اور معاشرہ میں جس کی قدر و منزلت ہوتی اس پر دست تعدی دراز کرنا تو بسا اوقات ان کے لئے ممکن نہ ہوتا۔ لیکن ایسے شخص کے پاس جا کر وہ پہلے اسے خوب سرزنش کرتے پھر کہتے تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم نے اپنے آباؤاجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ کیا تمہارے باپ دادا تم سے زیادہ عقل مند نہ تھے۔ دیکھ! اگر تو باز نہ آیا تو ہم سارے شہر میں منادی کرا دیں گے کہ تو پاگل ہو گیا ہے۔ تمہیں رسوا اور ذلیل کرنے میں ہم کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ اگر کوئی تاجر اور کاروباری شخص اسلام قبول کرتا تو اس کے پاس جا کر دھمکی دیتے کہ ہم تیرا بائیکاٹ کر دیں گے۔ شہر کا کوئی آدمی تم سے سودا نہیں خریدے گا یہاں تک کہ تیرا

۱۔ السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۲۸۶۔ انساب الاشراف، جلد اول، صفحہ ۱۵۷۔ ۱۶۰

دیوالیہ نکل جائے گا اور تو کوڑی کوڑی کا محتاج ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی بے آسرا اور بے سہارا آدمی کلمہ شہادت پڑھ لیتا تو اس کی شامت آجاتی۔ اسے نئے سے نئے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔ دہکتے انگاروں پر اسے لٹایا جاتا۔ اس کی مشکیں کس کر چلچلاتی دھوپ میں تڑپنے کے لئے اسے ڈال دیا جاتا نہ پینے کے لئے اسے پانی دیا جاتا اور نہ کھانے کے لئے ایک لقمہ۔ لیکن اسلام کے یہ جان باز ان آزمائشوں میں پہاڑوں سے بھی زیادہ مستحکم ثابت ہوتے۔ اور ان کی استقامت کو دیکھ کر ان درندہ صفت انسانوں کے چھکے چھوٹ جاتے۔

ہجرتِ حبشہ

ہجرتِ حبشہ

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ خود رب العالمین نے فرمایا تھا۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کہ لوگوں کے شر سے اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے گا۔ نیز آپ کے چچا ابو طالب اور خاندان بنو ہاشم کے دیگر لوگ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دفاع کے لئے ہمیشہ مستعد رہا کرتے تھے۔ دیگر اعلیٰ خاندانوں کے افراد جو اسلام لائے تھے ان کے تحفظ کی ضمانت ان کے خاندان والوں نے دی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود کفار جب بھی ان کا بس چلتا۔ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان بار سوخ صحابہ کی دل آزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے لیکن اکثریت ان لوگوں کی تھی جو کافر آقاؤں کے غلام تھے۔ یا غریب اور نادار لوگ تھے جن کا کوئی پُرسانِ حال نہ تھا۔ کفار کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ انتہائی سنگدلانہ بلکہ وحشیانہ تھا۔ جن کا مختصر تذکرہ آپ ابھی پڑھ آئے ہیں۔

نیز آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا ہے کہ کفار مکہ نے نضر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط کو یثرب بھیجا تھا تاکہ وہاں کے یہودی علماء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں دریافت کریں چنانچہ ان علماء نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو پرکھنے کے لئے انہیں تین سوالات پوچھنے کی تلقین کی۔ اور بتایا کہ اگر وہ ان تینوں سوالات کا صحیح جواب دیں تو وہ سچے نبی ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں تو نبی نہیں تم جس طرح چاہو ان سے نبٹ سکتے ہو۔ یہ دونوں خوشی خوشی مکہ واپس آئے اور اپنے ہم وطنوں کو بتایا کہ ہم تمہارے پاس ایک فیصلہ کن معیار لے کر آئے ہیں۔ جس پر پرکھنے سے ان کی حقیقت واضح ہو جائے گی ان سوالات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف نازل فرمائی لیکن اہل مکہ جو اندھی عصبیت کا شکار تھے پھر بھی اپنے باطل عقائد سے دست بردار نہ ہوئے۔ البتہ اہل حق کے لئے اس سورت میں ان کے موجودہ مشکل

حالات میں راہنمائی کا بڑا سامان تھا۔

ان کے پہلے سوال کے جواب میں اصحاب کہف کے حالات بڑی شرح وبسط سے بیان فرمائے گئے اس ضمن میں یہ بھی بتایا گیا کہ

وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا۔

"اور جب تم الگ ہو گئے ان (کفار) سے اور ان معبودوں سے جن کی وہ پوجا کیا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا۔ تو اب پناہ لو غار میں پھیلا دے گا تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت (کا دامن) اور مہیا کر دے گا تمہارے لئے اس کام میں آسانیاں۔" (ضیاء القرآن)

(سورۃ کہف: ۱۶)

سورہ الکہف کے بعد سورہ الزمر نازل ہوئی جس میں صراحۃً یہ بتا دیا گیا۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

"ان کے لئے جنہوں نے نیک اعمال کئے اس دنیا میں نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے (مصائب و آلام میں) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔" (ضیاء القرآن) (سورۃ الزمر: ۱۰)

اصحاب کہف کا واقعہ سنا کر ان ستم رسیدہ مسلمانوں کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی فرما دی۔ انہیں بتایا کہ تم سے پہلے بھی بتوں کے پجاریوں اور باطل کے علم برداروں نے اہل حق کے لئے جینا حرام کر دیا تھا۔ جور و جفا کی ان آندھیوں سے اپنی شمع ایمان کو بچانے کے لئے انہوں نے بھی اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہا تھا۔ سفر کی سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فراموش نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ اس کی رحمت کے سایہ نے ان کو اپنے دامن میں لے لیا۔ ان کی ساری پریشانیاں، راحت و آرام میں بدل گئیں اے مسلمانو! اگر تم بھی ان کی راہ پر گامزن ہو گے تو تمہارے ساتھ ان سے بھی بہتر سلوک کیا جائے گا سورہ الزمر کی اس آیت میں وضاحت سے بتا دیا کہ اللہ کی زمین بڑی کشادہ اور وسیع ہے۔ اگر یہاں یہ نابکار تمہیں اپنے رب قدوس کا نام نہیں لینے دیتے اور آزادی سے اس کی عبادت نہیں کرنے دیتے تو قطعاً فکر مند نہ ہو کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں آزادی سے تم اپنے معبود حقیقی کی عبادت کر سکو۔

یہ اندیشہ تمہیں ہر گز پریشان نہ کرے کہ پردیس میں تمہاری گزران کیسے ہوگی۔ یاد رکھو تمہارا پروردگار محسنین کو اس دنیا میں بھی اپنی لامحدود نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے اور جو لوگ مضبوطی سے صبر کا دامن پکڑے رہتے ہیں ان کو اتنا صلہ دیتا ہے جس کا کوئی حساب نہیں لگایا جاسکتا۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب شمع توحید کے ان پروانوں پر کفر و شرک کے سرغنوں کے بے اندازہ مظالم دیکھے اور یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ ان مظالم میں آئے روز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ نہ ان سنگ دل ظالموں کو ذرا ترس آتا ہے اور نہ دوسرے لوگوں میں رحمت و شفقت کا جذبہ بیدار ہو کر ان کی نجات کا باعث بنتا ہے اور نہ خود مسلمانوں میں اتنی سکت ہے کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی دادرسی کر سکیں تو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے جان نثار غلاموں کو اجازت دی کہ ظلم و ستم کی اس بستی سے ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں۔ کیونکہ وہاں کے بادشاہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بڑا رحم دل اور انصاف پسند ہے۔ نہ خود کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی کو بے کسوں اور کمزوروں پر ظلم کی اجازت دیتا ہے۔

چنانچہ بعثت کے پانچویں سال ماہ رجب میں مہاجرین کا پہلا قافلہ اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر حبشہ جیسے دور افتادہ ملک کی طرف روانہ ہوا۔ تاکہ اس پر امن فضا میں وہ جی بھر کر اپنے رب کریم کی عبادت کر سکیں۔ اپنے عقیدہ کے مطابق آزادی سے زندگی بسر کر سکیں۔

یہ قافلہ بارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھا ان کے قافلہ سالار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ جو رحمۃ للعالمین کی لخت جگر تھیں صلی اللہ تعالیٰ علی ابیہا و علیہا وبارک وسلم آپ کے ساتھ تھیں۔ سرکار دوعالم نے اسی جوڑے کے بارے میں فرمایا۔

اِنَّهُمَا اَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بَعْدَ اِبْرَاهِيْمَ وَلُوْطٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ۔

”یعنی ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔“

حضرت رقیہ کی خدمت گزاری کے لئے حضرت ام ایمن بھی ساتھ گئیں۔

دوسرے مہاجرین کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

حضرت ابو سلمہ مع زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ۔ حضرت ابو حذیفہ مع اپنی زوجہ محترمہ

سہلہ بنت سہیل حضرت عامر بن ابی ربیعہ۔ مع زوجہ محترمہ لیلیٰ عدویہ۔
جنھوں نے اکیلے بغیر اپنی اہلیہ کے ہجرت کی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔
عبدالرحمٰن بن عوف۔ زبیر بن عوام۔ مصعب بن عمیر۔ عثمان بن مظعون۔ سہیل بن بیضاء۔ ابو سبرہ بن ابی رہم۔ حاطب بن عمرو۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین
یہ قافلہ رات کی تاریکی میں چھپ کر مکہ سے روانہ ہوا۔ ایک کشتی حبشہ جا رہی تھی انہوں نے فی کس نصف دینار کرایہ ادا کیا۔ اور بغیر کسی تاخیر کے حبشہ روانہ ہوگئے قریش کو ان کے بارے میں پتہ چلا تو ان کے تعاقب میں دوڑے۔ ان کے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس بندر گاہ تک پہنچ گئے جہاں سے وہ کشتی پر سوار ہوئے تھے لیکن کشتی ان کے پہنچنے سے پہلے روانہ ہو چکی تھی اور یہ لوگ خائب و خاسر ہو کر لوٹے۔ (۱)
جس بندر گاہ سے وہ کشتی پر سوار ہوئے اس کا نام شعیبہ تھا جو جدہ سے تھوڑے فاصلہ پر جانب جنوب واقع تھی۔ اہل مکہ حبشہ وغیرہ کے لئے بحری سفر پر یہاں سے روانہ ہوتے تھے۔ اور جدہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بندر گاہ بنایا گیا۔ اور شعیبہ کے بجائے جہاز اور کشتیاں جدہ سے روانہ ہونے لگیں۔
علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں۔

هُوَ مَرْفَأُ السُّفُنِ مِنْ سَاحِلِ بَحْرِ الْحِجَازِ، وَهُوَ كَانَ مَرْفَأَ مَكَّةَ وَمَرْسَىٰ سُفُنِهَا قَبْلَ جُدَّةَ

"شعیبہ بحر حجاز کے ساحل پر ایک بندر گاہ تھی۔ جدہ کے بندر گاہ بننے سے پہلے اہل مکہ کی کشتیاں یہاں آکر لنگر انداز ہوتی تھیں۔" (۲)

راہ حق کے یہ مسافر جب حبشہ پہنچے تو نجاشی نے انہیں بڑے احترام سے خوش آمدید کہا اور ٹھہرنے کے لئے ایک پر امن جگہ عطا فرمائی۔ صحابہ کہتے ہیں۔ ہم بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ نجاشی کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے لگے بڑی آزادی سے اپنے خالق حقیقی کی عبادت میں محو رہا کرتے یہاں نہ ہم پر کوئی آوازے کستا اور نہ ہمیں اذیت پہنچا سکتا۔

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۴۵

۲۔ معجم البلدان۔ جلد سوم۔ صفحہ ۳۵۱

ہجرت صدیق اکبر

جب اہل مکہ کو معلوم ہوا کہ اہل اسلام کا ایک قافلہ ہجرت کر کے حبشہ روانہ ہو گیا ہے تو ان کے غیظ و غضب کی کوئی حد نہ رہی۔ پہلے بھی وہ بے کس مسلمانوں پر ظلم و تشدد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔ لیکن اب تو انہوں نے مظالم کی انتہا کر دی۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر جیسے بارسوخ اور متمول تاجر کے لئے بھی مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا۔ آپ بھی مجبور ہو گئے کہ اس بستی سے نقل مکانی کر جائیں جس بستی کے رہنے والے ظلم ڈھانے میں درندوں کو بھی مات کر گئے ہیں۔ چنانچہ ایک روز آپ بھی حبشہ جانے کے لئے مکہ سے روانہ ہو گئے۔ جب آپ "برک الغماد" (ایک بستی) پہنچے جو مکہ سے پانچ دن کی مسافت پر ہے تو آپ کی ملاقات ابن الدغنہ سے ہوئی یہ قبیلہ قارہ کا سردار تھا۔ بنو قارہ بنو زہرہ قبیلہ کے حلیف تھے۔ ابن الدغنہ نے پوچھا اے ابو بکر آپ کدھر جا رہے ہیں آپ نے جواب دیا۔ کہ میری قوم نے مجھے مکہ سے نکال دیا ہے میں اب زمین میں سیر و سیاحت کیا کروں گا۔ اور اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ اس نے کہا۔

مِثْلُكَ يَا اَبَا بَكْرٍ لَا يَخْرُجُ لَا يُخْرَجُ

"اے ابو بکر! تیرے جیسے آدمی کو نہیں نکالا جانا چاہئے نہیں نکالا جانا چاہئے۔"

پھر آپ کے خصائل حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے ابن الدغنہ نے کہا۔

اِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ۔ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ فَاَنَا لَكَ جَارٌ وَارْجِعْ وَاعْبُدْ رَبَّكَ بِبَلَدِكَ۔

"اے ابو بکر! آپ تو مفلس اور نادار کے لئے مال کماتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں۔ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اور جو لوگ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں ان کی آپ مدد کرتے ہیں۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں آپ اپنے شہر میں لوٹ جائیے اور آزادی سے اپنے رب کریم کی عبادت کیجئے۔"

چنانچہ ابن الدغنہ آپ کو ہمراہ لے کر مکہ آیا۔ تمام مکہ کے سرداروں کے پاس گیا اور انہیں کہا۔ کہ ابو بکر جیسی ہستی کو جو اخلاق حمیدہ اور صفات عالیہ سے متصف ہے اپنے شہر سے نکالنا بڑی زیادتی ہے میں نے انہیں پناہ دے دی ہے اب کوئی شخص ان کو اذیت پہنچانے کی جرأت نہ کرے۔ سب نے اس کی پناہ کو تسلیم کر لیا۔ اور وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ابو بکر کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے لیکن اس کے لئے ایک شرط عائد کی کہ وہ ابو بکر کو کہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر عبادت کیا کرے جتنا چاہے قرآن پڑھے جیسا چاہے نماز ادا کرے۔ لیکن یہ سب کچھ اپنے گھر کی چار دیواری میں۔ بلند آواز سے تلاوت نہ کرے اس طرح ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

حضرت صدیق اکبر پر امن زندگی بسر کرنے لگے۔ کچھ عرصہ تک ایسا ہی کرتے رہے پھر اپنے گھر کے صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی۔ جس میں نماز ادا کرتے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے آپ بڑے خوش آواز تھے آپ کی تلاوت سننے کے لئے عورتوں اور مردوں کا جم غفیر اکٹھا ہو جاتا حضرت ابو بکر جب عبادت کرتے تو آپ کو کثرت سے رونا آتا۔ مشرکین کو یہ بات بڑی ناگوار گزری۔ انہوں نے ابن الدغنہ کی طرف آدمی بھیجا وہ آیا تو انہوں نے شکایت کی کہ ہم نے تمہارے کہنے پر ابو بکر کو پناہ دی تھی۔ شرط یہ تھی کہ وہ اپنے گھر کے اندر نماز اور قرأت کیا کریں گے لیکن اب انہوں نے ایک مسجد تعمیر کر لی ہے اس میں اعلانیہ اب وہ قرأت کرنے لگے ہیں ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے کہیں گمراہ نہ ہو جائیں۔ اگر وہ معاہدہ کے مطابق اپنے گھر کے اندر عبادت اور قرأت کیا کریں تو بہتر ورنہ انہیں کہو کہ تمہاری پناہ وہ واپس کر دیں ہم نہیں چاہتے کہ لوگ کہیں کہ ہم نے تمہاری پناہ کو مسترد کر دیا ہے ابن الدغنہ حضرت ابو بکر صدیق کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو معلوم ہے کہ کن شرائط پر آپ کی قوم سے میرا معاہدہ ہوا تھا۔ یا تو آپ اس معاہدہ کی پابندی کریں یا میری پناہ سے دست بردار ہو جائیں میں نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں کہ ابن الدغنہ نے ابو بکر کو پناہ دی تھی لیکن ان کی قوم نے اس پناہ کو ٹھکرا دیا حضرت صدیق اکبر نے مومنانہ جرأت سے اسے جواب دیا فرمایا۔

فَاِنِّیْ اَرُدُّ عَلَیْکَ جِوَارَکَ وَاَرْضٰی بِجِوَارِ اللّٰہِ تَعَالٰی

"میں تیری پناہ تجھے لوٹا دیتا ہوں میرے لئے میرے اللہ کی پناہ کافی ہے۔" (۱)

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۴۷

آپ حیران ہوں گے کہ جن صفات سے ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توصیف کی تھی۔ بعینہٖ انہیں صفات بلکہ انہیں کلمات سے ابن الدغنہ نے حضرت ابو بکر کے اخلاق حمیدہ کی تصویر کشی کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اور حضور کے یار غار کی صفات و عادات، اخلاق و شمائل، افکار و نظریات میں کامل درجہ کی مشابہت تھی اور یہی فطری یکسانیت، باہمی محبت و مودّت، پھر بعثت کے بعد رفاقت و صداقت کی وہ محکم اساس تھی جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی رَفِیْقِہٖ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَصَاحِبِہٖ فِی الْقَبْرِ وَالْمَحْشَرِ۔ وَسَلَّمَ

ماہ رجب بعثت کے پانچویں سال میں مہاجرین کا یہ پہلا کارواں حبشہ روانہ ہوا۔ تین ماہ کا عرصہ انہوں نے بڑے امن و عافیت سے گزارا ایک روز انہیں اطلاع ملی۔ کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے اب وہاں مکمل امن و امان ہے۔ کسی کافر کی مجال نہیں کہ فرزندان اسلام کو اب اذیت پہنچائے۔ ان مہاجرین نے باہمی مشورہ کیا کہ جس ظلم و تشدد کے خوف سے ہم اپنا وطن عزیز اور اہل و عیال چھوڑ کر آئے ہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دور ہو گیا ہمیں اب واپس اپنے وطن لوٹ جانا چاہیے۔

چند لوگوں نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ دوسرے حضرات نے کہا کہ ابھی کوئی پختہ اطلاع نہیں آئی۔ اس لئے جلدی میں واپسی کا فیصلہ دانش مندانہ نہیں۔ ہمیں صبر کرنا چاہیے یہاں تک کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی قاصد آئے اور ہمیں اس کے بارے میں بتائے۔

بعض مؤرخین نے اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی افواہ گرم ہونے کی ایک وجہ بیان کی ہے۔ اگرچہ وہ سراسر باطل ہے اور اس لائق نہیں کہ اسے یہاں لکھا جائے لیکن بعض کتب سیرت و تفسیر میں وہ مذکور ہے اس لئے اب اس کا لکھنا ضروری ہے تاکہ اس کے مطالعہ سے کسی کے دل میں کوئی شک و شبہ پیدا ہوا ہو تو اس کا ازالہ کیا جاسکے۔

وہ بے سروپا روایت یہ ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرم شریف میں سورۃ النجم کی تلاوت کی۔ اس سلسلہ میں یہ فقیر ضیاء القرآن کا وہ اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہے جو سورہ حج کی آیت نمبر ۵۲ کی تفسیر سے متعلق ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو دخل اندازی شیطان کرتا ہے۔ پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔" (سورۃ الحج: ۵۲)

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو بتاتا ہے ہیں کہ آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول اور نبی مبعوث فرمائے ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوا کہ جب انہوں نے ہماری آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں تو شیطان نے ان لوگوں کے دلوں میں ان آیات کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔ بجائے اس کے کہ وہ ان آیات کو قبول کرتے الٹا ان کے خلاف محاذ قائم کر لیا اور اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ یہ مفہوم متعدد دوسری آیتوں میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ

"کہ شیطان اپنے چیلوں کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتے ہیں تا کہ وہ تمہارے ساتھ بحث مباحثہ شروع کر دیں۔"

(سورۃ الانعام: ۱۲۱)

دوسری آیت میں ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا

"یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے سرکش انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا اور وہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے ایسی باتیں سکھاتے ہیں جو بظاہر بڑی دلکش ہوتی ہیں۔" (سورۃ الانعام ۱۱۲)

پہلے شیاطین جن و انس نے جو سلوک اپنے ہادیوں کے ساتھ کیا تھا بعینہٖ وہی رویہ مکہ کے

مشرکین نے اختیار کیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (تم پر مردار حرام کئے گئے) تو مشرکین اسے لے اڑے اور اس پر یہ اعتراض جڑ دیا کہ دیکھو جی جسے خود مارتے ہیں اس کو تو حلال اور پاک کہہ رہے ہیں اور جسے خدا نے مارا وہ ان کے نزدیک حرام اور پلید ہے۔

جب سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو ان کی زبانیں قینچی کی طرح چلنے لگیں کہ ذرا انصاف تو دیکھو کہ بیع تو ان کے لئے حلال ہے اور سود حرام۔ حالانکہ دونوں میں نفع ہے یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ دو ایک جیسی چیزوں میں سے ایک کو حرام اور دوسری کو حلال کر دیا جائے۔ اسی قسم کے متعدد واقعات ہیں جن کے متعلق شیطان ان کو بھڑکاتا اور وہ اسلام کے خلاف بڑے جوش و خروش سے پراپیگنڈا کی ایک نئی مہم کھڑی کر دیتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ سے اور دلائل قاہرہ سے باطل کا پول کھول دیتا اور حق کی روشنی پھر ہر طرف پھیل جاتی۔ آیت کا یہ مفہوم اتنا واضح اور دوسری آیات کے عین مطابق ہے کہ کسی قسم کا تذبذب باقی نہیں رہتا لیکن بعض کتابوں میں ایک روایت کے درج ہو جانے سے اس آیت کا مطلب کچھ سے کچھ کر دیا گیا جس سے صرف اپنوں کے دلوں میں اضطراب کی لہر پیدا نہیں ہوئی بلکہ دشمنان اسلام کو قرآن صاحب قرآن اور دین اسلام کی صداقت پر حملہ کرنے کے لئے ایک مہلک ہتھیار مل گیا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ آیت کی اس واضح اور صاف تشریح پر ہی یہ فقیر اکتفا کرتا اور اس روایت کی طرف التفات کئے بغیر آگے بڑھ جاتا لیکن کیونکہ یہ روایت ہماری کتابوں میں راہ پا گئی ہے اور دشمنان اسلام نے اس سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے خلاف طوفان برپا کر رکھا ہے۔ اب اس سے تعرض نہ کرنا بھی ادائے فرض میں کوتاہی کے مترادف ہے۔ اس لئے بادل نخواستہ وہ روایت نقل کر رہا ہوں۔ اس کے بعد علماء محققین نے جس طرح اس کے پرخچے اڑائے ہیں ان کا بالا جمال ذکر کروں گا تاکہ کسی طالب حق کے لئے تردد و تذبذب کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ۔

کہا یہ گیا ہے کہ اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ ایک روز حرم شریف میں کفار و مشرکین کے ایک اجتماع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی۔ جب یہاں پہنچے۔ اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى

تو شیطان نے العیاذ باللہ زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیئے۔

تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى

"یعنی یہ بت مرغان بلند پرواز ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔"

یہ سن کر مشرکین کی خوشی کی حد نہ رہی اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لے کر کہنے لگے کہ وہ اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ آیا ہے آج اس کی اور ہماری عداوت ختم ہو گئی اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم کے سجدہ والی آیات پڑھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ اس کے بعد جبرئیل آئے اور آپ کو کہا کہ میں نے آپ کو یہ سورت اس طرح وحی نہیں کی تھی جس طرح آپ نے پڑھی۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو از حد رنج و غم ہوا۔ اس رنج و غم کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ غم نہ کریں پہلے بھی جتنے رسول اور نبی گزرے ہیں سب کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔

ایک معمولی سمجھ بوجھ کا انسان جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقام کا کچھ بھی علم ہے وہ تو اس روایت کو سنتے ہی کہہ دے گا کہ یہ جھوٹ کا پلندا ہے اور دشمنان اسلام کی سازش ہے لیکن آیئے علماء محققین کے ارشادات کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں۔ سب سے پہلے میں علامہ ابن حیان غرناطی کے جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں کیونکہ وہ جامع ہونے کے ساتھ مختصر بھی ہے۔ ابتداء میں انہوں نے اس آیت کا وہی مطلب بیان کیا ہے۔ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں۔ جو رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف منسوب کی جاسکے بلکہ اس میں صرف پہلے رسولوں اور نبیوں کا ذکر ہے اس لئے اس آیت سے یہ اخذ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فعل سرزد ہوا اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی سرے سے ہی غلط ہے۔ ابن عطیہ زمخشری اور چند دوسرے لوگوں نے اپنی تفسیروں میں۔ جو روایت یہاں نقل کی ہے یہ بات تو ایک معمولی مسلمان سے بھی سرزد نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ اس کو اس ذات پاک کی طرف منسوب کیا جائے۔ جو ہر قسم کی غلطی اور خطا سے معصوم ہے نیز اس روایت کے متعلق سیرت کے معتبر ترین سوانح نگار امام محمد بن اسحاق سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ هٰذَا مِنْ وَضْعِ الزَّنَادِقَةِ۔ یہ روایت زندیقوں کی گھڑی ہوئی ہے اور اس کے رد میں انہوں نے پوری ایک کتاب تصنیف فرمائی۔

امام بیہقی کہتے ہیں۔ هٰذِهِ الْقِصَّةُ غَيْرُ ثَابِتَةٍ مِنْ جِهَةِ النَّقْلِ یہ قصہ صحیح نقل سے ثابت ہی نہیں ہے اور جن راویوں نے اسے نقل کیا ہے سب مطعون ہیں۔ صحاح ستہ اور دیگر حدیث کی مشہور کتابوں میں اس کا نام و نشان نہیں فَوَجَبَ اِطِّرَاحُهٗ۔ اس لئے اس کو ردی چیز کی

طرح پھینک دینا ضروری ہے۔ ابن حیان فرماتے ہیں کہ اسی لئے میں نے اپنی تفسیر کو اس کے بیان سے آلودہ نہیں کیا مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے کہ انہوں نے اپنی تالیفات میں اس واقعہ کو لکھنے کی کیسے جسارت کی حالانکہ قرآن کریم کی ان آیات کو وہ تلاوت کرتے ہیں اسی سورہ والنجم کے آغاز میں ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ

"قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔" (سورۃ النجم: ۱:۴)

ان روشن آیات کی موجودگی میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اسی سورۃ میں ایسے قبیح کلمات زبان پاک سے نکلے ہوں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ

(۱۰:۱۵)

"فرمایئے مجھے اختیار نہیں کہ ردوبدل کر دوں اس میں اپنی مرضی سے۔ میں نہیں پیروی کرتا (کسی چیز کی) بجز اس کے جو وحی کی جاتی ہے میری طرف"

اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۙ

"اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگ دل" (۶۹: ۴۴-۴۶)

کیا اس ارشاد کے بعد اس چیز کا گمان بھی کیا جاسکتا ہے (ان کے علاوہ کئی اور آیات بھی انہوں نے پیش کی ہیں) پھر لکھتے ہیں کہ یہ قرآنی نصوص قطعیہ ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں عقلی طور پر بھی یہ روایت من گھڑت ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو تمام احکام، آیات اور سلرا دین مشکوک ہوجاتا۔

امام فخرالدین رازی نے بھی زور شور سے اس روایت کا رد کیا ہے لکھتے ہیں۔ اگرچہ سطحی قسم کے لوگوں نے اس روایت کو لکھا ہے لیکن علماء محققین کا اس کے متعلق یہ فیصلہ ہے هٰذِهِ الرِّوَايَةُ بَاطِلَةٌ مَوْضُوْعَةٌ یہ روایت جھوٹی ہے گھڑی ہوئی ہے اور۔ وَاحْتَجُّوْا عَلَيْهِ بِالْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّةِ وَالْمَعْقُوْلِ اور اس کے بطلان اور موضوع ہونے پر ان علماء نے قرآن سنت اور عقلی دلائل پیش کئے ہیں اور اس کے بعد امام موصوف نے مرقومہ بالا آیات ذکر کی ہیں اور امام محمد بن اسحاق کا قول نقل کیا ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے۔ عقلی دلائل پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جو شخص کہتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوں کے بارے میں تعریفی جملے کہے وہ کافر ہے۔ کیونکہ اس طرح تو حضور کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے نیز شریعت، قرآن اور دین اسلام کی کسی بات پر یقین نہیں رہتا۔ پھر فرماتے ہیں ان دلائل سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ اِنَّ هٰذِهِ الْقِصَّةَ مَوْضُوْعَةٌ" یہ قصہ موضوع ہے۔ اس کے حق میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ بعض مفسروں نے اسے لکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے۔ "خَبَرُ الْوَاحِدِ لَا يُعَارِضُ الدَّلَائِلَ النَّقْلِيَّةَ وَالْعَقْلِيَّةَ" کہ یہ خبر واحد ہے اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہوں ان کے سامنے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

اس روایت کے ناقلین نے اس کی جو مختلف تاویلیں کی ہیں۔ امام موصوف نے ان کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور فرمایا ہے کہ اس روایت کی کوئی تاویل درست نہیں۔ اس کا کوئی صحیح محمل اور مصداق تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ یہ روایت اپنی تمام تاویلات، احتمالات اور اختلاف الفاظ کے ساتھ مسترد کر دینے کے قابل ہے فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ (خلاصہ تفسیر کبیر)

علامہ ابو عبداللہ القرطبی نے بھی احکام القرآن میں اس روایت کی خوب تردید کی ہے اور ہر ہر سلسلہ روایت پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں فِيْ ذٰلِكَ رِوَايَاتٌ كَثِيْرَةٌ كُلُّهَا بَاطِلٌ لَا اَصْلَ لَهٗ کہ سب کی سب باطل ہیں۔ ان کا کوئی ثبوت نہیں اور کیونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لئے

اس کی تاویل کرنے کی بھی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ وَضُعْفُ الْحَدِيْثِ مُغْنِي عَنْ كُلِّ تَاْوِيْلٍ ۔"

آخر میں فرماتے ہیں کہ اگر اس روایت کی کوئی سند صحیح بھی ثابت ہو جائے تو بھی وہ ضعیف اور ناقابل اعتبار ہوگی کیونکہ آیات قرآنی کے صراحۃً مخالف ہے اور اب تو یہ روایت آیات قرآنی کے بھی خلاف ہے اور اس کی کوئی صحیح سند بھی نہیں ہے۔ ان حالات میں اہل نظر کے لئے یہ کب قابل التفات ہو سکتی ہے۔ وَهٰذَا اضَدُّ مَفْهُوْمِ الْاٰيَةِ وَهِيَ تُضَعِّفُ الْحَدِيْثَ لَوْصَحَّ فَكَيْفَ وَلَا صِحَّةَ لَهٗ۔

علامہ قرطبی نے قاضی عیاض کا یہ قول نقل کیا ہے۔

اِنَّ الْاُمَّةَ اَجْمَعَتْ فِيْ مَا طَرِيْقُهُ الْبَلَاغُ اِنَّهٗ مَعْصُوْمٌ فِيْهِ مِنَ الْاِخْبَارِ عَنْ شَيْءٍ بِخِلَافِ مَا هُوَ عَلَيْهِ لَا قَصْدًا اَوْ لَا عَمْدًا وَلَا سَهْوًا وَلَا غَلَطًا

"یعنی امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تبلیغ کلام الٰہی میں حضور سے ہرگز غلطی نہیں ہو سکتی نہ قصداً نہ عمداً نہ سہواً اور نہ غلطاً۔ اس میں نبی ہر طرح معصوم ہیں۔"

علامہ آلوسی نے دیگر اقوال کے ساتھ امام ابو منصور ماتریدی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:۔

وَذَكَرَ الشَّيْخُ اَبُو الْمَنْصُوْرِ الْمَاتُرِيْدِيْ فِيْ كِتَابِ قَصَصِ الْاَتْقِيَاءِ الصَّوَابُ اَنَّ قَوْلَهٗ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى مِنْ جُمْلَةِ اِيْحَاءِ الشَّيْطَانِ اِلٰى اَوْلِيَاءِهٖ مِنَ الزَّنَادِقَةِ... وَحَضْرَةُ الرِّسَالَةِ بَرِيْئَةٌ مِّنْ مِّثْلِ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ۔ (روح المعانی)

یعنی "تلک الغرانیق العلیٰ" والی بات۔ یہ ان باتوں میں سے ایک بات ہے، جو شیطان اپنے زندیق پیروکاروں کے دلوں میں ڈالتا ہے تاکہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کریں۔ جناب رسالت مآب اس قسم کی روایتوں سے مبرّا اور منزّہ ہیں۔ قاضی ابو بکر ابن العربی الاندلسی جب اس آیت کی تفسیر کرنے لگے ہیں تو اس روایت کا ذکر کر کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غصہ سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہے اور دل بے چین اور بے قرار ہو گیا ہے۔ اپنی سابقہ روش کے بالکل برعکس اس روایت کو باطل کرنے کے لئے ایک مستقل فصل لکھی ہے جس کا عنوان ہے تَنْبِيْهُ الْغَبِيِّ عَلٰى مِقْدَارِ النَّبِيِّ اور لکھتے ہیں۔ وَنَرْجُوْ بِهٖ عِنْدَ اللّٰهِ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰى فِيْ

مَقَامِ الزُّلْفٰی کہ اس فصل کے لکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقام قرب میں مجھے عظیم جزا دے گا۔

تنگیٔ داماں کی شکایت نہ ہوتی تو آپ کی اس فصل کا پورا ترجمہ یہاں درج کرتا۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ ضرور اس فصل کا مطالعہ کریں۔

مزید بر آں یہ حدیث متواتر ہے کہ شیطان خواب میں بھی حضور کی شکل میں کسی کو دکھائی نہیں دے سکتا تاکہ مسلمانوں کو حضور کی شکل میں دھوکا دے سکے تو اس کی کیا مجال کہ سرچشمہ ہدایت کو وہ گدلا سکے۔

قَدْ صَحَّ بَلْ تَوَاتَرَ قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ حَقًّا فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ۔

اصل واقعہ جو صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں ہے۔ وہ صرف اتنا ہے کہ حضور نے مجمع عام میں یہ سورۃ پڑھی اور اس میں آیت سجدہ آنے کی وجہ سے آخر میں سجدہ کیا تو تمام حاضرین جن میں کفار بھی تھے۔ سب سجدہ میں گر پڑے اور ایسا ہونا عین ممکن ہے۔ کیونکہ کلام الٰہی ہو اور زبان حبیب کبریاء اس کی تلاوت کر رہی ہو تو کیوں نہ کفار بے ساختہ سجدے میں گر پڑیں بس اتنی بات تھی جس کو زنادقہ کی وضع و تحریف نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

اگر ہم ایک لمحہ کے لئے علماء محققین کی مذکورہ بالا تشریحات سے صرف نظر بھی کر لیں اور صرف اس سورہ مبارکہ کی آیات میں غور کریں۔ تو حقیقت حال اظہر من الشمس ہو جائے گی۔

سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝

"یعنی یہ نبی مکرم اپنی خواہش سے تو بولتا بھی نہیں۔ اس کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ وحی الٰہی ہوتی ہے۔" (۵۳: ۳-۴)

ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کے محبوب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے جو ان دو آیتوں میں مذکور ہے دوسری طرف یہ روایت ہے کہ معاذ اللہ حضور نے ان کے بتوں کی شان میں یہ جملے کہے۔ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى الخ

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے یا یہ روایت جو زندیقوں کی وضع کردہ ہے۔ انسان ذرا تامل سے کام لے تو اس روایت کے باطل اور موضوع ہونے کے بارے میں

کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

نیز ان آیات پر نظر ڈالئے جو ان جملوں (تلک الغرانیق) کے مابعد اس روایت کے مطابق تلاوت کی گئیں کیا ان کے بتوں کی یہ مذمت جو ان آیات میں کی گئی ہے کفار قریش کے لئے قابل قبول تھی بفرض محال اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلک الغرانیق والے جملے کہے ہوتے اور ان کے فوراً بعد یہ آیتیں پڑھی ہوتیں۔

اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ

"نہیں ہیں یہ مگر محض نام۔ جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے، نہیں نازل کی اللہ نے ان کے بارے میں کوئی سند۔ نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی۔ اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں۔" (۵۳: ۲۳)

کیا ان آیات میں اور ان جملوں میں کوئی باہمی مناسبت ہے؟ کیا ایسا بے جوڑ کلام افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہو سکتا ہے۔ اور اگر ان دو جملوں کو سن کر کفار کو خوشی ہوئی تھی تو اس کے فوراً بعد یہ آیتیں سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کی خوش فہمیاں ہمیشہ کے لئے کافور نہیں ہو گئی ہوں گی۔ ایک ادنیٰ عقل و فہم کا مالک انسان بھی اس روایت کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہو سکتا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ اُمَّةِ رَسُوْلِهِ الْمُكَرَّمِ وَنَبِیِّهِ الْمُعَظَّمِ الَّذِیْ عَصَمَهٗ مِنْ وَسَاوِسِ الشَّیْطٰنِ وَهَمَزَاتِهٖ وَجَعَلَهٗ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔

حبشہ سے واپس آنے والوں پر کیا بیتی

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے۔ جو مکہ لوٹ آئے تھے اور ولید بن مغیرہ نے انہیں پناہ دی تھی۔ دوسرے حضرات کو بھی کسی نہ کسی رئیس نے پناہ دی اور وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ عبد اللہ بن مسعود کو کسی نے پناہ نہ دی۔ آپ بغیر کسی پناہ کے مکہ مکرمہ واپس آ گئے قلیل عرصہ یہاں قیام کیا پھر حبشہ چلے گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ولید بن مغیرہ نے پناہ دی تھی آپ امن و سکون

کے ساتھ مکہ میں اپنے دن گزار رہے تھے کوئی کافر آپ کو کچھ نہیں کہتا تھا۔ لیکن آپ دیکھتے تھے کہ ان کے دوسرے دینی بھائیوں پر کفار بڑا تشدد کر رہے ہیں۔ ان کی ایمانی غیرت یہ برداشت نہ کر سکی۔ کہ ان کے دینی بھائیوں پر تو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوں اور وہ ایک کافر کی پناہ لے کر عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہوں چنانچہ انہوں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ولید کی پناہ اس کو لوٹا دیں گے۔ تاکہ کفار ان کو بھی اسی طرح تشدد کا نشانہ بنائیں۔ جس طرح دوسرے مسلمانوں پر وہ جور و ستم کر رہے ہیں آپ ولید کے پاس گئے اور کہا اے عبد شمس! تو نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ لیکن اب میں تمہاری پناہ میں نہیں رہنا چاہتا اس لئے تمہاری پناہ کو واپس کرتا ہوں۔ اس نے پوچھا بھانجے کیا بات ہے کیا کسی نے تجھ پر کوئی زیادتی کی ہے آپ نے کہا۔

لَا وَلٰكِنِّيْ اَرْضٰى بِجِوَارِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا اُرِيْدُ اَنْ اَسْتَجِيْرَ بِغَيْرِهٖ

"نہیں مجھ پر کسی نے زیادتی نہیں کی لیکن میں صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ کو پسند کرتا ہوں اور اس کے سوا کسی غیر کی پناہ مجھے منظور نہیں۔"

ولید نے کہا پھر مسجد میں چلئے جس طرح میں نے مجمع عام میں آپ کو پناہ دی تھی آپ بھی مجمع عام میں اس کو واپس کرنے کا اعلان کریں۔ دونوں حرم شریف میں گئے حضرت عثمان ابن مظعون نے اعلان کیا کہ ولید نے مجھے پناہ دی تھی۔

صَدَقَ قَدْ وَجَدْتُهٗ وَفِيًّا كَرِيْمَ الْجِوَارِ وَلٰكِنِّيْ قَدْ اَحْبَبْتُ اَنْ لَا اَسْتَجِيْرَ بِغَيْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَقَدْ رَدَدْتُ عَلَيْهِ جِوَارَهٗ

"اس نے اپنے وعدہ کو نبھایا۔ میں نے اس کو وعدہ پورا کرنے والا اور باعزت طور پر پناہ دینے والا پایا لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر میں کسی اور کی پناہ میں زندگی بسر کروں اس لئے میں نے اس کی پناہ اسے لوٹا دی ہے۔" (۱)

وہاں سے حضرت عثمان اور لبید بن ربیعہ (مشہور شاعر) اکٹھے چل کر قریش کی ایک محفل میں آئے۔ لبید نے یہ مصرعہ پڑھا۔

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۴۸۹

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ

"کہ بے شک ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سوا فنا ہونے والی ہے۔"

حضرت عثمان نے جواب دیا تو نے سچ کہا ہے۔ پھر لبید نے کہا۔

کُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ

"کہ ہر نعمت یقیناً مٹنے والی ہے۔"

حضرت عثمان نے فرمایا۔

کَذِبْتَ نَعِیْمُ الْجَنَّةِ لَا یَزُوْلُ

"تم نے جھوٹ کہا جنت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی۔"

لبید کو یہ بات سخت ناگوار گزری اس نے کہا اے گروہ قریش! پہلے تو تمہارے ہم نشین کو ایسا تلخ اور گستاخانہ جواب نہیں دیا جاتا تھا۔ اپنے مہمان کی دل آزاری کا یہ طریقہ تم نے کب سے اپنایا ہے ایک شخص بولا۔ اے لبید! ناراض نہ ہو۔ یہاں بے وقوفوں کی ایک جماعت ہے جو ہمارے خداؤں کے منکر ہیں یہ شخص انہیں میں سے ایک ہے۔ حضرت عثمان نے بھی اس کو جواب دیا۔ تلخ کلامی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اس آدمی نے حضرت عثمان کی آنکھ پر زور سے طمانچہ دے مارا۔ چوٹ سے وہ سوج گئی ولید بن مغیرہ بھی پاس بیٹھا تھا۔ اس نے سب کچھ دیکھا اور بطور طنز بولا عثمان جب تک تم میری پناہ میں تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ ایسا کرتا اب مزا چکھو میری پناہ کو مسترد کرنے کا۔ حضرت عثمان بن مظعون نے فرمایا۔

بَلْ وَاللّٰہِ اِنَّ عَیْنِیَ الصَّحِیْحَةَ لَفَقِیْرَةٌ اِلٰی مِثْلِ مَا اَصَابَ اُخْتَهَا فِی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَاِنِّیْ لَفِیْ جِوَارِ مَنْ هُوَ اَعَزُّ مِنْكَ وَاَقْدَرُ یَا اَبَا عَبْدِ شَمْسٍ

"بخدا! میری درست آنکھ بھی چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے بھی ایسا ہی طمانچہ لگے اور اے ابا عبد شمس! میں اب اس ذات کی پناہ میں ہوں جو تجھ سے زیادہ معزز اور تجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔" (۱)

ولید نے کہا میرے بھتیجے! اب بھی اگر تم میری پناہ میں آنا چاہو تو آسکتے ہو۔ عثمان نے جواب دیا ہرگز نہیں۔

ابو سلمہ بھی ان مہاجرین میں سے تھے جو مکہ لوٹ آئے تھے ان کو حضرت ابو طالب نے پناہ

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۴۹۰

دی تھی۔ ان کے قبیلہ بنو مخزوم کے چند آدمی حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور اعتراض کیا کہ آپ نے ہمارے اس آدمی کو کیوں پناہ دی ہے آپ نے فرمایا یہ میرا بھانجا ہے اس نے مجھ سے پناہ مانگی میں کیسے انکار کر سکتا تھا۔ اگر میں اپنے بھانجے کو پناہ نہیں دے سکتا تو پھر اپنے بھتیجے کو کیونکر پناہ دے سکوں گا۔

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں نے جب یہ افواہ سنی کہ مکہ کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو ان کے لئے اپنے وطن سے دور قیام اب از بس مشکل ہو گیا۔ ان میں سے اکثر واپس چلے آئے لیکن جب یہاں پہنچے تو ان کے ہم وطنوں نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا اور خوب جی بھر کر ان کو ستانا شروع کیا۔

جتنا عرصہ یہ لوگ ان کے ظلم و ستم سے محفوظ رہے تھے اس کی بھی کسر نکال دی تو رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی اللہ کے یہ بندے اس سرزمین کی طرف پھر روانہ ہو گئے جہاں وہ آزادی سے اپنے مالک حقیقی کی عبادت کر سکتے تھے۔ اس دفعہ ان کے ہمراہ کئی دوسرے مسلمان بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے اب ان کی تعداد تراسی تھی۔ مہاجر خواتین کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا پہلے صرف چار خواتین نے ہجرت کی تھی اب ان کی تعداد اٹھارہ ہو گئی ان میں سے گیارہ کا تعلق قریشی خاندانوں سے تھا اور باقی سات دوسرے قبائل سے تھیں۔ اس قافلہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ اگرچہ ابن اسحاق نے ان کو مہاجرین کے پہلے قافلہ میں شامل کیا ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ کی تحقیق یہ ہے کہ آپ نے دوسرے قافلہ کے ہمراہ حبشہ کا قصد کیا۔

علامہ ابن کثیر اور دیگر سیرت نگاروں نے ان مہاجرین کے اسماء گرامی بالتفصیل اپنی تصنیفات میں تحریر کئے ہیں۔ (۱)

دوسری مرتبہ ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمان مع اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ بھی تھے۔ انہیں بہت افسوس تھا کہ وہ دوسری مرتبہ بھی ہجرت کر کے جا رہے ہیں لیکن انہیں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل نہیں۔

آپ نے از راہ تاسف اس امر کا ذکر بارگاہ رسالت میں کیا۔

ا۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم۔ صفحہ ۲

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَهِجْرَتُنَا الْاُوْلٰى وَهٰذِهِ الْاٰخِرَةِ اِلَى النَّجَاشِيِّ وَ لَسْتَ مَعَنَا؟

" یارسول اللہ! ہماری پہلی اور یہ دوسری ہجرت نجاشی کی طرف ہے اور حضور ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ "

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اَنْتُمْ مُهَاجِرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَاِلَيَّ۔ لَكُمْ هَاتَانِ الْهِجْرَتَانِ جَمِيْعًا۔

" حضور نے فرمایا (افسوس مت کرو) تمہاری یہ دونوں ہجرتیں اللہ تعالیٰ کی طرف اور میری طرف ہیں۔ "

یہ سن کر حضرت عثمان نے عرض کی فَحَسْبُنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اگر ایسا ہے تو پھر ہم راضی ہیں۔ ہمیں اتنا ہی کافی ہے۔ (۱)

جب مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد مکہ کو چھوڑ کر حبشہ چلی گئی تو کفار مکہ کو بہت فکر لاحق ہو گئی ان میں ان کے عزیز و اقارب بھی تھے۔ جن کی جدائی انہیں بڑی شاق گزر رہی تھی نیز انہیں یہ اندیشہ بھی ہر وقت مضطرب رکھتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں مسلمان اپنی طاقت جمع کر کے ہم پر دھاوا بول دیں چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ کر کے عمرو بن العاص، اور عمارہ بن ولید (علامہ ابن ہشام نے عمارہ کی جگہ عبداللہ بن ابی ربیعہ کا نام لکھا ہے) کو اپنا سفیر بنا کر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا یہ دونوں سفیر بڑے زیرک اور سیاسی امور کے ماہر تھے۔ انہیں کہا کہ وہ نجاشی سے ملاقات کریں اور ہر ممکن طریقہ سے اس کو ایسا متاثر کریں کہ وہ ان لوگوں کو وہاں سے نکال دے اور مکہ آنے پر مجبور کر دے۔ اس سفارت کو مؤثر بنانے کے لئے انہوں نے بڑے نفیس اور گراں قیمت تحائف بھی انہیں دیئے۔ بادشاہ کے لئے دیگر تحائف کے علاوہ ایک قیمتی عربی گھوڑا اور ایک بیش بہا ریشمی جبہ بھی بھیجا۔ (۲)

اس کے علاوہ شاہی دربار کے جتنے مذہبی پیشوا اور امراء تھے ہر ایک کے لئے مکہ کے مشہور چمڑے کی مصنوعات تحفہ کے طور پر بھیجیں اور انہیں تاکید کی کہ بادشاہ سے ملاقات کرنے سے پہلے ان پادریوں اور امراء دربار سے ملاقات کریں ان کو تحائف پیش کریں ان کو پوری طرح اپنا ہم نوا بنائیں اور ان سے وعدہ لیں کہ وہ نجاشی کو یہ مشورہ دیں گے کہ ان لوگوں کو وطن

۱۔ طبقات ابن سعد، جلد اول، صفحہ ۲۰۷

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۸

واپس جانے پر مجبور کرے۔

یہ دونوں سفیر اپنی قوم کے بہترین نمائندے تھے وہاں پہنچ کر انہوں نے پہلے ہر بشپ اور رئیس کی خدمت میں حاضری دی۔ تحائف پیش کیے پھر انہیں بتایا کہ ہمارے شہر اور قوم کے چند احمق اپنا گھربار چھوڑ کر یہاں چلے آئے ہیں۔ انہوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے اور آپ کا مذہب بھی قبول نہیں کیا بلکہ ایک نیا عقیدہ گھڑ لیا ہے۔ ہمیں برا بھلا کہتے ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کو جہنمی قرار دیتے ہیں ہمارے معبودوں کا مذاق اڑاتے ہیں ہمیں یہ بھی خطرہ ہے کہ کہیں وہ یہاں بھی اپنے نظریات کی تبلیغ کر کے آپ کے ملک کے امن و سکون کو بھی درہم برہم نہ کر دیں جس طرح مکہ میں گھر گھر میں انہوں نے فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے ہمیں اپنی قوم نے آپ کے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ وہ انہیں واپس اپنے وطن جانے کا حکم دے ہم بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی معروضات پیش کریں گے ہم آپ حضرات سے توقع کرتے ہیں کہ آپ بھی اس مسئلے میں ہماری امداد فرمائیں اور بادشاہ کو مشورہ دیں کہ وہ ہماری اس عرضداشت کو شرف قبول بخشے۔ سب نے ان کی مدد کرنے کی ہامی بھرلی۔

سب پادریوں سے اپنی امداد کا وعدہ لینے کے بعد اب وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے پہلے بادشاہ کو سجدہ کیا۔ پھر دست بستہ اس کے سامنے مؤدب ہو کر کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ ان کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آیا ایک کو اپنی دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص کو تخت پر اپنے پاس بٹھایا۔ انہوں نے رؤساء مکہ کی طرف سے اعلیٰ عربی نسل کا گھوڑا اور نفیس ترین ریشمی جبہ بطور نذرانہ اس کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر اپنی آمد کی غرض و غایت بیان کرنے کی اجازت طلب کی شاہی اذن ملنے پر عمرو بن العاص گویا ہوئے۔

"اے جہان پناہ! ہمارے قریبی رشتہ داروں میں سے چند لوگ یہاں آپ کے ملک میں آکر رہائش پذیر ہو گئے ہیں انہوں نے ہم سے قطع تعلق کر لیا ہے ہمارے خداؤں کی پرستش ترک کر دی ہے اور آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا۔ بلکہ ایک نیا مذہب گھڑ لیا ہے۔ جس کے بارے میں نہ ہمیں کچھ علم ہے اور نہ آپ کو کچھ خبر ہے۔ ہمیں قریش کے سرداروں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ انہیں اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دیں۔ اور انہیں فرمائیں کہ وہ اپنے وطن اپنے اہل و عیال کے پاس چلے جائیں"۔

بادشاہ نے بڑے غور سے ان کی باتیں سنیں۔ پھر پوچھا۔ وہ لوگ کہاں ہیں۔ انہوں نے

بتایا کہ وہ آپ کے ملک میں رہتے ہیں۔ بادشاہ نے قاصد بھیجا اور انہیں اپنے پاس بلوایا۔ بادشاہ کے درباریوں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ انہیں یہاں بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ لوگ ان کے ہم وطن بھی ہیں اور رشتہ دار بھی۔ ان کے حالات سے بھی پوری طرح باخبر ہیں۔ انہوں نے ان کے بارے میں جو بتایا ہے وہی کافی ہے۔ آپ ان لوگوں کے نام فرمان جاری کریں کہ وہ یہاں سے نکل جائیں اور اپنے وطن واپس چلے جائیں۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں کے اس مشورہ کو مسترد کر دیا۔ کہا کہ جب تک میں ان سے نہ پوچھ لوں۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ عمرو بن العاص نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا جہاں پناہ! وہ بڑے متکبر لوگ ہیں۔ وہ شاہی دربار کے آداب بھی بجا نہیں لائیں گے اور آپ کو سجدہ بھی نہیں کریں گے۔ جب وہ دربار شاہی میں حاضر ہوں گے تو ان کا متکبرانہ طرز عمل ہمارے قول کی خود تصدیق کر دے گا۔

حضرت ام سلمہ جن کو بعد میں ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا یہاں سے ہم ان کی روایت کے مطابق حالات بیان کرتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کہ جب ہم لوگ حبشہ پہنچ گئے اور شاہ حبشہ نجاشی نے ہمیں اپنی پناہ میں رہائش کی اجازت دے دی تو ہم کو یہاں اپنے دین کے بارے میں مکمل امن نصیب ہو گیا۔ ہم جس طرح چاہتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ کوئی شخص نہ ہمیں اذیت پہنچاتا اور نہ گفتگو سے ہماری دل آزاری کی جاتی۔ قریش کو جب ہمارے ان خوش کن حالات کا علم ہوا تو انہوں نے تمام رؤساء کو بلا کر ہمارے بارے میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ اہل مکہ میں سے دو ایسے آدمیوں کا انتخاب کیا جائے جو بڑے زیرک، دانا، معاملہ فہم اور سیاسی امور میں مہارت رکھتے ہوں انہیں بطور سفیر نجاشی کے پاس بھیجا جائے۔ اور ان کے ہمراہ چمڑے کی قیمتی اور نفیس مصنوعات بطور تحفہ بھیجی جائیں۔ ہمارے نمائندے یہ تحائف ان کے پادریوں اور ان کے مذہبی رہنماؤں کو بطور تحفہ پیش کریں اور ان کے ذریعہ بادشاہ تک رسائی حاصل کر کے اس سے یہ حکم جاری کرائیں کہ یہ لوگ حبشہ کو چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے جائیں۔ اس کام کے لئے انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو منتخب کیا۔

ان کی ذہانت، اور سیاسی داؤ و پیچ میں ان کی مہارت مسلم تھی۔ چنانچہ ان کو بلا کر یہ ہدایات دیں کہ تم وہاں جا کر تمام پادریوں اور مذہبی علماء سے رابطہ قائم کرنا اور ان کی خدمت میں یہ تحائف پیش کرنا۔ اس کے بعد نجاشی سے ملاقات کرنا اور اس کی خدمت میں مکہ کے یہ

نوادرات بطور نذرانہ پیش کرنا۔ حافظ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے موسیٰ بن عقبہ کے حوالہ سے تحریر کیا ہے۔ (۱)

کہ بادشاہ کے لئے انہوں نے تحائف کے علاوہ ایک اعلیٰ نسل کا عربی گھوڑا اور ایک گراں بہا ریشمی جُبّہ بھی انہیں دیا۔ اور یہ تاکید کی کہ بادشاہ مسلمانوں کو ملاقات کا موقع نہ دے اور ان سے گفتگو کی نوبت ہرگز نہ آنے پائے۔ تم کوشش کرنا کہ اس کے بغیر ہی بادشاہ ان کی جلاوطنی کا حکم صادر کرے۔

چنانچہ یہ دونوں مکہ سے روانہ ہو کر حبشہ پہنچے۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں۔ ہم لوگ بڑے امن و سکون سے وہاں اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے وہاں پہنچتے ہی انہوں نے پادریوں اور مذہبی پیشواؤں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور جب بھی کسی بطریق کی خدمت میں جاتے۔ بڑے ادب و تعظیم سے سلام عرض کرتے۔ اس کی خدمت میں تحفہ پیش کرتے اور پھر یہ بتاتے کہ ہمارے شہر مکہ سے ہماری قوم کے چند احمق اور نادان نوجوان آپ کے ملک میں آکر رہائش پذیر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین بھی ترک کر دیا ہے۔ اور آپ کا دین بھی اختیار نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے ایک ایسا دین گھڑا ہے جس کو نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ۔ ہمیں ہماری قوم کے سرداروں نے آپ کے بادشاہ سلامت کی خدمت میں بھیجا ہے کہ وہ انہیں اپنے ملک سے جلاوطن کر دے۔ آپ حضرات سے ہماری درخواست یہ ہے کہ جب ہم بادشاہ کی خدمت میں اپنی یہ عرضداشت پیش کریں۔ تو آپ ہماری سفارش فرمائیں اور بادشاہ کو کہیں کہ ان لوگوں سے گفتگو کئے بغیر انہیں یہاں سے نکل جانے کا حکم صادر فرمائے کیونکہ ان کے حالات سے اور ان کی حماقتوں اور نادانیوں سے ان کی قوم جس قدر واقف ہے اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

ان مذہبی پیشواؤں نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ ضرور اس معاملہ میں ان کی مدد کریں گے۔ مذہبی پیشواؤں کو اپنا ہم نوا بنانے کے بعد یہ دونوں سفیر بادشاہ کی خدمت میں پہنچے۔ پہلے اس کو سجدہ کیا پھر بڑے ادب و احترام سے اس کی خدمت میں وہ تحائف پیش کئے۔ جن کو اس نے قبول کر لیا۔ (۲)

پھر انہوں نے مدعا بیان کرنا شروع کیا۔

"اے بادشاہ! ہمارے شہر کے چند بے وقوف اور احمق نوجوان آپ کے ملک میں رہائش

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۸ ۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۱۸

پذیر ہو گئے ہیں ان احمقوں نے اپنی قوم کا دین ترک کر دیا ہے اور آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایک نیا دین گھڑا ہے۔ جس کو نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ جانتے ہیں۔ ہمیں ہماری قوم کے سرداروں نے جوان لوگوں کے باپ۔ چچے اور قریبی رشتہ دار ہیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں مکہ واپس جانے کا حکم دیں۔ ان کی قوم کے لوگ ان کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہیں اور ان کی معیوب اور نازیبا حرکتوں سے آگاہ ہیں انہیں نازیبا حرکتوں کی وجہ سے انہوں نے ان کو سرزنش کی اور وہ بھاگ کر یہاں چلے آئے۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں۔ کہ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو اس سے زیادہ اور کوئی بات ناگوار نہ تھی کہ نجاشی مسلمانوں سے گفتگو کرے۔

عمرو بن العاص جب بادشاہ کی خدمت میں عرضداشت پیش کرنے سے فارغ ہوئے تو ان مذہبی پیشواؤں نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

اے بادشاہ! ان دونوں نے سچ کہا ہے بے شک ان کی قوم ان کے عیوب اور ان کی حماقتوں سے اچھی طرح باخبر ہے۔ آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیجئے تاکہ یہ انہیں اپنے ملک میں واپس لے جائیں اپنے پادریوں کی یہ بات سن کر نجاشی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا وہ کہنے لگا۔ خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو گا یوں میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔ انہوں نے پناہ کے لئے میری ہمسائیگی اور میرے ملک کو پسند کیا ہے۔ دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر انہوں نے میرا اسہارا لیا ہے جب تک انہیں بلا کر میں ان سے حالات دریافت نہ کروں۔ اس وقت تک میں انہیں ان کے حوالے نہیں کروں گا۔ میں ان سے پوچھوں گا اگر انہوں نے ان دونوں کے الزامات کی تصدیق کی تو انہیں یہاں سے واپس بھیج دوں گا۔ لیکن اگر معاملہ کچھ اور ہوا تو ان کی حفاظت کروں گا اور جب تک وہ میری پناہ میں رہیں گے ان کے ساتھ حسن مروت سے پیش آؤں گا۔

پھر اس نے صحابہ کرام کو بلانے کے لئے اپنا قاصد بھیجا جب وہ قاصد وہاں پہنچا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے اکٹھے ہو کر مشورہ کرنا شروع کیا۔ بعض نے کہا کہ اس شخص کے پاس جب تم جاؤ گے تو تم کیا کہو گے۔ وہ لوگ جن کے رگ وپے میں ایمان سرایت کئے ہوئے تھا۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی برکت سے سارے خوف اور اندیشے ان کے دل سے کافور ہو چکے تھے۔ انہوں نے اس سوال کا یہ جواب دیا۔

نَقُولُ وَاللّٰهِ مَا عَلِمْنَا وَمَا اَمَرَنَا بِهٖ نَبِيُّنَا كَائِنًا فِي ذٰلِكَ مَا

هُوَ کَائِنٌ۔

"بخدا ہم وہی کہیں گے جس کا ہمیں علم ہے اور جس چیز کا ہمیں ہمارے نبی کریم نے حکم دیا ہے خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو۔"

یہ تہیہ کرنے کے بعد ان وفاشعاروں کا گروہ جب نجاشی کے پاس پہنچا تو نجاشی نے ان کے آنے سے پہلے اپنے پادریوں کو بھی وہاں جمع کر رکھا تھا اور وہ اپنی کتابیں کھول کر بیٹھے ہوئے تھے۔ نجاشی نے غلامان مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثنا کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

کہ وہ کیسا دین ہے جس کے لئے تم نے اپنا آبائی مذہب بھی چھوڑ دیا اور میرا دین بھی قبول نہیں کیا اور نہ کسی اور مذہب کو اختیار کیا۔

مسلمانوں نے اپنی ترجمانی کے لئے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ منتخب کیا۔ آپ بادشاہ کے سوال کا جواب دینے کے لئے اٹھے اور یوں گویا ہوئے۔

حقیقت اسلام کے بارے میں شاہ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفر کا خطاب

اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے۔ بتوں کی پوجا کیا کرتے۔ مردار کھایا کرتے اور بدکاریاں کیا کرتے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرتے ہم میں سے طاقتور، غریب کو کھا جایا کرتا۔ ہمارا یہ ناگفتہ بہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم میں سے ایسا رسول بھیجا جس کے نسب کو بھی ہم جانتے ہیں جس کی صداقت، امانت اور عفت سے بھی ہم اچھی طرح آگاہ ہیں اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ کہ ہم اس کو وحدہ لاشریک مانیں۔ اور اسی کی عبادت کریں اور وہ پتھر اور بت جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے ان کی بندگی کا پٹہ اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں۔ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ ہمسایوں کے ساتھ عمدگی سے پیش آئیں۔ برے کاموں سے اور خونریزیوں سے باز رہیں۔ اس نے ہمیں فسق و فجور۔ جھوٹ بولنے یتیموں کا مال کھانے۔ پاکدامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ نیز اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں زکوٰۃ دیں اور روزے رکھیں۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حضرت جعفر نے اسلام کی تعلیمات کو بڑی تفصیل سے گن گن

کر پیش کیا پھر فرمایا۔ چنانچہ ہم نے اس رسول مکرم کی تصدیق کی ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جو حکم وہ لے کر ہمارے پاس آئے تھے ہم نے ان کی پیروی کی۔ ہم صرف اللہ وحدہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ جن چیزوں کو اس نے ہمارے لئے حرام کیا ہم ان کو حرام سمجھتے ہیں اور جن کو ہمارے لئے حلال کیا۔ ان کو ہم حلال سمجھتے ہیں۔ ہمارا یہ جرم ہے جس کی وجہ سے ہماری قوم نے ہم پر زیادتیاں کیں۔ ہمیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں اور ہمیں اپنے دین سے روگرداں کرنے کے لئے فتنوں میں مبتلا کیا۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر پھر بتوں کی پوجا شروع کر دیں اور جن ناپاک چیزوں کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے ان کو پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انہوں نے ہم پر جبر و قہر اور ظلم و ستم کی انتہا کر دی اور ہم پر جینا حرام کر دیا اور ہمیں اپنے دین کی تعلیمات پر عمل کرنے سے باز رکھا۔ تو ہم اے بادشاہ سلامت! اپنے ملک کو چھوڑ کر آپ کے ملک میں آگئے۔ دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر ہم نے آپ کو پسند کیا اور آپ کی پناہ کو ترجیح دی۔ ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ ہمیں آپ کے زیر سایہ ستایا نہیں جائے گا۔

نجاشی نے کہا۔

کہ جو کتاب اللہ کی طرف سے آپ کے نبی پر نازل ہوئی ہے کیا اس کا کچھ حصہ تمہیں یاد ہے حضرت جعفر نے کہا ہاں۔ مجھے یاد ہے نجاشی نے کہا مجھے پڑھ کر سناؤ۔ حضرت جعفر نے سورہ کھیعص (مریم) کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت شروع کی۔ وہ کیا سہانہ منظر ہو گا نجاشی کا دربار ہے۔ اس کے امراء اور مذہبی پیشوا اپنی زر نگار کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مکہ کے دو سفیر بھی وہاں موجود ہیں۔ اس اجنبی ماحول میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی سورہ مریم کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے انوار کی کیسی رم جھم شروع ہوئی ہو گی آپ تلاوت کر رہے ہیں اور نجاشی پر اور عیسائی علماء پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپکنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی کتابوں کے ورق ان آنسوؤں سے بھیگ جاتے ہیں۔ جب آپ تلاوت فرما چکے۔ تو نجاشی نے اپنی رقت پر قابو پاتے ہوئے کہا بخدا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے یہ ایک ہی شمع کی شعاعیں ہیں اور ایک ہی چشمہ کی موجیں ہیں۔

پھر نجاشی نے ان دونوں سفیروں کو مخاطب کر کے کہا۔

آپ یہاں سے چلے جائیں میں ان لوگوں کو کبھی آپ کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں

ہوں۔ جب وہ دونوں خائب و خاسر وہاں سے نکلے تو عمرو بن العاص نے اپنے ساتھی عبداللہ بن ابی ربیعہ کو کہا کل میں ان کے بارے میں ایسی چال چلوں گا جو ان کی جڑیں اکھیڑ کر رکھ دے گی۔ عبداللہ نسبتاً رحمدل تھا۔ اس نے کہا کہ ایسی کوئی حرکت نہ کرنا جس سے ان کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں آخر وہ ہمارے قریبی رشتہ دار ہیں لیکن عمرو بن العاص نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ کل وہ پھر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر مسلمانوں کے بارے میں ایسی بات اسے بتائے گا جسے سن کر نجاشی ان پر غضب ناک ہو کر انہیں عبرت ناک سزا دے گا۔

دوسرے روز بادشاہ جب اپنے دربار میں اپنے تخت پر آکر بیٹھا تو عمرو بن العاص نے آگے بڑھ کر اسے کہا جہاں پناہ! یہ عیسیٰ بن مریم کے حق میں بڑی نازیبا باتیں کرتے ہیں آپ انہیں بلا کر پوچھیے تاکہ آپ کو ان کے عقیدہ کا پتہ چل جائے۔

بادشاہ نے مسلمانوں کو پھر بلا بھیجا حضرت ام سلمیٰ فرماتی ہیں۔ کہ اس دوسری طلبی پر ہمیں بڑا فکر لاحق ہوا پھر سارے مسلمان اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ مشورہ کرنے لگے کہ اگر اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہم سے کوئی سوال کیا تو ہمیں کیا جواب دینا چاہئے۔ قوت ایمانی نے ان کے حوصلوں کو بلند کر دیا انہوں نے متفقہ طور پر یہی فیصلہ کیا۔

نَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا قَالَ اللّٰهُ وَمَا جَاءَنَا بِهٖ نَبِيُّنَا كَائِنٌ فِيْ ذٰلِكَ مَا هُوَ كَائِنٌ۔

"بخدا ہم اس سوال کا وہی جواب دیں گے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور جو ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہمیں بتایا ہے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔"

یہ طے کرنے کے بعد سب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نجاشی کی طرف روانہ ہوئے اس کے دربار میں جب پہنچے تو نجاشی نے جھٹ یہ سوال پوچھا۔

مَاذَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ؟

"عیسیٰ بن مریم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔"

خطیب اسلام حضرت جعفر بن ابی طالب کھڑے ہوئے اور بڑی جرأت و دلیری سے فرمایا۔

نَقُوْلُ فِيْهِ الَّذِيْ جَاءَنَا بِهٖ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ وَرُوْحُهٗ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ الْعَذْرَاءِ

الْبَتُوْلِ۔

"ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بتایا ہے آپ اللہ کے بندے اللہ کے رسول، اللہ کی روح، اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کنواری اور عبادت گزار مریم کے اندر ڈالا ہے۔"

یہ سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور وہاں سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا۔

وَاللّٰهِ مَا عَدَا عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ مَا قُلْتَ هٰذَا الْعُوْدَ

"کہ بخدا جو تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا ہے وہ اس تنکا کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔"

علامہ ابن کثیر نے یہاں مسند امام احمد کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ نجاشی نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

مَرْحَبًا بِكُمْ وَبِمَنْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِهٖ اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّهُ الَّذِيْ نَجِدُ فِي الْاِنْجِيْلِ وَاَنَّهُ الرَّسُوْلُ الَّذِيْ بَشَّرَ بِهٖ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اَنْزِلُوْا حَيْثُ شِئْتُمْ وَاللّٰهِ لَوْلَا مَا اَنَا فِيْهِ مِنَ الْمُلْكِ لَاَتَيْتُهٗ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّذِيْ اَحْمِلُ نَعْلَيْهِ وَاُوَضِّئُهٗ

میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں اور جس ہستی کے پاس سے تم آئے ہو اسے بھی مرحبا کہتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں یہ وہی رسول ہیں جن کی آمد کا مژدہ عیسیٰ بن مریم نے دیا تھا۔ میرے ملک میں جہاں چاہو قیام کرو۔ خدا کی قسم! اگر مجھے حکومت کی مجبوریاں نہ ہوتیں تو میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضور کا کفش بردار بنتا اور وضو کرانے کی سعادت حاصل کرتا۔ (۱)

مسلمانوں کو کہا تم جاؤ اور میرے ملک میں آرام سے رہو۔ جس نے تمہارے ساتھ بد کلامی کی۔ میں اس پر تاوان لگاؤں گا۔ یہ جملہ اس نے تین بار دہرایا۔ پھر کہا کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میں تم میں سے کسی ایک کو ان کے حوالے کروں اور وہ مجھے اس کے بدلے میں سونے کا ایک پہاڑ دے دیں۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۰

پھر بادشاہ نے اپنے درباری کو کہا کہ ان مکہ والوں نے جو تحائف دیے ہیں وہ سب انہیں واپس کر دو میرے خدا نے جب یہ ملک مجھے واپس دیا تھا تو مجھ سے رشوت نہیں لی تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات نہیں مانی تھی تا کہ ان مسلمانوں کے بارے میں اب میں لوگوں کی بات مانوں۔

اس طرح یہ دونوں مکہ کے نمائندے خائب و خاسر۔ ناکام و نامراد اپنے وطن واپس لوٹ گئے۔ (۱)

علامہ ابن کثیر نے اس واقعہ کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت جعفر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نجاشی کے دربار میں تشریف لے گئے۔ تو انہوں نے شاہی دربار کے آداب کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ سر اٹھائے ہوئے اسے السلام علیکم کہا۔ بادشاہ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تم نے شاہی دربار کے آداب کے مطابق مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ تو حضرت جعفر نے جواب دیا۔

> ہم اللہ کے بغیر اور کسی کو سجدہ نہیں کیا کرتے۔ اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ اہل جنت جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو وہ اسی طرح ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں ہم بھی آپس میں ایک دوسرے کو انہیں الفاظ سے سلام کہتے ہیں۔ اور انہی الفاظ سے ہم نے آپ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ (۲)

نجاشی نے اپنے درباریوں سے گفتگو کی اس میں اس نے کہا کہ۔

> اللہ تعالیٰ نے جب میرا ملک مجھے لوٹایا تو اس نے مجھ سے رشوت نہیں لی۔

اس سے اس نے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کیا جس کو اجمالاً یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ نجاشی کا باپ حبشہ کا بادشاہ تھا۔ اور یہ نجاشی اس کا اکلوتا بیٹا تھا نجاشی کا ایک چچا تھا جس کے بارہ لڑکے تھے حبشہ کے لوگوں نے سوچا کہ اگر ہم نجاشی کے باپ کو قتل کر دیں اور اس کے بھائی کو اپنا بادشاہ بنالیں تو اس کے بارہ لڑکے ہیں اگر ان میں سے کوئی فوت بھی ہو جائے تو اس کا جانشین شاہی خاندان سے ہمیں مل جائے گا اور یکے بعد

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۳۵۶۔ ۳۶۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۲۲

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۸۔ ۱۹

دیگرے مدت دراز تک وہ یہاں کی حکومت سنبھالے رہیں گے چنانچہ انہوں نے نجاشی کے باپ کو قتل کر دیا اور اس کے بھائی یعنی نجاشی کے چچا کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ نجاشی اپنے چچا کے پاس نشو ونما پاتا رہا۔ یہ بڑا عقلمند اور زیرک تھا اس کا چچا امور حکومت میں اس پر اعتماد کرتا تھا۔ جب اہل حبشہ نے دیکھا کہ اس لڑکے نے اپنے چچا کے دل و دماغ پر تسلط جمالیا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اسی کو اپنا جانشین بنادے اگر یہ بادشاہ بن گیا تو اسے معلوم ہے کہ ہم اس کے باپ کے قاتل ہیں یہ ہم سب سے انتقام لے گا چنانچہ وہ نجاشی کے چچا کے پاس گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ یا تو اس نوجوان کو قتل کر دو یا اس کو ملک بدر کر دو۔ ہمیں اس سے اندیشہ ہے کہ وہ بر سر اقتدار آکر ہمارا صفایا کر دے گا۔

اس نے کہا ظالمو! کل میں نے اس کے باپ کو قتل کیا اور آج میں اس کو قتل کر دوں یہ کہاں کا انصاف ہے اگر تم مجبور کرتے ہو تو میں اسے ملک بدر کر دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ اسے لے کر ایک بازار میں گئے وہاں ایک شخص کے ہاتھ چھ سو درہم کے بدلے اسے فروخت کر دیا اس نے اسے کشتی میں بٹھایا اور اپنے وطن کو لے چلا۔ اسی رات بادل گھر کر آگئے۔ بادشاہ بارش میں کھڑا تھا کہ بجلی گری جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس کے سارے لڑکے سخت نالائق تھے ان میں سے کوئی بھی حکومت کی ذمہ داریاں نبھانے کے قابل نہ تھا۔ اب حبشہ والے بڑے فکر مند ہوئے کہ وہ کس کو اپنا بادشاہ بنائیں۔ یہی طے پایا کہ نجاشی جس کو انہوں نے فروخت کیا ہے۔ اس کو تلاش کیا جائے اور اس کو اپنا حکمران بنایا جائے چنانچہ اس تاجر کی تلاش میں وہ نکلے۔ کوشش بسیار کے بعد وہ تاجر انہیں مل گیا نجاشی کو اس کے قبضے سے انہوں نے لے لیا اور اس کو آکر تخت نشین کر دیا۔ لیکن تاجر کو وہ قیمت واپس نہ کی جو اس نے ادا کی تھی۔ تاجر ان کے پاس آیا اور اس نے کہا یا تو میرا روپیہ مجھے واپس دو یا میں بادشاہ سے تمہاری شکایت کرتا ہوں انہوں نے کہا تمہیں کچھ نہیں دیں گے۔ اس نے کہا اب میں تمہاری شکایت بادشاہ کے سامنے کروں گا چنانچہ وہ بادشاہ کے پاس گیا اس کی خدمت میں جاکر گزارش کی کہ میں نے بازار میں ایک قوم سے ایک غلام خریدا تھا جس کی قیمت چھ سو درہم ادا کی تھی۔ جب میں وہ غلام لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا تو انہوں نے میرا تعاقب کر کے مجھے پکڑ لیا مجھ سے وہ غلام چھین لیا لیکن میری رقم مجھے واپس نہیں کی۔ نجاشی نے کہا اے قوم! یا تو اس تاجر کی رقم واپس کر دو ورنہ اس کا غلام اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دے گا اور جدھر اس کا جی چاہے گا اسے لے جائے گا۔ قوم نے وہ قیمت اس کو واپس کر دی۔

اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نجاشی نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب میرا ملک مجھے واپس کیا تو مجھ سے رشوت نہیں لی۔ اور میرے بارے میں لوگوں کی بات نہیں مانی۔ (۱)

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف گرامی نامہ لکھا اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دی اور مسلمان مہاجرین سے حسن سلوک کی اسے تلقین بھی فرمائی وہ خط درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلَى النَّجَاشِيِّ الْاَصْحَمِ مَلِكِ الْحَبَشَةِ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الْمَلِكَ الْقُدُّوْسَ الْمُؤْمِنَ الْمُهَيْمِنَ ۔

وَاَشْهَدُ اَنَّ عِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ الْبَتُوْلِ الطَّاهِرَةِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِيْنَةِ وَحَمَلَتْ بِعِيْسٰى وَخَلَقَهُ اللّٰهُ مِنْ رُوْحِهٖ وَنَفْخَتِهٖ كَمَا خَلَقَ اٰدَمَ بِيَدِهٖ وَنَفْخِهٖ ۔

وَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ اِلَى اللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَالْمُوَالَاةِ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَاَنْ تَتَّبِعَنِيْ فَتُؤْمِنَ بِيْ وَبِالَّذِيْ جَاءَنِيْ فَاِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَقَدْ بَعَثْتُ اِلَيْكَ اِبْنَ عَمِّيْ جَعْفَرًا وَمَعَهٗ نَفَرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِذَا جَاءُوْكَ فَاَقْرِهِمْ وَدَعِ التَّجَبُّرَ وَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ وَجُنُوْدَكَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ فَاقْبَلُوْا نَصِيْحَتِيْ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی الاصحم کی طرف جو حبشہ کا بادشاہ ہے تم پر سلامتی ہو میں اللہ تعالیٰ کی تیرے سامنے تعریف کرتا ہوں جو بادشاہ ہے جو پاک ہے جو امن دینے والا ہے جو محافظ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ اللہ کی روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں۔ جو اس نے مریم میں القا کیا۔ جو عبادت گزار۔ پاکیزہ۔ پاک دامن عصمت شعار تھیں۔ اور وہ عیسیٰ سے حاملہ ہوئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی روح اور پھونک سے پیدا کیا۔ جس طرح آدم

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۲۲

کو اپنے دست قدرت اور اپنی پھونک سے پیدا کیا۔
میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے اور اس کی اطاعت کی طرف بلاتا ہوں اور تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تو میری پیروی کر۔ اور جو مجھ پر نازل ہوا اس پر ایمان لے آ بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے تیری طرف اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے اور اس کے ساتھ چند مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئیں تو تو ان کی میزبانی کر۔ اور ان پر تشدد نہ کرنا میں تجھے اور تیری فوجوں کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں نے اپنا پیغام تجھے پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا پس میری نصیحت کو قبول کرو۔
اور جو شخص ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلامتی ہو۔ "(۱)

اس گرامی نامہ کے ملنے سے نجاشی کا بخت بیدار ہو گیا اور اس کا مقدر سنور گیا اس نے اس دعوت کو قبول کیا اور مشرف باسلام ہوا اور حضور کی بارگاہ عالی میں ایک عریضہ بھی تحریر کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ - إِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّجَاشِيِّ الْاَصْحَمِ بْنِ اَبْجَرَ سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مِنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الَّذِيْ هَدَانِيْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَقَدْ بَلَغَنِيْ كِتَابُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ - فِيْمَا ذَكَرْتَ فِيْهِ مِنْ اَمْرِ عِيْسٰى فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا يَزِيْدُ عَلٰى مَا ذَكَرْتَ وَقَدْ عَرَفْنَا مَا بَعَثْتَ بِهٖ اِلَيْنَا وَقَرَّبْنَا اِبْنَ عَمِّكَ وَاَصْحَابَهٗ فَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَادِقًا وَّمُصَدَّقًا وَقَدْ بَايَعْتُكَ وَبَايَعْتُ اِبْنَ عَمِّكَ وَاَسْلَمْتُ عَلٰى يَدَيْهِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَاَرْسَلْتُ اِلَيْكَ بِاَرِيْحَا ابْنِ الْاَصْحَمِ بْنِ اَبْجَرَ فَاِنِّيْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ اٰتِيَكَ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّ مَا تَقُوْلُ حَقٌّ

" یہ عریضہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں نجاشی اصحم بن ابجر کی طرف سے ہے۔ اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ کے آپ پر سلام

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۴۲

ہوں اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اس ذات کے جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے یارسول اللہ! حضور کا گرامی نامہ مجھے مل گیا ہے اور اس میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے آسمانوں اور زمین کے رب کی قسم عیسیٰ اس سے زائد نہیں ہیں۔ جو حضور نے ہماری طرف بھیجا ہم نے اس کو پہچانا اور ہم نے آپ کے چچا کے بیٹے اور اس کے ہمراہیوں کی میزبانی کی پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں جن کی تصدیق کی گئی ہے میں نے حضور کی بیعت کی ہے اور حضور کے چچا زاد بھائی کی بیعت بھی کی ہے اور میں نے اللہ رب العالمین کے لئے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے۔ میں حضور کی خدمت میں (اپنا بیٹا) باریحا بن الاصحم بن ابجر بھیج رہا ہوں۔ میں اپنے نفس کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں۔ یارسول اللہ! حضور حکم فرمائیں تو میں حاضر خدمت ہو جاؤں۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور کا ہر فرمان حق ہے۔ (۱)

اس خط سے معلوم ہو گیا کہ اس نے اپنے جذبات عقیدت کے اظہار کے لئے اور اپنے مسلمان ہونے کی شہادت پیش کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو بارگاہ رسالت میں روانہ کیا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو گرامی نامہ نجاشی کو لکھا تھا۔ اس میں دو باتیں لکھی تھیں ایک تو اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور دوسری مسلمان مہاجروں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دی تھی۔ نجاشی نے ان دونوں ارشادات پر پوری طرح عمل کر کے دکھایا اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی نوازشات کیں اور اپنی شان بندہ نوازی کی اس کے ساتھ حد کر دی۔

چنانچہ ایک مرتبہ نجاشی کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کے لئے آیا حضور بنفس نفیس ان کے آرام و آسائش کا خیال فرماتے اور خود ان کی خدمت بجا لاتے۔

فَقَالَ اَصْحَابُهٗ نَحْنُ نَكْفِيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

"صحابہ نے عرض کی اے اللہ کے پیارے رسول! حضور کیوں تکلیف

۱۔ خاتم النبیین۔ امام محمد ابو زہرہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۰۸

فرماتے ہیں۔ "

ہم سب حضور کی طرف سے ان کی خدمت بجالانے کے لئے حاضر ہیں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔

اس بندہ نواز آقا نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا لِأَصْحَابِي مُكْرِمِينَ وَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أُكَافِئَهُمْ۔

"کہ یہ وہ لوگ ہیں جب میرے صحابہ ان کے ہاں گئے تھے تو انہوں نے ان کی بڑی عزت و تکریم کی تھی اب میں چاہتا ہوں کہ میں انہیں اس کا بدلہ دوں۔ " (۱)

ابو موسیٰ اشعری اور ان کے ساتھی

مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے والوں کے علاوہ پچاس مہاجرین کا ایک اور جتھہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی معیت میں یمن سے حبشہ پہنچا اس کے بارے میں امام بخاری باب ہجرۃ الحبشہ کے ضمن میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے یہ روایت نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

ہم یمن میں تھے ہمیں یہ اطلاع ملی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ہیں۔ ہم وہاں سے کشتیوں میں سوار ہو کر روانہ ہوئے تاکہ حضور کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کریں۔ لیکن راستہ میں ہمیں سمندری طوفان نے آلیا اور ہماری کشتیاں حبشہ کے ساحل پر جالگیں وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی چنانچہ ہم نے وہیں اقامت اختیار کر لی اور کئی سال وہاں قیام کیا اور ہم اس وقت حضرت جعفر کی معیت میں مدینہ طیبہ واپس آئے جب کہ خیبر کے سارے قلعے فتح ہو چکے تھے اور ان پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَكُمْ أَنْتُمْ أَهْلَ السَّفِينَةِ هِجْرَتَانِ۔

"کہ اے کشتی میں سوار ہو کر آنے والو تمہیں دو ہجرتوں کا ثواب ملے گا۔ "

پہلی ہجرت اپنے وطن سے حبشہ کی طرف اور دوسری ہجرت حبشہ سے مدینہ طیبہ کی

۱۔ خاتم النبیین، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۴۰۹

طرف۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعری فرماتے ہیں۔ جب مسلمان نجاشی کے زیر سایہ امن وعافیت کے دن گزار رہے تھےاور بڑی آزادی سے اپنے رب قدوس کی عبادت کیاکرتے تھے تونجاشی کے خلاف حبشہ کے ایک شخص نے علم بغاوت بلند کر دیاہمیں اس سے بڑاقلق ہواکہ مبادا وہ باغی غالب آجائے تومعلوم نہیں وہ ہمارے ساتھ کیسابرتاؤ کرے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی جناب میں نجاشی کی کامیابی کے لئے ہروقت دست بدعا رہتے تھےاور بڑی عاجزی سے دعامانگتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نصرت فرمائے اور اسے فتح بخشے چنانچہ دریائے نیل کے دوسری جانب ایک میدان میں دونوں لشکر قوت آزمائی کے لئے جمع ہوئے صحابہ کرام نے آپس میں کہاکہ ہم میں سے کون ایساشخص ہے۔جو میدان جنگ میں جائے وہاں کے حالات کامشاہدہ کرے پھراس جنگ کے نتیجہ سے ہمیں مطلع کرے۔

حضرت زبیرجو سب سے کم عمراور نوجوان تھے وہ بولے یہ خدمت میں بجالاؤں گا۔ ایک مشک میں ہوابھری۔ اوراس کے منہ کوباندھ دیا۔ پھروہ اس کے ذریعہ دریائے نیل کو تیر کر عبور کرنے میں کامیاب ہوئےاور دوسرے کنارے پر پہنچے جہاں دونوں لشکر بر سرپیکار ہونے کی تیاری کررہے تھے۔ انہوں نے اس معرکہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی التجاؤں کوشرف قبول بخشااس باغی کو شکست ہوئی۔ وہ میدان جنگ میں ماراگیااور نجاشی کواللہ تعالیٰ نے فتح مبین عطافرمائی۔

حضرت زبیر پھر دریاکو عبور کرتے ہوئے ہمارے پاس پہنچے اور دور سے ہی اپنی چادر لہراکر ہمیں یہ خوش خبری سنائی۔

اَلَا فَابْشِرُوْا فَقَدْ اَظْهَرَ اللّٰهُ النَّجَاشِیَّ۔

"اے بندگان خدا! مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے نجاشی کو غلبہ عطافرمایا ہے۔"

ہمیں نجاشی کی اس کامیابی سے اتنی خوشی ہوئی کہ ہم اس کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم وہاں امن سے ٹھہرے رہے۔

حبشہ کے تمام مہاجرین یکبارگی واپس نہیں آئے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود تواس کے بعد جلد ہی مکہ لوٹ آئےاور مسلمانوں نے جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی ہجرت کے بارے میں سناتوان میں سے تینتیس مرداور آٹھ عورتیں حبشہ سے مدینہ طیبہ واپس آگئیں اوران میں سے

چوبیس نے غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ (۱)

ابن سعد طبقات الکبری میں لکھتے ہیں کہ یہ تینتیس مرد اور آٹھ خواتین حبشہ سے مکہ آئے۔ یہاں دو نے وفات پائی، سات کو اہل مکہ نے اپنی حراست میں لے لیا بقیہ حضرات مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ (۲)

اور حبشہ کے مہاجرین کا آخری گروہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی معیت میں اس وقت واپس مدینہ طیبہ پہنچا جب خیبر کے سارے قلعے فتح ہو چکے تھے اور ان پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَاللّٰهِ مَا اَدْرِیْ بِاَیِّهِمَا اَنَا اَسَرُّ بِفَتْحِ خَیْبَرَ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔

"میں نہیں جانتا کہ ان دو باتوں میں سے مجھے کس سے زیادہ مسرت حاصل ہوئی ہے۔ خیبر کی فتح سے یا جعفر کے آنے سے۔" (۳)

وَمَعَ جَعْفَرٍ وَهَدَایَا نَجَاشِیْ: اِبْنُ اَخِی النَّجَاشِیْ ذُوْ نَخْتَرَ اَوْ ذُوْ مِخْمَرَ اَرْسَلَهُ لِیَخْدِمَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عِوَضًا عَنْ عَمِّهٖ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَاَرْضَاهُمَا (۴)

"حضرت جعفر جب آئے تو نجاشی کی طرف سے بہت سے تحائف ہمراہ لائے۔ نجاشی نے اپنے بھتیجے "ذو نختر" یا "ذو مخمر" کو حضور کی خدمت میں بھیجا تھا کہ اس کی طرف سے حضور کی خدمت بجالائے۔"

اگرچہ مسلمانوں کو نجاشی کے زیر سایہ ہر قسم کا آرام و سکون میسر تھا۔ وہ آزادی سے اپنی عبادات بجالاتے اپنے معبود برحق کے ذکر اور یاد میں مصروف رہتے۔ کوئی ان کو منع کرنے والا نہ تھا۔ البتہ ایک حادثہ سے انہیں دوچار ہونا پڑا۔ ان کے دو ساتھی عبیداللہ بن جحش اور سکران بن عمرو بن عبد شمس نے وہاں عیسائیوں کے مزین و آراستہ گرجے دیکھے پادریوں کے کروفر کا ملاحظہ کیا ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور انہوں نے اسلام کو چھوڑ کر نصرانیت کو اختیار

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۲۴

۲۔ طبقات کبری، جلد اول، صفحہ ۲۰۷

۳۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۳۰

۴۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۳۰

کرلیا۔ اس حادثہ سے یقیناً ان کے مسلمان ساتھیوں کو قلبی رنج اور دکھ ہوا ہوگا۔ ان دونوں کی بیویاں بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ عبیداللہ کی اہلیہ حضرت ام حبیبہ تھیں اور سکران کی زوجہ کا نام سودہ بنت زمعہ تھا۔ یہ دونوں پکی مومنہ تھیں نہ انہیں کلیساؤں کی زینت و آرائش متاثر کرسکی اور نہ ان کے خاوندوں کا ارتداد انہیں اپنے عقیدہ سے متزلزل کرسکا۔ وہ بڑی ثابت قدمی سے اسلام پر ڈٹی رہیں۔ حضرت سودہ نے تو جب اپنے خاوند کے بدلے ہوئے تیور دیکھے تو وہ اسے وہیں چھوڑ کر فوراً مکہ واپس آگئیں اور حضرت ام حبیبہ نے بھی اپنے خاوند سے اسی وقت قطع تعلق کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نیک نہاد بندیوں کو اس ایثار کا یہ صلہ دیا کہ دونوں کو امہات المؤمنین میں داخل ہونے کا شرف ارزانی فرمادیا حضرت ام حبیبہ کا عقد تو وہاں ہی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کردیا گیا اور نجاشی نے اپنی گرہ سے چار سو دینار بطور مہر ادا کردیا اور بڑی عزت و وقار کے ساتھ انہیں حضور کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں بھیج دیا۔ اور حضرت سودہ کو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد شرف زوجیت بخشا۔ تفصیلات امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کے حالات کے ضمن میں بیان کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

صحیحین میں ہے کہ جس دن نجاشی نے انتقال کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس کی موت کی اطلاع دی۔ اور ارشاد فرمایا۔

مَاتَ الْیَوْمَ رَجُلٌ صَالِحٌ فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا عَلٰی اَخِیْکُمْ اَصْحَمَ

"آج ایک نیک بخت آدمی وفات پاگیا ہے اٹھو اور اپنے بھائی اصحم کی نماز جنازہ پڑھو۔" (۱)

چنانچہ حضور صحابہ کرام کی معیت میں شہر سے باہر جنازگاہ میں تشریف لے گئے صفیں بنائی گئیں اور حضور نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر اس کے لئے مغفرت کی دعا مانگی۔

فَلَمَّا مَاتَ النَّجَاشِیُّ صَلّٰی عَلَیْهِ وَاسْتَغْفَرَ لَهٗ

"کہ جب نجاشی نے وفات پائی تو حضور نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور پھر اس کے لئے دعا مغفرت فرمائی۔" (۲)

اس سے یہ ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعائے مغفرت کرنا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ لَمَّا مَاتَ النَّجَاشِیُّ کَانَ یُتَحَدَّثُ اَنَّہٗ لَا یَزَالُ یُرٰی عَلٰی قَبْرِہٖ نُوْرٌ (۱)

حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ لوگ بیان کرتے تھے کہ نجاشی کی وفات کے بعد اس کی قبر سے نور نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

اس بحث کو سمیٹنے سے پہلے قارئین کی توجہ اس سوال کی طرف مبذول کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

وہ سوال یہ ہے کہ ان مسلمانوں نے ہجرت کے لئے حبشہ کو کیوں منتخب کیا۔

اس کا ایک جواب تو وہ ہے جس کا اعلان حالات وواقعات کی زبان ببانگ دہل کر رہی ہے جسے سن کر کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا دوسرا جواب وہ ہے جو ایک مستشرق نے بڑی مہارت سے تحقیق وتفحص کے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر پیش کیا ہے مارگولیس جنہیں بزعم خویش غیر متعصب غیر جانبدار محقق ہونے کا دعویٰ ہے انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ کیونکہ حبشہ کے ایک حکمران ابرہہ نے پچاس سال پہلے کعبہ مقدسہ کو منہدم کرنے کے لئے مکہ پر چڑھائی کی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کے سرغرور کو نیچا کرنے اور ان کی قوت کا طلسم توڑنے کے لئے اپنے چند عقیدت مندوں کو حبشہ بھیجا تاکہ نجاشی کو مکہ پر فوج کشی کے لئے برانگیختہ کریں۔ یہ توجیہ کوئی اندھا بہرہ متعصب ہی پیش کر سکتا ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا مقصد ہی یہ تھا کہ اپنے جد امجد حضرت خلیل علیہ السلام کے تعمیر کردہ کعبہ کو جو عرصہ سے ایک صنم کدہ بنادیا گیا تھا اس کو بتوں کی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کر کے پھر اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کا مرکز بنادیں۔ کیا ایسی ہستی کبھی یہ سوچ بھی سکتی ہے کہ اسے پیوند خاک کرنے کے لئے کسی بیرونی طاقت کو حملہ کی دعوت دے۔

نیز پہلے حملہ آور کا جو عبرت ناک حشر ہوا تھا۔ اور جس پر ابھی طویل عرصہ بھی نہیں گزرا تھا۔ کون تھا جو اپنے آپ کو تباہ وبرباد کرنے کے لئے اتنا بے تاب ہو کہ بیت اللہ شریف پر حملہ کر کے غضب الٰہی کو دعوت دے۔

سیدھی سی بات یہ ہے کہ حبشہ سے اہل مکہ کے دیرینہ روابط تھے حضرت ہاشم نے اپنے اثر ورسوخ سے قیصر روم سے اپنے تجارتی کاروانوں کے لئے اجازت نامہ حاصل کیا تھا تاکہ اس کی مملکت میں مکہ کے تجار آزادی سے کاروبار کر سکیں اسی طرح آپ نے قیصر روم سے شاہ حبشہ

ا۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۲۷

کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھوایا تھا۔ کہ وہ مکہ کے تاجروں کو حبشہ میں کاروبار کرنے کی اجازت دے اس طرح پشتوں سے عرب کے لوگ حبشہ میں آتے جاتے تھے اس کے علاقوں سے بھی باخبر تھے اور وہاں کے باشندوں سے بھی ان کی جان پہچان تھی۔ سابقہ واقفیت کی بنا پر مکہ کے مہاجروں نے حبشہ کو اپنی ہجرت گاہ کے لئے منتخب کیا نیز یہ ملک جزیرہ عرب سے زیادہ دور بھی نہ تھا یہاں آنا ان کے لئے آسان بھی تھا اور ارزاں بھی راہ حق کے ان مسافروں نے کشتی والوں کو فی کس نصف دینار کرایہ ادا کیا تھا اور سب سے بڑی کشش ان کے لئے یہ تھی کہ حبشہ کا حکمران بڑا عادل اور منصف مزاج تھا چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اپنے جانباز صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی تو بایں الفاظ اس کی وجہ بیان فرمائی۔

وَقَالَ لَهُمْ اِنَّ بِهَا مَلِكًا لَا يُظْلَمُ عِنْدَهُ اَحَدٌ حَتّٰى يَجْعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ فَرَجًا مِمَّا اَنْتُمْ فِيْهِ

"حضور نے انہیں فرمایا وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے سامنے کسی پر ظلم نہیں کیا جا سکتا تم وہاں رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان مشکلات کو جن میں تم اب مبتلا ہو آسان فرما دے۔ (۱)

ا۔ سیرت مصطفی از ہاشم معروف حسن صفحہ ۱۶۳

شعبِ ابی طالِب

شعبِ ابی طالب

شعبِ ابی طالب میں محصوری کے تین سال

کفار مکہ کو یہ خوش فہمی تھی کہ وہ اپنے وحشیانہ جبر و تشدد سے اسلام کی اس تحریک کو موت کی نیند سلادیں گے یہ گنتی کے چند آدمی خود ہی اس نئے دین سے دل برداشتہ ہو کر پھر اپنے پرانے معبودوں کی پرستش کرنے لگیں گے لیکن ان کی تمام تر مساعی کے باوجود اس دین کو روز افزوں کامیابیاں نصیب ہو رہی تھیں۔ ان کے مظالم سے تنگ آکر جن مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ میں رہائش اختیار کر لی تھی ان کو وہاں سے جلاوطن کرانے کے لئے کفار مکہ نے اپنے دو بہترین نمائندے نجاشی کے پاس بھیجے۔ تاکہ وہ اس کو اس بات پر رضامند کر سکیں کہ وہ ان مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے۔ ان کا مدعا یہ تھا کہ اپنے وطن سے دور ان لوگوں کو جو گوشہ عافیت میسر آگیا ہے اس سے وہ محروم کر دیئے جائیں۔

لیکن اس سلسلہ میں انہیں ذلت آمیز ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب کے خطبہ سے متاثر ہو کر صرف ان کو اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دینے سے ہی انکار نہیں کیا بلکہ وہ خود بھی مشرف باسلام ہو گیا اور اس نے اپنے ملک میں ان غریب الدیار مسلمانوں کی باعزت رہائش کا انتظام بھی کر دیا اور انہیں ہر قسم کی آزادی اور سہولتیں فراہم کر دیں۔ اس ناکامی نے کفار مکہ کو آتش زیر پا کر دیا اور مکہ میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں پر انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ ظلم و تشدد شروع کر دیا۔

کفار کو سب سے زیادہ صدمہ اس وقت پہنچا جب حضرت حمزہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کر لیا۔ اس چوٹ نے تو ان کو حواس باختہ کر دیا۔ انہوں نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا چراغ گل نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ہماری مشکلات اور مصائب کا خاتمہ نہیں ہو سکتا چنانچہ انہوں نے اس بات کا عزم مصمم کر لیا کہ وہ نتائج سے بے پروا ہو کر یہ مذموم حرکت ضرور ہی

کریں گے۔

حضرت ابو طالب کو جب کفار قریش کی اس گھناؤنی سازش کا علم ہوا تو انہوں نے قبیلہ بنو ہاشم کے تمام افراد کو اکٹھا کیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ عہد کریں کہ وہ اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بال بھی بیکا نہیں ہونے دیں گے۔ بنو ہاشم کے سارے قبیلہ نے حضرت ابو طالب کی اس تجویز کی بھرپور تائید کی بنو مطلب کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دشمنوں کے شر سے بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کا پختہ وعدہ کیا۔

علامہ بلاذری انساب الاشراف میں لکھتے ہیں۔

وَعَمَدَ اَبُوْطَالِب اِلَى الشِّعْبِ بِابْنِ اَخِيْهِ وَبَنِيْ هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ وَكَانَ اَمْرُهُمْ وَاحِدًا وَقَالَ نَمُوْتُ مِنْ عِنْدِ اٰخِرِنَا قَبْلَ اَنْ يُّوْصَلَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"حضرت ابو طالب اپنے پیارے بھتیجے، بنی ہاشم، بن مطلب کی معیت میں اس گھاٹی میں منتقل ہو گئے جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور تھی اور ان سب نے یہ معاہدہ کیا کہ جب تک ہم میں سے ایک فرد بھی زندہ رہا ہم کفار کو حضور پر دست درازی کی اجازت نہیں دیں گے۔" (۱)

دو اونچے پہاڑوں کے درمیان جو گھاٹی یا تنگ میدان ہوتا ہے اسے عربی میں شعب کہتے ہیں یہ گھاٹی حضرت ابی طالب کو ورثہ میں ملی تھی اور آپ کی ملکیت تھی اور شعبِ ابی طالب کے نام سے مشہور تھی۔ (۲)

بنو ہاشم میں سے ابو لہب وہ بد بخت تھا۔ جس نے کفار کے ساتھ موافقت کی۔ اور اس پر اس کو ندامت نہیں۔ فخر تھا۔ عتبہ کی بیٹی ہندہ سے اس کی ملاقات ہوئی تو بڑے فخر سے اسے کہنے لگا۔

يَا بِنْتَ عُتْبَةَ هَلْ نَصَرْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى قَالَتْ نَعَمْ فَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا يَا اَبَا عُتْبَةَ۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۳۷۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۴۳۔ ۴۴
سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۰۲

۲۔ انساب الاشراف، جلد اول، صفحہ ۲۳۰

"اے عتبہ کی بیٹی! کیا میں نے اپنی قوم بنی ہاشم کا ساتھ چھوڑ کر لات و عزّیٰ کی نصرت کا حق ادا کیا ہے یا نہیں۔ اس نے کہا بے شک اللہ تجھے جزائے خیر دے۔"

قریش کی یہ کوشش تھی کہ کوئی غیر قریشی ان کی اس سازش کو عملی جامہ پہنائے اور اس قاتل کی جان بچانے کے لئے انہیں اگر بنو ہاشم کو کئی گنا خون بہا ادا کرنا پڑے تو وہ بصد مسرت خون بہا ادا کر دیں گے۔ (۱)

حضرت ابو طالب کو ہر وقت فکر رہتی تھی کہ مبادا کوئی بد بخت ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے اس لئے وہ ہر احتیاطی تدبیر بروئے کار لاتے۔ اور اس میں ذرا تساہل نہ کرتے یہاں تک کہ حضور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی استراحت کے لئے ایک بستر بچھایا جاتا۔ حضور اس پر تھوڑی دیر آرام فرماتے۔ جب لوگ سو جاتے تو مشفق چچا حضور کو وہاں سے اٹھاتے اور کسی دوسری جگہ جہاں حضور کی شب بسری کے لئے بستر بچھایا گیا ہوتا وہاں لے جا کر سلا دیتے اور حضور کے پہلے بستر پر اپنے بیٹوں میں کسی بیٹے کو یا اپنے بھائیوں میں سے کسی بھائی کو سلا دیتے۔ (۲)

قریش نے جب دیکھا کہ ابو طالب نے اپنے بھتیجے اور اپنے دو خاندانوں بنو ہاشم اور بنو مطلب کو ہمراہ لے کر شعب ابی طالب میں سکونت اختیار کر لی ہے تو قریش کے سارے قبائل کے سردار پھر مشورہ کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے تاکہ حضور اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حامی خاندانوں کے خلاف کوئی ایسا متحدہ قدم اٹھائیں جس کی وہ تاب نہ لا سکیں اور از خود گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں یا حضور کی امداد و نصرت سے دست کش ہو کر حضور کو ان کے حوالے کر دیں اور پھر وہ حضور کے ساتھ جو جی چاہے سلوک کریں۔

ان لوگوں نے طویل غور و غوض کے بعد متفقہ طور پر مکمل سوشل بائیکاٹ کا پروگرام بنایا۔ اس کے لئے ایک معاہدہ لکھا گیا جس پر تمام قبائل کے نمائندوں نے اپنے اپنے دستخط ثبت کئے پھر اس کو ہر قسم کی دست برد سے بچانے کے لئے بڑی حفاظت سے کعبہ شریف کے اندر آویزاں کر دیا گیا۔

علامہ ابن کثیر اس معاہدہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۰۲

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۴۴

اِجْتَمَعَ الْمُشْرِكُوْنَ مِنْ قُرَيْشٍ فَاَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ عَلٰى اَنْ لَا يُجَالِسُوْهُمْ وَلَا يُبَايِعُوْهُمْ وَلَا يَدْخُلُوْا بُيُوْتَهُمْ حَتّٰى يُسْلِمُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْقَتْلِ وَاَنْ لَا يَقْبَلُوْا مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ صُلْحًا اَبَدًا وَلَا تَاْخُذَهُمْ بِهِمْ رَاْفَةٌ حَتّٰى يُسْلِمُوْهُ لِلْقَتْلِ

"سارے مشرکین قریش ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور سب نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ نشست وبرخاست نہیں کریں گے۔ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہیں کریں گے۔ ان کے گھروں میں قدم نہیں رکھیں گے جب تک یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے ان کے حوالے نہ کر دیں اور بنوہاشم کے ساتھ ہرگز صلح نہیں کریں گے اور ان پر ذرا ترس نہیں کھائیں گے یہاں تک کہ وہ حضور کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ یہ حضور کو شہید کریں۔" (۱)

علامہ ابن کثیر نے چند اور امور کا بھی اضافہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

عَلٰى اَنْ لَا يَنْكِحُوْا اِلَيْهِمْ وَلَا يُنْكِحُوْهُمْ وَلَا يَبِيْعُوْهُمْ شَيْئًا وَلَا يَبْتَاعُوْا مِنْهُمْ۔ فَلَمَّا اجْتَمَعُوْا لِذٰلِكَ كَتَبُوْهُ فِيْ صَحِيْفَةٍ ثُمَّ تَعَاهَدُوْا وَتَوَاثَقُوْا عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ عَلَّقُوا الصَّحِيْفَةَ فِيْ جَوْفِ الْكَعْبَةِ تَوْكِيْدًا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ

"کہ نہ وہ اپنی بچی کا رشتہ انہیں دیں گے اور نہ ان کی بچیوں کا رشتہ لیں گے نہ انہیں کوئی چیز فروخت کریں گے اور نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے اور جب سب ان امور پر متفق ہو گئے تو انہوں نے ایک صحیفہ میں انہیں قلم بند کیا پھر اس کی پابندی کا پختہ وعدہ کیا پھر اسے کعبہ شریف کے اندر آویزاں کر دیا۔ تاکہ ہر شخص اس کی سختی سے پابندی کرے۔" (۲)

منصور بن عکرمہ بن عامر نے یہ ظالمانہ عہد نامہ لکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی انگلیوں کو شل کر دیا۔ نہ وہ حرکت کر سکتی تھیں نہ ان سے لکھا جا سکتا تھا۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۴۴

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۴۸

ان بے رحموں نے صرف اسی پر اکتفانہ کیا بلکہ مکہ کے بازاروں اور منڈیوں کے دروازے بھی ان محصورین پر بند کر دیئے۔ کسی دکاندار کو اجازت نہ تھی کہ وہ انہیں کوئی چیز فروخت کرے یا ان سے کوئی چیز خریدے۔ اگر کوئی قافلہ باہر سے تجارتی سامان لے کر مکہ آتا تھا تو ان پر بھی یہ قدغن تھی کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھ کھانے پینے کی کوئی چیز فروخت نہ کریں بلکہ مکہ کے تاجر آگے بڑھ کر سارا سامان خرید لیتے۔ تاکہ کسی طرح بھی کوئی ضرورت کی چیز ان بندگان خدا تک نہ پہنچ سکے۔

امام سُہیلی لکھتے ہیں۔ کہ اگر بیرون مکہ سے کوئی تجارتی کاروان وہاں آتا اور مسلمان ان سے کوئی چیز خریدنے کے لئے وہاں پہنچ جاتے تو ابو لہب ان قافلہ والوں کو کہتا کہ تم ان کو اتنے مہنگے دام بتاؤ کہ وہ کوئی چیز خرید نہ سکیں اور ساتھ ہی انہیں یہ تسلی بھی دیتا کہ تم یہ فکر مت کرنا کہ اگر تم نے قیمت بہت زیادہ مانگی تو اسے کوئی خریدے گا ہی نہیں اور تمہیں خسارہ ہو گا۔ وہ کہتا اس خسارے کو میں پورا کروں گا۔ چنانچہ شعب ابی طالب کے مکین بھوک سے بلکتے ہوئے اپنے بچوں کو چھوڑ کر سامان خریدنے کے لئے جاتے تو قافلہ والے ان سے پانچ دس گنا زیادہ قیمت طلب کرتے جس کے ادا کرنے کی ان میں سکت نہ ہوتی بے چارے خالی ہاتھ واپس آجاتے ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہوتی جس سے وہ اپنے روتے ہوئے بچوں کو بہلا سکیں۔ (۱)

کفار مکہ کا یہ مکمل اور سنگ دلانہ سوشل بائیکاٹ دو چار ماہ تک نہیں رہا۔ بلکہ پورے تین سال سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور کے ساتھی اس جاں گسل اور صبر آزما مصیبت میں مبتلا رہے ان بے رحموں نے پہرے دار مقرر کر رکھے تھے کہ کوئی شخص پوشیدہ طور پر بھی ضرورت کی کوئی چیز ان تک نہ پہنچا سکے۔ اگر ایسا کرتا ہوا کوئی پکڑا جاتا تو اس کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جاتی۔

ان ساری سختیوں اور پابندیوں کے باوجود کئی ایسے نیک دل لوگ تھے جو رات کی تاریکی میں کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز وہاں پہنچا دیا کرتے ان میں ہشام بن عمرو العامری سرفہرست تھے۔ جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے ایک بار تین اونٹ سامان خوراک کے لدے ہوئے شعب ابی طالب میں لے گئے قریش کو پتہ چل گیا صبح سویرے سب اکٹھے ہو کر ان کے گھر پہنچے اور انہیں برا بھلا کہا انہوں نے کہا کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے لیکن دوسری رات پھر وہ ایک دو لدے ہوئے اونٹ لے کر وہاں پہنچا آئے۔ کفار کو پھر پتہ چل گیا اب تو انہوں نے لعن طعن کی بوچھاڑ

۱۔ الروض الانف۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۲۷

کر دی اور بعض نے تو ان کو قتل کرنے کے لئے تلواریں بے نیام کر لیں۔ آخر ابو سفیان کی مداخلت سے ان کی جان بخشی ہوئی۔ (۱)

ایک دفعہ حکیم بن حزام شعب ابی طالب کی طرف جا رہے تھے ان کے ساتھ ان کا ایک غلام تھا جس نے گندم کی بوری اٹھائی ہوئی تھی۔ وہ یہ غلہ اپنی پھوپھی ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری کے لئے لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ابو جہل مل گیا۔ ابو جہل کڑک کر بولا۔ پتہ چل گیا کہ قوم کے متفقہ فیصلہ کے خلاف تم یہ گندم بنوہاشم کو پہنچانے کے لئے لے جا رہے ہو۔ میں یہ گندم اس وقت تک تمہیں آگے نہیں لے جانے دوں گا جب تک میں تمہیں مکہ میں لے جا کر رسوا نہ کروں۔ یہ تو تو میں میں ہو رہی تھی کہ اچانک ابو البختری وہاں آگیا اس نے ابو جہل کو کہا کہ تمہیں اسے روکنے کا کیا حق ہے۔ ابو جہل نے کہا یہ گندم لے کر بنوہاشم کے پاس جا رہا ہے۔ میں اسے کیوں نہ روکوں۔ ابو البختری نے کہا۔ اس کی پھوپھی خدیجہ کی گندم اس کے پاس تھی یہ اسے پہنچانے جا رہا ہے۔ تمہیں روکنے کا کوئی حق نہیں اس کی راہ سے ہٹ جاؤ۔ ابو جہل نے اس کی بات نہ مانی۔ تلخ کلامی بڑھتی گئی۔ کسی اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پاس پڑی تھی ابو البختری نے اٹھائی اور ابو جہل کے سر پر دے ماری۔ اس سے خون بہنے لگا پھر اسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اور اس کی چھاتی پر چڑھ کر اسے خوب رگیدا۔ (۲)

یہ طویل محاصرہ حضور کے لئے اور حضور کے خاندان کے لئے از حد تکلیف دہ تھا۔ بسا اوقات درختوں کے پتے اور گھاس کھا کر پیٹ بھرا کرتے بھوک سے بلکتے ہوئے معصوم بچے اس قدر زور شور سے روتے کہ ان کے رونے کی آواز شعب سے باہر دور دور تک سنائی دیتی۔

حَتّٰی بَلَغَهُمُ الْجُهْدُ حَتّٰی تَضَاغٰی صِبْيَانُهُمْ فَسُمِعَ صُغَاؤُهُمْ مِنْ وَرَاءِ شِعْبٍ (۳)

علامہ سہیلی لکھتے ہیں۔

وَفِي الصَّحِيْحِ اِنَّهُمْ جُهِدُوْا حَتّٰی كَانُوْا يَاْكُلُوْنَ الْخَبَطَ وَوَرَقَ السَّمُرِ حَتّٰی اَنَّ اَحَدَهُمْ لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَكَانَ فِيْهِمْ

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۶۳

۲۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۶۳

۳۔ انساب الاشراف۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۳۴

سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ رُوِیَ اَنَّهٗ قَالَ لَقَدْ جُعْتُ حَتّٰی اَنِّیْ وَطِئْتُ ذَاتَ لَیْلَةٍ عَلٰی شَیْءٍ رَطْبٍ فَوَضَعْتُهٗ فِیْ فِیْ وَبَلَعْتُهٗ وَمَا اَدْرِیْ مَا هُوَ اِلَی الْاٰنِ وَفِیْ رِوَایَةِ یُوْنُسَ اَنَّ سَعْدًا قَالَ خَرَجْتُ ذَاتَ لَیْلَةٍ لِاَبُوْلَ فَسَمِعْتُ تَقَعْقُعَةً تَحْتَ الْبَوْلِ فَاِذَا قِطْعَةٌ مِنْ جِلْدِ بَعِیْرٍ یَابِسَةٍ فَاَخَذْتُهَا وَغَسَلْتُهَا ثُمَّ اَحْرَقْتُهَا ثُمَّ رَضَضْتُهَا وَسَفَفْتُهَا بِالْمَاءِ وَتَقَوَّیْتُ بِهَا ثَلَاثًا

"الصحیح میں ہے کہ شعب میں محصورین کو بڑی مصیبت اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا وہاں وہ درختوں کے پتے اور بیری کے پتے کھا کر گزارہ کرتے۔ جب وہ قضائے حاجت کرتے تھے تو بکریوں کی مینگنیوں کی طرح خشک مادہ خارج ہوتا تھا ان محصورین میں سعد بن ابی وقاص بھی تھے آپ سے مروی ہے آپ نے کہا کہ میں ایک دن از حد بھوکا تھا رات کو اندھیرے میں میرا پاؤں کسی گیلی چیز پر آگیا میں نے اسے اٹھا کر منہ میں ڈالا اور نگل لیا۔ مجھے اتنی ہوش بھی نہ تھی کہ میں پتہ کرتا کہ وہ کیا چیز ہے اور اب تک مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ یونس، حضرت سعد سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ایک رات میں پیشاب کرنے کے لئے باہر نکلا اور جب میں پیشاب کرنے لگا تو جہاں میرا پیشاب گر رہا تھا وہاں کسی چیز کی مجھے آواز آئی میں نے اٹھایا تو وہ اونٹ کے خشک چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ میں نے اسے لیا پھر اسے دھویا پھر اسے جلا کر راکھ کیا پھر اسے کوٹا پھر اسے پانی میں ملا دیا اور تین دن تک اسے کھاتا رہا۔" (۱)

ان مصائب و آلام کے باوجود نہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عزم میں کوئی لچک پیدا ہوئی اور نہ کسی دوسرے ساتھی نے کسی کمزوری کا اظہار کیا۔ رحمت عالم پورے جوش و خروش سے اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہتے اور متعدد خفتہ بختوں کے مقدر کو جگاتے رہتے۔

یہ محاصرہ نبوت کے ساتویں سال ماہ محرم میں شروع ہوا۔ اور تین سال کے طویل عرصہ تک بڑی شدومد سے جاری رہا۔ آخر نبوت کے دسویں سال اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا

۱۔ الروض الانف، جلد دوم، صفحہ ۱۲۷

کردیئے کہ جور وستم کی اس دستاویز کو خود اہل مکہ نے چاک کر دیا اور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے محصور ساتھیوں سمیت شعب ابی طالب سے نکل کر پھر مکہ مکرمہ میں رونق افروز ہوئے۔

سیرت نبوی کے مؤرخین نے ان اسباب کو بڑی شرح وبسط سے رقم فرمایا ہے جن کے مطالعہ سے قارئین کے ایمان میں یقیناً پختگی اور ان کے قلوب کو جذبہ عزیمت نصیب ہو گا اس لئے قدرے تفصیل سے ان واقعات کو ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

شعب ابی طالب کے محاصرہ کا اختتام

بنوہاشم اور بنو مطلب سے مکمل قطع موالات (سوشل بائیکاٹ) کا معاہدہ لکھ کر قریشیوں نے بڑی حفاظت کے ساتھ اسے کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا تھا تاکہ کوئی شخص اس میں کوئی ردوبدل نہ کرسکے۔ اس حیلہ سے لوگوں کی دسترس سے تو انہوں نے اس صحیفہ کو بچالیا لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار سے تو وہ اس کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔ قادر و حکیم خدا نے اس دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا۔ دیمک نے اس معاہدہ میں ظلم وستم کی جتنی دفعات تھیں ان سب کو چاٹ لیا لیکن جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک تھا۔ اسے ذرا گزند نہ پہنچایا وہ صحیح و سلامت باقی رہنے دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے اس حکیمانہ اقدام سے آگاہ فرمادیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسرے روز حضرت ابو طالب کے پاس تشریف لے گئے انہیں بتایا کہ

اے میرے محترم چچا! جو معاہدہ قوم نے لکھ کر بحفاظت کعبہ کے اندر لٹکادیا تھا۔ اس کی ساری دفعات کو دیمک نے چاٹ کر صاف کر دیا ہے لیکن اس عبارت میں جہاں جہاں بھی اللہ عزّاِسْمُہٗ کا نام مبارک لکھا گیا تھا۔ وہ جوں کا توں سلامت ہے دیمک نے اسے ذرا ضرر نہیں پہنچایا۔

حضرت ابو طالب کے لئے یہ اطلاع بڑی حیران کن تھی۔ مکہ سے کئی میل دور ایک گھاٹی میں تین سال سے محصور ہستی ایک ایسی چیز کے بارے میں بتارہی ہے جو یہاں سے بہت دور کئی غلافوں میں لپٹی ہوئی بڑی حفاظت سے کعبہ کے اندر رکھی ہوئی تھی۔ اور جس کی مسلسل نگرانی کی

جارہی تھی۔

آپ نے ازراہ استعجاب پوچھا۔ اے جان عم! کیا تیرے رب نے تمہیں یہ بات بتائی ہے۔

حضور نے فرمایا! بے شک۔

چچا نے کہا! چمک دار ستاروں کی قسم! تیری بات بالکل سچی ہے۔ تو نے آج تک کبھی غلط بیانی نہیں کی۔

چنانچہ بنوہاشم اور بنو مطلب کے چند افراد کو آپ نے ہمراہ لیا اور سیدھے حرم شریف میں جا پہنچے قریش نے اچانک ان کو حرم شریف میں آتے دیکھا تو حیران ہو گئے۔ پھر سوچا ہماری تدبیر کارگر ثابت ہوئی ہے طویل اور تکلیف دہ محاصرہ نے ان کو بے بس کر دیا ہے اور آج آئے ہیں تاکہ محمد (فداہ ابی وامی وروحی) کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ اس حصار سے انہیں نجات ملے۔ جب ابو طالب ان کے پاس پہنچے آپ نے فرمایا۔

اے گروہ قریش! اس طویل مدت میں ایسے واقعات رونپذیر ہو گئے ہیں جن کے بارے میں ہم تمہیں نہیں بتا سکے تم اس صحیفہ کو کعبہ شریف سے باہر لے آؤ۔ ممکن ہے ہمارے اور تمہارے درمیان مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

حضرت ابو طالب نے پہلے اس بات سے انہیں آگاہ نہ کیا جس سے حضور نے انہیں مطلع فرمایا تھا تاکہ وہ صحیفہ میں کچھ گڑبڑ نہ کر دیں اہل مکہ کی خوشی کی حد نہ رہی انہیں یقین ہو گیا کہ بنوہاشم اور بنو مطلب اور خود ابو طالب حضور کی نصرت و اعانت سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ وہ یقیناً انہیں ہمارے حوالے کر دیں گے۔ پھر طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم ان کے ساتھ معاملہ کریں گے اور یہ فتنہ جس نے ہماری راتوں کی نیند اور دنوں کا چین حرام کر دیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا۔

وہ بڑی تیزی سے اٹھے کعبہ میں گئے وہاں سے اس معلدہ کو لے کر واپس آئے اور سب اہل مجلس کے سامنے اس کو رکھ دیا۔ انہوں نے ابو طالب کو کہا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ تم لوگ حضور کی اعانت و نصرت سے باز آجاؤ۔ اور ہماری تمہاری دشمنی دوستی میں بدل جائے۔

حضرت ابو طالب نے فرمایا میں آج ایک بڑا منصفانہ حل لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ سب ہمہ تن گوش آپ کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے فرمایا میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ کہ یہ دستاویز جو اس وقت تمہارے ہاتھوں میں ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے

دیمک مسلط کر دی ہے۔ جس نے اس کی ساری عبارت چاٹ لی ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک جہاں جہاں ہے وہ صحیح و سلامت موجود ہے اب تم خود اس کو کھولو۔ اگر میرے بھتیجے کی بات سچی نکلی تو پھر ہم کسی قیمت پر اس کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے خواہ اس کے لئے ہمیں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانا پڑے اور اگر اس کی یہ بات سچی نہ نکلی تو پھر ابھی ہم اس کو تمہارے حوالے کر دیں گے جو چاہو تم اس کے ساتھ کرو خواہ اسے قتل کر دو۔ یا اسے زندہ رہنے دو۔

حضرت ابو طالب کی یہ تجویز سن کر وہ بڑے مطمئن ہو گئے اور کہا۔

قَدْ رَضِيْنَا بِالَّذِىْ تَقُوْلُ

"کہ جو آپ نے کہا ہم اس تجویز پر راضی ہیں۔"

پھر انہوں نے اس بحفاظت رکھے ہوئے صحیفہ کو اپنے ہاتھوں سے کھولا اور جو صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بتایا تھا اس کو حرف بحرف صحیح پایا۔ یہ دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے لیکن شقاوت ازلی نے ان کو حق قبول کرنے کی توفیق نہ بخشی۔ وہ اور برافروختہ ہو گئے۔ کہنے لگے۔ هٰذَا سِحْرُ ابْنِ اَخِيْكَ۔ اے ابو طالب! یہ تمہارے بھتیجے کے جادو کا کرشمہ ہے۔ حق، روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا تھا لیکن اندھی عصبیت نے انہیں اجازت نہ دی کہ وہ اسے تسلیم کر لیں۔ حضور کے خلاف ان کے دلوں میں بغض و عناد کے شعلے پہلے سے بھی زیادہ بھڑکنے لگے۔ (۱)

ابو جہل، ابو لہب اور ان کی قماش کے کفار کا رد عمل تو وہی تھا۔ جس کا بیان اوپر ہوا۔

لیکن اس بگڑے ہوئے معاشرہ میں چند لوگ ایسے بھی تھے جو اس ظلم و تعدی پر سخت نالاں تھے اور دل ہی دل میں سوچتے تو تھے کہ اس سنگدلانہ محاصرہ کو ختم کرنا چاہیے۔ جس کی زد میں عورتیں، معصوم بچے، ضعیف و نزار بوڑھے اور کئی بیمار بھی ہیں۔ لیکن سارے قریش خاندانوں کے اجتماعی اقدام کے خلاف آواز اٹھانے کی وہ اپنے اندر ہمت نہیں پاتے تھے۔

اگرچہ کفار نے حضور کے قول کی صداقت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا لیکن پھر بھی اپنے عناد پر اڑے رہے اور حضور کے خلاف اپنی مہم کو تیز تر کرنے کا اعلان کر دیا تو حضرت ابو طالب نے انہیں کہا۔

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ عَلَامَ نُحْصَرُ وَنُحْبَسُ وَقَدْ بَانَ الْاَمْرُ وَتَبَيَّنَ

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۰۵

أَنْتُمْ أَوْلَى بِالظُّلْمِ وَالْقَطِيعَةِ وَالْإِسَاءَةِ ۔

"اے گروہ قریش! کس گناہ کے باعث تم نے ہمارا محاصرہ کیا ہوا ہے اور ہمیں قید میں رکھا ہوا ہے حالانکہ تم پر حقیقت ظاہر ہو چکی ہے۔ اور تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ تم ہی ظالم ہو تم ہی قطع رحمی کرنے والے ہو اور تم ہی برا معاملہ کرنے والے ہو۔"

پھر آپ اور آپ کے ساتھی کعبہ کے پردوں کے ساتھ لپٹ گئے اور گڑگڑا کر دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَقَطَعَ اَرْحَامَنَا۔ وَاسْتَحَلَّ مَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ مِنَّا

"اے اللہ! جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے اور ہماری قطع رحمی کی ہے اور جو چیز ان پر حرام تھی وہ انہوں نے حلال بنالی ہے یا اللہ ایسے لوگوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ فریاد کرنے کے بعد پھر وہ شعب ابی طالب میں واپس آگئے اور محصوروں اور محبوسوں کی طرح زندگی گزارنے لگے۔

حضرت ابو طالب کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں ابو لہب وغیرہ کی انگیخت پر عرب کے عوام بھی اپنے بتوں کے لرزتے ہوئے خدائی کے تخت کو سہارا دینے کے لئے جوش میں آکر ہمارے دشمنوں کے ساتھ نہ مل جائیں اور سب مل کر ہم پر حملہ نہ کر دیں آپ نے اس وقت ایک فقید المثال قصیدہ لکھا جس میں لوگوں کو حق کی حمایت کے لئے ابھارنے کے ساتھ ساتھ اپنے اس پختہ عزم کا بھی بڑی جرأت سے اظہار کیا کہ وہ کسی قیمت پر حضور کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ حافظ ابن کثیر نے اس قصیدہ کے بارے میں اپنی رائے کا یوں اظہار فرمایا ہے۔

وَهِيَ قَصِيدَةٌ عَظِيمَةٌ بَلِيغَةٌ جِدًّا لَا يَسْتَطِيعُ اَنْ يَقُولَهَا اِلَّا مَنْ نُسِبَتْ اِلَيْهِ وَهِيَ اَفْحَلُ مِنَ الْمُعَلَّقَاتِ السَّبْعِ وَاَبْلَغُ فِي تَأْدِيَةِ الْمَعْنٰى وَالْاَشْبَهُ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ اِنَّمَا قَالَهَا بَعْدَ دُخُولِهَا الشِّعْبَ وَذِكْرُهَا هُنَا اَنْسَبُ

"یہ قصیدہ بلند مرتبہ، از حد بلیغ ہے ابو طالب کے بغیر اور کوئی ایسا قصیدہ نہیں لکھ سکتا۔ یہ معلقات سبع سے بھی زیادہ پر مغز اور پر معنی ہے۔ اور

ا۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۰۵-۵۰۶

اغلب یہ ہے کہ حضرت ابو طالب نے یہ قصیدہ اس وقت لکھا جب وہ شعب میں محصور کر دیے گئے تھے اس لئے اس قصیدہ کو یہاں ذکر کرنا مناسب ہے۔" (۱)

سبل الھدی والرشاد کی جلد دوم کے صفحات ۵۰۶۔۵۰۷اور ۵۰۸ پر یہ قصیدہ مرقوم ہے اس کے چند اشعار بمعہ ترجمہ بطور تبرک پیش خدمت ہیں۔

خَلِیْلَیَّ مَا اُذْنِیْ لِاَوَّلِ عَاذِلٍ ... بِصَغْوَاءَ فِیْ حَقٍّ وَلَا عِنْدَ بَاطِلِ

"اے میرے دو دوستو! میرے کان ایسے ملامت کرنے والے کی ملامت کو غور سے سننے والے نہیں۔ خواہ وہ سچ کہے یا غلط۔

کَذَبْتُمْ وَبَیْتِ اللّٰہِ نَتْرُكُ مَكَّةَ ... وَنَظْعَنُ اِلَّا اَمْرُكُمْ فِیْ بَلَابِلِ

"اللہ کے گھر کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم مکہ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور یہاں سے سکونت ترک کر دیں گے مگر یہ کہ تمہارے حالات پراگندہ و پریشان ہو جائیں۔"

کَذَبْتُمْ وَبَیْتِ اللّٰہِ نُبْزٰی مُحَمَّدًا ... وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُوْنَہٗ وَنُنَاضِلِ

"اللہ کے گھر کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم محمد (فداہ روحی) کو چھوڑ دیں گے جب تک کہ ہم اس کے دشمنوں کو اپنے نیزوں سے گھائل نہیں کریں گے اور ان سے جنگ نہیں کریں گے۔"

وَنُسْلِمُہٗ حَتّٰی نُصَرَّعَ حَوْلَہٗ ... وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

"اور اللہ کے گھر کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم حضور کو تمہارے حوالے کر دیں گے جب تک ہماری لاشیں اس کے اردگرد پڑی ہوئی نہ ہوں۔ ہم اپنے بچوں اور بیویوں سے بھی ان کے لئے بے پروا ہو جائیں گے۔"

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ ... ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

"وہ گوری رنگت والا جس کے روشن چہرے کے صدقے۔ بارش کی دعا کی جاتی ہے۔ جو یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کی عصمت ہے۔"

ا۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۹۱

يَلُوذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ　　فَهُمْ عِنْدَهُ فِي نِعْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

"بنی ہاشم کے جو لوگ فقر و افلاس سے ہلاک ہونے لگتے ہیں تو وہ اس کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور اس کے پاس آکر انہیں ہر طرح کی نعمتیں اور آسائشیں نصیب ہوتی ہیں۔"

لَعَمْرِي لَقَدْ كُلِّفْتُ وَجْدًا بِأَحْمَدَ　　وَإِخْوَتِهِ دَأْبَ الْمُحِبِّ الْمُوَاصِلِ

"میری زندگی کی قسم! میں تو احمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ان کے بھائیوں سے عشق کی حد تک محبت کرتا ہوں۔ جس طرح ایسا محب، جو ہمیشہ محبت کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔"

فَلَا زَالَ فِي الدُّنْيَا جَمَالًا لِأَهْلِهَا　　وَزَيْنًا عَلَى رَغْمِ الْعَدُوِّ الْمُخَاتِلِ

"آپ کی ذات سارے اہل جہان کے لئے حسن و جمال ہے اور سب کے لئے زینت ہے اگرچہ دھوکا باز دشمن اس کو ناپسند ہی کریں۔" (۱)

صحیفہ کو پارہ پارہ کرنے کا واقعہ

جن لوگوں کو ظلم و تشدد کی اس دستاویز کو پارہ پارہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان میں ہشام بن عمرو بن حارث کا نام سرفہرست ہے۔ یہ اس وقت تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے لیکن بنو ہاشم کے ساتھ ان کی قریبی رشتہ داری تھی۔ اس تعلق کی وجہ سے یہ دن رات بے چین رہا کرتے تھے۔ اور ان کی رہائی کے لئے منصوبے سوچتے رہتے تھے جیسے آپ پہلے پڑھ چکے ہیں محاصرہ کے ایام میں رات کی تاریکی میں غلہ پہنچانے کا بھی یہ اہتمام کیا کرتے تھے اونٹ پر کھانے پینے کا سامان لاد لیتے۔ جب شعب کے دہانہ پر پہنچتے تو اونٹ کی نکیل نکال لیتے اور اونٹ کے پہلو میں دو تھپڑ لگا کر اسے چھوڑ دیتے وہ بھاگتا ہوا ان محصورین کے پاس پہنچ جاتا وہ اسے پکڑتے اس سے سامان اتار لیتے۔ پھر اسے چھوڑ دیتے وہ واپس اپنے مالک کے پاس آجاتا۔ جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۸۶ تا ۴۹۱

یہ ہشام ایک روز زُہیر بن ابی امیہ کے پاس گئے۔ زہیر حضرت عبدالمطلب کی صاحب زادی حضرت عاتکہ کے فرزند تھے۔ اس وجہ سے ان کو بھی بنوہاشم کی یہ تکلیف گوارانہ تھی ہشام نے زُہیر کو جاکر کہا۔

اے زُہیر! کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم تو لذیذ کھانے کھاؤ۔ عمدہ لباس پہنو اور اپنی بیوی بچوں کے ساتھ بآرام زندگی گزارو۔ اور تمہارے ننھال بھوکے ننگے خستہ حال طرح طرح کی مشقتوں میں گھرے زندگی کے دن پورے کر رہے ہوں۔ میں خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں اگر تم ابوالحکم (ابوجہل) کے ننھال کے خلاف ایسا قدم اٹھاتے اور تم اسے اس میں شرکت کی دعوت دیتے تو وہ ہرگز تمہاری اس دعوت کو قبول نہ کرتا۔ زُہیر نے کہا۔

صد حیف! اے ہشام! میں تنہا ہوں اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔ اگر ایک اور ساتھی مجھے مل جائے تو میں اس معاہدہ کو توڑنے کے لئے کھڑا ہو جاؤں۔

ہشام نے کہا! ایک آدمی تو میں پیش کرتا ہوں۔

اس نے پوچھا وہ کون ہے؟ ہشام نے کہا! میں خود۔

زہیر نے کہا ہمت کرو۔ ایک تیسرا آدمی بھی تلاش کرو۔

چنانچہ ہشام مطعم بن عدی کے پاس گیا اور اسے جاکر کہا۔

اے مطعم! کیا یہ بات تمہیں پسند ہے کہ بنی عبد مناف کے دو خاندان بنوہاشم اور بنو مطلب بھوک سے ایڑیاں رگڑتے رگڑتے ہلاک ہو جائیں۔ اور تم یہ دیکھ بھی رہے ہو۔ اور پھر بھی قریش کی امداد کرو اگر تم قریش کو اس طرح ہلاک کرنے کے درپے ہوتے۔ تو وہ تمہارا منہ نہ تکتے رہتے۔ بلکہ سب مل کر تم پر بلہ بول دیتے۔

مطعم نے کہا۔ تم سچ کہتے ہو لیکن میں تنہا ساری قوم کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہوں۔

ہشام نے کہا۔ تم اکیلے نہیں۔ ایک دوسرا آدمی بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ پوچھا کون۔ کہا میں خود حاضر ہوں۔

مطعم نے کہا ایک تیسرا ساتھی بھی تلاش کرو۔ ہشام نے کہا وہ تیسرا بھی میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔

پوچھا کون۔ کہا زُہیر بن ابی امیہ۔

مطعم نے کہا۔ کہ چوتھا آدمی بھی تلاش کرو۔ اس طرح ہم پوری قوت سے اس مقصد کو حاصل کر سکیں گے ہشام اس کے پاس سے اٹھ کر ابوالبختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس کے ساتھ

بھی وہی گفتگو کی جو مطعم کے ساتھ کی تھی۔

اس نے پوچھا اس معاملہ میں کوئی اور شخص بھی ہماری مدد کرے گا۔

ہشام نے جواب دیا۔ یقیناً۔ پوچھا کون۔

ہشام نے کہا! زُہیر۔ مطعم۔ اور میں خود اور تم۔ ہم چار آدمی اس مہم کو سر کرنے کے لئے متفق ہیں۔

ابو البختری نے کہا ایک پانچواں ساتھی بھی ہونا چاہئے۔

ہشام وہاں سے سیدھا زمعہ بن الاسود کے پاس گیا اور اس کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کی اور اسے بھی قریبی رشتہ داری کا واسطہ دیا جو اس کی بنو ہاشم کے ساتھ تھی۔ اس نے بھی پوچھا کہ اس سلسلہ میں کوئی اور شخص بھی ہمارا ساتھ دے گا۔ ہشام نے کہا ہاں اور ان اشخاص کے نام گن دیئے۔ جن سے پہلے بات ہو چکی تھی۔ اور انہوں نے ہامی بھری تھی ابن سعد نے ان کے علاوہ عدی بن قیس کے نام کا بھی اضافہ کیا۔ اور حضرت ابو طالب نے سہیل بن بیضاء کا نام بھی اس قصیدہ میں ذکر کیا ہے جو اس کار خیر میں شریک ہوئے۔

ان میں سے ہشام۔ زُہیر۔ سہیل۔ عدی بن قیس کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی رضی اللہ تعالیٰ عنہم (۱)

ان لوگوں نے طے کیا کہ مشورہ کے لئے آج رات جحون کے فلاں گوشہ میں سب اکٹھے ہوں گے۔ چنانچہ مقررہ جگہ پر اس رات یہ سارے صاحبان جمع ہوئے اور انہوں نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ وہ اس ظالمانہ معاہدہ کو کالعدم کر کے رہیں گے۔ زُہیر نے کہا۔ کہ اس کام کی ابتداء میں کروں گا۔ کل صبح صحن حرم میں کھڑا ہو کر میں اس معاہدہ کے بطلان کا اعلان کروں گا۔

صبح ہوئی تو رؤساء قریش حسب دستور حرم میں اپنی اپنی مجالس میں جا کر بیٹھ گئے لیکن زُہیر کی آج شان ہی نرالی تھی۔ وہ بڑی آن بان سے حرم میں داخل ہوا اس نے آج ایک قیمتی پوشاک زیب تن کی ہوئی تھی۔ اس کی چال میں بھی ایک خاص قسم کی تمکنت تھی۔ پہلے اس نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور باآواز بلند اپنی گفتگو کا آغاز کیا اس نے کہا۔

اے مکہ کے باشندو! یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ ہم سب تو لذیذ کھانے کھائیں۔ زرق و برق

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۴۴

لباس پہنیں اور خاندان ہاشم کے مرد وزن بھوکے مر رہے ہوں۔ نہ ان کے پاس پیٹ بھرنے کے لئے کھانا ہو۔ اور نہ تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا۔ ہم ان کے ہاتھ قیمت لے کر بھی کوئی چیز بیچنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ ۔ آخر میں اس نے کہا۔

وَاللّٰہِ لَا اَقْعُدُ حَتّٰی تُشَقَّ ھٰذِہِ الصَّحِیْفَۃُ الْقَاطِعَۃُ الظَّالِمَۃُ

"بخدا! میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اس قطع رحمی کرنے والی ظالمانہ دستاویز کو پرزے پرزے نہ کر دیا جائے۔"

مسجد کے ایک کونے میں ابو جہل بیٹھا ہوا تھا اس نے جب زُہیر کا یہ اعلان سنا تو غصہ سے پیچ و تاب کھاتا ہوا اٹھا اور گرج کر بولا۔

کَذَبْتَ وَاللّٰہِ لَا تُشَقُّ

"زُہیر! تم جھوٹ کہہ رہے ہو بخدا اس صحیفہ کو ہرگز نہیں پھاڑا جائے گا۔"

زمعہ بن اسود فوراً کھڑا ہو گیا اس نے ابو جہل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ سب سے بڑے جھوٹے تم ہو۔ بخدا۔ اس تحریر میں ہم راضی نہ تھے۔

اس کی تائید کرتے ہوئے ابو البختری کڑک کر بولا۔ زمعہ نے سچ کہا ہے جو اس دستاویز میں لکھا گیا ہے نہ ہم اس کو پسند کرتے ہیں اور نہ اس کو برقرار رہنے دیں گے۔

مطعم نے کہا۔

صَدَقْتُمَا وَکَذَبَ مَنْ قَالَ غَیْرَ ذٰلِکَ۔ نَبْرَأُ اِلَی اللّٰہِ مِنْھَا وَمِمَّا کُتِبَ فِیْھَا۔

"اے زمعہ! اور ابو البختری! تم نے سچ کہا ہے اور اس کے علاوہ جو کہتا ہے وہ جھوٹ بکتا ہے۔"

جو کچھ اس صحیفہ میں لکھا گیا ہے ہم اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں ہشام بن عمرو نے بھی اٹھ کر اپنے ساتھیوں کی پرزور تائید کی۔ ابو جہل نے کہا یہ سوچی سمجھی سازش ہے اور اس کے بارے میں رات کو فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں حضرت ابو طالب مسجد کے گوشہ میں بیٹھے سن رہے تھے۔ مطعم نے اس صحیفہ کو پکڑ کر پرزہ پرزہ کرنا چاہا۔ دیکھا تو دیمک نے اللّٰہ عزّاسمہٗ، کے نام کے بغیر جو کچھ اس میں لکھا گیا تھا اس کا صفایا کر دیا ہے چنانچہ اسے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا یوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ

کے خاندان کو تین سال کے سنگین محاصرہ کے بعد نجات نصیب ہوئی۔

نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تین سال پہلے بنوہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب کی قید تنہائی سے رہائی ملی۔ (۱)

اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک انچاس سال تھی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب اس صحیفہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تو حضرت ابو طالب نے ایک قصیدہ لکھا جس میں ان لوگوں کو خراج تحسین پیش کیا جنہوں نے اس کار خیر کا آغاز کیا اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اس قصیدہ کے چند شعر آپ بھی سماعت فرمائیں۔

اَلَاهَلْ اَتٰى بَحْرِيَّنَا صُنْعُ رَبِّنَا　　عَلٰى نَأْيِهِمْ وَاللّٰهُ بِالنَّاسِ اَرْوَدُ

"کیا ہمارے سمندر کا سفر طے کرنے والے مہاجروں کو اس دوری کے باوجود ہمارے رب نے جو کیا ہے انہیں معلوم ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ حلم و بردباری کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔"

فَيُخْبِرُهُمْ اَنَّ الصَّحِيْفَةَ مُزِّقَتْ　　وَاَنَّ كُلَّ مَالَمْ يَرْضَهُ اللّٰهُ مُفْسَدُ

"اور ان کو یہ اطلاع ملی ہے کہ اس صحیفہ کو پارہ پارہ کر دیا گیا ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا وہ فنا ہو جاتی ہے۔"

جَزَى اللّٰهُ رَهْطًا بِالْحَجُوْنِ تَتَابَعُوْا　　عَلٰى مَلَاٍ يَهْدِيْ لِحَزْمٍ وَيُرْشِدُ

"اللہ تعالیٰ اس گروہ کو جزائے خیر دے، جو حجون کے مقام پر جمع ہوئے اور ایک ایسا فیصلہ کیا جس میں دانائی اور ہدایت تھی۔"

قَضَوْا مَا قَضَوْا فِيْ لَيْلِهِمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا　　عَلٰى مَهَلٍ وَسَائِرُ النَّاسِ رُقَّدُ

"انہوں نے رات کے وقت جو فیصلہ کرنا تھا وہ فیصلہ کیا پھر انہوں نے آرام سے صبح کی جب کہ باقی لوگ سو رہے تھے۔"

هُمُ رَجَعُوْا سَهْلَ بْنَ بَيْضَاءَ رَاضِيًا　　وَسُرَّ اَبُوْبَكْرٍ بِهَا وَمُحَمَّدُ

"وہی لوگ ہیں جنہوں نے سہل بن بیضاء کو راضی کر کے لوٹایا اور حضرت ابو بکر اور محمد مصطفیٰ کو مسرور کیا۔" (۱)

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۴۵-۵۴۶

۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۴۵-۵۴۶

اس قصیدہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق اس حصار میں بھی اپنے آقا کے ساتھ تھے اور جس طرح اس رہائی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسرت ہوئی اسی طرح صدیق اکبر کو بھی خوشی ہوئی۔

اشاعتِ اسلام کی تازہ رو

اشاعتِ اسلام کی تازہ رَو

طفیل بن عمرو الدَّوسی کا قبول اسلام

کفار مکہ نے تو اس سنگدلانہ بائیکاٹ کا پروگرام اور طویل عرصہ تک اس پر سختی سے پابند رہنے کا اہتمام اس لئے کیا تھا کہ وہ اس طرح اسلام کی ترقی کے سامنے مضبوط بند باندھ دیں گے لیکن قدرت خداوندی کی شان ہی نرالی ہے۔ یہی چیز اسلام کی شہرت اور اس کی مقبولیت کا باعث بن گئی۔ جو لوگ حج، عمرہ، تجارت اور دیگر مقاصد کے لئے مکہ مکرمہ میں آتے تو انہیں اس بائیکاٹ کا پتہ چل جاتا۔ قدرتی طور پر ان کے دلوں میں اس کے اسباب جاننے کی خواہش پیدا ہوتی۔ اس طرح انہیں اس نئے دین کے بنیادی عقائد، انقلابی تعلیمات اور دلکش خصوصیات کا پتہ چلتا۔ نیز اس دین حق کے داعی اکمل کی دلنواز سیرت اور آلام و مصائب کے ہجوم میں اس کے معتقدین کی حیرت انگیز استقامت اور صبر کی داستانیں بھی سننے کا موقع ملتا۔ توفیق الٰہی جن کی دستگیری فرماتی۔ وہ تو اس دین کو قبول کر لیتے لیکن جو لوگ اس دین کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتے وہ بھی اتنے متاثر ہوتے کہ جب وطن واپس جاتے تو اٹھتے بیٹھتے سب کے سامنے اس نئی دینی تحریک اور اس کے حیرت انگیز عقائد کا تذکرہ ضرور کرتے۔ اس طرح اسلام کی تشہیر کا کام خود بخود انجام پذیر ہونے لگا۔ مکہ میں باہر سے آنے والا ہر نووارد بڑی بے تابی سے اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔

اہل مکہ نے جب دیکھا کہ اسلام کی شہرت دور دراز علاقوں میں پہنچ رہی ہے اور لوگ اس میں دلچسپی لینے لگے ہیں تو انہوں نے حضور پرنور کی ذات اور حضور کے دین متین کے خلاف غلط بیانی اور بہتان تراشیوں کی انتہا کر دی۔ وہ حضور کو کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی ساحر کہتے، ان کا اس سے مقصد یہ تھا کہ باہر سے آنے والے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متنفر ہو جائیں۔ نہ حضور کی بات سنیں۔ اور نہ حضور کی مجلس میں جا کر بیٹھیں۔ اگر کوئی اہم شخصیت مکہ میں وارد ہوتی تو اس کا اس طرح گھیراؤ کر لیا جاتا کہ اسے حضور کے قریب جانے کا موقع ہی نہ ملتا۔

اسی قسم کا واقعہ طفیل بن عمرو الدوسی کے ساتھ پیش آیا۔

طفیل، قبیلہ دوس کا سردار تھا اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے ساری قوم اس پر جان چھڑکتی تھی اس کے اشارۂ ابرو پر وہ سب کچھ لٹانے کے لئے تیار ہو جاتی تھی۔ عقل مند اور معاملہ فہم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ قادر الکلام، نغز گو شاعر بھی تھا اس کے اشعار اور قصائد کو سن کر عرب کے فصحاء و بلغاء سر دھنتے تھے ایک دفعہ عمرہ ادا کرنے کے لئے وہ مکہ آیا قریش کو اس کی آمد کا علم ہوا۔ تو قریش کے رؤساء نے اس کی خاطر مدارات کی حد کر دی ہر وقت اس کے ساتھ چمٹے رہتے۔ اس کو حضور سے دور رکھنے کے لئے ہر تدبیر بروئے کار لاتے۔ طفیل خود بیان کرتے ہیں کہ۔

میں جب مکہ پہنچا تو وہاں کے سرداروں نے مجھے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ ناصح مشفق کی حیثیت سے انہوں نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

يَا طُفَيْلُ إِنَّكَ قَدِمْتَ بِلَادَنَا، وَهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِىْ بَيْنَ أَظْهُرِنَا قَدْ أَعْضَلَ بِنَا۔ قَدْ فَرَّقَ جَمَاعَتَنَا۔ وَشَتَّتَ أَمْرَنَا۔ وَإِنَّمَا قَوْلُهُ كَالسِّحْرِ يُفَرِّقُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ أَبِيْهِ وَبَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ أَخِيْهِ وَبَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ زَوْجَتِهِ۔ وَإِنَّا نَخْشٰى عَلَيْكَ وَعَلٰى قَوْمِكَ مَا قَدْ دَخَلَ عَلَيْنَا فَلَا تُكَلِّمْهُ وَلَا تَسْمَعَنَّ مِنْهُ شَيْئًا

"اے طفیل! تم ہمارے شہر میں تشریف لے آئے ہو ہمارے ہاں ایک شخص ہے جس نے ہمیں بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہمارے اتحاد کو اس نے پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ہمارے حالات کو اس نے پراگندہ کر دیا ہے اس کی گفتگو میں جادو کا اثر ہے۔ اس نے بیٹے اور باپ کو۔ بھائی اور بھائی کو۔ خاوند اور بیوی کو جدا جدا کر دیا ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے جس کا ہم شکار ہیں اس لئے ہماری مخلصانہ گزارش ہے کہ اس کے ساتھ گفتگو نہ کرنا۔ اور ہرگز اس کی کوئی بات نہ سننا۔ (۱)

طفیل کہتے ہیں کہ وہ لوگ بار بار مجھے یہی نصیحتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ نہ میں ان کے پاس بیٹھوں گا اور نہ ان کی

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۴۰۷

بات سنوں گا۔ حتی کہ جب میں مسجد حرام میں جانے لگتا تو اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ کہ کہیں بے خبری میں ہی ان کی آواز میرے کانوں میں نہ پڑ جائے۔

طفیل اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے خود بتاتے ہیں کہ ایک روز میں حرم شریف میں گیا وہاں اچانک میں نے دیکھا کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ کے سامنے نماز ادا کر رہے ہیں میں نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میری مرضی کے بغیر اس کے محبوب کی آواز میرے کانوں تک پہنچ گئی چنانچہ جب میں نے دل آویز کلام سنا تو میں نے اپنے آپ کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

وَاثُكْلَ أُمِّي ! وَاللهِ إِنِّي لَرَجُلٌ لَبِيبٌ شَاعِرٌ مَا يَخْفَى عَلَيَّ الْحَسَنُ مِنَ الْقَبِيحِ . وَمَا يَمْنَعُنِي أَنْ أَسْمَعَ مِنْ هٰذَا الرَّجُلِ مَا يَقُولُ فَإِنْ كَانَ الَّذِي يَأْتِي بِهِ حَسَنًا قَبِلْتُهُ وَإِنْ كَانَ قَبِيحًا تَرَكْتُهُ

"میری ماں کے بچے مریں! بخدا میں ایک عقل مند آدمی ہوں اور شاعر بھی ہوں۔ کلام کے حسن و قبح کو اچھی طرح پہچانتا ہوں اس شخص کی بات سننے سے مجھے روکنے والا کون ہے اگر اس نے کوئی اچھی بات کہی تو قبول کر لوں گا اور اگر کوئی قبیح بات کہیں گے تو اسے مسترد کر دوں گا۔"

چنانچہ میں وہاں رک گیا۔ حضور نے نماز پڑھی اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چل پڑا۔ حضور گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں یہ یہ باتیں بتائی ہیں۔ وہ مجھے حضور سے ڈراتے رہے۔ یہاں تک کہ اس خوف سے کہ آپ کی آواز میرے کانوں کے پردوں سے ٹکرائے۔ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ لیکن آج اچانک آپ کی آواز میرے کانوں میں پڑی ہے جو مجھے پسند آئی ہے۔ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے اپنی دعوت کے بارے میں خود بتائیں تاکہ اس کے متعلق میں کچھ فیصلہ کر سکوں۔

طفیل کہتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اسلام کے بارے میں بتایا پھر قرآن کریم پڑھ کر سنایا۔

خدا کی قسم! اس سے زیادہ دلکش اور اثر آفرین کلام میں نے آج تک نہیں سنا تھا۔ اور نہ اس دین سے بہتر کوئی اور دین میں جانتا تھا۔ میرے دل نے اس دعوت کی عظمت اور سچائی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اسی وقت سرکار کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور کلمہ

شہادت پڑھ لیا۔

پھر میں نے عرض کی یا نبی اللہ! میں اپنی قوم کا سردار ہوں سب لوگ میرے حکم کی تعمیل کرتے ہیں میں یہاں سے اب واپس ان کے پاس جا رہا ہوں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں گا حضور دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نشانی عطا فرمائے جو تبلیغ کے اس کام میں میری معاون اور مدد گار ثابت ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَهٗ اٰيَةً

"اے اللہ! اس کو کوئی نشانی عطا فرما دے۔"

دولت ایمان اور نعمت یقین سے مالا مال ہو کر میں مکہ سے روانہ ہوا۔ جب اس وادی کے اونچے ٹیلے پر پہنچا جس کے دامن میں میری قوم کی بستی تھی جہاں سے نیچے والے لوگ مجھے دیکھ سکتے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ اچانک میری آنکھوں کے درمیان سے نور چمکنے لگا جیسے کسی نے چراغ روشن کر دیا ہو۔ میں نے عرض کی یا اللہ! اس نور کو اس جگہ سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ ظاہر فرما دے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ کہنے لگیں کہ اس نے اپنے بتوں کو چھوڑا ہے جس کی سزا میں اس کے چہرے پر برص کا داغ ظاہر ہو گیا ہے اچانک وہ نور میری دونوں آنکھوں کے درمیان سے ہٹ کر میری سوٹی کے ایک کنارے پر جگمگانے لگا۔ جب میں نیچے اتر رہا تھا میری قوم نے دیکھا کہ میری سوٹی کے ایک کنارے پر روشنی چمک رہی ہے میں اپنے گھر پہنچ گیا۔ رات بسر کی صبح سویرے میرے باپ جو کافی بوڑھے تھے مجھے ملنے کے لئے آئے تو میں نے کہا۔

ابا جی! آج سے میرا آپ کا تعلق ختم۔ آپ تشریف لے جائیں۔

باپ نے پوچھا بیٹا! کیا بات ہے۔

میں نے کہا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور محمد مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کی غلامی قبول کر لی ہے باپ نے کہا۔ جو دین تو نے قبول کیا ہے میں بھی اسی دین کو قبول کرتا ہوں۔ میں نے کہا جائیے غسل کیجئے۔ پاک کپڑے پہنئے پھر میرے پاس تشریف لایئے میں آپ کو اس دین کی تعلیم دوں گا جو مجھے دی گئی ہے چنانچہ میرے والد گھر گئے۔ غسل کیا۔ پاک کپڑے پہنے اور واپس آئے میں نے انہیں اسلام کے بارے میں بتایا اور انہیں کلمہ شہادت پڑھایا۔

طفیل کہتے ہیں! پھر میری بیوی میرے پاس آئی میں نے اسے بھی یہی کہا کہ یہاں سے چلی جا۔ اب میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔

اس نے کہا! میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہو جائیں۔ ناراضگی کی وجہ کیا ہے مجھے کوئی بات تو بتاؤ۔

میں نے کہا! اسلام نے میرے اور تیرے درمیان جدائی کر دی ہے اب تو میری بیوی نہیں رہی۔

اس نے بھی کہا! کہ میں بھی وہی دین قبول کرتی ہوں جو تم نے قبول کیا ہے۔

میں نے اسے کہا کہ ذوشریٰ کی چراگاہ میں جاؤ وہاں چشمہ پر غسل کرو اور پھر آؤ۔ (ذوشریٰ قبیلہ دوس کے بت کا نام تھا اردگرد کا علاقہ اس کے لئے وقف تھا وہاں پہاڑی سے ایک چھوٹی سی آبشار آکر گرتی تھی) بیوی نے وہاں جانے سے پہلے اپنے خاوند کو کہا کہ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ کہیں یہ دیوتا ناراض ہو کر انہیں گزند نہ پہنچائے۔ اس بات کا بھی خیال کر لو۔ پھر لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ طفیل نے مومنانہ یقین سے کہا "انا ضامن ذلک۔" کہ میں اس کا ضامن ہوں تو فکر مت کر۔ چنانچہ وہ بھی نہا کر کپڑے بدل کر آگئی تو طفیل نے اسے بھی اسلام کی تعلیم دی پھر اسے کلمہ شہادت پڑھایا۔

اپنے گھر والوں سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنے قبیلہ دوس کو دعوت اسلام دینا شروع کی۔ لیکن انہوں نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا اور اپنے قدیم عقائد پر جمے رہے میں قدرے مایوس ہو کر مکہ مکرمہ میں اپنے ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا نبی اللہ! میں نے اپنی قوم کو مسلمان بنانے کی بہت کوشش کی لیکن دنیا سے ان کی محبت اور لہو و لعب سے ان کا شغف انہیں مسلمان ہونے نہیں دیتا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کے لئے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور عرض کی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا

"اے اللہ تعالیٰ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے۔"

پھر مجھے فرمایا۔

اِرْجِعْ اِلٰی قَوْمِکَ فَادْعُھُمْ وَارْفِقْ بِھِمْ

"تم واپس چلے جاؤ انہیں تبلیغ کرو لیکن نرمی اور محبت سے انہیں اسلام کی طرف بلاؤ۔"

آپ کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے سرگرم عمل رہا۔

یہاں تک کہ حبیب کبریاء علیہ التحیۃ والثنا مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے بدر، احد، اور خندق کے معرکے بھی انجام پذیر ہو گئے ان کے بعد اپنی قوم کے نومسلموں کو لے کر میں زیارت کے لئے روانہ ہوا ہمارا قافلہ جو قبیلہ دوس کے ستر اسی گھرانوں پر مشتمل تھا۔ مدینہ طیبہ پہنچا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم خیبر کی مہم سر کرنے کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ ہم وہاں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہماری دلنوازی فرماتے ہوئے ہمیں دوسرے مجاہدین کی طرح مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔

لیکن علامہ علی بن برہان الدین الحلبی اپنی سیرت کی کتاب السیرۃ الحلبیہ میں لکھتے ہیں۔

کہ حضور نے طفیل بن عمرو الدوسی، کے قبیلہ اور حبشہ سے ہجرت کر کے خیبر میں حاضر ہونے والے حضرت جعفر کے ہمراہیوں کو مال غنیمت میں سے حصہ دینے سے پہلے مجاہدین خیبر سے مشورہ کیا اور انہیں کہا کہ وہ انہیں بھی اموال غنیمت میں حصہ دار بنائیں تعمیل ارشاد کرتے ہوئے سب نے بطیب خاطر اجازت دے دی تب ان دونوں گروہوں کو اموال غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔

علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ میری تحقیق یہ ہے کہ سرکار نے ان دونوں گروہوں کو ان اموال سے حصہ دیا جو خیبر کے ان دو قلعوں سے حاصل ہوئے تھے۔ جو جنگ سے نہیں بلکہ صلح سے فتح ہوئے تھے اور یہ اموال مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ کے زمرہ میں سے تھے۔ جنہیں اموال فئی کہا جاتا ہے اموال غنیمت میں سے نہ تھے اور اموال فئی کو امام وقت مجاہدین کے علاوہ دوسرے اہل اسلام میں بھی تقسیم کر سکتا ہے۔ (۱)

حضرت طفیل کے دوسرے رفقاء شرف نیاز حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹ گئے۔ لیکن وہ خدمت اقدس میں حاضر رہے۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اس پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ خانہ خدا جو جھوٹے بتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اسے ان نجاستوں سے پاک کیا گیا اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی وہاں عبادت کی جانے لگی۔ طفیل کہتے ہیں فتح مکہ کے دن میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یارسول اللہ! مجھے حکم ہو تو میں ذوالکفین (جو عمرو بن حممہ کا بت تھا) کو جا کر نذر آتش کر دوں۔ حضور کی اجازت سے میں وہاں پہنچا جہاں ذوالکفین کا بت نصب تھا۔ اس پر ایندھن رکھا اس کو آگ لگائی وہ جل کر خاکستر ہو رہا تھا اور اس کا پرانا پجاری جواب ساقی کوثر کے مے خانہ سے توحید کی شراب طہور سے سرخوش تھا۔ وہ یہ شعر الاپ رہا

۱۔ السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۳۴۸

تھا۔

يَاذَا الْكَفَّيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَا مِيلَادُنَا أَقْدَمُ مِنْ مِيلَادِكَا

إِنِّي حَشَوْتُ النَّارَ فِي فُؤَادِكَا

"اے ذوالکفین میں تیرے پجاریوں سے نہیں ہوں۔ ہماری تاریخ پیدائش تیری تاریخ پیدائش سے بہت پہلے کی ہے۔ میں نے تیرے دل میں آگ جھونک دی ہے۔"

اس بت کو جلا کر راکھ کر دینے کے بعد پھر یہ حضور کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوگئے اور آخر وقت تک نعمت دیدار سے مالا مال ہوتے رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر ملال کے بعد جب فتنہ انکار ختم نبوت نے اسلام کی نوخیز مملکت کو ہلا کر رکھ دیا تو طفیل بن عمرو الدوسی، اپنے نوجوان فرزند عمرو کے ساتھ اس جہاد میں پیش پیش رہے۔ یہاں تک کہ مسیلمہ کذاب کے خلاف فیصلہ کن معرکہ میں یمامہ کے مقام پر شہادت کی رنگین قبا زیب تن فرما کر بارگاہ رب العالمین میں حاضر ہوگئے ان کا فرزند داد شجاعت دیتا ہوا شدید زخمی ہوا۔ لیکن وہ صحت یاب ہوگیا۔ آخر کار شہید باپ کا بیٹا عہد فاروقی میں یرموک کے میدان میں شہید ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن ابیہ الماجد الکریم البطل الجلیل۔ (۱)

حرماں نصیب

کئی ایسے لوگ بھی تھے توفیق الٰہی نے جن کی دستگیری نہ کی وہ آب زلال کے اس چشمہ صافی کے قریب پہنچے لیکن پھر بھی تشنہ لب رہے ان میں سے ایک کا ذکر بطور مثال پیش خدمت ہے۔

قبیلہ بنی بکر بن وائل کا ایک رئیس جس کا نام اعشیٰ بن قیس بن ثعلبہ تھا۔ وہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر کے گھر سے روانہ ہوا اس نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا۔ جس میں حضور کی شان رفیع اور خصال حمیدہ کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات عقیدت و محبت کا اظہار بھی بڑی وارفتگی سے کیا تھا۔ جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو بعض مشرکین سے اس کی ملاقات ہوگئی انہوں نے پوچھا اعشیٰ کدھر کا قصد ہے اس نے انہیں بتایا کہ اسلام قبول کرنے کے لئے حضور کی خدمت عالیہ میں

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۴۰۷ تا ۴۱۱ و دیگر کتب سیرت

حاضر ہو رہا ہوں۔ انہوں نے اسے کہا یا ابا بصیر (یہ اعشی کی کنیت تھی) تم اسلام قبول کرنے تو جا رہے ہو لیکن تمہیں علم ہے کہ اس مذہب میں زنا قطعاً حرام ہے تم اس کے بغیر کیسے صبر کر سکو گے اس نے کہا بخدا! اب مجھے اس کی کوئی خواہش نہیں رہی۔ انہوں نے دوسرا وار کیا۔ کہا اسلام تو شراب کو بھی حرام قرار دیتا ہے کیا تم شراب سے اجتناب کر سکتے ہو۔ یہ سن کر وہ گھبرایا کہنے لگا۔

اَمَّا هٰذِهٖ فَوَاللّٰهِ اِنَّ فِی النَّفْسِ مِنْهَا لَعَلَّالَاتٌ

"بے شک یہ چیز بڑی مشکل ہے نفس اس پر شائد قادر نہ ہو۔"

پھر کہنے لگا! اچھا اب تو میں واپس جاتا ہوں۔ ایک سال اس مسئلہ پر غور کروں گا آئندہ سال پھر آؤں گا اور اسلام قبول کروں گا۔ چنانچہ بد بختی اسے واپس لے گئی لیکن موت نے مہلت نہ دی کہ وہ آئندہ سال حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو۔ کفر کی حالت میں ہی وہ عالم آخرت کو سدھارا۔ (۱)

رُکانہ پہلوان

رُکانہ، قبیلہ قریش میں سب سے زیادہ طاقتور، دلیر اور کشتی کے فن میں بڑا ماہر تھا۔ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ کی گھاٹیوں میں گھوم رہے تھے کہ ایک گھاٹی سے گزرتے ہوئے رکانہ سے ملاقات ہو گئی۔ حضور نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور اس سے فرمایا اے رکانہ! کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کیا تم میری دعوت کو قبول نہیں کرو گے۔

اس نے کہا! اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ آپ جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں وہ حق ہے تو میں اسے ضرور قبول کر لیتا اور آپ کی پیروی کرتا۔

حضور نے فرمایا! اگر میں تمہیں پچھاڑ دوں تو کیا تم تسلیم کر لو گے کہ میری دعوت سچی ہے۔

اس نے کہا! بے شک۔ اسے زعم تھا کہ اس جیسے شہ زور اور چیل تن پہلوان کو پچھاڑنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں اسے خیال تھا کہ وہ چشم زدن میں حضور کو دبوچ لے گا۔

حضور نے فرمایا! اٹھ اور میرے ساتھ کشتی کر۔ وہ غراتا ہوا اٹھا اور خم ٹھونک کر سامنے کھڑا ہو گیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ اپنے پنجے میں پکڑ کر بھینچا تو وہ آن واحد میں

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۴۱۶

زمین پر چت گرا ہوا تھا اسے اپنے تن بدن کی ہوش نہ رہی وہ دامن جھاڑتا ہوا زمین سے اٹھا اور کہنے لگا ایک بار پھر۔ حضور نے پھر پکڑا اور زمین پر پٹخ دیا وہ پھر اٹھا اور کہنے لگا یا محمد (فداہ ابی و امی) بڑے تعجب کی بات ہے میرے جیسے پہلوان کو آپ نے پچھاڑ دیا۔

ہادی برحق نے فرمایا۔ اگر تیرے دل میں خدا کا خوف ہو اور تو میری دعوت کو قبول کرنے کا وعدہ کرے تو میں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز چیز تمہیں دکھانے کے لئے تیار ہوں۔ پوچھنے لگا وہ کیا۔ حضور نے فرمایا میں تیری راہنمائی کے لئے یہ سامنے جو درخت کھڑا ہے اسے بلاتا ہوں وہ ابھی میرے پاس آجائے گا۔ وہ سراپا حیرت بن کر کہنے لگا اچھا بلائیے! حضور نے درخت کو حکم دیا وہ چلتا ہوا حاضر خدمت ہو گیا پھر اسے ارشاد فرمایا اپنی جگہ واپس چلے جاؤ وہ اسی وقت واپس چلا گیا۔ رکانہ پہلوان دامن جھاڑتا ہوا وہاں سے اٹھا۔ اور شرمندگی سے سر اوپر نہیں اٹھ رہا تھا۔ سیدھا اپنی قوم کے پاس آیا اور انہیں کہنے لگا اپنے صاحب کے جادو کے بل پر تم اہل زمین پر غالب آسکتے ہو۔ میں نے آج تک ایسا زبردست جادوگر کوئی نہیں دیکھا۔ (۱)

پھر اس نے اپنا واقعہ بیان کیا۔

علامہ ابن کثیر نے اس واقعہ کو پہلے اسی طرح لکھا ہے اس کے بعد "قُلتُ" یعنی میں کہتا ہوں لکھ کر ابو بکر الشافعی کی روایت باسناد جید حضرت ابن عباس سے یوں ذکر کی ہے۔

کہ یزید بن رکانہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یکے بعد دیگرے تین بار کشتی لڑی اس نے کہا تھا۔ کہ اگر آپ مجھے گرا لیں تو میں آپ کو ایک سو بکریاں دوں گا۔ حضور نے تین بار اسے پچھاڑ دیا۔ جب وہ تیسری مرتبہ چاروں شانے چت زمین پر آگرا تو کہنے لگا۔ یا محمد! آج تک کسی نے میری پشت زمین سے نہیں لگائی آج سے پہلے آپ سے زیادہ مجھے مبغوض کوئی نہیں تھا لیکن آج میں گواہی دیتا ہوں کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حضور صلی علیہ وسلم اس کی چھاتی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی بکریاں اسے واپس کر دیں۔ (۲)

ا۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۴۱۸

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۸۳

ضماد ازدی کا قبول اسلام

ازدشنوءۃ۔ عرب کے نامور قبیلوں میں سے ایک مشہور قبیلہ ہے اس قبیلہ کا ایک رئیس ضماد ازدی مکہ مکرمہ میں آیا۔ یہ ان مریضوں کو دم کیا کرتا تھا۔ جنہیں آسیب یا جنات کی تکلیف ہوتی تھی۔ اسے یہاں کے چند احمقوں نے حضور کے بارے میں بتایا کہ انہیں آسیب کی تکلیف ہے وہ بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں انہیں غشی کے دورے پڑتے ہیں علاوہ ازیں ایک نئے مذہب کا پراپیگنڈا بھی بڑے زور شور سے کرتے ہیں جس کی وجہ سے سارے شہر میں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔ ایسے بیماروں کے لئے تیرا دم بڑا اکسیر ہے اگر تم ان کو دم کرو۔ تیرے دم سے وہ صحت یاب ہو جائیں تو ساری قوم تیری شکر گزار ہو گی۔

اس نے دل میں طے کیا کہ اگر میری اس شخص سے ملاقات ہوئی تو میں ضرور اسے دم کروں گا شائد اللہ تعالیٰ اسے میرے ذریعہ شفایاب کر دے چنانچہ اس نے ایک روز حضور کو حرم کے صحن میں بیٹھے دیکھا وہ حضور کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس آسیب کا بڑا مجرب دم ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے میرے دم سے اس کو صحت بخش دیتا ہے کیا آپ کی مرضی ہے کہ میں آپ کو دم کروں۔ اس کی یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوں گویا ہوئے۔

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ. نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ مَنْ يَّهْدِي اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ.

ضماد یہ کلمات طیبات سن کر بے خود ہو گیا اور عرض کی ایک بار پھر یہ ارشاد دہرائیے۔ ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین بار ان کلمات کو دہرایا۔ انہیں سننے کے بعد ضماد کہنے لگا۔

لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ. وَقَوْلَ السَّحَرَةِ وَقَوْلَ الشُّعَرَاءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَاءِ هَاتِ يَدَكَ اُبَايِعْكَ عَلَى الْاِسْلَامِ.

"میں نے کاہنوں، جادوگروں، کے اقوال سنے، شعراء کے اشعار سنے۔ لیکن میں نے آپ کے ان کلمات کی مثل کوئی کلام نہیں سنا۔ ہاتھ آگے

بڑھایئے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کروں۔"

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دست مبارک بڑھایا اس نے بیعت کرلی۔ پھر حضور نے فرمایا یہ بیعت صرف تمہاری طرف سے نہیں بلکہ تیری قوم کی طرف سے بھی ہے۔ اس نے کہا بے شک۔ یہ بیعت میری قوم کی طرف سے بھی قبول فرمائیں۔ (۱)

مکہ میں وفد نجران کی آمد اور ان کا قبول اسلام

نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد جو تقریباً بیس افراد پر مشتمل تھا۔ مکہ مکرمہ میں بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میں حاضری سے مشرف ہوا۔ نجران۔ مکہ اور یمن کے درمیان ایک شہر کا نام ہے ان لوگوں نے حضور کا ذکر خیر ان مہاجرین سے سنا تھا۔ جو اہل مکہ کے جور و ستم سے تنگ آکر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے یہ وفد جب مکہ پہنچا تو اس وقت سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے یہ لوگ وہیں حاضر ہوگئے اور جو سوالات اور شبہات ان کے دل میں کھٹک رہے تھے وہ ایک ایک کر کے پوچھتے گئے۔ حضور ان کا جواب ارشاد فرماتے گئے قریش مکہ اپنی اپنی مجالس میں بیٹھے ان نوواردوں کے احوال واعمال کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ جب وہ اپنے سوالات عرض کر چکے اور ان کے تسلی بخش جوابات سن کر ان کے دلوں کو اطمینان حاصل ہوگیا تو ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

اور ان کے سامنے قرآن کریم کی چند آیات بینات کی تلاوت فرمائی جب انہوں نے کلام الٰہی سنا۔ تو ان پر رقت طاری ہوگئی اور ان کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہوگیا۔ تلاوت ختم ہوئی تو ان سب نے کلمہ شہادت پڑھا اور حضور کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کرلی ان کو یقین ہوگیا۔ کہ جس نبی منتظر کے بارے میں وہ اپنی آسمانی کتابوں میں پڑھا کرتے تھے بلاشبہ یہ وہی نبی موعود ہیں۔ جب نور ایمان سے اپنے تاریک دلوں کو منور کر چکے تو اجازت طلب کی اور واپس جانے لگے یہ لوگ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ کفار قریش نے ان کو گھیرے میں لے لیا ابو جہل نے طعن و تشنیع کی بوچھاڑ شروع کی انہیں کہا۔

خَیَّبَکُمُ اللّٰہُ مِنْ رَکْبٍ بَعَثَکُمْ مِنْ وَرَاءِکُمْ مِنْ اَھْلِ دِیْنِکُمْ تَرْتَادُوْنَ اَیْ تَنْظُرُوْنَ الْاَخْبَارَ لَھُمْ لِتَاْتُوْھُمْ بِخَبَرِ الرَّجُلِ

۱۔ السیرۃ الحلبیہ۔ امام محمد ابو زہرہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۲۹

وَلَمْ تَطْمَئِنَّ مَجَالِسُكُمْ عِنْدَهُ حَتّٰى فَارَقْتُمْ دِيْنَكُمْ فَصَدَّقْتُمُوْهُ بِمَا قَالَ لَا نَعْلَمُ رَكْبًا اَحْمَقَ مِنْكُمْ۔

"اللہ تعالیٰ تمہارے قافلے کو خائب و خاسر کرے۔ تمہارے پیچھے جو تمہارے ہم مذہب ہیں انہوں نے تمہیں یہاں بھیجا ہے تاکہ اس شخص کے حالات کا مشاہدہ کرو اور پھر واپس جا کر انہیں ان حالات سے خبردار کرو۔ جوں ہی تمہیں وہاں ان کی محفل میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ تو فوراً تم نے اپنا دین ترک کر دیا اور جو کچھ اس نے کہا اس کی تصدیق کر دی۔ ہمیں معلوم نہیں کہ تم سے زیادہ احمق اور بے وقوف کارواں ہم نے کبھی دیکھا ہو۔"

انہوں نے طعن و تشنیع کے تیروں کی اس بوچھاڑ کو بڑے صبر اور تحمل سے برداشت کیا اور انہیں صرف اتنا جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جاہلوں۔ اجڈوں کی طرح گفتگو کرنا نہیں چاہتے جو نعمت ہمیں ملی ہے وہ ہمیں نصیب رہے اور جس راستہ پر تم گامزن ہو تم اس پر قائم رہو۔ ہمیں تم سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ یہ خوش بخت اور خوش نصیب کارواں دارین کی سعادتوں کے خزانے اپنے دلوں میں سمیٹے اپنے وطن واپس چلا گیا انہیں کے بارے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔

"جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں آنسوؤں سے اس لئے کہ پہچان لیا انہوں نے حق کو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو لکھ لے ہمیں (اسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں۔"

(سورۃ المائدہ: ۸۳)

علامہ حلبی نے تو سیرت حلبیہ میں یہ بیان کیا ہے کہ یہ وفد نجران کے عیسائیوں کا تھا۔ لیکن امام ابن ہشام نے تحریر کیا ہے کہ یہ نصاریٰ حبشہ کے رہنے والے تھے وہاں ان کی ملاقات مہاجرین سے ہوئی زیارت کا شوق انہیں کشاں کشاں مکہ لے آیا یہاں دولت ایمان

سے مالامال ہو کر واپس گئے۔ (۱)

محب الفقراء والمساکین

محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب حرم میں تشریف فرما ہوتے تو عام طور پر فقراء ومساکین صحابہ اپنے آقا کی خدمت میں بصد ادب ونیاز حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔ خباب، عمار، ابو فکیہہ، یسار مولی، صفوان بن امیہ، صہیب۔ ان مفلوک الحال درویشوں کو دیکھ کر کفار قریش ان کا مذاق اڑاتے اور پھبتیاں کستے اور کن انکھیوں سے دیکھتے اور ایک دوسرے کو کہتے یہ ہیں ان صاحب کے معتقدین۔ کیا ہم جیسے رئیسوں اور دولت مندوں کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ نے ان بھک منگوں کو ہدایت کی نعمت سے نوازا ہے۔ اگر ان صاحب کا دین حق ہوتا تو یہ لوگ اسے قبول کرنے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ ہمیں نظر انداز کر کے ان کو اس نعمت سے سرفراز فرماتا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۔ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

"اور نہ دور ہٹاؤ انہیں جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، طلب گار ہیں (فقط) اس کی رضا کے نہیں آپ پر ان کے حساب سے کوئی چیز۔ اور نہ آپ کے حساب سے ان پر کوئی چیز تو پھر بھی اگر آپ دور ہٹائیں انہیں تو ہو جائیں گے بے انصافی کرنے والوں سے۔ اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈال دیا بعض کو بعض سے تاکہ کہیں مال دار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے۔ کیا نہیں جانتا اللہ

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۱۸ - ۴۱۹

تعالیٰ ان سے زیادہ اپنے شکر گزار بندوں کو۔ اور جب آئیں آپ کی خدمت میں وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر تو (ان سے) فرمایئے سلام ہو تم پر لازم کر لیا ہے تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے آپ پر رحمت فرمانا تو جو کوئی کر بیٹھے تم میں سے برائی۔ نادانی سے پھر توبہ کر لے اس کے بعد اور سنوار لے (اپنے آپ کو) تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

(سورۃ الانعام: ۵۲۔ ۵۴)

عامُ الحُزن

غم واندوہ کا سال

عامُ الحزن

عام الحزن (غم واندوہ کا سال)

شعب ابی طالب کی محصوری سے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور حضور کے ہمراہیوں کی رہائی، نبوت کے دسویں سال میں ہوئی مشہور سیرت نگار موسیٰ بن عقبہ کی تحقیق کے مطابق یہ مدت تین سال تھی جس کا آغاز ماہ محرم نبوت کے ساتویں سال سے ہوا تھا۔ اور محمد بن سعد کی روایت یہ ہے کہ یہ مدت دو سال تھی بہر حال اس طویل عرصہ میں محصورین کو جن مصیبتوں، دشواریوں اور محرومیوں کا سامنا کرنا پڑا اس کے بارے میں آپ ابھی پڑھ آئے ہیں۔

ان جانگداز اور روح فرسا تکالیف کے باوجود سرکار دوعالم کا شوق تبلیغ کم نہیں ہوا بلکہ ان مصائب نے اس میں اضافہ ہی کیا ذوق وشوق میں افزائش ہی ہوئی۔ ظالمانہ حصار کے ٹوٹ جانے کے بعد ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا فریضہ رسالت پہلے سے بھی کئی گنا زیادہ سرگرمی سے ادا کرنا شروع کر دیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اب حالات قدرے پر سکون رہتے اور حضور پوری قوت اور پوری یک سوئی سے گم کردہ راہ مخلوق کو صراط مستقیم کی طرف راہبری کرتے لیکن قدرت الٰہی کی حکمتوں کا کون احاطہ کر سکتا ہے اس محاصرہ کو ختم ہوئے ابھی پورا مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ مشفق و مہربان چچا حضرت ابو طالب داغ مفارقت دے کر عالم جاوداں کو سدھارے۔ قلب و جگر کو پارہ پارہ کر دینے والے اس صدمہ پر ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بھی پیک اجل کو لبیک کہا اور فردوس بریں میں جا کر فروکش ہو گئیں۔ یہ دو صدمے سرکار دوعالم کے قلب نازک کے لئے بڑے غم انگیز اور اندوھناک صدمے تھے اس لئے اس سال کو "عام الحزن" (غم واندوہ کا سال) کے نام سے موسوم کیا گیا۔

بعض مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین کی وفات پہلے ہوئی اور حضرت ابو طالب نے آپ کے بعد انتقال کیا لیکن صحیح قول یہی ہے کہ پہلے حضرت ابو طالب نے اور ان کے

چند روز بعد ام المؤمنین حضرت خدیجہ نے سفر آخرت اختیار کیا۔

اَلْمَشْهُوْرُ اَنَّهٗ مَاتَ قَبْلَ مَوْتِ خَدِيْجَةَ وَكَانَ مَوْتُهُمَا فِيْ عَامٍ وَّاحِدٍ قَبْلَ مُهَاجَرَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ بِثَلَاثِ سِنِيْنَ

"مشہور قول یہ ہے کہ حضرت ابو طالب کی وفات حضرت خدیجہ کی وفات سے پہلے ہوئی یہ دونوں وفاتیں ایک سال میں ہوئیں اور ہجرت سے تین سال پہلے۔" (۱)

وفات حضرت ابو طالب

حضرت ابو طالب کے انتقال پر ملال کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر اولین سیرت نگار ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

جب قریش کو آپ کی بیماری کا علم ہوا تو انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ حمزہ، عمر بن خطاب جیسے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور آپ کی دعوت آہستہ آہستہ قریش کے جملہ قبائل میں بھی اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ اٹھو سب ابو طالب کے پاس چلیں۔ اب ان کا آخری وقت ہے شائد ان کی کوشش سے ہمارے درمیان اور محمد (فداہ ابی وامی) کے درمیان کچھ مفاہمت ہو جائے۔ کچھ ہم ان کی باتیں مان لیں۔ کچھ وہ ہماری باتیں مان لیں اس طرح ہمیں اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے گا آخر میں انہوں نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

فَاِنَّا وَاللّٰهِ مَا نَاْمَنُ اَنْ يَّبْتَزُّوْنَا اَمْرَنَا

"ورنہ ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہمارا خاتمہ کر کے چھوڑیں گے۔

یہ طے کرنے کے بعد مکہ کے رؤساء میں سے عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابو جہل بن ہشام۔ امیہ بن خلف۔ ابو سفیان بن حرب اور چند دوسرے آدمی مل کر ابو طالب کے پاس گئے اور بایں الفاظ اپنی حاضری کا مدعا بیان کیا۔

اے ابو طالب! ہمارے دلوں میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے اس سے آپ باخبر ہیں اب آپ کی یہ حالت ہے ہم آپ کے بارے میں طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا ہیں ہمارے اور آپ کے

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۶۳

بھتیجے کے درمیان جو نزاع ہے وہ آپ کو بخوبی معلوم ہے ہماری خواہش ہے کہ آپ انہیں بلائیں اور ہماری اور ان کی صلح کرا دیں کچھ ہماری باتیں ان سے منوائیں اور کچھ ان کے مطالبات ہمیں ماننے کا حکم دیں تاکہ وہ ہمیں کچھ نہ کہیں اور ہم انہیں کچھ نہ کہیں۔ وہ ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیں۔ ہم جانیں اور ہمارے عقائد اور ہم ان کو ان کے حال پر رہنے دیں۔ وہ جانیں اور ان کے نظریات۔

حضرت ابو طالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا حضور تشریف لائے تو انہوں نے کہا اے میرے بھائی کے فرزند! تیری قوم کے یہ سردار یہاں جمع ہوئے ہیں۔ تاکہ کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر تمہارا جھگڑا طے ہو جائے اور آئندہ تم صلح و آشتی سے زندگی بسر کرو۔

اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے جواب دیا۔ اے محترم چچا! انہیں فرمائیں میری صرف ایک بات مان لیں سارے عرب کے بھی یہ مالک بن جائیں گے اور سارا عجم بھی ان کا باج گزار بن جائے گا۔

ابو جہل جھٹ بولا "نعم وابیک و عشر کلمات۔" تیرے باپ کی قسم! ایک بات نہیں آپ ایسی دس باتیں بھی کہیں تو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں حضور نے فرمایا کہو۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ وَتَخْلَعُوْنَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

"یعنی عبادت کے لائق کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اس کے بغیر تم جن معبودوں کی پرستش کرتے ہو ان کو پرے پھینک دو۔"

یہ سن کر ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور کہنے لگے یا محمد۔

يَا مُحَمَّدُ اَتُرِيْدُ اَنْ تَجْعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ؟ اِنَّ اَمْرَكَ لَعَجَبٌ ۔

"یعنی تم چاہتے ہو کہ ہم بہت سے خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کو مانیں۔ یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔"

آپس میں کہنے لگے کہ یہ شخص تمہارا کوئی مطالبہ تسلیم نہیں کرے گا۔ چلو چلیں۔ تم اپنے عقیدہ پر پکے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ وہاں سے واپس چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد حضرت ابو طالب نے اپنے بھتیجے پر کسی ناراضگی یا ناپسندیدگی کا

اظہار نہیں کیا بلکہ کہا۔

وَاللّٰہِ یَا ابْنَ اَخِیْ۔ مَا رَاَیْتُکَ سَاَلْتَھُمْ شَطَطًا

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے کہا۔

وَاللّٰہِ یَا ابْنَ اَخِیْ۔ مَا رَاَیْتُکَ سَاَلْتَھُمْ شَحَطًا

"یعنی میں نہیں دیکھا کہ تم نے کسی غلط بات کا ان سے مطالبہ کیا ہے۔"

شطط اور شحط۔ قریب المعنی لفظ ہیں اَلشَّطَطُ تُبَاعُدٌ عَنِ الْحَقِّ حق سے دور ہو جانا۔

آپ کی یہ بات سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل میں ان کے بارے میں امید پیدا ہوئی اور انہیں فرمایا۔

اَیْ عَمِّ! فَاَنْتَ فَقُلْھَا۔ اَسْتَحِلُّ لَکَ بِھَا الشَّفَاعَۃَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

"اے چچا! آپ یہ کلمہ کہئے اس سے قیامت کے دن آپ کے لئے میری شفاعت روا ہو جائے گی۔"

انہوں نے جواب دیا۔

یَا ابْنَ اَخِیْ۔ لَوْلَا مَخَافَۃُ السُّبَّۃِ عَلَیْکَ وَعَلٰی بَنِیْ اَبِیْکَ مِنْ بَعْدِیْ وَاَنْ تَظُنَّ قُرَیْشٌ اَنِّیْ اِنَّمَا قُلْتُھَا جَزَعًا لِلْمَوْتِ لَقُلْتُھَا لَا اَقُوْلُھَا اِلَّا لِاُسِرَّکَ بِھَا۔

"اے میرے بھتیجے! اگر اس کا بات خوف نہ ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد تمہیں اور تیرے بھائیوں کو لوگ مطعون کریں گے اور قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت کے ڈر سے پڑھا ہے تو میں ضرور پڑھتا۔ اور میں یہ کلمہ صرف تمہیں خوش کرنے کے لئے پڑھتا۔"

جب موت کا وقت قریب آگیا تو حضرت عباس نے دیکھا کہ وہ اپنے ہونٹ ہلا رہے ہیں انہوں نے کان لگا کر سنا اور عرض کیا۔

یَا ابْنَ اَخِیْ وَاللّٰہِ لَقَدْ قَالَ اَخِیْ اَلْکَلِمَۃَ الَّتِیْ اَمَرْتَہٗ اَنْ یَّقُوْلَھَا

"اے میرے بھتیجے! بخدا! میرے بھائی نے وہی کلمہ پڑھا ہے جس کے پڑھنے کا آپ نے انہیں حکم دیا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَمْ اَسْمَعْ میں نے نہیں سنا۔ (۱)

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۲۳۔ ۱۲۴

آپ کی زندگی کے آخری لمحات ہیں۔ آپ کے قبیلہ کے سر کردہ لوگ اکٹھے ہیں۔ اس وقت آپ نے ان سب کو ایک وصیت کی۔ جس سے آپ کی اولوالعزمی۔ بالغ نظری حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ آپ کی شان فصاحت و بلاغت کے جلوے بھی نظر آتے ہیں جس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اس کا لفظی ترجمہ پیش خدمت ہے۔

آپ نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

اے گروہ قریش! تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے چن لیا ہے۔ تم سارے عرب کا دل ہو۔ یہ اچھی طرح جان لو کہ تم نے تمام اچھی صفات اپنے اندر جمع کر لی ہیں شرف و عزت کے تمام مدارج تم نے پالئے ہیں انہیں گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے تمہیں دوسری قوموں پر برتری حاصل ہوئی .... میں تمہیں اس مکان (بیت اللہ شریف) کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ اور اسی پر تمہاری معاش کا دارومدار ہے اور اسی سے تمہارا دبدبہ قائم ہے۔ قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا قطع رحمی سے باز رہنا، کیونکہ صلہ رحمی سے زندگی طویل ہوتی ہے۔ اور دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بغاوت سرکشی کو ترک کر دینا کیونکہ اسی وجہ سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔ جو دعوت دے اس کو قبول کرنا۔ سائل کو خالی نہ لوٹانا۔ کیونکہ اسی میں زندگی اور موت کی عزت ہے۔ سچ بولنا۔ امانت میں خیانت نہ کرنا ان خوبیوں کی وجہ سے خواص کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور عوام کے دلوں میں عزت۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ساتھ بھلائی کرنا۔ کیونکہ سارے قبیلہ قریش میں وہ الامین کے لقب سے ملقب ہے اور سارے اہل عرب اسے الصدیق کہتے ہیں۔ جن خصائل حمیدہ کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے۔ وہ ان تمام کا جامع ہے بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے مفلسوں اور ناداروں نے دور دراز علاقوں میں رہنے والوں نے۔ کمزور اور ضعیف لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ اس کے دین کی تعظیم کی ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی برکت سے وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار پیچھے رہ گئے ہیں ان کے محلات غیر آباد ہو گئے ہیں۔ عرب کے سارے باشندے ان کے ساتھ دل سے محبت کرنے لگے ہیں اپنے دلوں کو اس کی محبت و عقیدت کے لئے انہوں نے مخصوص کر دیا ہے۔ اور اپنی زمام قیادت اس کے ہاتھ میں دے دی ہے۔

اے گروہ قریش! اپنے باپ کے بیٹے کے مددگار اور دوست بن جاؤ۔ جنگوں میں اس کے

حامی اور ناصر بن جاؤ۔ خدا کی قسم جو شخص اس کی راہ پر چلے گا ہدایت پا جائے گا۔ اور جو اس کے دین ہدایت کو قبول کرلے گا وہ نیک بخت اور بلند اقبال بن جائے گا اگر میری زندگی میں کچھ گنجائش ہوتی اور میری موت میں کچھ تاخیر ہوتی تو میں ساری جنگوں میں اس کی کفایت کرتا اور تمام آلام و مصائب سے اس کا دفاع کرتا۔

اس وصیت کے بعد آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ (۱)

حضرت ابو طالب کا ایمان

حضرت ابو طالب نے عمر بھر اپنی جان سے عزیز بھتیجے کی خدمات جس وفاشعاری سے انجام دیں اس کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی ملنی مشکل ہے اعلان نبوت کے بعد سرکار دو عالم کو جن خارہ گداز مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا ان میں آپ نے حضور کو کبھی تنہا نہیں چھوڑا۔ ساری قوم کی مخالفت اور عداوت مول لی لیکن حضور کی رفاقت سے منہ نہیں موڑا۔ اپنا اثر و رسوخ اپنا مال و متاع۔ اپنے اہل و عیال۔ سب کو حضور کے دفاع کے لئے وقف کر دیا۔ شعب ابی طالب کی طویل اور روح فرسا تنہائی میں۔ ساری مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ہر قدم پر حضور کا ساتھ دیا ہر نازک سے نازک مرحلہ پر دشمنوں کے ہروار کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اپنے خطبات میں حضور کی مدحت سرائی کرتے رہے۔ طویل قصیدے لکھے۔ جن میں آج بھی ہاشمی و مطلبی فصاحت کے انوار دمک رہے ہیں۔ ان قصائد میں ایسے اشعار موزوں کئے جنہوں نے بلغاء عرب اور فصحاء حجاز کو دم بخود کر دیا ان تمام قصائد میں حضور کی تعریف و توصیف کے ایسے سچے موتی پروئے جن کی چمک کے سامنے آسمان کے ستارے خجل ہیں۔ محبت و عقیدت کے پھولوں سے ایسے گلدستے تیار کئے جن کی مہک سے آج بھی مشام جان معطر ہو رہی ہے۔ جن کی نظر افروز رنگت آج بھی آنکھوں کو ضیاء بخش رہی ہے۔ ان کے سارے کلام میں کہیں بت پرستی اور بت پرستوں کی ستائش نام کی کوئی چیز نہیں۔ وہ اپنی عملی زندگی میں اسلام دشمن طاغوتی قوتوں کے سامنے ہمیشہ ایک چٹان بن کر کھڑے رہے۔ جب آپ بستر مرگ پر پیک اجل کا انتظار کر رہے تھے۔ اہل مکہ کا وفد حاضر ہو کر گزارش کرتا ہے ہمارے درمیان اور اپنے بھتیجے کے درمیان مصالحت کرا دیجئے۔ مصالحت کے لئے حضور انہیں کلمہ شہادت پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں وہ برافروختہ ہو کر چلے جاتے ہیں۔ ابو طالب حضور کی اس دعوت کے بارے

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد۔ جلد دوم۔ صفحہ ۵۶۵

میں اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یوں اظہار فرماتے ہیں۔

وَاللّٰہِ مَا رَاَیْتُکَ سَاَلْتَھُمْ شَطَطًا

اور دم واپسیں سے پہلے اپنے قبیلہ کے افراد کو جو آپ نے آخری وصیت کی ہے اس کا مطالعہ ابھی آپ کر چکے ہیں صرف اس جملہ پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ! اِبْنُ اَبِیْکُمْ، کُوْنُوْا لَہٗ وُلَاۃً وَلِحِزْبِہٖ حِمَاۃً
وَاللّٰہِ لَا یَسْلُکُ اَحَدٌ مِّنْکُمْ سَبِیْلَہٗ اِلَّا رَشَدَ وَلَا یَاْخُذُ اَحَدٌ
بِھَدْیِہٖ اِلَّا سَعِدَ

"اے گروہ قریش! یہ تمہارے باپ کے بیٹے ہیں ان کے دوست بن جاؤ۔ جنگوں میں ان کے حامی بن جاؤ۔ بخدا! تم میں سے جو شخص ان کے راستہ پر چلے گا ہدایت پائے گا۔ اور جو شخص ان کی ہدایت کو قبول کرے گا وہ سعادت مند ہو جائے گا۔"

اس کے بعد آپ کے بے شمار اشعار میں سے مندرجہ ذیل چند شعر پڑھئے۔ اور کہنے والے کے ایمان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آپ کو آسانی ہو گی۔

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا نَبِیًّا کَمُوْسٰی خُطَّ فِیْ اَوَّلِ الْکُتُبِ

"کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موسیٰ کی طرح نبی پایا ہے اور یہ بات پہلی کتابوں میں لکھی گئی تھی۔"

فَلَسْنَا وَرَبِّ الْبَیْتِ نُسْلِمُ اَحْمَدًا لِعَزَّآءٍ مِّنْ عَضِّ الزَّمَانِ وَلَا کَرْبٍ

"اس گھر کے رب کی قسم۔ ہم وہ لوگ نہیں ہیں کہ احمد کو تمہارے حوالے کر دیں زمانے کی شدتوں اور تکلیفوں سے تنگ آکر۔"

ایک اور قصیدہ میں شان محمدی کو یوں اپنی کوثر و سلسبیل سے دھلی ہوئی زبان میں بیان فرماتے ہیں۔

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ

"وہ روشن چہرے والے، جن کے چہرے کے وسیلہ سے بادل طلب کیا جاتا ہے، جو یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کی آبرو ہے۔"

وہ ہستی جس کا کردار اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ تھا اور جس کا منظوم کلام اس قسم کے دُرہائے شہوار سے بھرا ہوا ہے ایسی ہستی پر کفر و شرک کا الزام لگانا بڑا کٹھن کام ہے۔

علامۃ العصر امام محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سیرت کی نادرہ روزگار کتاب "خاتم النبیین" میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ میں ان کی اس تصنیف لطیف کے ایک اقتباس کا ترجمہ ہدیہ قارئین کرتا ہوں شائد اس موضوع پر شک و شبہ کی جو گرد پڑی ہوئی ہے وہ چھٹ جائے اور حقیقت کا رخ زیبا بے حجاب ہو جائے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کرنے کے بعد اس کا خلاصہ یوں تحریر فرماتے ہیں۔

اس بحث سے ہم تین نتائج تک پہنچے ہیں ان میں سے دو مسلمہ ہیں اور تیسرا محل نظر ہے۔

پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ ابو طالب اسلام کے حامی تھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دفاع کیا کرتے اپنے اشعار میں انہوں نے حضور کی دعوت کی جو مدح و ثناء کی ہے ذات رسالت کے لئے اور صحابہ کرام کے لئے جس محبت اور پیار اور شفقت کا اظہار کیا ہے اور مخالفین کی کذب بیانیوں کی جس شد و مد سے تردید کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور صادق ہیں۔ راشد ہیں یعنی حضور سچے ہیں اور راہ ہدایت پر ہیں۔

دوسرا مسلمہ نتیجہ یہ ہے کہ جب موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مطالبہ کی صفائی پیش کی جو آپ نے مشرکین مکہ سے کیا تھا اور دعوت محمدی کے بعد یہ کہیں معلوم نہیں کہ آپ نے بتوں کی توصیف کی ہو۔ ساری زندگی حضور کی معیت میں اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ اس کے ساتھ اس پاکیزہ محبت اور اس شفقت ظاہرہ کو بھی ملحوظ رکھتے جو انہیں ذات پاک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تھی۔

تیسرا نتیجہ جو محل نظر ہے وہ یہ ہے کہ کیا آپ نے اپنی زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ بے شک ایک روایت ایسی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی زبان سے یہ کلمہ پڑھا اور یہ وہی روایت ہے جس کے راوی حضرت عباس ہیں۔

بعض لوگوں نے اپنی حد سے تجاوز کرتے ہوئے حضرت عباس کے مقام رفیع پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ حضرت عباس کو جھوٹ سے متہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کی پناہ مانگتے ہیں کہ آپ کی ذات کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں خواہ اسلام سے پہلے ہی ہو۔ کیونکہ آپ خاندان قریش کے سرتاج اور سردار تھے۔ اور ایک عام عربی بھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

کیا آپ نے امام بخاری کی وہ روایت نہیں پڑھی جس میں ہرقل نے ابو سفیان کو اپنے دربار

میں طلب کیا تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں چند استفسارات کرے ابو سفیان کہتا ہے میں نے بہت چاہا کہ آج موقع ہے میں سچ کے بجائے جھوٹ بولوں تاکہ ہرقل کی عقیدت حضور سے ختم ہو جائے لیکن اس خوف سے میں نے سچے جواب دیئے کہ کہیں اہل عرب مجھے جھوٹا نہ کہنے لگیں۔ اگر ابو سفیان جیسا آدمی جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کر سکتا تو حضرت عباس جیسی ہستی جو ہاشمی خاندان کا سرتاج اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محترم چچا ہے کیا اس کے بارے میں یہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس نے غلط بیانی سے کام لیا۔

امام ابو زہرہ یہاں علامہ ابن کثیر کی ایک رائے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب دیتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں۔

وَهُوَ فِي هٰذَا كُلِّهِ يَعْلَمُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَادِقٌ رَاشِدٌ وَلٰكِنْ مَعَ هٰذَا لَمْ يُؤْمِنْ قَلْبُهٗ وَفَرْقٌ بَيْنَ عِلْمِ الْقَلْبِ وَتَصْدِيْقِهٖ۔

"ابو طالب ان تمام امور میں یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صادق ہیں۔ راشد ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ کا دل ایمان نہیں لایا تھا۔ اور دل کے جاننے اور ماننے میں فرق ہے۔"

علامہ ابن کثیر کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ ابو زہرہ لکھتے ہیں۔

گویا ابن کثیر ابو طالب کے علم کو یہودیوں کے علم کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ کہ یہودی حضور کو پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تھے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ حافظ ابن کثیر کے اس خیال کی مخالفت کروں اور یہود کے علم کو جس طرح انہوں نے حضرت ابو طالب پر منطبق کیا ہے اس کی تردید کروں۔

میں کہتا ہوں کہ ابو طالب کے علم میں اور یہود کے علم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ابو طالب کا علم ایسا ہے جس کے ساتھ تصدیق اور یقین پایا جاتا ہے اور آپ کی ساری زندگی اور آپ کے سارے قصیدے اس بات کی تائید کرتے ہیں اس لئے میں یہ کہتا ہوں۔

اِنَّهٗ لَا يُمْكِنُ اَنْ يَّكُوْنَ مُشْرِكًا قَطُّ

"کہ حضرت ابو طالب کا مشرک ہونا ممکن نہیں ہے۔"

اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ آپ نے قریش کے اقوال کو مسترد کیا اور دعوت توحید کی تائید کی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ نے ساری عمر توحید اور اہل توحید کا دفاع کیا اور اس راستہ میں جتنی اذیتیں مسلمانوں نے برداشت کیں اتنی اذیتیں ابو طالب نے بھی برداشت کیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے صراحت سے یہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور راشد ہیں اور اس بحث کے آخری پیرا میں فرماتے ہیں۔

اب تک ہم نے جو لکھا ہے اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ آپ ہرگز مشرک نہ تھے۔ کیونکہ مشرک وہ ہوتا ہے جو بتوں کی عبادت کرے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنائے اور آپ کی ساری زندگی اس بات کی شاہد عادل ہے کہ آپ بتوں اور ان کی پرستش کو باطل اور لغو سمجھتے تھے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى هُوَ الْعَلِيْمُ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وَمَا تُخْفِى الْاَنْفُسُ

لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہئے۔ کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے رہیں اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

مَسْئَلَةُ اِسْلَامِهٖ خِلَافِيَّةٌ ..... ثُمَّ اِنَّهٗ عَلَى الْقَوْلِ بِعَدَمِ اِسْلَامِهٖ
لَا يَنْبَغِىْ سَبُّهٗ التَّكَلُّمُ فِيْهِ بِفُضُوْلِ الْكَلَامِ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِمَّا يَتَاَذّٰى
بِهِ الْعَلَوِيُّوْنَ - بَلْ لَا يَبْعُدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِمَّا يَتَاَذّٰى بِهِ النَّبِىُّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - الَّذِىْ نَطَقَتِ الْاٰيَةُ بِنَاءً عَلٰى هٰذِهِ الرِّوَايَاتِ
بِحُبِّهٖ اِيَّاهُ وَالْاِحْتِيَاطُ لَا يَخْفٰى عَلٰى ذِىْ فَهْمٍ
لِاَجْلِ عَيْنٍ اَلْفُ عَيْنٍ تُكْرَمُ

"حضرت ابو طالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی مسئلہ ہے اور جو لوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں انہیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی ناروا جملہ لے آئیں کیونکہ اس سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد

کو اذیت پہنچتی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ حضور سرور عالم کا دل مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہو۔ ہر عقل مند آدمی جانتا ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیے۔" (۱)

مولانا شبلی نے اس موضوع پر جو لکھا ہے وہ بھی اس قابل ہے کہ اہل علم اس کا مطالعہ کریں۔ (۲)

وفات حسرت آیات
ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مشفق و مہربان چچا حضرت ابو طالب کی وفات سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو دکھ پہنچا تھا اس کے زخم ابھی تازہ تھے کہ قلب نازک کو ایک اور الم انگیز صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ نبوت کے دسویں سال سفر ہجرت سے تین سال پہلے. حضرت ابو طالب کی وفات پر ابھی صرف پینتیس دن گزرے تھے کہ ۱۰ ماہ رمضان کو حضور کی وفاشعار اور غمگسار رفیقہ حیات حضرت ام المؤمنین السیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیک اجل کو لبیک کہی۔ (۱)

آپ وہ عدیم النظیر رفیقہ حیات تھیں جنہوں نے اپنے نامور شوہر اور عظیم آقا کے قدموں میں صرف جان و دل کا نذرانہ ہی پیش نہیں کیا تھا۔ بلکہ اپنی دولت وثروت کے خزینے حضور کی رضا جوئی کے لئے بصد مسرت نچھاور کر دیئے تھے جس نے اپنی پچیس سالہ ازدواجی زندگی کا ہر لمحہ حضور کی راحت و آرام کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ جب بھی سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی کٹھن گھڑی آئی تو یہ خاتون بڑی عالی حوصلگی سے آگے بڑھیں اور اپنی فرزانگی اور عقل مندی سے حضور کا سہارا بنی۔

غار حرا کی وہ مبارک رات. جب جبرئیل امین بارگاہ رب ذوالجلال سے منصب نبوت پر فائز ہونے کی نوید لے کر آئے اور کلام الٰہی سے پہلی بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سرشار کیا اس وقت قلب مبارک پر حیرت و مرعوبیت کی جو کیفیت تھی اور جن خطرات اور اندیشوں نے ہراساں کر دیا تھا اس وقت جس انداز سے آپ نے دل داری کی اس کی مثال تاریخ عالم میں

۱۔ روح المعانی صفحہ ۲۰ سورۂ قصص آیت ۵۵

۲۔ السیرۃ النبویہ شبلی، جلد اول، صفحہ ۲۳۱۔ ۲۳۰

۳۔ انساب الاشراف، جلد اول، صفحہ ۴۰۵

اس وقت داغ مفارقت دے جانا جب کہ دعوت توحید بڑے جانگسل مرحلوں سے گزر رہی تھی۔ حضور کے لئے کتنا تکلیف دہ اور باعث رنج و غم ہوا ہو گا۔ اس کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں روح فرسا حادثے ایک ہی سال میں بڑی قلیل مدت کے اندر اندر رونپذیر ہوئے تھے اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سال کو عام الحزن "یعنی غم و اندوہ کا سال" سے موسوم فرمایا۔ حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ نے پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ حجون کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔ ابھی تک نماز جنازہ کا آغاز نہیں ہوا تھا جب مرقد مبارک تیار ہو گئی حضور پر نور خود اس میں تشریف لے گئے۔ اور پھر اس مرقد میں ان کو اللہ کے سپرد کر دیا گیا۔ (۱)

آپ کی وفاشعاری، جان نثاری، دانش مندی اور فیاضی کا اعتراف صرف فرزندان اسلام کو ہی نہیں بلکہ اغیار بھی آپ کی ان صفات جلیلہ کے صدق دل سے معترف ہیں۔

کونستانس جور جیو اپنی کتاب میں آپ کی خدمت میں یوں ہدیہ عقیدت و تحسین پیش کرتا ہے۔

جس روز نبی کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) نے انہیں اپنے منصب نبوت پر فائز ہونے کی اطلاع دی آپ اسی روز ایمان لے آئیں اور اسی دن سے اپنی دولت اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے خرچ کرنا شروع کر دی اور تادم واپسیں بڑی فیاضی سے اس روش پر قائم رہیں جس روز آپ نے وفات پائی ان کے پاس کھجور کی گٹھلی میں سیاہ نشان کے برابر بھی سیم و زر نام کی کوئی چیز نہ تھی مسلمانوں میں دو ہستیاں ایسی گزری ہیں جنہوں نے اپنی ساری دولت دعوت اسلامیہ کی ترقی کے راہ میں خرچ کر ڈالی۔ وہ دو ہستیاں حضرت خدیجہ اور حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے یہ دونوں بڑے دولت مند تھے اور جب انہوں نے وفات پائی تو ان کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ (۲)

۱۔ انساب الاشراف۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۰۶

۲۔ نظرۃ جدیدۃ۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۱۹

حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد کفار مکہ کا انسانیت سوز رویہ

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس روز سے اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت کا آغاز فرمایا قریش نے اسی روز سے دل آزاری اور اذیت رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا لیکن ان کی یہ دلآزاریاں زیادہ تر پھبتیاں کسنے، مذاق اڑانے اور دشنام طرازیوں تک محدود تھیں۔ اگرچہ فقرا صحابہ کو وہ طرح طرح کی بدنی اذیتیں بھی دیتے تھے لیکن سرکار دوعالم کی ذات اقدس پر دست درازی کی جرأت شاذ و نادر ہی کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو طالب کی وفات سے وہ بند بھی ٹوٹ گیا۔ اور ان بد نصیبوں نے اس نبی اقدس واطہر کی ذات پر اپنے مظالم کی حد کر دی۔ جو دن بھر اپنے من موہنے اور محبت بھرے انداز سے انہیں اپنے سچے پروردگار کے حضور باریاب کرنے کے لئے سرگرم رہتا اور رات کی خاموشی میں جب ساری دنیا میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہی ہوتی وہ جاگتا اور اپنے رب کریم کی بارگاہ میں رو رو کر ان کی ہدایت کے لئے دعائیں مانگتا تاکہ ان کے دونوں جہان سنور جائیں۔ عذاب دوزخ سے وہ بچ جائیں اور نعیم فردوس کے مستحق قرار پائیں۔

فرط رنج و غم کے باعث چند روز تک حضور خانہ نشین رہے عام طور پر باہر نکلنے سے اجتناب فرماتے لیکن کچھ دنوں کے بعد نبوت کی ذمہ داریوں کے احساس نے میدان عمل میں لا کھڑا کیا اور حسب سابق بڑی گرم جوشی سے لوگوں کو جھوٹے خداؤں کے نرغے سے نکال کر اللہ وحدہ لاشریک کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ مشرکین کو پہلے حضرت ابو طالب کا لحاظ بھی تھا اور خوف بھی۔ جب وہ دار فانی سے رخصت ہو گئے تو انہوں نے جی کھول کر سرور عالم و عالمیان پر تشدد کا آغاز کر دیا۔ ایک روز حضور گزر رہے تھے ایک کمینہ خصلت انسان نے حضور کے سر مبارک پر مٹی ڈال دی۔ گیسوئے عنبریں خاک آلود ہو گئے اسی حالت میں حضور گھر تشریف لائے۔ آج حضور کے استقبال کے لئے وہ رفیقہ حیات بھی موجود نہ تھی جس کی مسکراہٹ سے غم واندوہ کے اندھیرے چھٹ جاتے تھے۔ گھر میں حضور کی صاحبزادیاں تھیں انہوں نے جب اپنے پدر بزرگوار کو اس حالت میں دیکھا تو صبر نہ کر سکیں شدت غم سے آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ایک صاحبزادی صاحبہ پانی بھر کر لائیں۔ حضور کے گیسوئے عنبریں کو دھونا شروع کیا وہ دھو بھی رہی تھیں اور رو بھی رہی تھیں

حلم و وقار کے پیکر باپ نے یہ کہہ کر اپنی لخت جگر کو تسلی دی۔

اَیْ بُنَیَّ لَا تَبْکِیْ فَاِنَّ اللّٰہَ مَانِعٌ

"اے میری پیاری بچی! مت رو! بے شک اللہ تعالیٰ تیرے باپ کا نگہبان ہے۔"

عَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا زَالَتْ قُرَیْشٌ کَاعِیْنَ حَتّٰی مَاتَ اَبُوْطَالِبٍ

"ہشام اپنے باپ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش بزدل بنے رہے یہاں تک کہ ابو طالب نے وفات پائی۔" (۱)

ابو لہب۔ حکم بن ابو العاص بن امیہ۔ عقبہ ابن ابی معیط۔ عدی بن الحمراء اور ابن الاصداء العذری حضور کے پڑوسی تھے۔ حضور کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ حضور اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے ہوتے تو بکری کی اوجھ حضور پر پھینک دیتے۔ ہانڈی پک رہی ہوتی تو اس میں گندگی ڈال دیتے گھر کا کوڑا کرکٹ اکٹھا کرتے پھر اسے اٹھا کر حضور کے صحن میں پھینک دیتے۔ حضور ان گندی چیزوں کو لکڑی پر اٹھا کر باہر لاتے اور دروازے پر کھڑے ہو کر صرف اتنا فرماتے۔

یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ۔ اَیُّ جِوَارٍ ھٰذَا

"اے عبد مناف کی اولاد! تم ہمسائیگی کا حق ایسے ہی ادا کرتے ہو۔ پھر اسے ایک طرف پھینک دیتے۔" (۲)

ان میں سے بجز حکم بن ابو العاص کے کسی کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔

اس سے پہلے ہم کئی واقعات لکھ آئے ہیں جن میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ نے جسمانی اذیتیں پہنچائیں یا پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا رعب اور ہیبت طاری کر دی کہ وہ اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ علامہ ابن کثیر ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وَعِنْدِیْ اَنَّ غَالِبَ مَا رُوِیَ مِمَّا تَقَدَّمَ۔ مِنْ طَرْحِھِمْ سَلَا

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۲۶

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۲۶

الجزور بین کتفیہ وھو یصلی کما رواہ ابن مسعود وفیہ
ان فاطمۃ جاءت فطرحتہ عنہ واقبلت علیہم فشتمتہم
ثم لما انصرف رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دعا
علی سبعۃ منہم کما تقدم وکذلک ما اخبر بہ عبداللہ
بن عمرو بن العاص من خنقہم لہ علیہ السلام خنقا
شدیدا حتی حال دونہ ابوبکر الصدیق قائلا : اتقتلون
رجلا ان یقول ربی اللہ ! وکذلک عزم ابی جھل، لعنہ اللہ
علی ان یطأ علی عنقہ وھو یصلی فحیل بینہ وبین ذلک
وما اشبہ ذلک کان بعد وفات ابی طالب واللہ تعالی اعلم
فذکرھا ھھنا انسب واشبہ

"میں (ابن کثیر) کہتا ہوں کہ میرے نزدیک اکثر وہ واقعات جیسے غلیظ اوجھ کا حالت نماز میں حضور کے کندھوں پر ڈال دینا پھر فاطمۃ الزہراء کا تشریف لانا اور اس کو اٹھا کر پرے پھینکنا اور پھر مشرکین کو برا بھلا کہنا۔ اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو کی وہ روایت جس میں کفار کا حضور کا شدت سے گلا مبارک گھونٹنا اور حضرت ابو بکر صدیق کا ان کے درمیان حائل ہونا اور یہ فرمانا تمہیں شرم نہیں آتی تم اس شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اس طرح ابو جہل ملعون کا یہ عزم کرنا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حالت نماز میں ہوں اور سجدہ میں جائیں تو حضور کی گردن مبارک کو اپنے پاؤں سے روندے گا پھر قدرت الٰہی کا اس کے ارادے کو ناکام بنانا۔ ان میں سے اکثر واقعات حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد پیش آئے۔" واللہ اعلم (۱)

طبرانی، ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محسوس فرمایا کہ لوگوں کے تیور یکلخت بدل گئے ہیں ان کے رویہ میں شائستگی اور احترام کے بجائے بے مروتی بلکہ سنگ دلی کا مظاہرہ ہونے لگا تو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی حسرت سے فرمایا۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۴۸

يَا عَمِّ مَا أَسْرَعَ مَا وَجَدْتُ فَقْدَكَ

"اے چچا! کتنی جلدی میں تیرے کھو جانے کو محسوس کرنے لگا ہوں۔" (۱)

بزاز اور ابو نعیم نے الفضائل میں روایت کیا ہے ایک روز سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے لوگوں سے دریافت کیا۔ اَیُّهَا النَّاسُ : اَخْبِرُوْنِیْ بِاَشْجَعِ النَّاسِ اے لوگو! مجھے بتاؤ کہ سب لوگوں میں سے زیادہ بہادر کون ہے۔

لوگوں نے کہا ہمیں تو معلوم نہیں آپ ہی فرمائیے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا۔ سب لوگوں سے زیادہ بہادر ابو بکر ہیں میں نے ایک روز دیکھا کہ قریش نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکڑا ہوا ہے کوئی زدوکوب کر رہا ہے کوئی گالیاں بک رہا ہے اور وہ کہہ رہے ہیں کہ تم وہ ہو جس نے بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے اس وقت وہ لوگ اس قدر غضب ناک اور بپھرے ہوئے تھے کہ ہم میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آگے بڑھے اور سرکار دو عالم کو ان کی گرفت سے چھڑائے۔ حضرت ابو بکر اس وقت تنہا کفار کے اس گروہ پر جھپٹ پڑے کسی کو مار رہے ہیں کسی کے ساتھ ہاتھا پائی کر رہے ہیں کسی کو اس خست پر لعن وطعن کر رہے ہیں اور یہ بھی فرما رہے ہیں۔

وَيْلَكُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ

"خدا تمہارا ستیاناس کرے کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔"

پھر سیدنا علی نے جو چادر اپنے اوپر لپیٹی ہوئی تھی اسے اٹھایا اور اتنے روئے کہ داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی پھر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے یہ بتاؤ کہ آل فرعون کا مومن بہتر تھا یا ابو بکر۔ لوگ خاموش ہو گئے آپ نے انہیں جھنجوڑا اور فرمایا میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے پھر خود ہی جواب دیا۔

فَوَاللّٰهِ لَسَاعَةٌ مِّنْ اَبِیْ بَكْرٍ خَيْرٌ مِّنْ مِّثْلِ مُؤْمِنِ اٰلِ فِرْعَوْنَ
ذٰلِكَ رَجُلٌ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ وَهٰذَا رَجُلٌ اَعْلَنَ اِيْمَانَهٗ

"بخدا! ابو بکر کی حیات طیبہ کی ایک گھڑی مومن آل فرعون کی ساری زندگی سے بہتر ہے۔ وہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا اور حضرت ابو بکر اپنے

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۷۲

ایمان کا بانگ دہل اعلان کرتے تھے۔ (۱)

الغرض اس محترم چچا کے انتقال کے بعد مشرکین مکہ کمینگی کی حد تک اذیت رسانی پر کمربستہ ہو گئے اور جب بھی انہیں موقع ملتا اذیت رسانی کی حد کر دیتے کوئی شخص حضور کی بات سننے کا روا دار نہ تھا حضور بڑی کوشش فرماتے کہ اپنی قوم کو عمل اور عقیدہ کی پستیوں سے نکالیں اور صراط مستقیم پر انہیں گامزن کر دیں جو فلاح دارین کی منزل تک پہنچاتی ہے لیکن ان لوگوں نے گویا تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ کسی قیمت پر آپ کی بات نہیں سنیں گے اور نہ آپ کی دعوت کو قبول کریں گے۔

ان لوگوں کی ہٹ دھرمی اور سرکشی تبلیغ اسلام کی راہ میں مشکلات کے پہاڑ کھڑی کر رہی تھی لیکن جس ہستی کے ہاتھ میں اسلام کی اشاعت کا پرچم تھا اسے اپنی نبوت کی صداقت، اپنی دعوت کی حقانیت اور اپنے بھیجنے والے کی بے پایاں قوت پر اتنا پختہ اور ناقابل شکست یقین تھا کہ مصائب و آلام کے یہ طوفان اسے ذرا ہراساں نہیں کر سکتے تھے اسے اپنے رب کریم کی حکمتوں پر اتنا بھروسا تھا کہ حالات کی سنگینی سے وہ قطعاً خوفزدہ نہیں تھا۔

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۷۵

سفرِ طائف

سفرِ طائف

سفر طائف

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ملاحظہ فرمایا کہ موجودہ حالات میں مکہ کی مسموم فضا میں اسلام کا شجر طیبہ بار آور نہیں ہو سکتا تو حضور ذرا مایوس نہیں ہوئے بلکہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے لئے نئے میدان کی تلاش شروع کردی مکہ سے ایک سو بیس میل کے فاصلہ پر طائف نامی ایک شہر تھا جہاں اس زمانہ میں قبیلہ بنو ثقیف آباد تھا۔ وہ زراعت پیشہ لوگ تھے زرعی معاملات میں ان کی مہارت نے اس شہر کو دور دور تک مشہور اور اس کے گردونواح کو رشک فردوس بنا دیا تھا ایک دلکشا اور پُر فضا پہاڑی سلسلہ میں یہ شہر آباد تھا۔ شہر کے اردگرد انگوروں اور سیبوں کے خوبصورت باغات کا سلسلہ میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اعلیٰ قسم کے انگوروں کی بل کھاتی ہوئی بیلوں پر انگوروں کے آویزاں گچھے دل و نگاہ کو دعوت نظارہ دے رہے ہوتے ان کے پہلو بہ پہلو سیبوں کے باغات تھے جن کا خوش ذائقہ، خوشبودار اور رنگین پھل دیکھ کر منہ میں پانی بھر آتا درختوں کی قطاروں کے درمیان ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی آبجوئیں اپنی بہار دکھا رہی ہوتی تھیں۔ مکہ کے رؤساء نے بھی وہاں اپنے مکانات بنا رکھے تھے جب مکہ کی گرمی ناقابل برداشت ہوتی تو وہ دل بہلانے کے لئے یہاں چلے آتے بعض قریشی سرداروں کے یہاں زرعی رقبے بھی تھے جن میں انہوں نے باغات لگا رکھے تھے۔

طائف کے باشندے کیونکہ مالی لحاظ سے خوش حال تھے اس لئے وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی توجہ دیا کرتے تھے اس زمانہ میں جب کہ سارا جزیرہ عرب جہالت کے اندھیروں میں غرق تھا طائف میں بہترین طبیب، اور مایہ ناز منجم موجود تھے اپنے زمانہ کا بہترین طبیب حارث بن کلدہ تھا جس نے علم طب ایران کے ماہر اطباء اور حکماء سے حاصل کیا تھا وہ بھی طائف کا باشندہ تھا۔ اسی طرح جزیرہ عرب کا ماہر منجم عمرو بن امیہ بھی طائف کا رہنے والا تھا یہ شخص علم نجوم میں ید طولیٰ رکھتا تھا علمی طریقہ سے ستاروں کی رفتار اوقات طلوع و غروب اور

ان کے اثرات سے وہ آگاہ تھا۔ ستاروں کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرنے کے لئے اس نے رصدگاہ بنائی ہوئی تھی۔

اس شہر کے ارد گرد کیونکہ فصیل تعمیر کی گئی تھی اس لئے اس کو طائف کہتے ہیں۔ فصیل کی تعمیر سے پہلے اس بستی کا نام وَجّ تھا اس وقت جزیرہ عرب میں یہ ایک تنہا شہر تھا جس کے ارد گرد فصیل تھی یہ فصیل عرب معماروں نے تعمیر نہیں کی بلکہ اس کے معمار ایرانی تھے یہاں کے ایک شخص نے شاہ ایران کی عظیم خدمات انجام دی تھیں اس نے اس سے پوچھا۔ کہ میں تیری خدمات کے عوض تمہیں کیا انعام دوں اس نے کہا اے بادشاہ! آپ مجھے ایسے ماہر انجینئر اور کاریگر دیں جو میرے شہر کے ارد گرد فصیل تعمیر کر دیں تاکہ کوئی دشمن اس پر حملہ نہ کر سکے چنانچہ کسریٰ ایران کے بھیجے ہوئے ماہر کاریگروں نے اپنے انجینئروں کی زیر نگرانی یہ فصیل تعمیر کی اس وقت سے اس کا نام طائف ہو گیا شہر میں ایک پہاڑی ٹیلہ ہے جس پر لات کا مجسمہ نصب تھا۔ جو مشرکین عرب کے تین اعلیٰ معبودوں میں سے ایک تھا۔ جو مسلمانوں کے غالب آنے کے بعد مسمار کر دیا گیا۔ (۱)

طائف کا شہر اپنی گوناگوں خصوصیتوں کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ کا مرکز بنا قبیلہ بنی ثقیف سے حضور کی کچھ رشتہ داری بھی تھی ان تمام امور کے پیش نظر حضور نے مکہ کے بجائے طائف کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ بعثت کے دسویں سال ماہ شوال میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم مکہ سے طائف روانہ ہوئے تاکہ قبیلہ بنو ثقیف کو اسلام کی دعوت دیں شائد ان کے دل اس پیغام حق کو قبول کر لیں اس طرح دین مبین کو ایسے جاں نثار مجاہدین میسر آجائیں جو اس دعوت حق کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کا فریضہ خوش اسلوبی سے ادا کر سکیں۔

علامہ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ حضور نے یہ سفر تن تنہا اختیار فرمایا اور پیادہ پا مکہ سے چل کر طائف تشریف لے گئے لیکن محمد بن سعد صاحب الطبقات کی رائے یہ ہے کہ اس کٹھن اور پُر از مصائب و آلام سفر میں حضور کے خادم خاص زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ (۲)

یہاں پہنچ کر نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے رابطہ مہم شروع فرمائی طائف کے

۱۔ نظرۃ جدیدۃ صفحہ ۱۴۴۔ ۱۴۵

۲۔ محمد رسول اللہ ابراہیم عرجون، جلد دوم، صفحہ ۳۲۰

تمام قابل ذکر افراد کے پاس تشریف لے جاتے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے۔ دین اسلام کے بنیادی عقائد اور اساسی تعلیمات سے آگاہ فرماتے۔ گھر گھر جاکر اسلام کی دعوت دینے کا یہ سلسلہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ اور بعض علماء کے نزدیک حضور نے طائف میں دس روز قیام فرمایا۔ لیکن وہاں کے کسی فرد کو یہ توفیق ارزانی نہ ہوئی کہ وہ اس داعی برحق کی دعوت کو قبول کرتا آخر کار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم طائف کے تین چوٹی کے سرداروں کے پاس پہنچے۔ یہ تینوں سردار سگے بھائی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں عبدیالیل بن عمرو۔ مسعود بن عمرو۔ حبیب بن عمرو۔ ان تینوں میں سے ایک کی شادی قریش قبیلہ کے بنوجمح خاندان میں ہوئی تھی۔ حضور نبی کریم ان کے ہاں تشریف لے گئے اور بڑی دلسوزی سے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی انہیں فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ اس دین حق کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہو جاؤ اس دعوت کو پھیلانے میں میرے دست وبازو بنو اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں جہانوں میں سرخرو کرے گا۔ ہر میدان میں فتح و کامرانی تمہارے قدم چومے گی بجائے اس کے کہ اس سچی دعوت پر وہ دل کی گہرائیوں سے لبیک کہتے اور صدق و خلوص کے ساتھ حضور کی غلامی اختیار کرتے انہوں نے بد اخلاقی اور سفلہ مزاجی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ حضور کے قلب نازک کو سخت صدمہ پہنچا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کو سن کر ان میں سے ایک نے یہ کہا۔

وَهُوَ يَمْرُطُ ثَوْبَ الْكَعْبَةِ إِنْ كَانَ اللّٰهُ أَرْسَلَهَا

"یعنی اگر اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو گویا میں نے غلاف کعبہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔"

دوسرے نے بد تمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یوں کہا۔

أَمَا وَجَدَ اللّٰهُ أَحَدًا يُرْسِلُهُ غَيْرَكَ

"کیا تمہارے سوا اللہ کو اور کوئی نہیں ملا جسے وہ رسول بنا کر مبعوث کرتا۔

تیسرا کہنے لگا۔

وَاللّٰهِ لَا أُكَلِّمُكَ أَبَدًا لَئِنْ كُنْتَ رَسُولًا مِنَ اللّٰهِ كَمَا تَقُولُ لَأَنْتَ أَعْظَمُ خَطَرًا مِنْ أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ الْكَلَامَ - وَلَئِنْ كُنْتَ تَكْذِبُ عَلَى اللّٰهِ مَا يَنْبَغِي لِي أَنْ أُكَلِّمَكَ

"بخدا! میں آپ سے ہرگز بات نہیں کروں گا اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جس طرح آپ کا دعویٰ ہے تو پھر آپ کی شان بڑی بلند ہے مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ میں آپ کے کلام کا جواب دوں۔ اور اگر آپ (معاذاللہ) اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں تو مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں آپ کے ساتھ بات کروں۔" (۱)

طائف کے ہر قابل ذکر شخص سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملاقات کی اور انہیں اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور دین اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضور کو یہ توقع تھی کہ اہل مکہ نے ازراہ تعصب اگر اس سچی دعوت کو قبول نہیں کیا لیکن اہل طائف کا رویہ ایسا معاندانہ نہ ہوگا وہ اسے قبول کرنے میں تامل سے کام نہیں لیں گے۔ لیکن یہاں تو سارا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔ کسی نے شائستگی سے جواب دینے کی زحمت تک گوارا نہ کی انتہائی بے مہری اور ڈھٹائی سے اس دعوت کو مسترد کر دیا ان کے غیر متوقع طرز عمل سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاطر عاطر پر جو گزری ہوگی اس کا آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں حضور نے ان سے رخصت ہونے سے پہلے ان کو کہا۔

اِذْ فَعَلْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ فَاكْتُمُوا عَلَيَّ

"میرے ساتھ جو برتاؤ تم نے کیا وہ تو کیا اب یہ سارا معاملہ راز رہے اس کو افشا نہ کرنا۔" (۲)

کیونکہ حضور کو خدشہ تھا کہ اہل مکہ کو اگر معلوم ہو گیا کہ میں طائف گیا ہوں وہاں کے رؤساء کو قبول اسلام کی دعوت دی ہے اور انہوں نے بڑی سرد مہری سے اسے ٹھکرا دیا ہے تو اہل مکہ خوشی کے شادیانے بجائیں گے اور اسلام کے خلاف ان کے معاندانہ رویہ میں مزید تیزی اور تلخی پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے حضور نے ان سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن ان میں مروت نام کی کوئی چیز نہ تھی انہوں نے اس واقعہ کی خوب تشہیر کی وہ ہر ملنے والے سے اپنے اس متکبرانہ بلکہ احمقانہ جواب کا تذکرہ مزے لے لے کر کرتے۔

اور اس سے بھی زیادہ خست اور رذالت کا انہوں نے یوں مظاہرہ کیا کہنے لگے يَا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ مِنْ بَلَدِنَا کہ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ تم ہمارے نوجوانوں کو

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۴۹

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۵۰

اپنی باتوں سے بگاڑ دو گے اس کے علاوہ انہوں نے شہر کے اوباشوں اور نوخیز چھوکروں کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا وہ جلوس کی شکل میں اکٹھے ہو گئے اور حضور کا تعاقب شروع کر دیا آوازے کستے، پھبتیاں اڑاتے، دشنام طرازی کرتے، اپنے بتوں کے نعرے لگاتے ہوئے حضور کے پیچھے لگ گئے جس راستہ سے سرکار دوعالم نے گزرنا تھا طائف کے شہری دورویہ صفیں بنا کر بیٹھ گئے اور حضور جب ان کے درمیان میں سے گزرے تو انہوں نے پتھر برسانے شروع کئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بابرکت قدموں کو اپنے پتھروں کا نشانہ بناتے چلتے ہوئے جو پاؤں زمین پر رکھتے ٹھک سے پتھر اس پر آلگتا۔ حضور اسے اٹھاتے اور دوسرا پاؤں زمین پر رکھتے تو وہ پاؤں ان کی زد میں آجاتا یہاں تک کہ ان ظالموں کی سنگ باری سے مبارک قدم زخمی ہو گئے اور خون بہنا شروع ہو گیا۔ ان کی سنگ باری جب شدت اختیار کر لیتی تو حضور درد کی شدت سے بیٹھ جاتے وہ ظالم آگے بڑھتے حضور کو بازوؤں سے پکڑتے اور کھڑا کر دیتے پھر پتھر برسانا شروع کر دیتے اور ساتھ ہی قہقہے لگاتے زید بن حارثہ بیکسی کے اس عالم میں اپنے آقا کو بچانے کے لئے آڑ بن کر کھڑے ہو جاتے کئی پتھر ان کے سر پر لگے اور زخموں سے خون بہنے لگا۔ اس طرح طائف کے ان بدبخت شہریوں نے اپنے اس معزز و مکرم مہمان کو اپنے ہاں سے رخصت کیا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب طائف شہر کے باہر پہنچے تو دل ان کے ظالمانہ سلوک سے از حد مغموم تھا۔ سارا جسم زخموں سے چور چور تھا۔ پاؤں مبارک سے خون بہ رہا تھا قریب ہی ایک باغیچہ تھا۔ رحمت عالم اس میں تشریف لے گئے اور انگور کی ایک بیل کے نیچے بیٹھ گئے۔ (۱)

عبد منیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں پہنچ کر دو رکعت نفل ادا کئے پھر بڑے درد و سوز سے اپنے معبود برحق، اپنے محبوب حقیقی کی بارگاہ بیکس پناہ میں اپنے قلب حزیں کی حکایت درد و غم پیش کی ان سنگین ترین لمحات میں زبان رسالت سے نکلے ہوئے ان دعائیہ کلمات میں جو درد و سوز ہے اپنی بندگی کا جس نرالے انداز میں اظہار ہے اور ان حالات میں بھی جو تمنا لبوں پر دعا بن کر رونما ہو رہی ہے اس سے عظمت مصطفوی کے آفتاب کی تابانیوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس محبوب بندے کا اپنے کریم رب سے عبودیت کا جو رشتہ ہے اس کی پختگی کا پتہ چلتا ہے عشق الٰہی کا جو جذبہ اس قلب مبارک میں موجزن ہے اس سے بقدر فہم آگاہی نصیب ہوتی ہے۔ رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو مناجات اس وقت اپنے کریم و رحیم رب

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۷۷

کی بارگاہ میں بدل سوزاں و چشم گریاں و زبان لرزاں پیش کی اسے بار بار پڑھیے اس میں بار بار غور کیجئے شائد اس مقام کی رفعتوں کا آپ کو کچھ اندازہ ہو سکے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حبیب لبیب کو فائز فرمایا تھا حضور سراپا نور عرض کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْا اِلَیْکَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ	اے اللہ! میں اپنی طاقت کی ناتوانی،
وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ	اپنی قوت عمل کی کمی،
وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ	لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے بسی کا شکوہ تیری بارگاہ میں کرتا ہوں
یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ	اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے
وَاَنْتَ رَبِّیْ	تو میرا رب بھی ہے
اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ	تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے
اِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ	ایسے بعید کے حوالے جو ترش روئی سے میرے ساتھ پیش آتا ہے
اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ	کیا کسی دشمن کو تو نے میری قسمت کا مالک بنا دیا ہے
اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِکَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ	اگر تو مجھ پر ناراض نہ ہو تو مجھے ان تکلیفوں کی ذرا پروا نہیں
وَلٰکِنْ عَافِیَتُکَ اَوْسَعُ لِیْ۔	پھر بھی تیری طرف سے عافیت اور سلامتی میرے لئے زیادہ دلکشا ہے
اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ	میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے نور کے ساتھ۔ جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں
وَصَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ	اور دنیا و آخرت کے کام سنور جاتے ہیں
مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِیْ غَضَبَکَ	کہ تو نازل کرے اپنا غضب مجھ پر
اَوْ تُحِلَّ عَلَیَّ سُخْطَکَ	اور تو اتارے مجھ پر اپنی ناراضگی
لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی	میں تیری رضا طلب کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ	تیری ذات کے بغیر نہ میرے پاس کوئی طاقت ہے نہ قوت۔ (۱)

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۷۷۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۵۰ و دیگر کتب سیرت

اتفاق سے یہ باغ جس میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذرا دیر ستانے کے لئے رکے تھے مکہ کے ایک رئیس ربیعہ کا باغ تھا۔ جو اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بدترین دشمن تھا اس روز ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، وہاں باغ میں موجود تھے۔ حضور کے ساتھ طائف کے اوباشوں نے جو سلوک کیا تھا اس کا انہوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا تھا یہ اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدخواہ تھے لیکن اس ظالمانہ رویہ کو دیکھ کر ان کے دل بھی پسیج گئے اور قرابت کا خون جوش مارنے لگا۔ ان کا ایک غلام تھا جس کا نام عداس تھا۔ انہوں نے اسے کہا کہ انگوروں کا ایک گچھہ لے لو ایک طشتری میں رکھو پھر اسے لے کر اس نووارد کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ اسے تناول کرے۔ عداس نے ایسا ہی کیا۔ انگوروں کا ایک گچھہ طشتری میں رکھ کر حضور کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی کہ شوق فرمائیے۔ سرکار دو عالم نے بسم اللہ شریف پڑھی اور انگوروں کے دانے توڑ کر کھانے لگے۔ عداس نے غور سے حضور کے رخ انور کی طرف دیکھا پھر بولا۔ کہ یہ کلام ان بستیوں کے لوگ تو نہیں کہا کرتے یعنی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا یہاں تو رواج نہیں ہے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم کس ملک کے رہنے والے ہو۔ تمہارا کیا دین ہے۔

اس نے عرض کی۔ میں نصرانی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں۔

حضور نے فرمایا وہ نینوا، جو مرد صالح یونس بن متی کا شہر ہے۔

عداس بولا۔ آپ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں۔

حضور نے فرمایا۔

ذٰلِكَ اَخِيْ كَانَ نَبِيًّا وَاَنَا نَبِيٌّ

"وہ میرے بھائی ہیں وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔"

عداس اٹھ کھڑا ہوا جھک کر پہلے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر ہاتھوں کو چوما پھر مقدس قدموں کو بوسے دینے لگا۔ عتبہ اور شیبہ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے ایک نے دوسرے کو کہا لو۔ تمہارے غلام کو تو اس نے خراب کر دیا۔ اب وہ تمہارے کام کا نہیں رہا۔

عداس جب ان کے پاس واپس آیا انہوں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

تیرا ستیاناس ہو۔ تو اس شخص کے سر، ہاتھوں اور پاؤں کو کیوں چومنے لگ گیا تھا۔ تجھے کیا ہو گیا تھا عداس نے جواب دیا اے میرے مالکو! ساری روئے زمین پر اس ہستی سے بہتر کوئی نہیں ہے، اس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے بغیر کوئی نہیں بتا سکتا

وہ کہنے لگے - عداس اس کے فریب میں نہ آ جانا۔ تیرا دین اس کے دین سے بہت بہتر ہے۔ (۱)

یہ عداس اگرچہ اس وقت مسلمان نہیں ہوا لیکن حضور کی من موہنی صورت اس کے آئینہ دل میں ہر وقت منعکس رہتی جسے وہ کبھی فراموش نہ کر سکا۔

جب جنگ بدر کے لئے اہل مکہ کا لشکر روانہ ہونے لگا تو اس میں اس کے مالک شیبہ اور عتبہ بھی شریک تھے انہوں نے اسے بھی کہا کہ چلو تم بھی ہمارے ساتھ - اس وقت عداس نے ان دونوں کو کہا۔

وَقَالَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ الَّذِيْ رَاَيْتُ فِيْ حَائِطِكُمَا تُرِيْدَانِ؟
فَوَاللّٰهِ مَا تَقُوْمُ لَهُ الْجِبَالُ۔

"کیا تم اس شخص کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے جا رہے ہو جس کی زیارت میں نے تمہارے باغ میں کی تھی بخدا اس کے سامنے تو پہاڑ بھی کھڑے نہیں رہ سکتے۔"

وہ بدنصیب اب بھی نہ سمجھے الٹا اسے کہنے لگے کہ اس نے اپنی گفتگو سے تم پر جادو کر دیا ہے۔ (۲)

علامہ ابن کثیر نے صحیحین کے حوالہ سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ اَشَدَّ عَلَيْكَ مِنْ يَوْمِ اُحُدٍ؟ (فَقَالَ لَقَدْ لَقِيْتُ مِنْ قَوْمِكِ وَكَانَ اَشَدَّ مَا لَقِيْتُ يَوْمَ الْعَقَبَةِ)

"آپ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا

یارسول اللہ کیا احد کے دن سے بھی زیادہ تکلیف دہ دن حضور پر گزرا ہے؟ فرمایا تیری قوم کے ہاتھوں جو تکلیفیں مجھے یوم العقبہ کو پہنچیں وہ بہت زیادہ سخت تھیں یعنی جس روز میں نے بنی ثقیف کے سرداروں عبد یالیل وغیرہ کو دعوت دی اور انہوں نے جو سلوک میرے ساتھ روا رکھا وہ بڑا

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۵۰۔ ۱۵۱ اور دیگر کتب سیرت

۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۷۸

روح فرسا تھا۔ " (۱)

حضور فرماتے ہیں ان میں سے کسی نے میری دعوت قبول نہ کی۔ میں لوٹا اس روز میں سخت غمگین و پریشان خاطر تھا اور اپنے افکار و اندیشوں میں کھویا ہوا چلتا رہا جب میں قرن الثعالب (۲) کے مقام پر پہنچا تو مجھے پتہ چلا کہ میں یہاں پہنچ گیا ہوں میں نے اچانک سر اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ایک بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے پھر میں نے غور سے دیکھا تو حضرت جبرئیل مجھے وہاں دکھائی دیئے۔ انہوں نے بلند آواز سے مجھے پکارا اور کہا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ گفتگو سن لی ہے جو آپ کی قوم نے آپ سے کی ہے اور جو روکھا اور درشت جواب انہوں نے آپ کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے آپ جو حکم اسے دیں وہ بجالائے گا۔ پہاڑوں کے فرشتہ نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا پھر گزارش کی۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ کی قوم نے آپ سے جو گفتگو کی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے سنا ہے میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں آپ جو حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔ اگر آپ فرمائیں تو دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور یہ سارے تلنگے اور اوباش پس کر رہ جائیں۔ رحمت مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَرْجُوْا اَنْ یُّخْرِجَ اللّٰہُ مِنْ اَصْلَابِہِمْ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ لَا یُشْرِكُ بِہٖ شَیْئًا۔

"میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔ " (۳)(۴)

امام محمد بن یوسف الصالحی سبل الہدیٰ میں امام احمد اور شیخین کے حوالہ سے یہ روایت یوں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۷۹

۲۔ قرن الثعالب: ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جو اہل نجد کا میقات ہے اہل نجد یہاں سے احرام باندھتے ہیں۔ جلد دوم، صفحہ ۵۸۲

۳۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۵۲۔ ۱۵۳

۴۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۷۹

وَقَالَ عِكْرِمَةُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَنِي جِبْرَئِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ رَبَّكَ يُقْرِءُكَ السَّلَامَ وَهٰذَا مَلَكُ الْجِبَالِ قَدْ اَرْسَلَهٗ وَاَمَرَهٗ اَنْ لَّا يَفْعَلَ شَيْئًا اِلَّا بِاَمْرِكَ ـ فَقَالَ لَهٗ مَلَكُ الْجِبَالِ اِنْ شِئْتَ دَمْدَمْتُ عَلَيْهِمُ الْجِبَالَ وَاِنْ شِئْتَ خَسَفْتُ بِهِمُ الْاَرْضَ فَقَالَ يَا مَلَكَ الْجِبَالِ فَاِنِّي اٰتِيْ بِهِمْ لَعَلَّهُمْ اَنْ يَّخْرُجَ مِنْهُمْ ذُرِّيَّةٌ يَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ مَلَكُ الْجِبَالِ اَنْتَ كَمَا سَمَّاكَ رَبُّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ـ

"عکرمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا آپ کا رب کریم آپ کو سلام فرماتا ہے اور یہ پہاڑوں کا فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ آپ کے ارشاد کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔ پہاڑوں کے فرشتے نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا اور کہا اگر آپ فرمائیں تو میں پہاڑوں کو ان پر اوندھا گرا دوں اگر آپ چاہیں تو میں انہیں زمین میں غرق کر دوں۔ رحمت مجسم نے فرمایا اے پہاڑوں کے فرشتے! میں صبر کروں گا شائد ان کی اولاد میں سے کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں جو لاالہ الااللہ پر ایمان لائیں۔ حضور کی اس رحمت اور شفقت کو دیکھ کر پہاڑوں کا فرشتہ یہ کہہ اٹھا۔ جس طرح آپ کے رب نے آپ کا نام رکھا ہے بیشک آپ رؤف و رحیم ہے۔

طائف سے واپسی

سفر طائف میں محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جن روح فرسا اور جانگداز حالات کا سامنا کرنا پڑا اگر کسی اور شخص کو ان کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ ہمت ہار بیٹھتا اور مایوس ہو کر خلوت گزینی اختیار کر لیتا لیکن حضور کے کشادہ سینہ میں جو قلب منیر دھڑک رہا تھا اس میں تو اپنے خالق کی محبت اور اس کی مخلوق کی خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کے سمندر موجزن تھے اس کے سامنے قیامت کی حشر سامانیاں بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھیں اس حادثہ فاجعہ کے بعد دل درد مند کی جو التجائیں پر آئی اس کے لئے در اجابت کھل گیا بارگاہ صمدیت میں اسے شرف قبولیت ارزانی ہوا۔ اور حالات کا رخ غیر متوقع طور پر بدلنا شروع ہو گیا۔

واپسی پر نخلہ کے مقام پر شب بسر ہوئی۔ صبح کی نماز کے وقت اللہ کا محبوب اپنے رب کی بارگاہ میں دست بستہ حاضر ہے دل عجز و نیاز میں ڈوبا ہوا ہے اور زبان اس کے کلام مقدس کی تلاوت میں مشغول ہے ساری فضا پر ایک کیف و سرور کا عالم طاری ہے شجر و حجر اس تلاوت کی لذت سے سرشار ہو رہے ہیں اسی اثناء میں نصیبین کے جنوں کا ایک طائفہ وہاں سے گزرا۔ جب ان کے کانوں میں یہ دلنشین آواز پہنچی تو وہ رک گئے اور سراپا گوش بن کر سننے لگے۔ کلام الٰہی بزبان محبوب الٰہی سن کر ان کے دل کی دنیا بدل گئی جب وہ کلام سن چکے تو اپنی قوم کے پاس واپس آئے اور ان کو یہ مژدہ جاں فزا سنایا کہ آج ہم نے ایک ایسا کلام سنا ہے۔ جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے اے ہماری قوم! اس موقع کو غنیمت سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی اس دعوت کو فوراً قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ اور تمہیں عذاب الیم سے نجات بخشے گا چنانچہ جنات کی ایک کثیر تعداد مشرف باسلام ہوئی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی مقبولیت کا یہ پہلا ثمر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اپنی کتاب مقدس میں یوں بیان فرمایا ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ

"اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو تاکہ قرآن سنیں۔ تو جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو۔ پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔ انہوں نے جا کر کہا اے ہماری قوم! ہم نے آج ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی۔ راہنمائی کرتی ہے رب کی طرف۔ اور راہ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کر لو۔ اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو۔ اس پر ایمان لاؤ۔ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور بری کر

دے گا تمہیں دردناک عذاب سے۔ (۱)

ان آیات کو جنات کے اس گروہ نے سنا تو انہوں نے اسلام قبول کیا اسلام کے داعی و مبلغ بن کر اپنی قوم کے پاس پہنچے۔ انہیں بتایا کہ کس طرح انہیں کلام الٰہی سننے کی سعادت نصیب ہوئی اور وہ ایسا کلام ہے جو گزشتہ انبیاء اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے راہ حق کو واضح کرتا ہے تمہیں چاہئے کہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس داعی پر ایمان لاؤ تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے تمہیں عذاب الٰہی سے نجات مل جائے گی۔

اس طرح اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں جو پے در پے رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں ان کے باوجود اسلام کا یہ بابرکت سیل رواں ایک اور سمت روانہ ہوا۔ اور پیاسی روحوں کو سیراب کرتا، سنسان وادیوں کو گل بداماں بنانے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل بے قرار کو تسلی دینے کے لئے جنات کو اسلام قبول کرنے کا شرف بخشا۔ حضور کو اطمینان ہو گیا کہ اب وہ وقت قریب ہے جب حضرت انسان بھی اس آفتاب ہدایت کی روشن کرنوں سے اپنے دل و دماغ کو منور کرے گا اور ان کو اپنے معبود برحق کا ایسا عرفان نصیب ہو گا جس کے بعد وہ کسی معبود باطل کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔

قرآن کریم کی ان آیات اور دیگر متعدد آیات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنات بھی نوع انسانی کی طرح ایک مستقل نوع ہیں جنہیں مکلف بنایا گیا ہے۔ اگرچہ وہ ان لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہیں لیکن وہ مرشد کائنات جو انس و جان کی راہبری کے لئے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے اس سے جنات بھی اکتساب نور کر سکتے ہیں بعض لوگوں کا یہ خیال قطعاً لائق التفات نہیں جو جنات کے مستقل نوع ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ وہ ان صریح آیات کی ایسی بھونڈی تاویلیں کرتے ہیں جو نہ ذہن کو سکون بخشتی ہیں اور نہ دل کو قرار۔

نخلہ سے مکہ کی طرف

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نخلہ کے مقام پر رات گزارنے کے بعد مکہ کی تاریک فضاؤں کو جگمگ جگمگ کرنے کے لئے پھر حرم خلیل علیہ الصلوۃ والسلام کا رخ فرماتے ہیں۔ بعض

۱۔ سورہ الاحقاف: ۲۹-۳۰

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضور نے نخلہ کے مقام پر کئی روز قیام فرمایا۔ (۱)

دن بھر کے پاپیادہ سفر کے بعد حضور شام کے وقت غار حرا پر پہنچتے ہیں۔ راستہ میں حضور کے رفیق سفر حضرت زید بن حارثہ عرض کرتے ہیں۔ یارسول اللہ! آپ کس طرح مکہ تشریف لے جائیں گے جب کہ وہاں کے لوگ ہمارے خون کے پیاسے ہیں اور انہوں نے ہمیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان کو یہ خدشہ تھا کہ سرکار دوعالم جب مکہ میں داخل ہوں گے تو مکہ کے مشرکین پہلے سے بھی زیادہ حضور کو اذیت پہنچائیں گے لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مخلص ساتھی کو یہ فرماتے ہوئے تسلی دی۔

يَا زَيْدُ! إِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لِمَا تَرٰى فَرَجًا وَمَخْرَجًا إِنَّ اللّٰهَ مُظْهِرُ دِيْنِهٖ وَنَاصِرُ نَبِيِّهٖ

"اے زید! اللہ تعالیٰ اس مشکل کو خود آسان فرما دے گا بیشک اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غلبہ دے گا اور اپنے نبی کی مدد فرمائے گا۔" (۲)

حضور حرا کے مقام پر پہنچے وہاں عبداللہ بن الاریقط سے ملاقات ہوئی۔ شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں۔

کہ حضرت زید نے یہ مشورہ دیا کہ عرب کے رواج کے مطابق ہمیں کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہونا چاہیے مبادا کفار مکہ طائف میں بظاہر ناکامی جو درحقیقت عظیم اور غیر متناہی کامیابیوں کا پیش خیمہ بننے والی تھی اس ظاہری ناکامی کے باعث کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر حضور کو تکلیف پہنچائیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اریقط کو اخنس بن شریق الثقفی کے پاس بھیجا کہ وہ حضور کو اپنی پناہ میں مکہ میں لے آئے اس نے کہا أَنَا حَلِيْفٌ وَالْحَلِيْفُ لَا يُجِيْرُ عَلَى الصَّحِيْحِ" کہ میں قریش کا حلیف ہوں اور حلیف، قریش کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اس طرح اس نے اس شرف عظیم کو حاصل کرنے سے معذرت کر دی۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو کے پاس ابن اریقط کو بھیجا اس نے بھی معذرت کرتے ہوئے کہا إِنَّ بَنِيْ عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ لَا تُجِيْرُ عَلٰى كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ کہ میں بنی عامر کا آدمی ہوں اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم کعب بن لوئی کی اولاد کے خلاف کسی کو پناہ دے سکیں۔

۱۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۲۷۳ ۲۔ السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابوزہرہ، جلد اول، صفحہ ۳۴۲

۲۔ السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابوزہرہ، جلد اول، صفحہ ۳۴۲

پھر حضور نے اسے مطعم بن عدی کے پاس بھیجا۔ اس کو جب یہ پیغام پہنچا تو اس نے کہا میں بسرو چشم حاضر ہوں آپ کو عرض کرو کہ میرے پاس تشریف لائیں چنانچہ ابن اریقط نے یہ پیغام رحمت عالم کی بارگاہ میں عرض کیا حضور مکہ میں تشریف لے آئے اور یہ رات مطعم بن عدی کے پاس بسر فرمائی۔

جب صبح ہوئی تو مطعم اپنے چھ یا سات بیٹوں کے ہمراہ حضور کو لیکر مسجد حرام کی طرف روانہ ہوا۔ مطعم اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار سجائے ہوئے تھے تلواریں گلے میں حمائل کی ہوئی تھیں۔ جب مسجد حرام میں پہنچے تو اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا آپ طواف فرمائیں اور خود اپنے بیٹوں کے ساتھ چوکس ہو کر بیٹھ گیا اس کے چار بیٹے بیت اللہ شریف کے ایک ایک کونہ پر کھڑے ہو گئے اس کے باقی فرزند تلواریں حمائل کئے ہوئے باپ سمیت مطاف میں موجود رہے یہاں تک حضور نے طواف مکمل کیا مطعم کے اس مظاہرہ سے تمام اہل مکہ کو معلوم ہو گیا کہ اس نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے۔ یہ سن کر ابو سفیان بعض نے ابو جہل کا نام لیا ہے (ممکن ہے دونوں ہوں) پیچ و تاب کھاتا ہوا مطعم کے پاس پہنچا۔ اور اس سے دریافت کیا 'مُجِیْرٌ اَمْ تَابِعٌ' اے مطعم! تو نے ان کو صرف پناہ دی ہے یا تو نے ان کی اطاعت قبول کر لی ہے اور مسلمان ہو گئے ہو۔ مطعم نے کہا کہ میں نے صرف پناہ دی ہے۔ ابو سفیان نے کہا اِذًا لَّا تَخَفْ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ جس کو تو نے پناہ دی ہے اس کو ہم نے بھی پناہ دی۔

علامہ شیخ محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑا لطیف نکتہ بیان کیا ہے فرماتے ہیں۔

ابو سفیان نے یا ابو جہل نے یہ سوال پوچھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی اور ان پر ایمان لائے ہو تو جس طرح وہ ہمارے دشمن ہیں تم بھی ہمارے دشمن ہو اور تمہارے ساتھ وہ سلوک کریں گے۔ جو ایک دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر تم نے ان کا دین قبول نہیں کیا اور ایمان نہیں لائے بلکہ صرف رشتہ داری کی بنا پر ان کو اپنے جوار میں لیا ہے تو پھر تم ہماری ملت کے فرد ہو۔ اس لئے ہم تمہارے جوار کو تسلیم کرتے ہیں۔

شیخ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو طالب نے اس مصلحت کے تحت اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اگر آپ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے تو پھر جس طرح وہ حضور کا دفاع کر رہے تھے وہ نہ کر سکتے۔ کئی عظیم ہستیوں کے مسلمان ہونے کے باوجود بھی کفار کا ظلم و ستم جاری رہا۔ حضرت ابو طالب اگر اپنے اسلام کا اعلان کر دیتے تو وہ حضور کی حمایت اور دفاع

نہ کر سکتے شیخ موصوف کی عبارت ملاحظہ ہو۔

مِنْ هٰذَا نُعْرَفُ حِكْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ لَمْ يُعْلِنْ اِسْلَامَهٗ مَعَ حِمَايَتِهٖ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَنَّهٗ لَوْ اَعْلَنَ الْاِسْلَامَ لَحَارَبُوْهُ مَعَ مَنْ اٰذَوْا مِنْ اَتْبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْنَ لَمْ يَرْعَوْا فِيْهِمْ اِلًّا وَّ ذِمَّةً۔

"اس سے اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کا پتہ چلتا ہے، جس کی وجہ سے ابو طالب نے حضور کی حمایت کے باوجود اسلام کا اعلان نہ کیا۔ کیونکہ اگر وہ اسلام کا اعلان کر دیتے تو کفار ان کے ساتھ بھی اسی طرح بر سر پیکار ہو جاتے، جس طرح وہ دوسرے حضور کے پیرو کاروں کے ساتھ بر سر پیکار تھے، اور ان کی ایذا رسانی میں انہیں نہ کسی رشتہ داری کا پاس تھا اور نہ کسی وعدہ کا۔"

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کافر کے جوار (پناہ) کو کیوں قبول کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور کے مکہ سے طائف جانے کی خبر وہاں کے سارے باشندوں کو ہو گئی تھی نیز طائف کے مکینوں نے جو انسانیت سوز سلوک کیا تھا اس کا بھی انہیں علم ہو گیا تھا انہوں نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ وہ حضور کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اس وقت مسلمانوں کی تعداد اتنی نہ تھی کہ وہ مشرکین مکہ کے اس منصوبہ کو اپنی قوت بازو سے خاک میں ملا سکتے اور نہ ابھی جہاد کا اذن ملا تھا ان حالات میں یا تو حضور مکہ کے مرکز کو نظر انداز فرما دیتے اور جا کر صحرا کے کسی گوشہ میں فروکش ہو جاتے یہ بات کسی طرح بھی دعوت اسلامی کے لئے مفید نہ ہوتی نیز حضور کے مکہ سے نقل مکانی کے بعد مٹھی بھر جان نثار بے آسرا ہو کر رہ جاتے۔ مکہ میں عام قبائل سے مختلف مواقع پر رابطہ قائم کرنے کے جو امکانات تھے وہ بھی معدوم ہو جاتے اس لئے اَخَفُّ الْبَلِيَّتَيْنِ (دو مصیبتوں میں سے کمتر مصیبت) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے مطعم بن عدی کے جوار کو قبول کرنا عین مصلحت تھا۔ اور اس ہادی کامل نے اسی صورت کو اختیار کیا جس کے نتائج بہت جلد رو پذیر ہوئے۔ اور اسلام کے سنہری دور کا آغاز ہو گیا۔ حدیث پاک میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔
وَفِيْ حَدِيْثٍ بِاَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَهُمْ۔

"یعنی اللہ تعالیٰ اس دین کی امداد کبھی کسی فاسق و فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی امداد ایسی قوموں سے کرا دیتا ہے جن کا اس دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔" (۱)

مطعم ابن عدی کا خاتمہ اگرچہ کفر پر ہوا لیکن سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی اس مروت کو ہمیشہ یاد رکھتے اور اس کا ذکر اچھے الفاظ سے فرماتے۔ جنگ بدر میں جب کفار کو شکست فاش ہوئی ان کے ستر جنگجو موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور ستر کافروں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ۔

"اگر مطعم آج زندہ ہوتا اور وہ ان قیدیوں کے بارے میں سفارش کرتا تو اس کی وجہ سے میں ان تمام کو آزاد کر دیتا۔"

طائف کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغی سرگرمیاں

طائف کے سفر میں اگرچہ ہادی انس و جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حوصلہ شکن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن حضور کی ہمت بلند رہی اور اپنے فریضہ نبوت کو انجام دینے کے ولولہ میں ذرا فرق نہیں آیا۔

ماہ شوال کے آخر میں طائف سے واپسی ہوئی تھی حج کا موسم آپہنچا تھا۔ اور جزیرہ عرب کے دور دراز گوشوں سے مختلف قبائل فریضہ حج ادا کرنے کے لئے مکہ پہنچ رہے تھے اور ہر قبیلہ نے اپنے اپنے خیمے علیحدہ علیحدہ نصب کر لئے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حسب معمول ہر قبیلہ کی منزل گاہ میں تشریف لے جاکر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ مشہور سیرت نگار امام ابن اسحاق، ربیعہ بن عباد سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے انہیں بتایا کہ میں ابھی نوجوان تھا اور اپنے باپ کے ساتھ منیٰ کے میدان میں اپنے خیمے میں موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں کھڑے ہو کر ان کو دعوت توحید دیتے

۱۔ السیرۃ النبویہ۔ احمد بن زینی دحلان۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۷۳

ہیں اور ساتھ ہی یہ فرماتے ہیں۔

یَا بَنِیْ فُلَانٍ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ
اٰمُرُکُمْ اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا۔ اَنْ تَخْلَعُوْا مَا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ ھٰذِہِ الْاَنْدَادِ وَاَنْ تُؤْمِنُوْا بِیْ وَ
تَصَدِّقُوْا بِیْ وَتَمْنَعُوْنِیْ حَتّٰی اُبَیِّنَ عَنِ اللّٰہِ مَا بَعَثَنِیْ بِہٖ

"اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو ان کی بندگی کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینک دو اور مجھ پر ایمان لاؤ۔ میری تصدیق کرو اور کفار کی دست درازیوں سے میرا دفاع کرو تاکہ میں تمہیں وضاحت سے بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا دے کر تمہاری طرف مبعوث کیا ہے۔" (۱)

ربیعہ کہتے ہیں کہ میرے والد عباد نے مجھے بتایا کہ حضور کے پیچھے پیچھے ایک بھینگا شخص تھا۔ جس کا چہرہ بڑا چمکدار تھا اس کی دو لٹیں تھیں۔ اس نے عدن کا بنا ہوا ایک جبہ پہنا ہوا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارشادات سے فارغ ہوتے تو وہ شخص زور سے کہتا اے بنی فلاں! یہ شخص تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کے خداؤں لات و عزیٰ کی بندگی کا طوق اپنے گلے سے نکال کر پھینک دو اور جنات میں سے جو تمہارے دوست ہیں ان کے ساتھ تعلق ختم کر دو یہ تمہیں بدعت وضلالت کی طرف بلاتا ہے تم اس کی بات مت سننا اور نہ اس کی پیروی کرنا۔ عباد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ یہ بھینگا شخص کون ہے اس نے مجھے بتایا کہ یہ آپ کا چچا ہے جس کا نام عبدالعزیٰ اور کنیت ابولہب ہے۔

پھر حضور وہاں تشریف لے گئے جہاں بنی کندہ کا پڑاؤ تھا۔ ان میں ان کا سردار جس کا نام ملیح تھا وہ بھی موجود تھا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو توحید کی دعوت دی اور اپنے دین کی تعلیمات کو ان پر پیش کیا لیکن ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی کلب قبیلہ کی ایک شاخ بنی عبداللہ کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اپنی ذات کو ان پر پیش کیا اور

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۵۵

فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ اَحْسَنَ اِسْمَ اَبِیْکُمْ

"اے بنی عبداللہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کا نام بڑا خوبصورت (عبداللہ) رکھا ہے۔"

مقصد یہ تھا کہ تم اپنے باپ کے نام کی لاج رکھتے ہوئے معبودان باطل کی بندگی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ۔ لیکن ان کے بخت خفتہ نے بھی ان کو یہ دعوت قبول کرنے کے شرف سے محروم رکھا۔

بعد ازاں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی حنیفہ کی خیمہ گاہ میں تشریف لے گئے انہیں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اپنی ذات کو ان پر پیش کیا۔ لیکن ان بدبختوں نے بھی بری طرح حضور کی دعوت کو مسترد کر دیا یہ وہی قبیلہ ہے جن میں سے مسیلمہ کذاب پیدا ہوا اور نبوت کا دعویٰ کیا۔ جس کی قوم کے لاکھوں نوجوان اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے لیکن حضرت صدیق اکبر کے عہد خلافت میں اسلام کے بہادر جاں نثاروں کا ایک لشکر حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا یمامہ کے مقام پر خونریز جنگ ہوئی جس میں نبوت کے اس جھوٹے نبی کو تہ تیغ کر دیا گیا اور اس طرح یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو گیا۔

ان قبائل کا انکار راہوار شوق کے لئے مہمیز کا کام دیتا۔ یہاں سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی عامر قبیلہ کی فرود گاہ میں تشریف لے گئے اور انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور ان کے سامنے اپنی نبوت کو پیش کیا ان میں سے ایک آدمی نے کہا جس کا نام بیحرہ بن فراس تھا۔ اور امام ابن ہشام کے قول کے مطابق اس کا نام فراس بن عبداللہ بن سلمان بن قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ تھا۔ اس نے کہا۔

وَاللّٰہِ لَوْ اَنِّیْ اَخَذْتُ ھٰذَا الْفَتٰی مِنْ قُرَیْشٍ لَاَکَلْتُ بِہِ الْعَرَبَ

"بخدا! اگر میں اس نوجوان قریشی کو اپنے قابو میں کر لوں تو اس کے ذریعہ میں سارے عرب پر حکومت کر سکتا ہوں۔"

پھر اس نے ہادی برحق سے پوچھا آپ یہ بتائیے کہ اگر ہم آپ کے اس دین کو قبول کر لیں اور آپ کی پیروی کریں پھر اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مخالفین پر غلبہ عطا فرمائے تو کیا حضور کے بعد اس مملکت کے ہم وارث ہوں گے اَیَکُوْنُ لَنَا الْاَمْرُ بَعْدَکَ حضور نے جواب دیا۔

اَلْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ یَضَعُہٗ حَیْثُ یَشَآءُ

"کہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جس کو وہ چاہے گا اس کو اس کا سربراہ بنائے گا۔"

وہ کہنے لگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ عربوں کا مقابلہ کرنے کے لئے گردنیں ہم کٹائیں۔ جب آپ کو فتح و غلبہ حاصل ہو جائے تو کسی اور کو آپ مالک بنادیں ہمیں ایسے دین کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضور کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

جب یہ لوگ حج ادا کر کے اپنے وطن لوٹے تو اپنے قبیلہ کے شیخ کے پاس پہنچے جو کافی عمر رسیدہ تھا اور ضعف کی وجہ سے وہ اس سفر حج میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ ان کا یہ معمول تھا کہ جب وہ لوگ اپنے سفر سے واپس آتے تو جو واقعات دوران سفر انہیں پیش آتے وہ سب اپنے شیخ کے سامنے بیان کرتے اس سال بھی جب وہ سفر حج سے واپس آئے تو انہوں نے اپنے سفر کی مکمل روئیداد اپنے سن رسیدہ شیخ کو سنائی۔ پھر اس ضمن میں اسے بتایا کہ قریش کا ایک جوان ان کے پاس آیا تھا جو عبدالمطلب کے خاندان سے تھا وہ اپنے بارے میں یہ گمان کرتا تھا کہ وہ نبی ہے۔ اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم دشمنوں سے اس کا دفاع کریں اور اس کے ساتھ شانہ بشانہ اس جہاد میں شریک ہوں اور ہم اسے مکہ سے اپنے ہمراہ اپنے وطن لے جائیں۔ اس شیخ نے یہ سن کر از راہ حسرت و افسوس دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھے اور کہا جو موقع تم نے ضائع کیا ہے کیا اس کی تلافی ممکن ہے مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ کسی فرزند اسماعیل نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا اور اس کا یہ کہنا کہ وہ نبی ہے یہ سچا دعویٰ ہے۔ اے بنو عامر اس وقت تمہاری عقل کہاں چرنے چلی گئی تھی۔ (۱)

حج کے موسم میں حضور ایسے مواقع پر مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جاتے لیکن ان کا ایک ہی جواب ہوتا وہ کہتے۔

قَوْمُ الرَّجُلِ اَعْلَمُ بِہٖ، اَتَرَوْنَ اَنَّ رَجُلًا یُصْلِحُنَا وَقَدْ اَفْسَدَ قَوْمَہٗ وَلَفَظُوْہُ

"یعنی اس شخص کی قوم اس کے حالات سے خوب واقف ہے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ شخص تمہاری اصلاح کرے گا حالانکہ اس نے اپنی قوم کو برباد کر دیا ہے اور اس کی قوم نے اس کو مسترد کر دیا ہے۔" (۲)

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۵۸

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۵۸

بنی شیبان بن ثعلبہ

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول کریم کو قبائل عرب کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دینے کا حکم دیا تو حضور نکلے میں اور ابو بکر حضور کے ہمراہ تھے مختلف قبائل کی قیام گاہوں سے ہوتے ہوئے ہم ایک ایسی مجلس میں پہنچے جس پر سکون اور وقار کے آثار نمایاں تھے اور اس میں ایسے مشائخ بیٹھے تھے جن کے چہرے ان کی قدر و منزلت کی غمازی کر رہے تھے ابو بکر صدیق آگے بڑھے اور انہیں سلام کیا۔ سیدنا علی فرماتے ہیں کَانَ اَبُوْبَکْرٍ مُقَدَّمًا فِیْ کُلِّ خَیْرٍ ہر اچھے کام میں ابو بکر پیش پیش ہوا کرتے تھے حضرت صدیق اکبر نے ان سے پوچھا کہ تم کس قبیلہ کے لوگ ہو۔ انہوں نے بتایا کہ ہم بنی شیبان بن ثعلبہ قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں حضرت ابو بکر، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی۔ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں یہ لوگ اپنی قوم کے معزز ترین لوگ ہیں۔ اپنی قوم کی روشن جبیں ہیں۔ حضور انہیں دعوت دیجئے۔

وہاں مفروق بن عمرو۔ ہانی بن قبیصہ۔ مثنیٰ بن حارثہ۔ نعمان بن شریک اس قبیلہ کے سردار موجود تھے۔ حضرت ابو بکر کے قریب تر مفروق بن عمرو کی نشست گاہ تھی اور یہ فصاحت و بلاغت میں سب سے نمایاں تھا۔ اس کی دو زلفیں اس کے سینہ پر لٹک رہی تھیں۔ حضرت ابو بکر نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ تمہارے قبیلہ کی تعداد کتنی ہے اس نے جواب دیا ہماری تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ اور ایک ہزار کا ایک لشکر قلت تعداد کی وجہ سے شکست نہیں کھاتا پھر آپ نے پوچھا کہ جس کو تم پناہ دیتے ہو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے اس نے کہا کہ کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس کے بعد ہر ایک کی اپنی قسمت ہوتی ہے۔ پھر حضرت صدیق نے پوچھا جب تم دشمن سے جنگ کرتے ہو تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے مفروق بولا۔ جب ہم غضبناک ہوں اس وقت ہم دشمن کے مقابلہ میں شدید قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں ہم اصیل گھوڑوں کو اپنی اولاد پر اور اسلحہ کو شیر دار اونٹنیوں پر ترجیح دیتے ہیں اس کے بعد فتح اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کبھی ہم انہیں شکست دیتے ہیں اور کبھی وہ ہمیں۔ پھر حضرت صدیق نے انہیں کہا یہ اطلاع تو تمہیں مل چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے۔ (حضور کی طرف اشارہ کر کے) یہ وہ رسول ہیں۔ مفروق نے کہا ہمیں اس کی اطلاع ملی ہے

پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا اے قریشی بھائی! تم کس چیز کی دعوت دیتے ہو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی نشست سے آگے ہو کر بیٹھ گئے ابو بکر صدیق نے کھڑے ہو کر اپنی چادر سے حضور پر سایہ کیا۔ پھر ہادی برحق نے فرمایا۔

"میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھے پناہ دو اور میری مدد کرو تاکہ جو دین اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے میں اس کی تبلیغ کا حق ادا کر سکوں کیونکہ قریش نے حکم الٰہی کے خلاف بغاوت کی اس کے رسول کو جھٹلایا ہے۔ اور حق کو چھوڑ کر باطل کو پسند کیا ہے۔ " وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ " پھر مفروق نے کہا اور کس چیز کی آپ دعوت دیتے ہیں۔

اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔

" آپ فرمایئے! آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمہارے رب نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی۔ اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہو۔ اور نہ قتل

کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ تعالٰی نے سوائے حق کے یہ ہیں وہ باتیں، حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے جن کا تاکہ تم (حقیقت کو) سمجھو اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے۔ مگر اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پورا کرو ناپ اور تول انصاف کے ساتھ۔ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر اور جب کبھی بات کہو تو انصاف کی کہو۔ اگرچہ ہو (معاملہ) رشتہ دار کا اور اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرو۔ یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ تعالٰی نے حکم دیا ہے تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی ورنہ وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے۔ یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں جن کا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔" (سورۃ الانعام: ۱۵۲۔ ۱۵۴)

یہ آیات سن کر مفروق جسے اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا حیران و ششدر رہ گیا اور عرض کرنے لگا۔ اے قریشی بھائی! اور کس چیز کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں بخدا یہ کلام جو آپ نے پڑھ کر سنایا ہے یہ کسی انسان کا کلام نہیں اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو ہم بھی اس کو جانتے۔

پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

"بیشک اللہ تعالٰی حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور اچھا سلوک کرو رشتہ داروں کے ساتھ اور منع فرماتا ہے تمہیں بے حیائی۔ برے کاموں اور سرکشی سے۔ اللہ تعالٰی نصیحت کرتا ہے تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔" (سورۃ النحل: ۹۰)

مفروق نے یہ سن کر کہا اے قریشی بھائی! بخدا تم نے مکارم اخلاق اور اچھے اعمال کی طرف دعوت دی ہے وہ لوگ جھوٹے ہیں جو تمہاری تکذیب کرتے ہیں اور تیرا مقابلہ کرتے ہیں۔

مفروق کی یہ خواہش تھی کہ اس گفتگو میں ایک دوسرا سردار ہانی بن قبیصہ بھی شریک ہو۔ اس نے ہانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ ہانی بن قبیصہ ہیں جو ہمارے شیخ ہیں اور

ہمارے دین کے راہنما ہیں۔ ہانی بولا میں نے آپ کا مقالہ سنا ہے میں آپ کی بات کی تصدیق کرتا ہوں لیکن میرا خیال ہے اگر ہم آپ کے ساتھ پہلی نشست میں ہی اپنا آبائی دین چھوڑ دیں اور آپ کے دین کی پیروی کرنے لگیں جس کی نہ ابتدا ہمیں معلوم ہے اور نہ انتہا۔ نہ ہم نے اس معاملہ میں غور کیا ہے اور نہ ان نتائج کا جائزہ لیا ہے جو اس دعوت پر مرتب ہوں گے، جو آپ ہمیں دے رہے ہیں تو یہ رائے کی لغزش ہو گی اور سمجھ کی جلد بازی ہو گی۔ جو کام جلدی میں کیا جاتا ہے اس میں لغزش ہو ہی جاتی ہے نیز ہم اپنے پیچھے اپنی قوم چھوڑ آئے ہیں ہم اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ ان سے مشورہ کئے بغیر آپ سے کوئی معاہدہ کریں آپ بھی اس وقت تشریف لے جائیں۔ ہم بھی واپس جائیں گے آپ بھی اس معاملہ میں غور فرمائیں ہم بھی غور کریں گے ہانی کی یہ خواہش تھی کہ مثنیٰ بن حارثہ بھی اس گفتگو میں حصہ لے چنانچہ اس نے کہا یہ مثنیٰ ہے۔ جو ہمارے شیخ ہیں اور سپہ سالار ہیں۔

مثنیٰ نے کہا میں نے آپ کا کلام سنا ہے۔ اور میں آپ کے قول کو بہت پسند کرتا ہوں اور مجھے آپ کی گفتگو نے متاثر کیا ہے میرا جواب بھی وہی ہے جو ہانی بن قبیصہ نے دیا ہے۔ آپ کے ساتھ اس پہلی نشست میں ہی اگر ہم اپنے دین کو چھوڑ دیں اور آپ کی پیروی کرنے لگیں تو یہ مناسب نہیں۔ ہم دو پانیوں کے درمیان رہتے ہیں ان میں سے ایک یمامہ ہے اور دوسری طرف ساوہ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی یہ گفتگو سن کر فرمایا کہ تم نے غلط جواب نہیں دیا۔ کیونکہ تم نے سچی بات ظاہر کی ہے کوئی آدمی اللہ کے دین کا حق ادا نہیں کر سکتا جب تک وہ اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہ کر لے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اٹھنے سے پہلے انہیں فرمایا کہ ایرانیوں کے جس غلبہ سے تم ترساں ہو اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے ممالک اور ان کے اموال کا مالک بنا دے تو پھر کیا تم اللہ کی تسبیح اور تقدیس کرو گے۔ نعمان بن شریک کہنے لگا اے قریشی بھائی! ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ایسا ہوا تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے آخر میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى ٱللَّهِ بِإِذْنِهِۦ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا۔ (۳۳: ۴۵-۴٦)

پھر حضور ابو بکر صدیق کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور

فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے عربوں کے اخلاق کا کتنا اعلیٰ مظاہرہ انہوں نے کیا ہے انہی اعلیٰ اخلاق کی بنیاد پر وہ دنیوی زندگی میں اپنا دفاع کر رہے ہیں۔ (۱)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد ان کی جنگ ایرانیوں سے ہوئی اور قراقر کے مقام پر جو فرات سے قریب ہے معرکہ ہوا۔

لما تحاربوا هو وفارس والتقوا معهم بقراقر... جعلوا شعارهم اسم محمد صلى الله عليه وسلم فنصروا بذلك وقد دخلوا بعد ذلك في الاسلام۔

"جنگ کے دوران انہوں نے حضور نبی کریم کے اسم مبارک کو اپنا جنگی شعار بنایا ہوا تھا اور اس کی برکت سے انہیں فتح حاصل ہوئی اور پھر وہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (۲)

بنی عبس

عبداللہ اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جمرۃ الاولیٰ کے سامنے منیٰ کے میدان میں خیمہ زن تھے کہ ہمارے پاس اللہ کا پیارا رسول تشریف لایا حضور اونٹنی پر سوار تھے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور نے ہمیں دعوت اسلام دی ہم نے اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر حضور کی دعوت کے بارے میں سنا تھا۔ آج بھی حضور ہمارے پاس تشریف لائے اور دعوت دی لیکن ہم میں سے کسی نے قبول نہ کی۔ ہمارے ساتھ میسرہ بن مسروق العبسی بھی تھا۔ اس نے ہمیں کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر ہم اس شخص کی تصدیق کریں اور انہیں اپنے ساتھ لے جا کر اپنے علاقہ میں ٹھہرائیں تو بڑی عقل مندی کی بات ہوگی میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اس کا دین غالب آئے گا۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے گا۔

اس کی بات کو سن کر قوم نے کہا کہ میسرہ۔ اس بات کو رہنے دو جب ہم میں اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی طاقت نہیں تو ہم اس بوجھ کو کیوں اٹھائیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میسرہ کی جب بات سنی تو حضور کے دل میں امید پیدا ہوئی کہ میسرہ شائد اسلام قبول کرے۔ حضور نے اس سے گفتگو کی اس نے کہا آپ کی گفتگو بڑی عمدہ اور سراپا نور ہے۔ لیکن میری قوم اس بارے میں میری مخالف ہے اور فرد کی عزت اس کی قوم سے ہوتی ہے۔ اگر وہ اس کی تائید نہ کرے پھر کنارہ دور ہو جاتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس چلے آئے اور وہ لوگ بھی اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ لیکن میسرہ کے دل میں حضور کی بات گھر کر گئی تھی

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۶۹

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۶۹

وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کی قوم اس دین کو قبول کرے راستہ میں اس نے انہیں کہا کہ فدک ہمارے راستہ سے زیادہ دور نہیں اگر ہم وہاں جائیں۔ اور وہاں کے یہودیوں سے اس شخص کے بارے میں دریافت کریں ممکن ہے ہم کسی صحیح نتیجہ میں پہنچ جائیں۔ پس وہ اپنے راستہ سے مڑ کر فدک میں گئے وہاں کے یہودی علماء سے اپنی آمد کا مدعا بیان کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب نکالی اور اسے وہاں سے پڑھنا شروع کیا جہاں اللہ کے پیارے رسول کا ذکر مبارک تھا۔ وہاں مرقوم تھا۔

اَلنَّبِیُّ الْاُمِّیُّ الْعَرَبِیُّ یَرْکَبُ الْحِمَارَ وَیَجْتَزِیْ بِالْکِسْرَۃِ۔ لَیْسَ بِالطَّوِیْلِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ وَلَا بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبْطِ فِیْ عَیْنَیْہِ حُمْرَۃٌ مُشْرِقُ اللَّوْنِ

"خطہ عرب سے تعلق رکھنے والے ایسے جلیل القدر نبی مبعوث ہوں گے جن کا لقب امی ہوگا۔ دراز گوش پر سواری فرمائیں گے اور انتہائی کفایت شعاری ان کی شان ہوگی۔ بدنی حسن کے لحاظ سے نہ ضرورت سے زیادہ لامبے نہ پست قامت گیسوئے مبارک نہ زیادہ گھنگھریالے اور نہ بالکل سیدھے۔ آپ کی آنکھوں میں سرخی کا ڈورا اور چہرہ چمکدار ہوگا۔"

اگر جس نے تمہیں دعوت دی ہے اس میں یہ نشانیاں پائی جاتی ہیں تو ان کی دعوت قبول کر لو اور اس کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ میسرہ نے کہا اے میری قوم! اب تو یہ معاملہ بالکل واضح ہو گیا۔ قوم نے کہا دوبارہ جب ہم موسم حج میں آئیں گے تو ان سے ملاقات کریں گے چنانچہ وہ اپنے شہر کی طرف لوٹ گئے لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے پھر ۱۰ھ میں حجۃ الوداع ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں میسرہ نے حضور سے ملاقات کی اور حضور نے اس کو پہچان لیا۔ میسرہ نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اس دن سے آپ کی پیروی کا شدت سے خواہشمند تھا جب حضور نے ہماری قیام گاہ پر منیٰ کے میدان میں اپنی اونٹنی بٹھائی تھی۔ پھر حالات بدلتے رہے کروٹیں لیتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کو نہ چاہا کہ میں جلدی آپ کی غلامی کا شرف حاصل کروں چنانچہ میں آج بڑی تاخیر سے اسلام لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں وہ لوگ جو اس روز میرے ساتھ تھے ان میں سے اکثر مر گئے ہیں۔ یا رسول اللہ! ان کا ٹھکانہ کہاں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام قبول کئے بغیر جو شخص مرا ہے وہ دوزخ میں ہوگا۔ میسرہ عرض کرنے لگا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَنِیْ فَاَسْلَمَ وَحَسُنَ اِسْلَامُہٗ وَكَانَ لَهٗ عِنْدَ اَبِیْ بَكْرٍ مَقَامٌ

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے آتش جہنم سے بچالیا پھر وہ مشرف باسلام ہوگئے اور عمر بھر احکام الہی کو حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے حضرت صدیق اکبر میسرہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ (۱)

جن قبائل کو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حج کے اجتماعات میں یا تجارتی منڈیوں کے موقع پر دعوت دی ان کے نام درج ذیل ہیں۔

بنی عامر۔ غسان۔ بنی فزارہ۔ بنی مرہ۔ بنی حنیفہ۔ بنی سُلیم۔ بنی قیس۔ بنی نصر بن ہوازن۔ بنی ثَعلبہ بن عُکابہ۔ کندہ۔ کلب۔ بنی حارث بن کعب۔ بنی عُذرای۔ قیس بن حطیم وغیرھم۔

ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب حج کے موقع پر عرفات کے میدان میں جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے قبائل جمع ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے لیکن جب حضور نے ملاحظہ فرمایا کہ قبائل عرب اسلام قبول کرنے سے جھجکتے ہیں تو حضور نے ان کے سامنے اس سے کمتر مطالبہ پیش کیا کہ شائد وہ اس بات کو قبول کرلیں اور یہی بات شائد ان کی ہدایت کا باعث بن جائے یا دوسرے قبائل کے لئے ہدایت کا دروازہ کھل جائے۔ حضور یہ اعلان فرماتے۔

هَلْ مِنْ رَجُلٍ يَحْمِلُنِیْ اِلٰی قَوْمِهٖ فَاِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُوْنِیْ اَنْ اُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ ۔

"کیا تم میں سے کوئی ایسا مرد ہے، جو مجھے اپنے ساتھ اپنے قبیلہ میں لے جائے جہاں مجھے تبلیغ اسلام کی آزادی ہو۔ کیونکہ قریش نے مجھ پر قدغن لگادی ہے کہ میں اپنے رب کریم کا کلام اس کے بندوں تک پہنچاؤں۔" (۲)

کیونکہ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ اگر ان سے کوئی پناہ طلب کرتا تو وہ اس کو ضرور پناہ دیتے

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۷۱

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۷۱

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی اس نخوت کو خدمت اسلام کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے یعنی اگر تم سردست اسلام قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا لیکن قریش نے مجھ سے تبلیغ حق کی آزادی چھین لی ہے۔ نہ یہ خود میری دعوت قبول کرتے ہیں اور نہ اس بات کو گوارا کرتے ہیں کہ میں آزادی سے اللہ کے دین کی دعوت دوں جس کا جی چاہے قبول کرے جس کا جی چاہے انکار کردے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی ایسا شخص سامنے آئے اور مجھے اپنے ساتھ اپنے قبیلہ میں لے جائے جہاں مجھے دین حق کی تبلیغ کرنے کی آزادی ہو اور میں اپنے مشن کو جاری رکھ سکوں تو ہو سکتا ہے اس قبیلہ کے لوگ ہی اس دین حق کو قبول کرلیں یا کوئی فرد یا قبیلہ جن کے کانوں تک میری یہ دعوت پہنچے تو ان کا بخت بیدار ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں۔ لیکن اہل مکہ کے معاندانہ پراپیگنڈا نے انہیں اسلام سے اس قدر خوف زدہ کر دیا تھا کہ وہ اس عام سی بات کو بھی ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔

اسی اثناء میں قبیلہ بنی ہمدان کا ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور نے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے جواب دیا میں قبیلہ ہمدان کا ایک فرد ہوں حضور نے اس سے پوچھا کیا تیری قوم میں یہ جرأت ہے کہ میرے دفاع کی ذمہ داری قبول کر سکے۔ اس نے کہا بے شک لیکن معاً اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ شائد اس کی قوم اس کی پناہ کو اہمیت نہ دے اور حضور کو کوئی گزند پہنچے چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ کہنے لگا میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا اور آپ کے بارے میں ان سے گفتگو کروں گا۔ انہوں نے جو فیصلہ کیا آئندہ سال حضور کو اس کی اطلاع دوں گا۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا تیری مرضی۔ (۱)

تجارتی منڈیوں میں فرائض نبوت کی ادائیگی

سارے جزیرہ عرب میں گنتی کے چند شہر تھے جن میں مکہ اور طائف بہت مشہور تھے ان کے علاوہ ساری آبادی وسیع و عریض صحراؤں میں بکھری ہوئی تھی کہیں کہیں کوئی گاؤں یا قصبہ دکھائی دیتا تھا نیز قبائلی عصبیتوں کے باعث راستے پر امن نہ تھے اس لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا خطرات سے خالی نہ تھا۔ قبائل کے سرداروں نے باہمی مشاورت سے تجارتی منڈیوں

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۷۲

کے جگہ جگہ انعقاد کا اہتمام کیا تاکہ تجار اور صنعت کار اپنی اپنی در آمدات اور مصنوعات کو لے کر وہاں پہنچ جائیں اور اس علاقہ کے گردونواح میں آباد لوگ اپنی اپنی ضروریات کی چیزیں وہاں آکر خرید لیں۔

ان طے شدہ مقامات پر جتنے روز منڈیوں کے انعقاد کا فیصلہ کیا جاتا اتنے عرصہ تک لوگوں کو جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دے دی جاتی تھی۔ راستے پر امن ہوتے تھے کوئی شخص کسی کے ساتھ تعرض نہیں کرتا تھا۔ اگر بیٹے یا باپ کا قاتل بھی سامنے آجاتا تھا تو اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا جاتا تھا صحراؤں میں آباد قبائل کے یہ مسلمہ قواعد و ضوابط تھے ہر قیمت پر جن کی پابندی کی جاتی تھی۔ ان ایام میں لوگ دور دراز سے خرید و فروخت اور دیگر مقاصد کے لئے یہاں اکٹھے ہوتے تھے اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شعراء اپنے قصائد سے اور خطباء اپنے فصیح و بلیغ خطبات سے لوگوں کو محظوظ کرتے۔ اس سے عوام کے ادبی ذوق کی آبیاری کے ساتھ ساتھ لوگ اپنے وطن کے شعراء اور خطباء سے متعارف ہوتے۔ ان کی قادر الکلامی اور فصاحت و بلاغت پر ان کی تحسین کی جاتی اور علاقائی سطح پر وہ اہل فن مشہور ہو جاتے۔

ویسے تو عرب کے متعدد مقامات پر یہ میلے منعقد ہوتے لیکن عکاظ۔ ذوالمجاز۔ اور مجنہ کی ان تین تجارتی منڈیوں کو مرکزی اہمیت حاصل تھی اس کی ایک وجہ تو ان کا محل وقوع تھا یہ تینوں مقامات مکہ مکرمہ سے زیادہ دور نہ تھے۔ نیز ان کی تاریخیں بھی ایسی تھیں جو فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے آنے والے تمام زائرین کے واسطے بڑی آرام دہ تھیں۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے تو انہیں مکہ آنا ہی پڑتا تھا اسی ایک سفر میں وہ ان منڈیوں میں بآسانی شرکت کر سکتے بیچنے والے اپنا سامان بیچا کرتے اور ضرورت مند اپنی ضروریات کی اشیاء خریدا کرتے۔ ان اجتماعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ادبی اور ثقافتی محفلیں بھی منعقد کی جاتیں جن میں شعراء اپنا کلام سنا کر اور خطباء اپنی فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھا کر سامعین سے داد و تحسین وصول کرتے۔

یاقوت حموی، اپنی کتاب معجم البلدان میں ان تینوں تجارتی منڈیوں کے بارے میں لفظ عکاظ کے عنوان کے نیچے رقمطراز ہیں۔

وَحَكَى السُّهَيْلِيُّ : كَانُوا يَتَفَاخَرُونَ فِي سُوقِ عُكَاظٍ إِذَا اجْتَمَعُوا وَيُقَالُ : عَكَظَ الرَّجُلُ صَاحِبَهُ إِذَا فَاخَرَهُ وَغَلَبَهُ بِالْمُفَاخَرَةِ وَسُمِّيَتْ عُكَاظُ بِذٰلِكَ۔ وَعُكَاظُ : اِسْمُ سُوقٍ مِنْ أَسْوَاقِ الْعَرَبِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَتْ قَبَائِلُ الْعَرَبِ تَجْتَمِعُ بِعُكَاظٍ فِي

كُلَّ سَنَةٍ وَيَتَفَاخَرُونَ فِيهَا وَيَحْضُرُهَا شُعَرَاءُهُمْ وَيَتَنَاشَدُونَ مَا اَحْدَثُوا مِنَ الشِّعْرِ ثُمَّ يَتَفَرَّقُونَ ۔

"سہیلی سے مروی ہے کہ عرب، جب عکاظ کی منڈی میں جمع ہوتے تو وہاں ایک دوسرے پر اپنی بڑائی کا اظہار کرتے۔ اسی لئے جب کوئی شخص کسی کے ساتھ بڑائی کا مظاہرہ کرے، اور اس سے اس کو مغلوب کر دے تو عرب کہتے ہیں عَكَظَ الرجل صاحبہ۔ اسی مناسبت سے اس کا نام عکاظ رکھا گیا۔ عکاظ زمانہ جاہلیت میں عربوں کی تجارتی منڈیوں میں سے ایک منڈی کا نام ہے۔ عرب کے قبیلے ہر سال عکاظ میں جمع ہوتے اور ایک دوسرے پر اپنی بڑائی کا اظہار کرتے ان اجتماعات میں ان کے شعراء بھی شرکت کرتے اور لوگوں کو اپنا تازہ کلام سناتے اور پھر منتشر ہو جاتے۔" (۱)

وجہ تسمیہ کے بعد اب ان کا محل وقوع بتاتے ہوئے علامہ یاقوت لکھتے ہیں۔

عُكَاظُ بَيْنَ نَخْلَةَ وَطَائِفِ وَذُوالْمَجَازُ خَلْفَ عَرَفَةَ، وَمَجَنَّةَ بِمَرِّ الظَّهْرَانِ

"عکاظ، نخلہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ ذوالمجاز عرفہ کے پیچھے اور مجنہ، مرالظہران میں۔" (۱)

انہوں نے ان منڈیوں کے انعقاد پذیر ہونے کی تاریخوں کے بارے میں بھی وضاحت کر دی ہے لکھتے ہیں۔

وَهٰذِهٖ اَسْوَاقُ قُرَيْشٍ وَالْعَرَبِ وَلَمْ يَكُنْ فِيهِ اَعْظَمُ مِنْ عُكَاظٍ قَالُوا كَانَتِ الْعَرَبُ تُقِيمُ بِسُوقِ عُكَاظٍ شَهْرَ شَوَّالٍ ثُمَّ تَنْتَقِلُ اِلٰى سُوقِ مَجَنَّةَ وَتُقِيمُ فِيهِ عِشْرِيْنَ يَوْمًا مِنْ ذِى الْقَعْدَةِ ثُمَّ تَنْتَقِلُ اِلٰى سُوقِ ذِى الْمَجَازِ فَتُقِيمُ فِيهِ اِلٰى اَيَّامِ الْحَجِّ

"یہ تجارتی منڈیاں قریش اور تمام اہل عرب کی مشترکہ منڈیاں تھیں اور

۱۔ معجم البلدان جلد چہارم صفحہ ۱۴۲
۱۔ معجم البلدان جلد چہارم صفحہ ۱۴۲

عکاظ سب سے بڑی منڈی تھی کہتے ہیں کہ عکاظ کی منڈی شوال کے پورے مہینہ میں لگتی تھی۔ پھر وہاں سے مجنہ آجاتے تھے اور وہاں ذی القعدہ کے پہلے بیس دن خرید و فروخت کی گرم بازاری ہوتی تھی وہاں سے چل کر ذی المجاز میں آجاتے یہ منڈی حج کے ایام تک لگی رہتی۔" (۱)

اس کے بعد فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ پہنچ جاتے۔ اور زمانہ جاہلیت کی رسم و رواج کے مطابق حج کرتے۔ اور پھر اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے۔

آپ ابھی پڑھ آئے ہیں کہ ایام حج میں جب جزیرہ عرب کے اطراف واکناف سے آنے والے قبائل مکہ منیٰ اور عرفات میں اقامت پذیر ہوتے تو حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر قبیلہ کی فرودگاہ پر تشریف لے جاتے۔ اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے۔

اب آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرائض نبوت کی ادائیگی کا احساس ہر وقت بے چین رکھتا دور و نزدیک جہاں کہیں بھی اہل عرب کے اجتماع کی حضور کو اطلاع ملتی حضور وہاں تشریف فرما ہوتے اور گم کردہ راہ انسانیت کو راہ راست پر گامزن کرنے کے شوق میں اپنی مساعی اور کوششوں کی انتہا فرمادیتے۔

ابو طارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذی المجاز کی منڈی میں دیکھا قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا

"اے لوگو کہو! کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بجز اللہ تعالیٰ کے ایسا کہو گے تو دونوں جہانوں میں فلاح پاؤ گے۔"

وَخَلْفَهُ رَجُلٌ لَهُ غَدِيرَتَانِ يَرْجُمُهُ بِالْحِجَارَةِ حَتّٰى أَدْمٰى كَعْبَهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَسْمَعُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ كَذَّابٌ

"ابن طارق کہتے ہیں کہ حضور کے پیچھے ایک آدمی کھڑا تھا جس کے بال دونوں طرف سے اس کے سینے پر لٹک رہے تھے وہ حضور کے قدموں پر پتھر بھی مار رہا تھا اور یہ بھی کہہ رہا تھا اے لوگو! اس کی بات ہرگز نہ ماننا یہ جھوٹا ہے۔"

۱۔ معجم البلدان، جلد چہارم، صفحہ ۱۴۲

میں نے اپنے باپ سے پوچھا یہ کون شخص ہے اس نے بتایا کہ یہ شخص ان کا چچا ہے اس کا نام عبدالعزّیٰ اور کنیت ابولہب ہے۔ (۱)

امام بیہقی نے کنانہ کے شخص سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا۔

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِسُوْقِ ذِی الْمَجَازِ وَھُوَ یَقُوْلُ یَآیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا وَ اِذَا رَجُلٌ خَلْفَہٗ یَسْفِیْ عَلَیْہِ التُّرَابَ فَاِذَا ھُوَ اَبُوْ جَھْلٍ وَھُوَ یَقُوْلُ یَآیُّھَا النَّاسُ لَا یَغُرَّنَّکُمْ ھٰذَا عَنْ دِیْنِکُمْ فَاِنَّمَا یُرِیْدُ اَنْ تَتْرُکُوْا عِبَادَۃَ اللَّاتِ وَالْعُزّٰی

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذی المجاز کی منڈی میں یہ فرماتے ہوئے دیکھا اے لوگو! پڑھو لا الہ الا اللہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو جاؤ گے حضور کے پیچھے ایک آدمی کھڑا تھا جو حضور پر مٹی پھینک رہا تھا اور وہ ابوجہل تھا۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔ اے لوگو! یہ شخص تمہیں اپنے دین سے گمراہ نہ کر دے اس کا ارادہ تو یہ ہے کہ تم اپنے معبودوں لات و عزّیٰ کی پوجا کرنا چھوڑ دو۔"

یہاں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پہلی روایت میں ابولہب کا ذکر ہے اور اس میں ابوجہل کا۔ اس میں کوئی تعارض نہیں ان دونوں بدبختوں کا یہی شغل تھا وہ ہر وقت حضور کے تعاقب میں رہتے اور جہاں موقع ملتا۔ حضور کی تکذیب کرتے اور طرح طرح سے اذیت پہنچاتے۔ (۲)

سوق عکاظ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں عبدالرحمٰن العامری کی روایت آپ پڑھ آئے ہیں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی نے کبیر میں مدرک بن منیب العامری سے اپنے باپ اور دادا کے واسطہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ وَ ھُوَ یَقُوْلُ یَآیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا وَمِنْھُمْ

۱۔ السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۳۹۷

۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۵۶۔۱۵۷

مَنْ تَفَلَ فِيْ وَجْهِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ حَثَا عَلَيْهِ التُّرَابَ وَمِنْهُمْ مَنْ سَبَّهٗ۔ حَتّٰى انْتَصَفَ النَّهَارُ وَاَقْبَلَتْ جَارِيَةٌ بِعُسٍّ مِنْ مَّاءٍ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ وَقَالَ يَا بُنَيَّةُ لَا تَخْشَىْ عَلٰى اَبِيْكِ غَلَبَةً وَلَا ذِلَّةً وَقُلْتُ مَنْ هٰذِهٖ قَالُوْا زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"مدرک نے کہا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور فرمارہے تھے اے لوگو! کہو لاالہ الااللہ۔ دونوں جہانوں میں نجات پاجاؤ گے۔ یہ سن کر کسی نے حضور کے رخ انور پر تھوکنا شروع کر دیا۔ کسی نے مٹھی میں مٹی بھر کر اس پیکر نور پر پھینکنی شروع کر دی۔ اور بعض لوگ گالیاں بکنے لگے یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ پس ایک بچی پانی کا پیالہ لے آئی حضور نے اپنے رخ انور کو اور اپنے مبارک ہاتھوں کو دھویا اور فرمایا اے میری بچی! اپنے باپ کے بارے میں یہ اندیشہ مت کرو کہ اس کو کوئی مغلوب کر لے گا یا کوئی رسوا کرے گا۔ میں نے پوچھا یہ بچی کون ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ اللہ کے پیارے رسول کی یہ بچی ہے۔ جس کا نام زینب ہے۔ (۱)

عامر بن مسلمہ الحنفی جو نبی رحمت کی زندگی کے آخری ایام میں مشرف باسلام ہوا اور بنی حنیفہ قبیلہ کا ایک فرد تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لگاتار تین سال دیکھا کہ حضور عکاظ۔ مجنہ اور ذی المجاز کی منڈی میں تشریف لاتے اور ہمیں اللہ عزوجل پر ایمان لانے کی دعوت دیتے نیز ہمیں فرماتے کہ میرا دفاع کرو یہاں تک کہ میں اپنے رب کے پیغامات پہنچاؤں اور اس کے بدلے میں حضور ہمیں جنت کا مژدہ سناتے پس نہ حضور کی دعوت کو ہم نے قبول کیا اور نہ کبھی کوئی خوبصورت جواب دیا۔ بلکہ ہم حضور کے ساتھ بڑی درشتی سے پیش آتے پھر بھی حضور حلم کا مظاہرہ فرماتے۔

عامر کہتے ہیں کہ میں اپنے وطن حج کر کے واپس گیا تو مجھے ھودہ بن علی نے کہا اس سفر حج کی کوئی خاص خبر سناؤ۔ میں نے کہا وہاں میں نے ایک قریشی کو دیکھا جو باری باری سب قبیلوں کے پاس جاتا اور انہیں اللہ تعالیٰ وحدہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا اور ان سے یہ مطالبہ کرتا کہ

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۹۳

دشمنوں سے وہ اس کا دفاع کریں تاکہ وہ اپنے رب کا پیغام پہنچا سکے۔ اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ جنت کے مستحق ہو جائیں گے۔ ھودہ نے کہا وہ قریش کے کس خاندان سے ہے۔ میں نے کہا نسب کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ خاندان بنی عبدالمطلب۔ ھودہ نے پوچھا کیا وہ محمد بن عبدالمطلب تو نہیں میں نے کہا ہاں بالکل وہی ہے۔ ھودہ نے کہا۔

اس کا دین یہاں تک عنقریب غالب آجائے گا میں نے حیرت سے کہا۔ کہ یہاں تک۔ اس نے کہا بلکہ اس سے بھی آگے۔ پھر دوسرے سال میں نے حج کیا اور جب واپس آیا۔ تو ھودہ نے مجھ سے پوچھا اس شخص کی کوئی بات سناؤ۔ میں نے کہا بخدا جس طرح گزشتہ سال اسے دیکھا تھا ایسا ہی اب بھی اسے دیکھا ہے۔ پھر تیسرے سال میں جب حج کے لئے گیا اور یہ آخری زیارت تھی جو مجھے نصیب ہوئی تو اب حالات بالکل بدل گئے تھے اب اس کی دعوت کی بڑی شان تھی۔ جگہ جگہ اس کا چرچا تھا۔ (۱)

علامہ ابن کثیر موسیٰ بن عقبہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سالہا سال ہر حج کے موقع پر دور دراز سے آئے ہوئے قبائل عرب کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے اور ہر قبیلہ کے رئیس اور شریف آدمی سے گفتگو فرماتے۔ حضور کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے۔

لَآ اُكْرِهُ اَحَدًا مِّنْكُمْ عَلٰى شَيْءٍ مَنْ رَضِيَ مِنْكُمْ بِالَّذِيْ اَدْعُوْهُ اِلَيْهِ فَذٰلِكَ ۔ وَمَنْ كَرِهَ لَمْ اُكْرِهْهُ اِنَّمَا اُرِيْدُ اَنْ تَحْرُزُوْنِيْ فِيْمَا يُرَادُ لِيْ مِنَ الْقَتْلِ حَتّٰى اُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَحَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ لِيْ وَلِمَنْ صَحِبَنِيْ بِمَا شَآءَ

"حضور ان رئیسوں اور شرفاء کو فرماتے۔ میں تم سے کسی کو کسی چیز پر ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا۔ جو دعوت میں دیتا ہوں جس کو وہ پسند آجائے بے شک اسے قبول کرلے۔ اور جسے پسند نہ آئے میں اسے مجبور نہیں کروں گا کہ وہ ضروری میری دعوت پر ایمان لائے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ مشرکین میرے قتل کے جو منصوبے بنا رہے ہیں ان سے میرا دفاع کرو یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں اور میرے ساتھیوں

ا۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، صفحہ ۵۹۵

کے بارے میں جو چاہے فیصلہ فرمائے۔ "(۱)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ دعوت کا یہ سلسلہ سالہا سال تک جاری رہا لیکن ان قبائل میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا وہ یہ کہتے کہ اس شخص کی قوم اس کو ہم سے زیادہ جانتی ہے تم کیا سمجھتے ہو وہ شخص ہماری اصلاح کر سکتا ہے جس نے اپنی قوم کو فتنہ و فساد میں مبتلا کر دیا ہے اور انہوں نے اسے (لفظوہ) نظر انداز کر دیا ہے ان ظاہری پیہم ناکامیوں کے باوجود دشمنوں کی ایذا رسانیوں اور گری ہوئی حرکتوں کے باوصف حضور اپنے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کے ذرا روادار نہ ہوئے بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ عزم میں مزید پختگی آگئی ہے ادائے فرض کا احساس پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر گیا ہے اور اپنے مالک حقیقی کے نام کو بلند کرنے کا شوق روز افزوں ہے۔

ان قبائل کے ساتھ جو گفتگو ہوئی اور انہوں نے جس طرح تند و تلخ جواب دیے ان کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے تاکہ ان مشکل اور حوصلہ شکن حالات میں حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغی سرگرمیوں کی وسعت اور ادائے فرض میں حضور کے راہوار شوق کی جولانیوں کا قارئین کو کچھ اندازہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقوش پا کو خضر راہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

معجزۂ شق القمر

صبر آزما جدوجہد۔ مصائب و آلام کے طوفانوں میں ثابت قدمی کا محیر العقول پے در پے مظاہرہ کرنے کے بعد پیغمبر اسلام کی فتوحات اور کامیابیوں کا عہد زریں شروع ہوا ایسے ایسے معجزات رونما ہونے لگے جن کو ہر کہ ومہ دیکھ سکتا تھا۔ حق کا رخ زیبا اس پر آشکارا ہو سکتا تھا۔ لیکن کفار عرب نے تو اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی اس طرح کس کر باندھی ہوئی تھی کہ آفتاب ہدایت کی جلوہ سامانیوں میں بھی انہیں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا۔

ان عظیم معجزات میں سے ایک معجزہ شق القمر کا ہے جس کی تفصیل یوں ہے۔

علامہ قرطبی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مشرک اکٹھے ہو کر حضور کی

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۵۸۔ السیرۃ الخاتم، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۴۰۰

خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایئے۔ حضور نے فرمایا اِنْ فَعَلْتُ تُؤْمِنُوْنَ اگر میں ایسا کر دوں تو کیا ایمان لے آؤ گے؟ وہ بولے ضرور۔ اس رات کو چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔ اللہ کے پیارے رسول نے اپنے رب سے عرض کی کہ کفار نے جو مطالبہ کیا ہے اسے پورا کرنے کی قوت دی جائے۔ چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مشرکین کا نام لے لے کر فرما رہے تھے "یَا فُلَانُ یَا فُلَانُ اِشْهَدُوْا" اے فلاں اے فلاں اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور اس بات پر گواہ رہنا۔ تمہاری فرمائش پوری ہو گئی۔ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کفار نے جب اس عظیم معجزہ کو دیکھا تو ایمان لانے کے بجائے انہوں نے کہا۔

هٰذَا مِنْ سِحْرِ ابْنِ اَبِیْ کَبْشَةَ

"یہ ابی کبشہ کے بیٹے کی نظر بندی کا اثر ہے۔"

اس نے تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ چند دنوں تک باہر سے قافلے آنے والے ہیں۔ ہم ان سے پوچھیں گے۔ اس جادو کی حقیقت خود بخود کھل جائے گی۔ جب وہ قافلے مکہ آئے اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا فلاں رات کو چاند کو شق ہوتے تم نے دیکھا ہے۔ سب نے اس کی تصدیق کی لیکن اس کے باوجود کفار مکہ کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

یہ معجزہ ہجرت سے پانچ سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ بڑے جلیل القدر صحابہ نے اسے روایت کیا ہے جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ سیدنا علی مرتضیٰ۔ انس، ابن مسعود، حذیفہ، جبیر ابن مطعم، ابن عمر، ابن عباس وغیرھم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں وَالْاَحَادِیْثُ الصَّحِیْحَةُ فِی الْاِنْشِقَاقِ کَثِیْرَةٌ یعنی شق قمر کے بارے میں صحیح احادیث بکثرت ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے انہیں متواتر بھی کہا ہے۔ شارح مواقف کی بھی یہی رائے ہے۔

امام تاج الدین سبکی ابن حاجب کی المختصر کی شرح میں لکھتے ہیں۔

اَلصَّحِیْحُ عِنْدِیْ اَنَّ اِنْشِقَاقَ الْقَمَرِ مُتَوَاتِرٌ مَنْصُوْصٌ عَلَیْهِ فِی الْقُرْاٰنِ مَرْوِیٌّ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَغَیْرِهِمَا مِنْ طُرُقٍ شَتّٰی بِحَیْثُ لَا یُمْتَرٰی فِیْ تَوَاتُرِہٖ۔

"علامہ سبکی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک انشقاق قمر متواتر ہے اور قرآن

کریم کی نص سے ثابت ہے۔ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی اتنی سندوں سے مروی ہے کہ اس کے تواتر میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ " (روح المعانی)

بعض قصہ گوؤں نے اس واقعہ پر مضحکہ خیز اضافے کئے ہیں کہ چاند حضور کے گریبان میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا۔ علما نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ سراسر باطل ہے۔

کثیر التعداد صحیح احادیث کے باوجود بعض لوگ اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ واقعہ وقوع قیامت کے وقت ظہور پذیر ہو گا۔ انشق اگرچہ ماضی کا صیغہ ہے۔ لیکن یہاں مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور لغت عرب میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ ان کے انکار کی کئی وجوہات ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو ساری دنیا میں اس کی دھوم مچی ہوتی۔ اس زمانہ کے مؤرخ اپنی تاریخوں میں اس کا ذکر کرتے۔ علم نجوم کے ماہرین اپنی تصنیفات میں اس کو بطور یادگار واقعہ نقل کرتے۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ چونکہ یہ واقعہ سرشام ہوا تھا اس لئے جزیرہ عرب کے مغرب میں جو ممالک تھے وہاں اس وقت دن تھا۔ لہٰذا وہاں تو دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز یہ واقعہ رات کو پیش آیا اور اچانک پیش آیا۔ لوگوں کو کیا خبر تھی کہ ایسا واقعہ رو پذیر ہونے والا ہے تاکہ وہ بے تابی سے اس کا انتظار کرتے۔ رات کو دنیا سو رہی ہو گی کسی کو کیا خبر کہ آن کی آن میں کیا وقوع پذیر ہو گیا۔ اگر کوئی اس وقت جاگ بھی رہا ہو تو ممکن ہے وہ کسی اور کام میں مشغول ہو اور اس نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی ہو اور اس نے دیکھا بھی ہو لیکن ان پڑھ ہو یا لکھا بھی ہو اور پھر ضائع ہو گیا۔ غرض یہ کہ بیسیوں احتمالات ہو سکتے ہیں۔ اتنے احتمالات کی موجودگی میں ہم صحیح روایات سے ثابت شدہ واقعہ کو کس طرح غلط کہہ سکتے ہیں۔

علامہ سلیمان ندوی نے اپنی کتاب خطبات مدراس میں لکھا ہے کہ ابھی ابھی سنسکرت کی ایک پرانی کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ مالابار کے راجہ نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

بعض لوگ اس وجہ سے اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کہ اتنا بڑا کرہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے اور وہ دونوں ٹکڑے آکر جڑ جائیں۔ یہ ناممکن ہے۔ لیکن جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اسے ناممکن کہنا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کرہ کے اندر آتش فشاں مادہ ہو اور

وہ اس طرح پھٹے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں، لیکن مرکز کی مقناطیسی قوت اتنی طاقت ور ہو کہ وہ ان دونوں ٹکڑوں کو پھر سے یکجا کر دے۔ ہمیں ان تکلفات کی تب ضرورت پیش آتی جب خود بخود چاند پھٹنے کا واقعہ رونما ہوتا۔ جب ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی رسالت کی تصدیق کے لئے چاند کو دو ٹکڑے کیا تو اب کسی کو شک کی مجال نہیں رہتی کیونکہ جس خالق حکیم نے اس چاند کو بنایا ہے وہ اسے توڑ بھی سکتا ہے۔ اور توڑ کر جوڑ بھی سکتا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ انشقاق قمر وقوع قیامت کے وقت ہو گا، قرآن کا سیاق و سباق ان کی اس توجیہ کو قبول نہیں کرتا کیونکہ 'اِنْ يَّرَوْا الآیۃ' والا جملہ صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے انشقاق قمر دیکھا__ اتنے عظیم الشان اور محیر العقول معجزہ کا مشاہدہ کیا__ لیکن پھر بھی ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ یہ کلام اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب کہ شق قمر ہو چکا ہو۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

معراج النبی

معراجُ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

اللہ جلّ مجدہ کے عبد منیب اور حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے جو آنسو، طائف کی زمین پر ٹپکے، خون ناب کے جو معطر قطرے گلشن اسلام کی آبیاری کے لئے جسم اطہر سے بہے شان کریمی نے انہیں موتی سمجھ کر چن لیا۔ اور دعا کے لئے اٹھنے والے ہاتھ کیا اٹھے۔ کہ قدرت کی بندہ نوازیوں نے روشن مستقبل کی کلید ان مبارک ہاتھوں میں تھمادی۔ آئے روز الطاف الٰہی کا یوں مسلسل ظہور ہونے لگا کہ خاطر عاطر پر حزن و ملال کا جو غبار پڑا تھا۔ وہ صاف ہوتا گیا آخر وہ مبارک رات آئی۔ جب کہ دست قدرت نے اپنے مادی، معنوی اور روحانی خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ نور ذات پر صفات کے جو پردے پڑے تھے ایک ایک کر کے اٹھنے لگے۔ بیکراں مسافتیں سمٹتی گئیں۔ اور عبد کامل حریم قدس میں دَنَا فَتَدَلّٰی کی منزلیں طے کرتا ہوا قرب و حضوری کے اس مقام رفیع پر فائز کر دیا گیا جس کی تعبیر زبان قدرت نے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی کے پیارے پیارے کلمات سے فرمائی۔ اس سے مزید قرب کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا اور اس قرب خاص کے بیان کے لئے اس سے دل نشین کوئی اسلوب بیان اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ رب قدوس نے اپنے محبوب کریم کے غلاموں کو لیلۃ القدر کے انعام سے بہرہ ور فرمایا اور اس ایک رات کی عبادت کو ایک ہزار مہینوں کی عبادتوں سے افضل قرار دے دیا اور جس محبوب کے صدقے ہم بے نواؤں اور خطا کاروں پر یہ لطف و کرم ہوا اس حبیب کے علو مرتبت کے اظہار کے لئے اور دن رات ماہی بے آب کی طرح تڑپنے والے دل کو اپنے دیدار سے مشرف کرنے کے لئے رات کو سفر معراج کا اہتمام فرمایا۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

"اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔" (البقرہ: ۱۰۵)

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

"اے حبیب! اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔" (النساء: ۱۱۳)

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا

"یقیناً اس کا فضل و کرم اے حبیب! آپ پر بہت بڑا ہے۔" (بنی اسرائیل: ۸۷)

ان کے علاوہ قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اس لطف و کرم اور فضل عظیم و کبیر کا اظہار فرمایا ہے۔ جس سے اس نے اپنے برگزیدہ رسول کو سرفراز فرمایا۔

واقعہ معراج اپنی اہمیت کے پیش نظر اس بات کا مقتضی ہے کہ اس پر تفصیلی بحث کی جائے اس کے بارے میں جو اعتراضات اور شکوک و شبہات پیش کئے جاتے ہیں حقیقت پسندی سے ان کا جائزہ لیا جائے ان کی وضاحت کی جائے تاکہ اپنے اور بیگانے۔ ماننے والے اور انکار کرنے والے۔ حسب استطاعت سب اس سے مستفید ہو سکیں وباللہ التوفیق۔

یہ سفر مبارک کس ماہ کی کس تاریخ کو پیش آیا اس کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ کسی نے ربیع الاول۔ کسی نے ربیع الآخر۔ اور کسی نے رمضان المبارک کے مہینے کی کوئی تاریخ مقرر کی ہے۔ "لیکن ابن قتیبہ۔ دینوری (المتوفی ۲۶۷ھ) اور علامہ ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) نے ماہ رجب کی تعیین کی ہے اور متاخرین میں امام رافعی اور امام نووی نے روضہ میں اسی کو تیقن کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی مہینہ کو اختیار کیا ہے بلکہ ۲۷/ تاریخ کی بھی تصریح کر دی ہے اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں سلف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل درآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔" (۱)

رہی یہ بات کہ کس سال اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کو "مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کی سیاحت کرائی۔

اس کے بارے میں علامہ علی بن برہان الدین حلبی کی یہ عبارت جملہ اقوال علماء کی جامع ہے وہ لکھتے ہیں۔

۱۔ السیرۃ النبویہ علامہ سید سلیمان ندوی، جلد سوم، صفحہ ۳۶۰

وَذٰلِكَ قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِسَنَةٍ وَبِهٖ جَزَمَ ابْنُ حَزْمٍ وَادَّعٰى فِيْهِ الْاِجْمَاعَ وَقِيْلَ بِسَنَتَيْنِ وَقِيْلَ بِثَلَاثِ سِنِيْنَ وَكَانَ بَعْدَ خُرُوْجِهٖ اِلَى الطَّائِفِ

"یہ سفر ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا۔ ابن حزم نے اسے یقین کے ساتھ لکھا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ سفر ہجرت سے دو سال پہلے اور بعض کے نزدیک تین سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔" (۱)

بہر حال طائف کے حادثہ فاجعہ کے بعد لامکان کی سیر کرائی گئی اور آیات الٰہی کا مشاہدہ کرایا گیا۔

البتہ دو چیزیں مسلمات میں سے ہیں کہ طائف سے واپسی کے بعد اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت سے پہلے اس درمیانی مدت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو معراج کا شرف ارزانی فرمایا۔

دوسرا مسئلہ جو یہاں غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ یمن و برکت سے لبریز یہ سفر، حالت خواب کا واقعہ ہے یا عالم بیداری میں ہوا۔ اگر عالم بیداری میں ہوا تو ملکوت السموات والارض کی سیاحت صرف روح نے کی یا روح اور جسم دونوں کو قدرت خدلوندی کی آیات بینات کے مشاہدہ کی سعادت میسر آئی۔ اگرچہ بعض اقوال ایسے بھی ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ معراج حالت خواب کا واقعہ ہے اور بعض علماء کی یہ رائے بھی نظر سے گزری ہے کہ معراج ہوا تو عالم بیداری میں۔ لیکن صرف روح کو۔ لیکن امت کے جمہور علماء کا یہی فیصلہ ہے کہ منزل دَنا کا یہ سفر پیکر نور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جسم اور روح دونوں کے ساتھ طے کیا۔

چنانچہ قاضی عیاض اَلشِّفَا بِتَعْرِيْفِ حُقُوْقِ الْمُصْطَفٰى میں رقمطراز ہیں۔

وَذَهَبَ مُعْظَمُ السَّلَفِ وَالْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى اَنَّهٗ اِسْرَاءٌ بِالْجَسَدِ وَفِي الْيَقْظَةِ وَهٰذَا هُوَ الْحَقُّ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، وَاَنَسٍ، وَحُذَيْفَةَ، وَعُمَرَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَمَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ وَاَبِيْ حَبَّةَ الْبَدْرِيِّ، وَابْنِ مَسْعُوْدٍ، وَالضَّحَّاكِ وَسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ

۱۔ انسان العیون، جلد اول، صفحہ ۳۴۸

وَقَتَادَة وَابْنِ الْمُسَيَّبْ وَابْنِ شِهَابٍ وَابْنِ زَيْد... وَجَمَاعَةٌ عَظِيمَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَقَوْلُ أَكْثَرِ الْمُتَأَخِّرِينَ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَالْمُحَدِّثِيْنَ وَالْمُتَكَلِّمِينَ وَالْمُفَسِّرِيْنَ

"سلف صالحین اور امت مسلمہ کی غالب اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اسراء، جسم مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں ہوا اور یہی قول حق ہے اور مندرجہ ذیل حضرات کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرات، ابن عباس، جابر، انس، حذیفہ، عمر، ابو ہریرہ، مالک بن صعصعہ، ابی حبہ البدری اور ابن مسعود، (یہ سب صحابہ ہیں) اور ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، ابن المسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مفروق، مجاہد، عکرمہ اور ابن جریج، ان کے علاوہ طبری، امام ابن حنبل اور مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت کا یہی قول ہے نیز علماء متاخرین میں سے فقہاء محدثین متکلمین اور مفسرین کی اکثریت کا یہی قول ہے۔ (۱)

اس سفر مبارک کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے پہلا حصہ حرم مکہ سے بیت المقدس تک اور دوسرا حصہ بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ اور ماوراء تک۔ اس ماوراء کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اس کا رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

پہلے حصہ کو اسراء کہتے ہیں اور دوسرے کو معراج۔ ہم آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں اس سفر کے دونوں حصوں کو ناظرین کرام کی خدمت میں علیحدہ علیحدہ پیش کرتے ہیں۔

اسراء

اسراء کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں کیا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

۱۔ الشفا، جلد اول، صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

"ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ بابرکت بنا دیا ہے ہم نے اس کے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۱)

اس آیت کی تشریح اور وضاحت کے لئے تفسیر ضیاء القرآن سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے

اس آیت کریمہ میں حضور فخر موجودات سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ایک عظیم الشان معجزہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے متعلق عقل کوتاہ اندیش اور فہم حقیقت ناشناس نے پہلے بھی رد و قدح کی اور آج بھی واویلا مچا رکھا ہے اس لئے اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ بے سود طوالت سے دامن بچاتے ہوئے ضروری امور کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لئے حق کی پہچان آسان ہو جائے اور شکوک و شبہات کا جو غبار حسن حقیقت کو مستور کرنے کے لئے اٹھایا جا رہا ہے اس کا سدِّباب ہو جائے ....

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرئیل امین حاضر خدمت ہوئے اور خواب سے بیدار کیا۔ اور ارادہ خداوندی سے آگاہی بخشی حضور اٹھے چاہ زمزم کے قریب لائے گئے۔ سینہ مبارک کو چاک کیا گیا قلب اطہر میں ایمان و حکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا پھر سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لئے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے۔ اور جس حلقہ سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں براق کو باندھ دیا گیا حضور مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء سابقین، حضور کے لئے چشم براہ تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح ارواح انبیاء سے روز ازل جو یہ عہد لیا گیا تھا۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران آیت ۸۱) کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ کی تکمیل ہوئی ازاں بعد مرکب ہمایوں بلندیوں کی طرف پرکشا ہوا۔ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔

پہلے آسمان پر ابوالبشر آدم علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر اپنے جد کریم ابوالانبیاء حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خلیل نے " مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ یعنی اے نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزند دلبند مرحبا! کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو انوار ربانی کی تجلی گاہ تھی۔ اس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سما نہیں سکتی۔ عقاب ہمت۔ یہاں بھی آشیاں بند نہیں ہوا۔ اور آگے بڑھے۔ کہاں تک گئے ماوشما اسے کیا سمجھیں زبان قدرت نے مقام قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى

" پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ (سورۃ النجم: ۸۔ ۹)

وہاں کیا ہوا۔ یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے قرآن کریم نے بتایا ہے۔

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى

" پس وحی کی اللہ نے اپنے محبوب بندے کی طرف جو وحی کی۔ "

(سورۃ النجم: ۱۰)

علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى (۱)

اسی مقام قرب اور گوشہ خلوت میں دیگر انعامات نفیسہ کے علاوہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرضداشت پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے کئی بار بارگاہ رب العزت میں تخفیف کے لئے التجا کی چنانچہ نماز کی تعداد پانچ کر دی گئی اور ثواب پچاس کا ہی رہا۔ فراز عرش سے محبوب رب العالمین مراجعت فرمائے خاکدان ارضی ہوئے۔ ابھی یہاں رات کا سماں تھا۔ ہر سو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی سپیدۂ سحر کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

واقعہ معراج کو انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ یہ مسافت بیشک

۱۔ سیرت النبی جلد سوم

بڑی طویل ہے۔ اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ عجیب و غریب ہے۔ اس لئے وہ دل جو نور ایمان سے خالی تھے۔ انہوں نے اسے اسلام اور داعی اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے دل میں یقین کا چراغ ضوفشاں تھا انہیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں ہوا اور نہ دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی اور غوغہ آرائی سے وہ متاثر ہوئے بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جب اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلاجھجک جواب دیا کہ اگر میرے آقا و مولی نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے اہل ایمان کے نزدیک کسی واقعہ کی صحت اور عدم صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی عقل اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے ان کا یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے، جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ ہمارے وضع کئے ہوئے قواعد و ضوابط اس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں کر سکتے اور جو اس واقعہ کی خبر دینے والا ہے وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک و شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جب اس نے بتا دیا جس کی صداقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس قدرت والے نے ایسا کیا ہے جو علیٰ کل شی قدیر ہے تو پھر وہ امکان و عدم امکان کے چکر میں کیوں پڑیں۔ اس لئے جب شب اسریٰ کی صبح کو حرم کعبہ میں نبی برحق نے کفار کے بھرے مجمع میں اس عنایت ربانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے۔ بعض نے انکار کر دیا اور بعض نے بلاچون و چرا تسلیم کر لیا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا۔

لیکن آج صورت حال قدرے مختلف ہے، ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے۔ دوسرا گروہ وہی ماننے والوں کا ہے لیکن اب ایک تیسرا گروہ بھی نمودار ہو گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے حلقہ بگوش ہیں اور ادھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضامند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے مزعومات و نظریات رد کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

ناچار وہ اس واقعہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کے سارے حسن و جمال پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کالعدم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقہ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں وہ دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام پر وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دور کر دیا اس لئے ہمیں مختصراً دونوں گروہوں کو ایسے دلائل

فراہم کرنا ہیں کہ اگر وہ تعصب کو بلائے طاق رکھ کر ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت اور اس کی شان کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور فخر موجودات، باعث تخلیق کائنات سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں ان کے لئے تو واقعہ معراج کی صداقت پر اس آیت کریمہ کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اسی موقعہ پر اس آیت کریمہ "سبحان الذی اسری الایہ" کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

آیت کا آغاز سبحان، کے کلمہ سے کیا گیا " سُبْحَانَ سَبَّحَ يُسَبِّحُ تَسْبِيحًا باب تفعیل کے مصدر تسبیح کا علم ہے اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مبرّا اور منزّہ ہے علامہ زمخشری لکھتے ہیں۔

عَلَمٌ لِلتَّسْبِيحِ كَعُثْمَانَ لِلرَّجُلِ وَانْتِصَابُهُ بِفِعْلٍ مُضْمَرٍ وَدَلَّ عَلَى التَّنْزِيهِ الْبَلِيغِ مِنْ جَمِيعِ الْقَبَائِحِ الَّتِي يُضِيفُ إِلَيْهِ أَعْدَاءُ اللهِ

"یعنی سبحان، تسبیح مصدر کا علم ہے جس طرح عثمان، (جو اس کا ہم وزن ہے) کسی شخص کا علم ہوتا ہے اور یہاں فعل مضمر ہے جو اس کو نصب دیتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ان کمزوریوں، عیبوں اور کوتاہیوں سے بالکل پاک اور منزّہ ہے جن سے کفار اللہ تعالیٰ کو متہم کرتے ہیں۔"

علامہ آلوسی نے حضرت طلحہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

عَنْ طَلْحَةَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَفْسِيْرِ سُبْحَانَ اللهِ وَقَالَ تَنْزِيْهُ اللهِ عَنْ كُلِّ سُوْءٍ

"یعنی حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ میں نے سبحان اللہ کی تفسیر، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھی۔ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر برائی سے پاک اور منزّہ کہنے کو سبحان اللہ کہتے ہیں۔"

سبحان کے کلمہ سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب، نقص، کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ اس کے لئے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل

کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتا۔ بطور دلیل ارشاد فرمایا 'اَلَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ' کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا۔ اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیات بینات دکھائیں۔ جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے واقعی اس کی قدرت بے پایاں، اس کی عظمت بیکراں ہے اور اس کی کبریائی کے دامن پر کسی کمزوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں۔ تو جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی بڑا اہم۔ عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہو گا اس لئے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سبوحیت کی ایک قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔ (۱)

کونسٹانس جیور جیو، سابق وزیر خارجہ رومانیہ نے سیرت کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا عربی ترجمہ حلب یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد التونجی نے کیا۔ جو نظرۃ جدیدۃ فی سیرت رسول اللہ کے عنوان سے بیروت سے شائع ہوا ہے اس میں وزیر موصوف نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کہ اس واقعہ پر علوم طبیعیات کی رو سے دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض رفتار کی سرعت کے متعلق ہے دوسرا یہ کہ کیا جسم خاکی کے لئے ممکن ہے کہ فضا میں روشنی کی رفتار سے بھی تیز تر پرواز کر سکے۔ معراج کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کائنات کے افق اعلیٰ تک تشریف لے گئے پھر واپس بھی تشریف لے آئے حالانکہ آئن شائن مشہور عالم سائنس دان اور ریاضی دان کے نزدیک کائنات کے دائرہ کے قطر کے ایک کونے سے دوسرے کونہ تک اگر روشنی سفر کرے تو اس کو یہ مسافت طے کرنے کے لئے تین ہزار ملین نوری سالوں کا عرصہ درکار ہے جب کہ روشنی کی اپنی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے جسے ہندسوں میں یوں لکھا جا سکتا ہے۔ ۱۰۰۰۰۰۰ × ۳۰۰۰ = ۳۰۰۰۰۰۰۰۰۰ یعنی تین ارب نوری سال۔

وزیر موصوف لکھتا ہے کہ اگرچہ علم طبیعیات کے نزدیک یہ امر ممکن نہیں کہ اتنی مسافت رات کے ایک قلیل حصہ میں طے ہوئی ہو لیکن مذہبی نقطہ نظر سے ہمیں اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں کہ ہم عیسائی بھی بہت سی ایسی چیزوں کو اپنے مذہبی عقائد میں شمار کرتے ہیں اور ان کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے ہمیں مسلمانوں پر اعتراض کرنے کا کوئی حق

۱۔ ضیاء القرآن، جلد دوم، صفحہ ۶۲۴ تا ۶۲۶

نہیں۔ (۱)

اگرچہ انہوں نے عقائد کا ذکر نہیں کیا جن پر عیسائی کا ایمان لانا ضروری ہے حالانکہ وہ علم طبعی کے روسے ناممکن ہے لیکن میں انجیل کے حوالہ سے ایک واقعہ کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔

سب عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔ مختلف انجیلوں کی آیات سے یہ عقیدہ ثابت ہے۔ انجیل مرقس کے سولہویں باب کی انیسویں آیت ملاحظہ فرمائیں۔

غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی دہنی طرف بیٹھ گیا۔ (۲)

اسی مضمون کی ایک آیت انجیل لوقا میں بھی ہے۔

پھر وہ انہیں بیت عیناہ کے سامنے تک لے گیا اور اپنے ہاتھ اٹھا کر انہیں برکت دی جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا۔ (۳)

اگر حضرت مسیح علیہ السلام زمین سے آسمان کی ان بلندیوں تک پرواز فرما سکتے ہیں جہاں وہ خدا کے دہنے جانب بیٹھ سکتے ہیں تو وہ ہستی. جس کے جوتوں کے تسمے کھولنے کی حسرت مسیح علیہ السلام کو عمر بھر بے چین کئے رہی وہ کیوں یہ سفر قلیل مدت میں طے نہیں کر سکتی۔

دائرہ کائنات کے قطر کے دو کناروں میں بعد کا جو اندازہ آئن شائن نے لگایا ہے یا روشنی کی سرعت رفتار کا جو تخمینہ اس نے بیان کیا ہے ہمیں اس کی تردید کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہم آئن شائن سے یہ پوچھنے کا حق تو رکھتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی علمی دلیل ہے جس پر اعتماد کر کے وہ یقین سے یہ کہہ سکتا ہے کہ روشنی سے زیادہ تیز رفتار اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی اور چیز ہو جو روشنی سے بھی کئی گنا زیادہ تیز رفتار ہو۔ یا روشنی کی طبعی رفتار تو تین لاکھ کلو میٹر فی سیکنڈ ہو۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی اور قوت سے اس کی تیز رفتاری میں مزید اضافہ کیا جا سکتا ہو۔ جب یہ سب امکانات موجود ہیں اور کسی سائنس دان نے ان کا

۱۔ نظرۃ جدیدہ صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ بیروت

۲۔ انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۱۹

۳۔ انجیل لوقا باب ۲۴ آیت ۵۰۔ ۵۱

انکار نہیں کیا تو پھر جن کا یہ عقیدہ ہو کہ اس عبد کامل نے خود سیر کرنے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ کہا تو یہ کہا کہ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ

"ہر عجز و ناتوانی سے پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے محبوب بندے کو سیر کرائی۔ تو اس امر پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ کیا علوم طبعیہ کا کوئی قاعدہ اس کی نفی کر سکتا ہے۔" (۱)

سبحان . کی تشریح کے بعد اس کلمہ اسریٰ کے اس مفہوم پر غور فرمایئے۔

اسریٰ = رات کو سیر کرانے کو کہتے ہیں۔ لیلاً پر تنوین تقلیل کی ہے۔ یہ سفر رات کے وقت ہوا لیکن اس سفر میں ساری رات ختم نہیں ہوئی بلکہ رات کے ایک قلیل حصہ میں بڑے اطمینان اور عافیت سے یہ سفر طے پایا اسریٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر بعبدہ کے لفظ سے فرمایا گیا۔ اس کی متعدد حکمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بے مثل رفعت شان اور علو مرتبت کو دیکھ کر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے جس میں عیسائی، کمالات عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے۔ (کہ وہ آپ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہنے کے بجائے اللہ کا بیٹا کہنے لگے تھے) اس کے علاوہ مفسرین نے لکھا ہے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بارگاہ صمدیت میں مقام قاب قوسین او ادنیٰ پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا۔

بِمَ اُشَرِّفُكَ یَا مُحَمَّدُ اے سراپا حمد و ستائش! آج میں تجھے کس لقب سے سرفراز کروں۔ حضور نے جواباً عرض کی بِنِسْبَتِیْ اِلَیْكَ بِالْعُبُوْدِیَّۃِ "مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما۔ (۲)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر معراج کے وقت اسی لقب کو ذکر فرمایا جو اس کے حبیب نے اپنے لئے خود پسند فرمایا تھا۔ نیز بعبدہ کے کلمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سفر حالت خواب میں طے نہیں ہوا یا صرف روح نے یہ شرف باریابی حاصل نہیں کیا بلکہ روح و جسم نے بحالت بیداری یہ سفر کیا کیونکہ عبد کے لفظ کا اطلاق صرف روح پر نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسم کے مجموعہ کو عبد کہتے ہیں۔

۱۔ ضیاء القرآن، جلد دوم، صفحہ ۶۲۶

۲۔ ضیاء القرآن، جلد دوم، صفحہ ۶۲۶

خواب میں تو ہر کس وناکس طویل مسافتیں پل بھر میں طے کر سکتا ہے اس پر نہ انکار کیا جاتا ہے اور نہ اظہار تعجب۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ واقعہ کفار کو سنایا تو اسے سن کر انہوں نے وہ اودھم مچایا کہ خدا کی پناہ بلکہ کئی کمزور ایمان والے مسلمان مرتد ہو گئے۔ اگر حضور نے انہیں بتایا ہوتا کہ لوگو! میں نے ایسا ایسا خواب دیکھا ہے تو منکرین کی طرف سے یہ رد عمل کبھی ظاہر نہ کیا جاتا۔

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا

"تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔"

(بنی اسرائیل: ۱)

ان کلمات سے اس سفر کی غرض وغایت بیان فرمائی کہ یہ سفر یوں نہیں ہوا کہ بھاگم بھاگ حضور گئے ہوں اور اسی عجلت سے واپس آگئے ہوں نہ کچھ دیکھا۔ نہ سنا۔ بلکہ صحیفہ کائنات کے ہر ہر صفحہ پر گلشن ہستی کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت، علم و حکمت کے جتنے کرشمے رقم تھے۔ سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب کو دکھا دیئے۔

اب آپ خود فرمائیے کہ جو لوگ معراج کو عالم خواب کا ایک واقعہ کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور پاکی کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے۔ قرآن کریم کا یہ انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں بلکہ عالم بیداری کا ہے۔

جسمانی معراج کے منکرین کے دلائل

اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ رؤیا تھا یعنی خواب تھا۔ ارشاد باری ہے۔

مَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

"یہاں رؤیا کا لفظ ہے اس کا معنی خواب ہے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہ خواب آپ کو صرف اس لئے دکھایا تاکہ لوگوں کی آزمائش کی جا سکے۔"

جب خود قرآن پاک نے تصریح کر دی کہ یہ خواب تھا تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔
جواباً عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے

ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے۔ اور اگر اس پر ہی اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج ہی کا ذکر ہے تو پھر حضرت ابن عباس کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا آپ نے فرمایا۔ یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"یعنی حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رؤیا کا معنی ان آنکھوں سے دیکھنا ہے جس کا مشاہدہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو کرایا گیا۔"

علامہ ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

وَلَوْ كَانَتْ رُؤْيَا مَنَامٍ مَا افْتَتَنَ بِهَا أَحَدٌ۔ وَلَا أَنْكَرَهَا فَإِنَّهُ لَا يُسْتَبْعَدُ عَلَى أَحَدٍ أَنْ يَرَى نَفْسَهُ يَخْتَرِقُ السَّمٰوَاتِ وَيَجْلِسُ عَلَى الْكُرْسِيِّ۔ وَيُكَلِّمُهُ الرَّبُّ

"یعنی اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا۔ اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی، تو ایسے خواب کو کبھی مستبعد اور خلاف عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔" (۱)

یہ لوگ حضرت انس کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضور نے فرمایا۔

ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ وَأَنَا فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

"پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔"

اس روایت کے متعلق فن حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ فرمائیے خود بخود شبہہ دور ہو جائے گا۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت انس سے شریک نے نقل کیے ہیں اور "شریک لَيْسَ بِالْحَافِظِ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ یعنی اہل حدیث کے نزدیک، شریک حافظ حدیث نہیں

۱۔ احکام القرآن لابن العربی صفحہ ۱۱۹۵

ہے۔ (۱)

دوسری روایت سنئے۔

اِنَّ هٰذَا اللَّفْظَ رَوَاهُ شَرِيْكٌ عَنْ اَنَسٍ وَكَانَ قَدْ تَغَيَّرَ بِاٰخِرِهٖ فَيُعَوَّلُ عَلٰى رِوَايَاتِ الْجَمِيْعِ

"کہ یہ الفاظ حضرت انس سے صرف شریک نے روایت کئے ہیں ان کا حافظہ آخر میں کمزور ہو گیا تھا اس لئے ان کی روایت کی بجائے ان روایات پر بھروسا کیا جائے جو باقی تمام راویوں نے بیان کی ہیں۔" (۲)

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت انس سے یہ حدیث شریک کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث ابن شہاب، ثابت البنانی اور قتادہ نے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی روایات میں یہ الفاظ نہیں۔

قَدْ رَوٰى حَدِيْثَ الْاِسْرَاءِ مِنْ اَنَسٍ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْحُفَّاظِ الْمُتْقِنِيْنَ وَالْاَئِمَّةِ الْمَشْهُوْرِيْنَ كَابْنِ شِهَابٍ وَثَابِتِ الْبُنَانِيِّ وَقَتَادَةَ وَلَمْ يَاْتِ اَحَدٌ مِّنْهُمْ بِمَا اَتٰى بِهٖ شَرِيْكٌ (۳)

ہر ہر صفحہ پر گلشن کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت، علم و حکمت کے جتنے کرشمے رقم تھے۔ سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب کو دکھا دیئے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

وَقَوْلُهٗ فِيْ حَدِيْثِ شَرِيْكٍ عَنْ اَنَسٍ. ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ فَاِذَا اَنَا فِي الْحِجْرِ مَعْدُوْدٌ فِيْ غَلَطَاتِ الشَّرِيْكِ

"یعنی ان الفاظ کا شمار شریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے۔"

اس حدیث کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ لیکن محدثین پہلے تو اس قول کی نسبت اُن حضرات کی طرف کرنے کو ہی مشکوک سمجھتے ہیں اور اگر روایت ثابت ہو بھی جائے تو ان کے قول پر جمہور صحابہ کے ارشادات کو ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ اس وقت حضرت صدیقہ تو بالکل کمسن بچی تھیں اور امیر معاویہ ابھی تک مشرف

۱۔ روح المعانی جلد ۱۵

۲۔ احکام القرآن لابن العربی

۳۔ روح المعانی جلد ۱۵

باسلام ہی نہ ہوئے تھے۔ نیز یہ ان صاحبان کی اپنی ذاتی رائے ہے حضور کا ارشاد نہیں۔ علامہ ابن حیان اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

وَمَا رُوِیَ عَنْ عَائِشَةَ وَمُعَاوِیَةَ اِنَّهُ کَانَ مَنَامًا فَلَعَلَّهُ لَا یَصِحُّ وَلَوْصَحَّ لَمْ یَکُنْ فِیْ ذٰلِکَ حُجَّةٌ لِاَنَّهَا لَمْ یُشَاهِدَا ذٰلِکَ لِصِغْرِ عَائِشَةَ وَکُفْرِ مُعَاوِیَةَ وَلِاَنَّهُمَا لَمْ یُسْنِدَا ذٰلِکَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا حَدَّثَا بِهٖ عَنْهُ

اسی سلسلہ میں مقالات سرسید کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا انہوں نے بڑی شدومد سے معراج کو خواب ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں طول طویل بحث کی ہے ان کا مقالہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین اور عیسائی مورخین کے اعتراضات سے گھبرائے ہوئے ہیں اور ان کے زہر میں بجھے ہوئے طعن و تشنیع کے تیروں سے اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں خواہ اس کوشش میں اسلام کا حلیہ ہی کیوں نہ بگڑ جائے اور عظمت مصطفوی کا عقیدہ ہی کیوں نہ متزلزل ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کے دلائل و براہین کو ہی کیوں نہ منہدم کرنا پڑے آپ اس جذبہ کے اخلاص کی تعریف کر سکتے ہیں لیکن عواقب و نتائج کے لحاظ سے آپ اس کی تحسین نہیں کر سکتے کیا معراج کا انکار کر کے آپ نے کسی کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا ہے۔ کیا آپ کی معذرت خواہی کو انہوں نے قبول کر کے آپ کے پیش کردہ ماڈرن اسلام پر اظہار ناراضگی چھوڑ دیا ہے ہرگز نہیں۔ تو پھر اس محنت کا کیا حاصل۔ بجز اس کے ان صحیح واقعات کا انکار کر کے اپنے تمام علمی ورثہ کو مشکوک اور مشتبہ کر دیا جائے ہاں میں اس طویل مقالہ کا ذکر کر رہا تھا جس میں حضرت سید نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں۔

"ایک دوسرے سے اس قدر متضاد اور متناقض ہیں.......... کہ صراحتہً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت و اعتبار کو کھو دیتی ہیں۔" (۱)

لیکن تناقض و تضاد کے جو نمونے انہوں نے ذکر کئے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اس وقت حطیم میں تھے۔ دوسری میں ہے حجر میں تھے تیسری میں ہے مسجد حرام میں تھے۔"

ذرا غور فرمائیے کیا ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے حطیم اور حجر تو ایک جگہ کے دو نام

۱۔ مقالات سرسید، جلد یازدم، صفحہ ۶۲ے

ہیں یعنی وہ جگہ جو اصل میں کعبہ شریف کا حصہ تھی لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ گر گیا تو قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا ہے یہ حصہ حطیم یا حجر، مسجد حرام میں ہے۔ تو ان روایات میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

تضاد کی ایک دوسری مثال۔ مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھٹے آسمان کے متعلق ایک حدیث میں ہے۔

ثُمَّ صُعِدَ بِيْ إِلَى السَّمَآءِ السَّادِسَةِ فَإِذَا مُوْسٰى

"پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو پایا۔"

دوسری حدیث میں۔

ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَآءِ السَّادِسَةِ فَإِذَا أَنَا بِمُوْسٰى وَرَحَّبَ بِيْ وَدَعَا لِيْ۔

"پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف لایا گیا وہاں میں نے موسیٰ کو پایا انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعا کی۔"

تیسری حدیث میں ہے۔

لَمَّا جَاوَزْتُ فَبَكٰى

"جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔"

آپ خود فرمائیے کہ احادیث کے ان کلمات میں کوئی تضاد ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس اختلاف کے بارے میں خود علماء نے تصریح کی اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو ترجیح دے کر نسبتاً ضعیف روایات کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا ہے۔ جو تضاد ممتنع ہے وہ تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی پایہ کی ہوں۔ کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جا سکتی ہو اور ان کو یکجا جمع بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔

بہر حال یہ ان لوگوں کے شکوک و شبہات کا مجمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائل نقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔ (۱)

۱۔ ضیاء القرآن۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴۲۴۔ ۴۲۶

منکرین معراج کی دوسری قسم

اب ذرا ان حضرات کے ارشادات کی طرف توجہ فرمایئے جو معراج اور دیگر معجزات کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ یہ خلاف عقل ہیں، ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ کائنات کا یہ نظام اس میں یہ بے عدیل ارتباط اور موزونیت بے مثل ترتیب، اور یکسانیت۔ اس امر پر شاہد عادل ہے کہ یہ نظام چند قوانین اور ضوابط کا پابند ہے جنہیں قوانین فطرت (LAWS OF NATURE) کہا جاتا ہے اور فطرت کے قانون اٹل ہیں ان میں ردو بدل ممکن نہیں۔ ورنہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اس لئے عقل، معجزات کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ یہ قوانین فطرت کے خلاف ہوتے ہیں معراج بھی ایک معجزہ ہے اس لئے یہ بھی عقلاً محال ہے۔

اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ علماء اسلام نے معجزہ کی جو تعریف کی ہے وہ یہ نہیں کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو قوانین فطرت کے خلاف ہو اور نوامیس قدرت سے برسرپیکار ہو بلکہ علماء اسلام نے معجزہ کی تعریف بایں الفاظ کی ہے۔

اَلْاِتْیَانُ بِاَمْرٍ خَارِقٍ لِلْعَادَةِ یُقْصَدُ بِهٖ بَیَانُ الصِّدْقِ مَنِ ادَّعٰی اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ

"یعنی مدعی رسالت کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کسی ایسے امر کا ظہور پذیر ہونا جو عادت کے خلاف ہو اسے معجزہ کہتے ہیں یہ تعریف نہیں کی گئی کہ معجزہ وہ ہے جو قوانین فطرت اور نوامیس قدرت کے خلاف ہو۔" (۱)

ان لوگوں کا یہ اعتراض تو تب قابل التفات ہوتا جب معجزہ کو نوامیس قدرت کے خلاف مانا جاتا۔ ہو سکتا ہے یہ معجزات قانون فطرت کے مطابق ہی رو پذیر ہوئے ہوں لیکن ابھی تک وہ قانون فطرت ہمارے ادراک کی سرحد سے ماورا ہو۔ یہ دعویٰ کرنا کہ فطرت کے تمام قوانین بے نقاب ہو چکے ہیں اور ذہن انسانی نے اس سب کا احاطہ کر لیا ہے انتہائی مضحکہ خیز اور غیر معقول ہے آج تک کسی فلسفی یا سائنس دان نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا نیز قوانین فطرت کے

۱۔ المسامرہ

متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اٹل اور غیر متغیر ہیں یہ بھی ناقابل تسلیم ہے یہ خیال تب قابل قبول ہوتا جب ان قوانین کو ہر قسم کے نقص اور عیب سے مبرا سمجھ لیا جائے۔ اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ اختیار کیا جائے کہ اس کائنات کی آرائش و زیبائش کے لئے یہی قوانین کفایت کرتے ہیں۔ لیکن اہل خرد کے نزدیک یہ خیال محل نظر ہے چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے معجزہ (MIRACLE) پر بحث کرتے ہوئے لکھا۔

It is an unwarrented idealism and optimism which finds the course of nature so wise so good that any change in it must be regaded as incredible.

"یعنی یہ نظریہ ایک غیر معقول تصور اور خوش فہمی ہے کہ فطرت کا طریقہ کار اتنا دانشمندانہ اور بہترین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں۔" (۱)

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہیں یا نہیں اگر آپ منکر ہیں تو آپ سے معجزات کے متعلق بحث عبث اور قبل از وقت ہے پہلے آپ کو وجود خداوندی کا قائل کرنا پڑے گا اس کے بعد معجزہ کے اثبات کا مناسب وقت آئے گا۔ اور اگر آپ وجود خداوندی کے قائل تو ہیں لیکن آپ کا تصور یہ ہے کہ خدا اور فطرت (NATURE) ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا آپ خدا کو خالق کائنات مانتے ہیں لیکن یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس کا اب اپنی پیدا کردہ دنیا میں کوئی عمل دخل نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا بلکہ الگ تھلگ بیٹھ کر ایک بے بس تماشائی کی طرح کائنات کے ہنگامہ ہائے خیر و شر کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے اور کچھ کر نہیں سکتا تو پھر معجزہ کے انکار کی وجہ سمجھ آ سکتی ہے۔ لیکن اگر آپ ذات خداوندی کے قائل ہیں۔ اور اسے خالق ماننے کے ساتھ ساتھ قادر مطلق اور مدبر بااختیار بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کوئی پتہ

ا۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، جلد ۱۵، صفحہ ۵۸۶

اس کے اذن کے بغیر جنبش تک نہیں کر سکتا تو پھر آپ کا نوامیس فطرت کو غیر متغیر یقین کرنا اور اس بنا پر معجزات کا انکار کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتا زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عام معمول یہ ہے کہ وہ علت و معلول اور سبب و مسبب کے تسلسل کو قائم رکھتا ہے اور ظہور معجزہ کے وقت اس نے اپنی قدرت و حکمت کے پیش نظر خلاف معمول اس تسلسل کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ ایک بااختیار ہستی ہے وہ جب چاہے اپنے معمول کو بدل دے۔

ایک شخص کی سالہا سال کی عادت یہ ہے کہ وہ رات کو دس بجے روزانہ سوتا ہے اور صبح چار بجے بیدار ہو جاتا ہے اگر کسی روز آپ اسے ساری رات جاگتے ہوئے دیکھیں تو آپ مشاہدہ کا انکار نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہہ سکتے ہیں کہ آج خلاف معمول فلاں صاحب رات بھر جاگتے رہے اسی طرح ان قوانین فطرت کو عادت خداوندی اور معمول ربانی سمجھنا چاہئے اور کسی چیز کا خلاف معمول وقوع پذیر ہونا قطعاً اس کے ناممکن ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا

> The laws of nature may be regarded as habits of the divine activity, and Miracles as unusual acts which, while consistent with divine character, mark a new stage in the fulfilment of the purpose of God.

> "یعنی قوانین فطرت کو ہم عادات خداوندی کہہ سکتے ہیں۔ معجزات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے پیش نظر خلاف عادت ایسا کیا ہے اور یہ قطعاً ناروا نہیں۔" (۱)

مغربی فلاسفہ میں سے ہیوم (DAVID HUME) نے معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی شد و مد سے اس کا انکار کیا ہے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے وہ توجہ طلب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ عالم ایک مخصوص نہج اور متعین انداز کے مطابق چل رہا ہے اور معجزات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف رو پذیر ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر معجزہ کو ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس جو دلائل ہیں وہ تجربہ اور مشاہدہ کے دلائل و براہین سے جب تک زیادہ قوی اور مضبوط نہ ہوں۔ اس وقت تک ہم معجزہ کو

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، جلد ۱۵ صفحہ ۵۸۶

تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ثبوت معجزہ کے لئے ایسے وزنی دلائل موجود نہیں۔ اس لئے عقلاً معجزہ کا امکان تسلیم کرنے کے باوجود ہم ان کے وقوع کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار ہیوم کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہم تمہارا یہ قاعدہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ معجزات تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں۔ کیونکہ تجربات سے تمہاری مراد کیا ہے۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ معجزہ تمام تجربات کے خلاف ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ کلیہ محتاج دلیل ہے پہلے آپ یہ تو ثابت کریں کہ آپ نے تمام تجربات کا احاطہ کر لیا ہے۔ پھر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ معجزہ ان تمام تجربات کے خلاف ہے۔ جب تک آپ اپنی دلیل کی کلیت ثابت نہیں کر سکتے۔ اس وقت تک آپ کی دلیل قابل قبول نہیں۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ تجربات سے مراد تجربات عامہ ہیں یعنی معجزہ تجربات عامہ کے خلاف ہے تو پھر اس سے تو فقط اتنا ہی ثابت ہوا کہ معجزہ عام تجربات اور معمولات کے خلاف ہے۔ تمام تجربات و مشاہدات کے مخالف ہونا تو لازم نہ آیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معجزہ کسی تجربہ کے مطابق ہو۔ لیکن وہ تجربہ آپ کے فہم کی رسائی سے ابھی بلند ہو۔ (انسائیکلو پیڈیا جلد نمبر ۱۵ ص ۵۸۶)

This phrase itself (that miracle is contrary to experience) is as paley pointed out. ambiguous. if it means all experience it assumes the point to be proved. if it means only common experience then it simply asserts that the miracle isunusual atruism.

استاذ احمد امین مصری ہیوم کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں

کہ ہیوم نے اپنے ایک مقالہ میں معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی کوشش سے ان کا بطلان ثابت کیا ہے۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ کیونکہ معجزات ہمارے تجربہ کے خلاف ہیں۔ اس لئے ناقابل تسلیم ہیں۔ استاذ موصوف لکھتے ہیں کہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم ہیوم سے پوچھیں کہ ایک طرف تو تمہارا یہ دعویٰ کہ علت و معلول اور سبب و مسبب کا حقیقت الامر سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ہم بارہا مشاہدہ کرتے آئے ہیں کہ ایسا ہو تو یوں ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم نے ایک چیز کو دوسری چیز کی علت فرض کر لیا حالانکہ حقیقت میں اس کا علت ہونا ضروری نہیں۔ اور دوسری طرف تم معجزہ کا انکار اس اساس پر کرتے ہو کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ کے

خلاف ہے۔ جب تمہارے نزدیک علیت اور معلولیت کا کوئی قانون ہی نہیں۔ ہر چیز بغیر تحقق علت وقوع پذیر ہو رہی ہے اور کسی چیز کے ساتھ ربط نہیں تو پھر اگر معجزہ کا وقوع ہوا۔ جس کی ہم تعلیل کرنے سے قاصر ہیں تو کون سی قباحت ہو گئی۔ پہلے بھی جتنی چیزیں معرض وجود میں آئیں وہ علّت حقیقیہ کے بغیر موجود تھیں اور یہ امر بھی بغیر علّت کے ظاہر ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کو تو تم تسلیم کرتے ہو اور دوسرے کے انکار میں تم اتنا غلو کرتے ہو کہ تمہیں اپنے فلسفہ کی بنیاد بھی سرے سے فراموش ہو گئی ہے۔

اور بعض صاحبان نے اپنے جذبہ تجسس کو یہ تھپکی دے کر سلا دیا کہ ان واقعات کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ معجزات محض عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ انہوں نے معمولی اور عادی واقعات کو مبالغہ آمیزی سے اس طرح بیان کیا کہ انہیں خرق عادت بنا کر رکھ دیا۔ جو لوگ تحقیق و جستجو کی خارزار وادیوں میں آبلہ پائی کی زحمت برداشت نہ کرنا چاہتے ہوں ان کے لئے محفوظ اور آسان ترین یہی طریقہ کار ہے۔ لیکن کیا یہ کسی مشکل کا حل ہے۔ کیا اس سے کوئی عقدہ لاینحل کھل سکتا ہے۔ یہ غور طلب ہے۔

آخر میں میں ایک اہم مقالہ کی طرف اشارہ کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں۔ معجزات کے بارے میں جناب محترم سرسید احمد خاں نے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ اس وقت تک معجزہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ قوانین قدرت کے خلاف نہ ہو کیونکہ اگر وہ کسی قانون قدرت کے مطابق ہو گا تو اس کا ظہور نبی کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے معجزہ کا خلاف قانون ہونا ضروری ہے۔ قوانین قدرت اٹل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ردوبدل کا رونما ہونا قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ نصوص قرآنیہ میں بارہا یہ تصریح کی گئی ہے کہ قانون قدرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ معجزہ کا وقوع باطل ہے۔

آپ نے سید محترم کا استدلال ملاحظہ فرمالیا۔ انہوں نے معجزہ کی من گھڑت تعریف کر کے معجزہ کا بطلان کیا ہے۔ حالانکہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ علمائے اسلام نے معجزہ کی یہ تعریف نہیں کی کہ وہ قوانین فطرت کے خلاف ہو، بلکہ معجزہ وہ ہے جو خارق عادت ہو۔ نیز معجزات کو قوانین فطرت کے خلاف کہنے کا دعویٰ تو تب درست ہو سکتا جب کہ پہلے تمام قوانین فطرت اور سنن الٰہیہ کا احاطہ کرنے کے دعویٰ کو کوئی ثابت کر لے اور جب تک یہ ثابت

نہ ہو اور جو یقیناً ثابت نہیں تو پھر معجزات کو سنن الٰہیہ کے خلاف ٹھہرانا سراسر لغو ہے۔

بہر حال جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے قادر مطلق ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے بس تماشائی کی طرح اس ہنگامہ خیر و شر کو دور سے بیٹھا ہوا دیکھ نہیں رہا بلکہ اس کے حکم اس کی حکیمانہ تدبیر اور اس کے اذن سے نبض ہستی محو خرام ہے اسے قطعاً ایسے معجزات کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہئے جو صحیح اور قابل وثوق ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہوں۔

قرآن کریم میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم ترین معجزہ معراج کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقل سلیم کو بلاچون وچرا ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے، وہ سچ ہے۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

واقعہ معراج کی اہمیت صرف اسی قدر نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین و آسمان بلکہ ان سے بھی ماوراء اپنی قدرت و کبریائی کی آیات بینات کا مشاہدہ کرایا بلکہ اس میں ستم رسیدہ اہل اسلام کے لئے بھی ایک مژدہ ہے کہ شب غم اب سحر آشنا ہونے والی ہے۔ تمہارا آفتاب اقبال ابھی طلوع ہوا چاہتا ہے۔ شرق و غرب میں تمہاری سطوت کا ڈنکا بجے گا۔ لیکن مسند اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پروردگار کو فراموش نہ کرنا۔ اس کی یاد اور اس کے ذکر میں غفلت سے کام نہ لینا۔ اور اگر تم نے نشہ حکومت سے بدمست ہو کر نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کی تو پھر ان کے ہولناک نتائج سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ دیکھو تم سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے فرعون کی غلامی اور ظلم و ستم سے نجات دی۔ بحر احمر کو ان کے لئے پایاب کیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے جابر دشمن کو سمندر کی موجیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئیں۔ لیکن جب انہیں عزت و وقار بخشا گیا تو وہ اپنے مالک حقیقی کے احکام سے سرتابی کرنے لگے اور اس کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے انہوں نے نافرمانی اور ناشکری کو اپنا شعار بنالیا تو ہم نے ان پر ایسے سنگدل دشمن مسلط کر دیے جنہوں نے ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اور ان کے مقدس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اسی عبرت آموزی کے لئے واقعہ معراج کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا۔

نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یمن و برکت سے لبریز اس سفر سے جب واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے اپنے سفر کے حالات اور مشاہدات سے اپنی چچازاد بہن، حضرت ابو طالب کی

صاحب زادی اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ہمشیرہ حضرت ام ہانی کو آگاہ فرمایا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ صبح سویرے وہ حرم شریف میں جا کر اس سفر کے واقعات اپنی قوم کے سامنے بیان کریں گے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ میرے رب کریم کی بیکراں قدرتوں کی کیا شان ہے اور اس بندے کا اپنے معبود برحق کے دربار میں کیا مقام ہے۔

حضرت امام ہانی نے ازراہ شفقت حضور کی چادر کا پلو پکڑ لیا اور بولیں اے میرے ابن عم! میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ آپ ایسا نہ کریں اگر آپ نے یہ واقعات انہیں سنائے تو یہ آپ کی تکذیب کریں گے۔ مذاق اڑائیں گے اذیتیں پہنچائیں گے۔ سرکار دو عالم نے جھٹکا دے کر اپنا پلو چھڑا لیا اور حرم شریف کی راہ لی۔ آپ کہتی ہیں کہ اس وقت حضور کے قلب مبارک سے نور کی ایک شعاع چمکی کہ میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور میں سجدہ میں گر گئی۔ جب میں نے سجدہ سے سر اٹھایا تو حضور تشریف لے جا چکے تھے میں نے اپنی لونڈی نبعہ نامی کو کہا کہ تم حضور کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ حضور کیا فرماتے ہیں اور لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔ نبعہ وہاں پہنچی دیکھا حضور کعبہ شریف کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان تشریف فرما ہیں اور لوگ حضور کے ارد گرد انبوہ کئے ہوئے ہیں۔ ان میں مطعم بن عدی اور ابو جہل بھی ہیں حضور نے ان کو اپنی سیاحت ملکوت السمٰوات والارض کے واقعات سنائے کہ رات کو مجھے بیت المقدس لے جایا گیا وہاں مسجد اقصیٰ میں انبیاء سابقین بھی جمع ہو گئے میں نے سب کی امامت کرائی ان تمام انبیاء نے میری اقتدا میں نماز ادا کی۔ جب سرکار دو عالم نے اپنی بات ختم کی مشرکین نے شور مچا دیا۔ کچھ سیٹیاں بجانے لگے کچھ تالیاں بجانے لگے۔ بعض اپنے سروں پر ازراہ تعجب ہاتھ دھرے حیرت کا اظہار کر رہے تھے اچانک مطعم بن عدی بولا کہ آج تک جو باتیں آپ کرتے تھے وہ عام فہم تھیں۔ لیکن جو بات آپ نے آج کہی ہے اس نے تو ہمیں لرزا کر رکھ دیا ہے ہم کیسے باور کر لیں کہ جو مسافت طے کرنے کے لئے جاتے ہوئے ہمارا ایک مہینہ اور واپسی پر بھی ایک مہینہ صرف ہوتا ہے حالانکہ ہم تیز رفتار سانڈنیوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اس طویل مسافت کو آپ نے رات کے قلیل عرصہ میں طے کر لیا۔ اور راتوں رات واپس بھی پہنچ گئے لات و عزیٰ کی قسم! ہم آپ کی یہ بات ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں حضرت سیدنا ابو بکر بھی پاس بیٹھے تھے مطعم کا یہ ترش رویہ دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ اے مطعم! اپنے بھتیجے کے ساتھ جو گفتگو تم نے کی ہے وہ ازحد ناپسندیدہ ہے تو نے ان کا دل دکھایا ہے اور انہیں جھٹلایا ہے۔ غور سے سنو میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ انہوں نے جو فرمایا

ہے وہ حق ہے وہ سچ ہے لوگ حضرت ابو بکر سے الجھ پڑے کہنے لگے تمہارا ذہن کیا اس انہونی بات کو تسلیم کر رہا ہے آپ نے فرمایا! ہاں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کیونکہ میں تو ان کی زبان سے نکلی ہوئی ایسی باتوں کو بھی صحیح مانتا ہوں جو اس سے بھی بڑی ہوتی ہیں یہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس رات اور دن میں کئی کئی بار آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ تو حضور کے اس ارشاد کو ماننے میں مجھے کیا تامل ہو سکتا ہے۔

مشرکین نے اب طرح طرح کے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے تاکہ کسی اس طرح وہ حضور کو جھٹلانے میں کامیاب ہو جائیں انہیں علم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے بیت المقدس تشریف نہیں لے گئے انہوں نے مسجد اقصیٰ کے دروازوں، کھڑکیوں، چھت کے شہتیروں، کڑیوں کے بارے میں سوالات کی بھرمار کر دی کہنے لگے بھلا بتایئے! مسجد اقصیٰ کے دروازے کتنے ہیں اور کس کس سمت میں ہیں۔ کھڑکیوں کی تعداد کیا ہے۔ ان کا محل وقوع کیا ہے محراب کہاں ہے اس کی وضع قطع کیسی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے درمیانی پردے اٹھا دیئے گئے۔ مسجد اقصیٰ دکھائی دینے لگی۔ سرکار دو عالم دیکھ دیکھ کر ان کے سوالوں کے جواب ارشاد فرما رہے تھے جب سارے سوالات کے بالکل صحیح جوابات انہیں مل گئے تو وہ ہٹ دھرم کہنے لگے کہ بیشک ولید بن مغیرہ نے ان کے بارے میں صحیح کہا ہے کہ یہ بڑے جادوگر ہیں۔

حضرت ابو بکر حضور کے ہر جواب کو سن کر بلند آواز سے نعرہ لگاتے کہتے اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ " حضرت ام ہانی کی لونڈی نبعہ کہتی ہیں کہ میں نے اس روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

يَا اَبَا بَكْرٍ اِنَّ اللّٰهَ سَمَّاكَ الصِّدِّيْقَ

"اے ابو بکر! اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام الصدیق رکھ دیا ہے۔"

یہی نبعہ کہتی ہیں کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کا لقب الصدیق آسمان سے نازل فرمایا ہے۔

کفار نے لاجواب ہو کر پینترا بدلا۔ اور کہنے لگے کہ جس راستہ پر آپ نے سفر کیا ہے اس راہ پر ہمارے کئی تجارتی قافلے آجا رہے ہیں ان کے بارے میں کچھ بتایئے تاکہ ہمیں تسلی ہو جائے۔ حضور نے فرمایا جب میں فلاں وادی سے گزرا فلاں قبیلہ کا قافلہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ میرے براق کی آہٹ پا کر ان کے سواری کے جانور گھبرا گئے اور ان کا ایک اونٹ مہار تڑا کر بھاگ گیا میں نے ان کو آواز دے کر بتایا کہ ان کا اونٹ وہاں کھڑا ہے یہ واقعہ اس وقت کا

ہے جب میں شام کی طرف جا رہا تھا۔ جب میں لوٹا تو بنی فلاں کے قافلہ کے پاس سے میرا گزر ہوا وہ سب محو خواب تھے ان کے ایک برتن میں پانی تھا۔ جس پر ڈھکنا تھا۔ میں نے وہ ڈھکنا اٹھایا اور اس سے پانی پیا۔ اور پھر ڈھکنا رکھ دیا۔

راستہ میں ایک دوسرے قافلہ کے پاس سے گزرا براق کی اچانک آہٹ سن کر ان کے اونٹ بھی بدک گئے ایک سرخ رنگ کا اونٹ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اس پر جو بوریاں لدی تھیں ان پر سفید نشانات تھے بنی فلاں کا قافلہ مجھے فلاں جگہ پر ملا۔ ان میں ایک اونٹ تھا جس پر دو بوریاں لدی تھیں ایک کا رنگ سیاہ اور دوسری کا رنگ سفید۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو ان کے جانور بھی بھڑک اٹھے اور ایک اونٹ گر پڑا ان کا بھی ایک اونٹ گم ہو گیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ ہے میں نے انہیں سلام دیا انہوں نے میری آواز پہچان لی کہنے لگے کہ یہ آواز محمد (فداہ ابی و امی) صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

پھر کفار نے پوچھا کہ بنی فلاں کا قافلہ کب پہنچے گا تو حضور نے فرمایا۔

يَأْتُوْنَكُمْ يَوْمَ كَذَا يَقْدُمُهُمْ جَمَلٌ اَدْرَقُ عَلَيْهِ مَسْحٌ اَدَمٌ وَ غِرَارَتَانِ ۔

"کہ وہ فلاں دن پہنچیں گے ان کے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہو گا جس پر دو بورے ہوں گے۔"

اب قریش ان قافلوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے جب وہ مقررہ دن آیا جس میں بنی فلاں کے قافلہ کی آمد کی خبر حضور نے دی تھی تو سارے قریش گھروں سے نکل کر راستہ پر انتظار کرنے لگے دن کافی گزر گیا لیکن قافلہ نہ آیا۔ کفار کے دل بلیوں اچھل رہے تھے انہیں اب یہ امید لگ گئی تھی انہیں ایک سنہری موقع مل رہا ہے اب وہ حضور کی تکذیب کر سکیں گے پہاڑ کی اونچی چوٹی پر بعض لوگ کھڑے ہو گئے کہ ادھر سورج غروب ہو اور ادھر وہ حضور کے خلاف طوفان بد تمیزی برپا کر دیں۔ لیکن ایسا کب ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ کب گوارا کر سکتا تھا کہ اس کے محبوب کی زبان پاک سے نکلی ہوئی بات کو کوئی غلط ثابت کر سکے وہ آدمی جو مغرب کی طرف منہ کر کے سورج غروب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بلند آواز سے اعلان کیا قَدْ غَرَبَتِ الشَّمْسُ " لو سورج غروب ہو گیا۔ اسی وقت ایک دوسرے شخص نے بلند آواز سے اعلان کیا قَدْ قَدِمَتِ الْعِيْرُ وہ دیکھو قافلہ آ گیا۔

کتب سیرت میں ایک واقعہ بھی مذکور ہے جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس

رات مسجد اقصیٰ میں تشریف لانے کی تصدیق ہوتی ہے۔

علامہ حلبی نے اسے اپنی سیرت کی کتاب اِنْسَانُ الْعُیُوْنِ فِیْ سِیْرَۃِ الْاَمِیْنِ الْمَامُوْنِ جو سیرت حلبیہ کے نام سے مشہور ہے میں ذکر کیا ہے لکھتے ہیں۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی جب ہرقل قیصر روم کو ملا۔ وہ اس وقت ایلیا میں تھا۔ اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ شہر میں تلاش کرو اگر مکہ کا کوئی باشندہ یہاں آیا ہوا ہو تو اس کو میرے پاس پیش کرو اتفاق سے ابو سفیان جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا اپنے تجارتی کارواں کے ہمراہ یہاں آیا ہوا تھا۔ اسے اس کے ساتھیوں سمیت قیصر کے دربار میں حاضر کیا گیا قیصر نے ان لوگوں سے پوچھا مکہ کے جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم میں سے اس کا قریبی رشتہ دار کون ہے ابو سفیان نے کہا کہ میں ان کا سب سے قریبی رشتہ دار ہوں۔ قیصر نے ابو سفیان کو اپنے سامنے قریب بٹھایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں سوالات کرنا شروع کر دیئے۔ باتوں باتوں میں موقع پا کر ابو سفیان کہنے لگا اے بادشاہ! کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ سناؤں جس سے تمہیں پتہ چل جائے کہ وہ (العیاذ باللہ) شخص جھوٹا ہے قیصر نے کہا بتاؤ۔ اس نے کہا وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ایک رات حرم مکہ کی سرزمین سے روانہ ہو کر یہاں تمہاری اس مسجد میں آیا اور یہاں سے ہو کر اسی رات واپس مکہ پہنچ گیا۔ ابو سفیان کا تو یہ خیال تھا کہ اس بات کو سن کر قیصر حضور کو جھوٹا سمجھنے لگے گا اور آپ سے متنفر ہو جائے گا لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ یہ بات سن کر پادریوں کا ایک سردار اٹھا اور کہنے لگا کہ میں اس رات کو پہچانتا ہوں جب وہ یہاں آئے قیصر نے پوچھا تمہیں کیسے اس کا پتہ چل گیا۔ بطریق کہنے لگا۔ میرا یہ معمول تھا کہ سونے سے پہلے میں مسجد کے سارے دروازے بند کر کے سویا کرتا تھا اس رات بھی میں نے سارے دروازہ بند کر دیئے لیکن فلاں دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ میں نے سب حاضرین کو بلایا تاکہ سب مل کر اس دروازہ کو بند کریں ہم سب نے مل کر زور لگایا لیکن ہم اسے بند نہ کر سکے آخر یہ طے پایا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا شائد ساری عمارت کا بوجھ اس ایک دروازہ پر آ پڑا ہے آج رات اسے یوں ہی رہنے دو صبح کسی معمار کو بلا کر اسے درست کرائیں گے۔ ہم سب چلے گئے صبح سویرے جاگ کر میں اس دروازہ کی جگہ پر پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ دروازے کے ایک کونہ میں جو پتھر تھا اس میں تازہ تازہ کسی نے سوراخ کر دیا وہاں ایک چوپائے کے بندھنے کے نشان بھی تھے میں نے جب کواڑ بند کئے تو بڑی آسانی سے وہ بند ہو گئے اس سے مجھے اس بات کی تصدیق ہوئی جو میں نے قدیم کتابوں میں

پڑھی تھی کہ ایک نبی بیت المقدس سے آسمان کی طرف عروج فرمائے گا۔ اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ رات کو دروازہ بند نہ ہونے کی یہی وجہ تھی۔ (۱)

خود طلب کردہ نشانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد بھی انہیں حق کا نور نظر نہ آیا بلکہ کہنے لگے کہ واقعی ولید بن مغیرہ نے سچ کہا تھا کہ بہت بڑا جادوگر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہدایت اس کو نصیب ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ خود اپنے فضل و کرم سے یہ نعمت لازوال ارزانی فرما دے ورنہ کوئی دلیل، کوئی معجزہ اور کوئی وعظ ہدایت کے دروازے نہیں کھول سکتا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں چلا ہم کو سیدھے راستہ پر

مکاشفات

اس سفر مقدس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی قدرت کی آیات کبریٰ کا مشاہدہ کرایا نیز چند اعمال پر مرتب ہونے والے اثرات اور عواقب کو محسوس پیکر میں پیش کیا گیا تاکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ان سے عبرت حاصل کر سکیں۔ ان امور کو علماء کرام نے اپنی جلیل القدر تصنیفات میں بیان کیا ہے۔ یہ فقیر، امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ کی شہرہ آفاق کتاب سبل الھدیٰ والرشاد سے استفادہ کرتے ہوئے حقائق اور مکاشفات کو ہدیہ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

منزل قاب قوسین کا مسافر، جب براق پر سوار ہو کر حرم مکہ سے روانہ ہوا تو جبرئیل نے رکاب تھامی ہوئی تھی اور میکائیل نے باگ پکڑی ہوئی تھی۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ایسی سرزمین میں پہنچے جہاں کھجوروں کے باغات تھے جبرئیل نے عرض کی یہاں اتریئے اور نماز ادا کیجئے۔ حضور اترے اور نماز ادا کی پھر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ جبرئیل نے دریافت کیا یارسول اللہ! کیا آپ جانتے ہیں جہاں آپ نے نماز ادا کی وہ کون سی جگہ تھی حضور نے فرمایا نہیں، جبرئیل نے کہا۔ آپ نے طیبہ کی سرزمین پر نماز ادا کی ہے اور یہی مقام آپ کی ہجرت گاہ ہے پھر براق تیز رفتاری سے سفر طے کرنے لگا اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں

۱۔ انسان العیون، جلد اول، صفحہ ۳۵۳

ہی اس کے قدم لگتے تھے۔ پھر ایک جگہ جبرئیل نے عرض کی اتریئے اور دو رکعت نفل پڑھیے۔ حضور نے ایسا ہی کیا پھر سوار ہو کر سوئے منزل روانہ ہوئے۔ حضرت جبرئیل نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی۔ فرمایا نہیں۔ عرض کی آپ نے مدین میں موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے پاس نماز ادا کی۔ پھر سوار ہوئے اور براق تیزی سے مسافت طے کرنے لگا۔ راستہ میں پھر ایک مقام پر جبرئیل نے عرض کی اتریئے اور نماز ادا کیجیے۔ حضور نے اتر کر اپنے رب کو سجدہ کیا اور پھر سوار ہو کر سفر شروع کیا جبرئیل نے پوچھا آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز ادا کی فرمایا نہیں جبرئیل نے عرض کی یہ طور سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ جب مرکبِ ہمایوں بیت اللحم پہنچا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے وہاں اتر کر نماز ادا کی۔

سفر جاری ہے۔ دریں اثناء حضور نے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا ایک شعلہ لیے ہوئے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے حضرت جبرئیل نے عرض کی کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتاؤں جب آپ ان کی تلاوت کریں تو اس کا یہ شعلہ بجھ جائے اور وہ منہ کے بل گر پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ضرور۔ حضرت جبرئیل نے یہ دعا سکھائی۔

قُلْ اَعُوْذُ بِوَجْہِ اللّٰہِ الْکَرِیْمِ وَبِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ
بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَعْرُجُ فِیْھَا
وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَاَ فِی الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمِنْ شَرِّ
فِتَنِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمِنْ طَوَارِقِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ اِلَّا طَارِقًا یَّطْرُقُ
بِخَیْرٍ یَا رَحْمٰنُ (۱)

الٰہی میں لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں، جبرئیل کے پاس نہیں۔ حضور فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ عزت و جلال میں شرف باریابی حاصل کرتا رہا۔

حضور نے یہ دعا پڑھی۔ عفریت کا وہ شعلہ بجھ گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔

پھر اثنائے سفر یہ منظر دیکھا کہ ایک قوم ہے جو کھیتی باڑی کرتی ہے وہ لوگ آج جو فصل بوتے ہیں دوسرے دن وہ فصل تیار ہو جاتی ہے وہ اسے کاٹ لیتے ہیں۔ پھر وہ فصل جوں کی توں لہلہانے لگتی ہے حضور نے فرمایا اے جبرئیل! یہ کیا ہے۔ جبرئیل نے عرض کی یہ اللہ کے مجاہد ہیں۔ جن کی نیکیوں کو سات سو گنا کر دیا جاتا ہے اور جو وہ خرچ کرتے ہیں اس کی جگہ ان کو اسی

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۱۶

وقت دے دیا جاتا ہے پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بڑی دلکشا خوش بو سونگھی جبرئیل نے عرض کی یہ خوشبو فرعون کی بیٹی کی ماشطہ (بناؤ سنگھار کرنے والی) اور اس کی اولاد کی ہے۔

اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز وہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی کہ وہ کنگھی گر پڑی اس کے منہ سے نکلا۔ بِسْمِ اللّٰهِ تَعِسَ فِرْعَوْنُ اللہ کے نام سے اٹھاتی ہوں خدا فرعون کو ہلاک کرے کہ وہ خدائی کا جھوٹا مدعی ہے۔ فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کیا میرے باپ کے بغیر تمہارا کوئی دوسرا خدا ہے؟ اس نے کہا بے شک، میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے اس عورت کے دو بیٹے تھے ایک خاوند تھا۔ فرعون کو معلوم ہوا اس نے ان سب کو بلا بھیجا۔ اس عورت اور اس کے خاوند کو بڑا بہلایا پھسلایا تاکہ وہ اس کو خدا مان لیں جب انہوں نے انکار کر دیا تو اس نے دھمکی دی کہ میں تمہیں تہ تیغ کر دوں گا وہ دونوں بولے۔

اِحْسَانًا مِّنْكَ اِنْ قَتَلْتَنَا۔ اَنْ تَجْعَلَنَا فِیْ بَیْتٍ

"یہ تو تیرا بڑا احسان ہو گا کہ تو ہمیں قتل کر دے اور ایک ہی مکان میں دفن کر دے۔"

اس نے تانبے کی ایک دیگ کو خوب گرم کیا اور حکم دیا کہ اس عورت کو اور اس کی اولاد کو اس میں پھینک دیا جائے فرعون کے کارندے ان معصوم بچوں کو یکے بعد دیگرے اس کھولتی ہوئی دیگ میں ڈالنے لگے آخر میں ایک شیر خوار بچے کو اس میں پھینکا اس نے بلند آواز سے کہا اے میری ماں! صبر کرنا۔ اور حق سے منہ نہ موڑنا تو ہی حق پر ہے۔ (۱)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی قوم کے پاس سے ہوا جن کے سروں کو کوٹا جا رہا تھا وہ پھر فوراً پہلے کی طرح درست ہو جاتے۔ یہ سلسلہ لگاتار جاری تھا۔ حضور نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں اس نے عرض کی یا رسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز کی ادائگی نہیں کرتے۔ پھر ایسی قوم دکھائی جن کے آگے پیچھے چیتھڑے تھے وہ اس طرح چر رہے تھے جس طرح اونٹ اور بکریاں چرتی ہیں اور ضریع (ایک خار دار کڑوی بوٹی) اور زقوم کھا رہے تھے حضور نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون ہیں عرض کی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ پھر ایک ایسی قوم دکھائی دی جن کے پاس ایک ہانڈی میں پکا ہوا لذیذ گوشت ہے اور دوسری میں بدبو دار گوشت ہے۔ وہ لوگ پاک اور لذیذ

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۱۶

گوشت کو نہیں کھاتے اور اس ردی اور بدبودار گوشت پر ٹوٹے پڑتے ہیں حضور نے ان کے بارے میں پوچھا انہوں نے عرض کی یہ حضور کی امت کے وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال اور طیب بیویاں ہیں لیکن وہ بدکار عورتوں کے ساتھ رات گزارتے ہیں۔ یہی حال اس عورت کا ہوگا جو حلال اور طیب خاوند کی موجودگی میں خبیث آدمی کی طرف رجوع کرتی ہے پھر راستہ میں ایک لکڑی کے پاس سے گزر ہوا جو چیز یا کپڑا اس کے نزدیک ہوتا ہے اس کو وہ پھاڑ دیتی ہے۔ اس کے بارے میں دریافت فرمایا جبرئیل نے جواب دیا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو راستوں پر چھری لگا کر بیٹھیں گے اور لوگوں کا راستہ کاٹیں گے پھر ایک آدمی کو دیکھا جو خون کی ایک نہر میں تیر رہا ہے اور اس کے منہ میں پتھر ڈالے جا رہے ہیں پوچھنے پر جبرئیل نے بتایا یہ سود خور ہے پھر ایک ایسا آدمی نظر آیا جس نے بڑی بھاری گٹھڑی باندھی ہوئی ہے لیکن وہ اس کو اٹھا نہیں سکتا اور اس گٹھڑی میں مزید اضافہ کرنا چاہتا ہے حضور نے پوچھا یہ کون ہے فرمایا یہ حضور کی امت کا وہ آدمی ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوں گی اور وہ ان کو ادا نہیں کرے گا اور مزید امانتیں رکھنے کا خواہش مند ہوگا پھر یہ ہیبت ناک منظر دکھائی دیا کہ قینچی کے ساتھ ایک قوم کی زبانیں اور ان کے ہونٹ کاٹے جا رہے ہیں وہ زبانیں اور ہونٹ کٹنے کے بعد پھر جوں کے توں ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ حضور نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون ہیں جبرئیل نے عرض کی۔

هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ الْفِتْنَةِ مِنْ اُمَّتِكَ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ

"یہ حضور کی امت کے فتنہ باز خطیب ہیں جو وہ دوسروں کو کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔" (۱)

پھر ایسے لوگ نظر آئے جن کے ناخن تانبے کے ہیں اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان سے کھرچ رہے ہیں۔ جبرئیل نے ان کے بارے میں عرض کی یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی ان کی غیبت میں مصروف رہتے ہیں اور ان کی عزتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر جاری ہے راستہ میں ایک بڑی خوبصورت آراستہ پیراستہ عورت ملی۔ اس کے سر پر اوڑھنی نہیں اور عرض کرتی ہے يَا مُحَمَّدُ اُنْظُرْنِیْ اَسْئَلُكَ یا رسول اللہ میری طرف توجہ فرمائیں میں کچھ سوال کرنا چاہتی ہوں لیکن حضور نے اس عورت

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۱۷

۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۱۹

کی طرف ذرا توجہ نہ فرمائی اس کے بارے میں جبرئیل سے پوچھا۔ جبرئیل نے عرض کی یہ دنیا تھی۔ اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔ (۲)

پھر حضور کا گزر اس سرخ ٹیلے کے پاس سے ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ حضور نے دیکھا وہ اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے ہیں حضور نے انہیں سلام فرمایا۔ انہوں نے سلام کا جواب عرض کیا آخر میں امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت المقدس میں پہنچے۔ حضور نے بھی اور جبرئیل نے بھی دو دو رکعتیں پڑھیں ابھی تھوڑی دیر گزری تھی وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے پھر موذن نے اذان دی اور اقامت کہی سب اس انتظار میں تھے کہ کون امامت کا شرف حاصل کرے گا۔ جبرئیل نے حضور کا دست مبارک پکڑا اور مصلی پر کھڑا کر دیا۔ حضور نے تمام انبیاء کی امامت کرائی۔

نماز سے فراغت کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ان احسانات کو گنوایا جو ان کے رب جلیل نے ان پر فرمائے تھے آپ نے کہا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا وَّاَعْطَانِیْ مُلْکًا عَظِیْمًا وَّجَعَلَنِیْ اُمَّةً قَانِتًا یُؤْتَمُّ بِیْ وَاَنْقَذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَجَعَلَهَا عَلَیَّ بَرْدًا وَّسَلٰمًا

"ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا مجھے ملک عظیم عطا فرمایا مجھے اپنا فرمانبردار بنایا جس کی پیروی کی جاتی ہے۔ مجھے آگ سے بچایا اور اسے میرے لئے ٹھنڈا اور سلامتی کا باعث بنایا۔" (۱)

آپ کے بعد موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور ان احسانات کو اور انعامات کو بیان کیا جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا۔ آخر میں رحمت للعالمین، خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا تم سب نے میرے رب کی ثنا کی ہے اب میں اپنے رب کی ثنا گستری میں لب کشا ہوتا ہوں۔ پھر یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَنِیْ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَکَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّاَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیْهِ تِبْیَانُ کُلِّ شَیْءٍ وَّجَعَلَ اُمَّتِیْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ وَسَطًا وَّجَعَلَ

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۲۰

أُمَّتِیْ هُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ ۔ وَشَرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَوَضَعَ عَنِّیْ وِزْرِیْ وَرَفَعَ لِیْ ذِکْرِیْ وَجَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَخَاتِمًا

" سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے سارے جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا اور مجھ پر فرقان نازل کیا اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں سے افضل بنایا اور اسے لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا اور میری امت کو وسط بنایا میری امت ہی اول و آخر ہے۔ مجھے شرح صدر کی نعمت سے نوازا میرا بوجھ مجھ سے اٹھا لیا میرے ذکر کو میرے لئے بلند فرمایا اور مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔ (۱)

یہ جان پرور کلمات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گروہ انبیاء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا بِهٰذَا فَضَّلَكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انہیں احسانات اور انعامات کے باعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب پر فضیلت پا گئے۔

۱۔ سبل الہدیٰ جلد سوم صفحہ ۱۲۱

معراج

از مسجد اقصیٰ تا سدرۃ المنتہیٰ وماوراء

اس بابرکت سفر کے دوسرے حصہ کو جسے معراج سے موسوم کیا جاتا ہے سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں بیان فرمایا گیا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى	قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔
مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى	تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى	اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى	نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔
عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى	انہیں سکھایا ہے زبردست قوت والے نے۔
ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى	بڑے دانا نے، پھر اس نے بلندیوں کا قصد کیا۔
وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى	اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا۔
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى	پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا۔
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى	یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔
فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى	پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی۔
مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى	نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے۔
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى	کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا۔
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى	اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى	سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى	اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔
اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى	جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی — نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی — یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

آیت کے الفاظ کا مفہوم پہلے ذہن نشین کر لیجئے۔

نَجْم ۔ مطلق ستارہ کو بھی کہتے ہیں اور النجم ذکر کر کے اس سے ثریا (پروین) مراد لینا بھی اہل عرب میں عام مروج ہے۔ یہاں دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں۔

ھَوٰی یہ مادہ دو بابوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ باب عَلِمَ یَعْلَمُ ھَوِیَ یَھْوٰی اس وقت اس کا معنی محبت کرنا ہوتا ہے۔

ھَوَاہُ: اَحَبَّہٗ ۔ دوسرا باب ضَرَبَ یَضْرِبُ ھَوٰی یَھْوِیْ جیسے یہاں مذکور ہے۔ اس صورت میں یہ متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نیچے گرنا اور بلند ہونا۔ چنانچہ ھَوَی الشَّیْئُ سَقَطَ مِنْ عُلُوٍّ اِلٰی اَسْفَلَ اِرْتَفَعَ وَصَعِدَ جب کوئی چیز اوپر سے نیچے گرے تب بھی کہتے ہیں ھَوَی الشَّیْءُ اور جب کوئی چیز پستی سے بلندی کی طرف جائے اس وقت بھی کہتے ہیں۔ ھَوَی الشَّیْءُ ۔ البتہ مصدر دونوں حالتوں میں الگ الگ ہوگا نیچے گرنے کے معنی میں ہو تو کہیں گے ھَوٰی یَھْوِیْ ھُوِیًّا اور بلند ہونے کے معنی میں ہو تو کہیں گے ھَوٰی یَھْوِیْ ھَوِیًّا۔

ستارہ رات کے اندھیرے میں روشنی بہم پہنچاتا ہے۔ فضا کو بھی اپنی ٹمٹماہٹ سے حسن و زینت بخشتا ہے۔ لق و دق صحرا میں مسافر ستاروں ہی سے اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ ستارہ جب آسمان کے وسط میں ہو تو اس وقت وہ راہنمائی نہیں کر سکتا۔ اس لئے صرف النجم کی قسم نہیں اٹھائی۔ بلکہ اس کی خاص حالت کی جب وہ طلوع ہو رہا ہو یا ڈھل رہا ہو۔ کیونکہ رہنمائی کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ھُوَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوِیُّہٗ نُزُوْلُہٗ مِنَ السَّمَاءِ لَیْلَۃَ الْمِعْرَاجِ وَجُوِّزَ عَلٰی ھٰذَا اَنْ یُّرَادَ بِھَوَاہُ صُعُوْدُہٗ وَعُرُوْجُہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اِلٰی مُنْقَطَعِ الْاَیْنِ۔ (روح المعانی)

"یعنی النجم سے مراد ذات پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثنا ہے۔

اِذَا ھَوٰی سے مراد حضور کا شب معراج آسمان سے واپس زمین پر

نزول فرماتا۔ اس کے بعد آلوسی فرماتے ہیں کہ اِذَا هَوٰی سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ حضور کا شب معراج وہاں تک عروج کرنا جہاں مکان کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں۔" (۱)

قرآن کریم کی وہ مقدار جو ایک مرتبہ نازل ہو اس کو بھی نجم کہتے ہیں۔ بعض علماء نے یہاں النجم سے بھی قرآن کریم کا نازل شدہ حصہ مراد لیا ہے۔ قِيْلَ اَرَادَ بِذٰلِكَ الْقُرْاٰنُ الْمُنَجَّمُ الْمُنَزَّلُ قَدْرًا فَقَدْرًا

یہاں النجم مقسم بہ ہے۔ اس کا جو معنی لیا جائے وہاں خاص مناسبت پائی جاتی ہے جو اہل نظر پر عیاں ہے۔

یہ جواب قسم ہے۔ آیت کے کلمات کی تحقیق پہلے سماعت فرمائیے۔ آیت میں صَاحِبُكُمْ سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات ہے۔ صاحب کا معنی سید اور مالک بھی ہے کہتے ہیں صَاحِبُ الْبَيْتِ گھر کا مالک اور اس کا معنی ساتھی اور رفیق بھی ہے۔ لیکن صرف ایسے ساتھی کو صاحب کہا جاتا ہے جس کی رفاقت اور سنگت بکثرت ہو۔ لَا يُقَالُ فِي الْعُرْفِ اِلَّا لِمَنْ كَثُرَتْ مُلَازَمَتُهٗ (۲)

علامہ راغب، ضَلَال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اَلضَّلَالُ: اَلْعُدُوْلُ عَنِ الطَّرِيْقِ الْمُسْتَقِيْمِ وَيُضَادُّهُ الْهِدَايَةُ وَ يُقَالُ الضَّلَالُ لِكُلِّ عُدُوْلٍ عَنِ الْمَنْهَجِ عَمْدًا كَانَ اَوْ سَهْوًا يَسِيْرًا كَانَ اَوْ كَثِيْرًا

"سیدھے راستے سے روگردانی کو ضلال کہتے ہیں۔ اس کی ضد ہدایت ہے بعض نے مزید تشریح کی ہے کہ راستہ سے روگردانی دانستہ ہو یا بھول کر، تھوڑی ہو یا زیادہ ہو اسی کو ضلال کہتے ہیں۔"

اور فاضل موصوف غَوٰی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَلْغَيُّ جَهْلٌ مِنِ اعْتِقَادٍ فَاسِدٍ "یعنی وہ جہالت جو باطل عقیدہ کی وجہ سے ہو۔ (۳)

علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں۔

۱۔ روح المعانی
۲۔ مفردات
۳۔ مفردات

اَلْغِوَایَةُ هِیَ الْخَطَاءُ فِی الْاِعْتِقَادِ خَاصَّةً وَالضَّلَالُ اَعَمُّ مِنْهَا۔
یَتَنَاوَلُ الْخَطَاءَ فِی الْاَقْوَالِ وَالْاَفْعَالِ وَالْاَخْلَاقِ وَالْعَقَائِدِ

"اعتقادی غلطی کو غوایہ کہتے ہیں اور ضلال عام ہے۔ یہ اقوال، افعال، اخلاق اور عقائد کی غلطی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔" (۱)

حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب توحید کی دعوت کا آغاز کیا اور اہل مکہ کو کفر و شرک سے باز آنے کی تبلیغ شروع کی تو اہل مکہ نے کہنا شروع کیا کہ آپ گمراہ ہو گئے ہیں، اپنی قوم کا راستہ چھوڑ دیا ہے، ان کا عقیدہ بگڑ گیا ہے۔ خالق ارض و سما نے پہلے قسم کھائی۔ پھر ان کے الزامات کی تردید کی۔ فرمایا ان کے قول، عمل اور کردار میں گمراہی کا نام و نشان تک نہیں۔ ان کے عقیدہ میں کوئی غلطی اور کجی نہیں اور "صَاحِبُكُمْ" فرما کر اپنے حبیب کی کتاب حیات کھول کر ان کے سامنے رکھ دی۔ یعنی یہ کوئی اجنبی نہیں جو دیار غیر سے آکر یہاں فروکش ہو گئے ہیں اور نبوت کا دھندا شروع کر دیا ہے۔ تم ان کے ماضی سے، ان کے خاندانی پس منظر سے، ان کے اطوار و احوال سے اور سیرت و کردار سے اچھی طرح واقف ہو۔ ان کا بچپن تمہارے سامنے گزرا۔ ان کا عہد شباب اسی ماحول میں اور تمہارے اسی شہر میں بسر ہوا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ اور تمہارے سامنے کاروبار بھی کیا ہے۔ سماجی، قومی اور ملکی مسائل میں ان کی فراست کے تم چشم دید گواہ ہو۔ ان کی کتاب زیست کا کون سا باب ہے، جو تم سے پوشیدہ ہے۔ کون سا ورق ہے، جو تم سے مخفی ہے۔ جب ان کی ساری زندگی شبنم کی طرح پاکیزہ پھول کی طرح شگفتہ اور آفتاب کی طرح تابندہ ہے تو تمہیں ان پر ضلالت و غوایت کے الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

کتنا بارعب، حسین اور مدلل انداز بیان ہے۔

نیز اس آیت سے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ اس آیت میں "ضال" کا معنی گمراہ نہیں، بلکہ کسی کی محبت میں سرگرداں اور حیران ہونا ہے جو اس لفظ کا دوسرا معنی ہے۔ تحقیق سورۃ الضحیٰ میں ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی آیت کی مزید تائید کی جا رہی ہے۔ یعنی کوئی غلط قدم اٹھانا، کسی باطل عقیدہ کو اپنانا تو بڑی دور کی بات ہے۔ ان کا تو یہ عالم ہے کہ وہ خواہش نفس سے لبوں کو جنبش بھی نہیں دیتے۔ ان کی زبان پر کوئی ایسی بات آتی ہی نہیں، جس کا محرک ان کی ذاتی خواہشات ہوں۔

۱۔ روح البیان

هُوَ کا مرجع قرآن کریم ہے۔ یہ آیت ایک سوال کا جواب ہے۔ جب وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں، تو پھر جو کلام یہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں، یہ کیا ہے؟ اس کا جواب دیا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اور جیسے وحی نازل ہوتی ہے، بعینہ وہ اسی طرح لوگوں کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں۔ اس میں سر مو رد و بدل ناممکن ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ هُوَ کا مرجع صرف قرآن کریم نہیں، بلکہ قرآن کریم اور جو بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان فیض ترجمان سے نکلتی ہے، وہ سب وحی ہے۔ وحی کی دو قسمیں ہیں: جب معانی اور کلمات سب مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ ہوں اسے وحی جلی کہتے ہیں جو قرآن کریم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور جب معانی کا نزول من جانب اللہ ہو، لیکن ان کو الفاظ کا جامہ حضور نے خود پہنایا ہو، اسے وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے جیسے احادیث طیبہ۔ بعض علماء نے ان آیات کے پیش نظر حضور کے اجتہاد کا انکار کیا ہے، یعنی حضور کوئی بات اپنے اجتہاد سے نہیں کہتے، بلکہ جو ارشاد ہوتا ہے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے لیکن جمہور فقہا نے حضور کے اجتہاد کو تسلیم کیا ہے اور ساتھ ہی تصریح فرمائی ہے کہ یہ اجتہاد بھی باذن اللہ ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود ہی اس اجتہاد کی پاسبانی کرتا ہے۔ حضور جو بات بذریعہ اجتہاد فرماتے ہیں، وہ بھی عین منشاء خداوندی ہوا کرتی ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اِذَا سَوَّغَ لَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاِجْتِهَادَ كَانَ
الْاِجْتِهَادُ مَا يُسْنَدُ اِلَيْهِ وَحْيًا لَا نُطْقًا عَنِ الْهَوٰى (۱)

کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا یہ واقعہ منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میرا یہ دستور تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتا، وہ لکھ لیا کرتا۔ قریش کے بعض احباب نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے تم حضور کا ہر قول لکھ لیا کرتے ہو، حالانکہ حضور انسان ہیں، کبھی غصے میں بھی کوئی بات فرما دیا کرتے ہیں، چنانچہ میں نے لکھنا بند کر دیا۔ بعد میں اس کا ذکر بارگاہ رسالت میں ہوا اور میں نے سلسلہ کتابت بند کرنے کی وجوہ بیان کیں، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا خَرَجَ مِنِّيْ اِلَّا الْحَقُّ

"اے عبداللہ! تم میری ہر بات کو لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے

۱۔ روح المعانی

دست قدرت میں میری جان ہے۔ میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی۔"

اس مسئلے پر مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیے فقیر کی تصنیف "سنت خیر الانام" علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

"عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى" سے لے کر لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى تک کی تفسیر میں علمائے کرام میں اختلاف ہے۔ ایسی روایات موجود ہیں جن سے صراحتاً پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہ میں بھی ان آیات کے بارے میں اختلاف موجود تھا۔ جہاں تک آیات نصوص کا تعلق ہے ان سے دونوں مفہوم اخذ کئے جاسکتے ہیں اور کوئی ایسی حدیث مرفوع بھی موجود نہیں جو ان آیات کے مفہوم کو متعین کر دے۔ ورنہ ارشاد نبوی کی موجودگی میں ایسا اختلاف سرے سے رونما ہی نہ ہوتا۔ اسی طرح بعد میں آنے والے علمائے کرام ان آیات کے بارے میں دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ اپنی دیانتدارانہ تحقیق کی روشنی میں ہمیں یہ حق تو پہنچتا ہے کہ ان دو قولوں میں سے کوئی ایک قول اختیار کرلیں۔ لیکن ہمیں یہ حق ہرگز نہیں کہ دوسرے قول کے قائلین کے بارے میں کسی بدگمانی کا شکار ہوں۔

یہ ہیچ میرز پہلے عام مفسرین کی رائے کے مطابق ان آیات کی تشریح پیش کرے گا اور اس کے بعد دوسرے مکتب فکر کی تحقیق پیش کی جائے گی۔ قارئین کرام اس کے بعد خود فیصلہ کرلیں کہ کس فریق کا قول زیادہ قرین صواب ہے۔

عام مفسرین کے نزدیک شَدِيْدُ الْقُوٰى سے مراد حضرت جبرئیل ہیں، یعنی جبرئیل امین نے حضور کو قرآن کریم سکھایا۔ جبرئیل کے شدید القویٰ ہونے میں کسی کو کیسے شک ہو سکتا ہے جو چشم زدن میں سدرۃ المنتہیٰ سے فرش زمین پر پہنچ جائے۔ جو وحی کے بار گراں کا متحمل ہو۔ جس نے لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھیڑا۔ پھر انہیں آسمان کی بلندیوں تک اٹھایا۔ پھر انہیں اوندھا کر کے پھینک دیا۔ ایسی ہستی کی قوت و طاقت کا کیا کہنا۔

مِرَّةٍ اصل میں رسی کو بٹنے اور بل دے کر پختہ اور مضبوط بنانے کو کہتے ہیں۔ اَصْلُهٗ مِنْ شِدَّةِ فَتْلِ الْحَبْلِ (قرطبی) اسی لئے ذُوْ مِرَّةٍ کا معنی ذُوْ قُوَّةٍ یعنی طاقتور اور زور آور کیا گیا ہے۔ یہ لفظ جسمانی اور ذہنی دونوں قوتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے حکیم اور دانا کو بھی ذُوْ مِرَّةٍ کہتے ہیں۔

۱۔ روح المعانی

وَقَالَ قُطْرُب: تَقُولُ الْعَرَبُ لِكُلِّ جَزْلِ الرَّأْيِ حَصِيفِ الْعَقْلِ ذُوْمِرَّةٍ۔

"شَدِيدُ الْقُوٰى" سے حضرت جبرئیل کی جسمانی قوتوں کا بیان ہے اور "ذو مرة" سے ان کی دانش مندی اور عقل مندی کا ذکر ہے۔ بے شک جو ہستی تمام انبیائے کرام کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر نازل ہوتی رہی اور پوری دیانت داری سے اس امانت کو ادا کرتی رہی، اس کی دانش مندی اور فرزانگی کے بارے میں کسے شک ہو سکتا ہے۔

'فَاسْتَوٰى' کا فاعل بھی جبرئیل امین ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ فَاسْتَقَامَ عَلٰى صُوْرَتِهِ الْحَقِيقِيَّةِ الَّتِي خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهَا یعنی جبرئیل امین اپنی حقیقی ملکی شکل میں نمودار ہوئے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی ملکی شکل میں ظاہر ہو کر پیش ہوں۔ اوائل نبوت کا زمانہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار حرا کے باہر تشریف فرما ہیں۔ مشرقی افق پر جبرئیل اپنے چھ سو پروں سمیت نمودار ہوئے۔ آپ کے وجود سے آسمان کی شرقی غربی کنارے بھر گئے، حالانکہ ابھی آپ نے اپنے چھ سو پروں سے صرف دو پر ہی پھیلائے تھے۔ انبیائے کرام میں سے صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہی جبرئیل کو اپنی اصلی ملکی شکل میں دیکھا۔

فَاسْتَوٰى کا ایک اور مطلب بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اَیْ فَاسْتَوَى الْقُرْاٰنُ فِي صَدْرِهِ یعنی جو قرآن جبرئیل نے آپ کو سکھایا، وہ آپ کے سینہ مبارک میں قرار پکڑ گیا۔ اب اس کے بھول جانے کا کوئی امکان نہیں۔

هُوَ کا مرجع بھی جبرئیل امین ہیں۔ اُفُقٌ اس کنارے کو کہتے ہیں جہاں آسمان و زمین آپس میں ملتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اَعْلٰى بلند ترین۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جبرئیل آسمان کے مشرقی کنارے پر جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے، اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئے۔

دَنَا اور فَتَدَلّٰى دونوں فعلوں کا فاعل بھی جبرئیل امین ہیں۔ دَنَا کا معنی ہے قریب ہونا اور تَدَلّٰى کا معنی کسی بلند چیز کا نیچے کی طرف اس طرح لٹکنا کہ اس کا تعلق اپنی اصلی جگہ سے بھی قائم رہے۔ جب ڈول کو کنوئیں میں لٹکایا جائے اور اس کی رسی لٹکانے والے نے پکڑ رکھی ہو تو کہتے ہیں۔ اَدْلٰى دَلْوًا۔ "اسی طرح پھلوں کے وہ گچھے جو شاخوں سے لٹک رہے ہوتے ہیں، ان کو بھی دَوَالِي کہتے ہیں۔ الدَّوَالِي: اَلثَّمْرُ الْمُعَلَّقُ كَعَنَاقِيْدِ

اَلْعِنَبِ ۔ " جو شخص پلنگ پر بیٹھا ہو اور اپنی ٹانگیں لٹکائے ہوئے ہو اس کے بارے میں بھی کہتے ہیں:
دَلّٰی رِجْلَیْہِ مِنَ السَّرِیْرِ (۱)
علامہ قرطبی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَصْلُ التَّدَلِّیْ : اَلنُّزُوْلُ اِلَی الشَّیْءِ حَتّٰی یَقْرُبَ مِنْہُ " اس صورت میں آیت کا مفہوم ہو گا جبرئیل جو اپنی اصل شکل میں اپنے چھ سو پروں سمیت شرقی افق پر نمودار ہوئے تھے. وہ حضور کے نزدیک آئے اور افق کی بلندیوں سے نزول کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالکل قریب ہو گئے۔

جبرئیل امین، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کس قدر قریب ہوئے. اس کو اس آیت میں بیان فرمایا جارہا ہے۔ قَابَ کا معنی مقدار اور اندازہ ہے۔ قَوْسَیْنِ قوس (کمان) کا تثنیہ ہے۔ نہایت قرب کو بیان کرنے کے لئے اہل عرب یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو قبیلوں کے سردار جب اپنی باہمی دوستی کا اعلان کرنا چاہتے تو وہ اپنی اپنی کمانوں کو ملا دیتے۔ یکجا شدہ کمانوں میں ایک تیر رکھ کر دونوں سردار اس کو چھوڑتے۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہوتا کہ یہ دونوں سردار متحد و متفق ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی کسی نے حملہ کیا یا زیادتی کی، تو دونوں مل کر اس کے مقابلے میں سینہ سپر ہوں گے۔

بعد میں یہ الفاظ کامل یگانگت اور اتحاد کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کئے جانے لگے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جبرئیل، رسول کریم کے بالکل نزدیک آ گئے جس طرح دو ملی ہوئی کمانیں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتی ہیں۔ اَوْ اَدْنٰی کہہ کر مزید قرب کی طرف اشارہ کر دیا کہ دو کمانوں میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ فاصلہ اور مغائرت باقی رہتی ہے. یہاں تو اس سے بھی زیادہ قرب تھا۔ آیت میں ' اَوْ " تشکیک کے لئے نہیں. بلکہ بَلْ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس طرح۔ وَاَرْسَلْنٰہُ اِلٰی مِائَۃِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ یَعْنِیْ بَلْ یَزِیْدُوْنَ (مظہری)

اَوْحٰی کا فاعل بھی جبرئیل ہے۔ عَبْدِہٖ کی ضمیر کا مرجع بالاتفاق اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی جبرئیل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ بعض نے پہلے اَوْحٰی کا فاعل جبرئیل اور دوسرے "اَوْحٰی" کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ اس وقت آیت کا ترجمہ ہو گا جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو وحی کی جو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل پر وحی کی تھی۔

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جبرئیل امین کو ان کی اصلی شکل میں اپنی ان

۱۔ روح المعانی

آنکھوں سے دیکھا تو دل نے اس کی تصدیق کی کہ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں یہ ایک حقیقت ہے۔ واقعی یہ جبرئیل ہے جو اپنی اصلی صورت میں نظر آرہا ہے۔ یہ نظر کا فریب تو نہیں۔ نگاہوں نے دھوکا نہیں کھایا کہ حقیقت کچھ اور ہو اور نظر کچھ اور آرہا ہو۔ ہر شخص کو کبھی نہ کبھی اس صورت حال سے ضرور واسطہ پڑا ہوگا کہ آنکھوں کو تو کچھ نظر آرہا ہے، لیکن دل اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ فرمایا جارہا ہے کہ یہاں ایسی صورت حال نہیں ہے آنکھیں جبرئیل کو دیکھ رہی ہیں اور دل تصدیق کر رہا ہے کہ واقعی یہ جبرئیل ہے۔ دل کو یہ عرفان اور ایقان کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور نفسانی شکوک و شبہات سے بالکل محفوظ رکھتا ہے جس طرح ان کو منجانب اللہ اپنی نبوت پر یقین محکم ہوتا ہے، اس بارے میں انہیں قطعاً کوئی تردد نہیں ہوتا، اسی طرح ان پر جو وحی اتاری جاتی ہے، جو فرشتے ان کی طرف بھیجے جاتے ہیں، جن انوار و تجلیات کا انہیں مشاہدہ کرایا جاتا ہے، ان کے بارے میں انہیں ذرا تردد نہیں ہوتا۔ یہ علم اور یقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا یقین حسب مراتب انسانوں، بلکہ حیوانات کو بھی مرحمت ہوتا ہے ہمیں اپنے انسان ہونے کے بارے میں قطعاً کوئی تردد نہیں۔ بطخ کے بچے کو انڈے سے نکلتے ہی یہ عرفان بخشا جاتا ہے کہ وہ پانی میں تیر سکتا ہے، چنانچہ وہ بلا تامل پانی میں کود جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

تُمٰرُوْنَ : اَلْمِرَاءُ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے جھگڑنا، بحث و تکرار کرنا۔ مِنَ الْمِرَاءِ وَهُوَ الْمُجَادَلَةُ یعنی اے کفار، تم میرے رسول سے اس بات پر جھگڑتے ہو جس کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ یہ تمہاری سراسر زیادتی ہے۔

تم تو اس بات پر جھگڑ رہے ہو کہ میرے رسول نے جبرئیل کو ایک بار بھی دیکھا ہے یا نہیں، حالانکہ انہوں نے جبرئیل کو دوسری مرتبہ بھی دیکھا ہے۔

دوسری بار دیکھنے کی جگہ کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ دوسری دید سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہوئی سِدْرَةٌ عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ مُنْتَهٰى آخری کنارہ، آخری سرحد۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ بیری کا وہ درخت جو مادی جہاں کی آخری سرحد پر ہے۔ اس کے بارے میں کتاب و سنت میں جو کچھ ہے۔ ہم اس کو بلا تاویل تسلیم کرتے ہیں، البتہ وہ درخت کیسا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی شاخوں، پتوں اور پھلوں کی نوعیت کیا ہے؟ ہمیں ان کی ماہیت معلوم نہیں اور نہ ان کی ماہیت جاننے میں ہمارا کوئی دنیوی اور اخروی مفاد

ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود بیان فرما دیتا۔ یہ ان اسرار میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

مَأْوٰی : اسم ظرف ہے۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان قرار پکڑتا ہے۔ آرام کرتا ہے۔ اس جنت کو جنت الماویٰ کیوں کہا گیا ہے۔ علمائے کرام نے اس کی متعدد توجیہیں ذکر کی ہیں۔ شہداء کی روحیں یہاں تشریف فرما ہیں۔ جبرئیل اور دیگر ملائکہ کی یہ رہائش گاہ ہے۔ پرہیز گار اہل ایمان کی روحیں یہاں ٹھہرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یعنی جن انوار و تجلیات کے ہجوم نے سدرہ کو ڈھانپ لیا، ان کو بیان کرنے کے لئے نہ کسی لغت میں کوئی لفظ موجود ہے اور نہ اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کسی میں طاقت ہے۔ یہ جس طرح ذکر و بیان سے ماوراء ہے۔ اسی طرح فہم و ادراک کی رسائی سے بھی بالاتر ہے۔ اس دلآویز منظر کی تصویر کشی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ یہ کہہ دیا جائے۔ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔

علامہ جوہری نے زَاغَ کے دو معنی لکھے ہیں۔ اَلزَّیْغُ : اَلْمَیْلُ وَقَدْ زَاغَ یَزِیْغُ وَزَاغَ الْبَصَرُ اَیْ کَلَّ (صحاح) یعنی کسی چیز کا دائیں بائیں مڑ جانا، ادھر ادھر ہو جانا۔ اس کو بھی زیغ کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ سرور عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ اپنے مقصود کی دید میں محو رہی۔ ادھر ادھر، دائیں بائیں کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ دوسرا معنی ہے نگاہ کا درماندہ ہو جانا۔ جیسے دوپہر کے وقت انسان سورج کو دیکھنے کی کوشش کرے، تو آنکھ سورج کی روشنی کی تاب نہیں لا سکتی اور چندھیا جاتی ہے۔ فرمایا میرے محبوب کی آنکھیں ان انوار کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر چندھیا نہیں گئیں۔ درماندہ ہو کر بند نہیں ہو گئیں۔ بلکہ جی بھر کر ان کا دیدار کیا۔

وَمَا طَغٰی سے اپنے حبیب کی چشم پاک کی دوسری شان بیان کی گئی ہے۔ طَغٰی کہتے ہیں حد سے تجاوز کر جانا۔ طَغٰی یَطْغِیْ وَیَطْغُوْ اَیْ جَاوَزَ الْحَدَّ (صحاح)

یہاں تک ہم نے ایک مکتب فکر کے مطابق ان آیات کی تشریح کی ہے۔ اس ضمن میں الفاظ کی لغوی تحقیق بھی کافی حد تک کر دی گئی ہے۔ ان کے اعادے کی چنداں ضرورت نہیں پڑے گی۔

دوسرے مکتب فکر کے علمائے اعلام کے سرخیل امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان

حضرات نے ان آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

"عَلَّمَهٗ" کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی اور ذُوۡ مِرَّۃٍ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو زبردست قوتوں والا دانا ہے۔ اس نے اپنے نبی کریم کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔ جس طرح اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ میں صراحۃً مذکور ہے۔

"فَاسۡتَوٰی" کا فاعل نبی کریم ہیں۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قصد فرمایا جب کہ آپ سفر معراج میں افق اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکان کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے لامکان میں رب العزت کے قریب ہوئے اور وہاں فائز ہو کر فَتَدَلّٰی (سجدہ ریز ہو گئے) پس اتنے قریب ہوئے جتنا دو کمانیں قریب ہوتی ہیں جب انہیں ملایا جاتا ہے۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ قریب۔ اس حالت قرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے پر وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ اس حریم ناز میں صفاتی تجلیات اور ذاتی انوار کا جو مشاہدہ بے تاب نگاہوں نے کیا، دل نے اس کی تصدیق کی اور تمہارا یہ جھگڑا کہ یہ دیکھا وہ نہیں دیکھا، محض بے سود ہے۔ دکھانے والے نے جو دکھانا تھا، دکھا دیا۔ دیکھنے والے نے جو دیکھنا تھا وہ جی بھر کے دیکھ لیا اب تم بے مقصد بحثوں میں وقت ضائع کر رہے ہو یہ نعمت دیدار فقط ایک بار نصیب نہیں ہوئی، بلکہ اترتے ہوئے دوسری بار بھی نصیب ہوئی۔ یہ دوبارہ شرف دید سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا۔

اس پُر تقصیر کے نزدیک یہی قول راجح ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ عبد کی عبد سے ملاقات کو اس اہتمام اس تفصیل اور اس کیف انگیز اسلوب سے بیان نہیں کیا جاتا۔ اگر یہاں حضور کی جبرئیل امین سے ملاقات کا ذکر ہوتا تو ایک آیت ہی کافی تھی۔ کیف انگیز انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عبد کامل کی اپنے معبود برحق کے ساتھ ملاقات کا ذکر ہے۔ جہاں ایک طرف عشق ہے نیاز ہے اور سرافگندگی ہے اور دوسری طرف حسن ہے۔ شان صمدیت ہے اور شان بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ حضور کی ملاقات جبرئیل سے بھی بے شک بڑے فوائد کی حامل ہے، لیکن حضور کے لئے باعث ہزار سعادت و وجہ فضیلت فقط اپنے محبوب حقیقی کی ملاقات ہے۔ ان آیات کو ایک مرتبہ پھر پڑھئے۔ آپ کا وجدان اسلوب بیان کی رعنائیوں پر جھوم جھوم اٹھے گا۔

نیز کفار کا اعتراض یہ تھا کہ جو کلام آپ پڑھ کر انہیں سناتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ یا یہ خود گھڑ کر لاتے ہیں یا انہیں کوئی آکر سکھا پڑھا جاتا ہے۔ اس کی تردید اسی طرح ہونی

چاہئے کہ فرمایا جائے یہ کلام نہ انہوں نے خود گھڑا ہے نہ کسی نے انہیں سکھایا ہے. بلکہ اس خالق کائنات نے انہیں اس کی تعلیم دی ہے. جو بڑی قوتوں والا ہے اور حکیم و دانا ہے۔ اس کے علاوہ انتشار ضمائر کی وجہ سے ذہن میں جو پریشانی پیدا ہوتی ہے اور جو قرآن کے معیار فصاحت سے بھی مناسبت نہیں رکھتی. اس سے رستگاری کا صرف یہی راستہ ہے کہ حضرت حسن بصری کے قول کو تسلیم کیا جائے۔

ان تمام وجوہ ترجیح کو اگر نظر انداز کر بھی دیا جائے. تو وہ احادیث صحیحہ جن میں واقعات معراج کا بیان ہے. وہ اس مفہوم کی تائید کے لئے کافی ہیں۔ میں یہاں فقط دو احادیث نقل کرنے پر اکتفا کروں گا اور ان کا بھی فقط وہ حصہ جس سے ان آیات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

پہلی حدیث وہ ہے. جو ثابت البنانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اگرچہ حضرت انس سے دیگر کئی تابعین نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے لیکن قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ اس سند کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جَوَّدَ ثَابِتٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ اَنَسٍ مَاشَآءَ وَلَمْ يَاْتِ اَحَدٌ عَنْهُ بِاَصْوَبَ مِنْ هٰذَا

"یعنی حضرت انس سے جتنے راویوں نے یہ حدیث روایت کی ان میں سے صحیح ترین وہ حدیث ہے جو ثابت البنانی کے واسطہ سے مروی ہے۔" (۱)

قاضی عیاض اس حدیث کے بارے میں دوسرے صفحہ پر لکھتے ہیں۔

حَدِيْثُ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ اَتْقَنُ وَاَجْوَدُ

"وہ حدیث جو حضرت ثابت نے حضرت انس سے روایت کی ہے وہ سب سے زیادہ محفوظ اور اعلیٰ پایہ کی ہے۔" (۲)

..... ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ (صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قِيْلَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِاِبْرٰهِيْمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مُسْنِدًا ظَهْرَهٗ اِلَى

۱۔ الشفاء. جلد اول. صفحہ ۲۳۵ دار الکتاب العربی بیروت

۲۔ الشفاء. جلد اول. صفحہ ۲۳۶

الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَإِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُوْدُوْنَ إِلَيْهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِيْ إِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهٰى فَإِذَا وَرَقُهَا كَآذَانِ الْفِيَلِ وَإِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ قَالَ فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ مَا غَشِيَ تَغَيَّرَتْ وَمَا أَحَدٌ مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَّنْعَتَهَا مِنْ حُسْنِهَا فَأَوْحٰى إِلَيَّ مَا أَوْحٰى فَفَرَضَ عَلَيَّ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ فَنَزَلْتُ إِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى أُمَّتِكَ قُلْتُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً قَالَ ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيْفَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا يُطِيْقُوْنَ لِذٰلِكَ فَإِنِّيْ قَدْ بَلَوْتُ بَنِيْ إِسْرَآءِيْلَ وَخَبَرْتُهُمْ قَالَ فَرَجَعْتُ إِلٰى رَبِّيْ فَقُلْتُ يَا رَبِّ خَفِّفْ عَلٰى أُمَّتِيْ وَحَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوْسٰى وَقُلْتُ حَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا قَالَ إِنَّ أُمَّتَكَ لَا يُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيْفَ قَالَ فَلَمْ أَزَلْ أَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّيْ وَبَيْنَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ لِكُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرٌ كَذٰلِكَ خَمْسُوْنَ صَلٰوةً وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهٗ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهٗ عَشْرًا وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ لَهٗ شَيْءٌ فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً قَالَ فَنَزَلْتُ حَتّٰى انْتَهَيْتُ إِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيْفَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ رَجَعْتُ إِلٰى رَبِّيْ حَتَّى اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ"۔

پھر مجھے اور جبرئیل کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ جبرئیل نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ آواز آئی کون ہے؟ کہا میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا! محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پھر پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا! ہاں پس دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ بیت المعمور وہ مقدس مقام ہے جس میں ہر روز ستر ہزار

فرشتے داخل ہوتے ہیں، لیکن دوبارہ انہیں یہ سعادت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ (فقط مجھے لے جایا گیا) اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ حضور نے فرمایا پھر جب ڈھانپ لیا اس سدرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا، تو وہ اتنا خوب صورت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی میری طرف جو وحی فرمائی اور مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں وہاں سے اتر کر موسیٰ کے پاس آیا۔ انہوں نے پوچھا فرمائیے آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا! اپنے رب کی طرف واپس جائیے اور تخفیف کی التجا کیجئے۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ میں نے بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھا ہے۔ چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹا اور عرض کی اے پروردگار! میری امت پر تخفیف فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں چنانچہ میں بار بار اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب! یہ تعداد میں تو پانچ ہیں، لیکن حقیقت میں پچاس ہیں۔ (اپنے حبیب کی امت پر مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا) آپ کے امتیوں میں سے جس نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا، لیکن اس ارادہ پر عمل نہ کیا۔ تو میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ دوں گا اور اگر اس پر عمل بھی کیا، تو دس نیکیاں لکھوں گا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا، لیکن اس پر عمل نہ کیا، تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اس نے اس برائی کو کیا، تو اس کے بدلے ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اس کے بعد میں اتر کر موسیٰ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا پھر اپنے رب کے پاس جائیے۔ اور تخفیف کے لئے عرض کیجئے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کئی بار اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوا ہوں، اب مجھے شرم آتی ہے۔" (۱)

۱۔ مسلم شریف، جلد اول، صفحہ ۹۱

اس حدیث کے خط کشیدہ جملوں کو دوبارہ غور سے پڑھیئے۔ حقیقت حال روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ ساتویں آسمان تک تو جبرئیل گئے۔ یہاں تک کے لئے "عُرِجَ بِنَا" جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی رہی۔ اس کے آگے جبرئیل کی حد پرواز ختم ہو گئی اور حضور کو اکیلے لے جایا گیا، اس لئے "ذُهِبَ بِيْ" میں واحد متکلم کی ضمیر استعمال کی گئی۔ پھر فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی اور فَاَوْحٰی اِلَیَّ مَآ اَوْحٰی میں جو یکسانیت ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ وحی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس مقام پر وحی کی جا رہی ہے جہاں جبرئیل امین کی مجال نہیں۔ پھر فَرَضَ کا فاعل خود اللہ تعالیٰ ہے موسیٰ علیہ السلام سے جب ملاقات ہوتی ہے، تو وہ بارگاہ الٰہی میں لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں، جبرئیل کے پاس نہیں۔ حضور فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ عزت و جلال میں شرف باریابی حاصل کرتا رہا۔

دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ..... وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی

ان کلمات طیبات میں آپ جتنا غور کریں گے، حقیقت آشکارا ہوتی چلی جائے گی۔

نویں مرتبہ جب بارگاہ رب العزت میں حاضری ہوئی تو صرف پانچ نمازیں ہی معاف نہیں کیں۔ بلکہ مزید کرم یہ فرمایا کہ اے حبیب! تیری امت کا کوئی فرد اگر نیکی کا ارادہ کرے گا تو اسے ایک ثواب دوں گا اور اگر عمل کرے گا تو دس نیکیاں اس کے نامہ عمل میں لکھوں گا. لیکن اگر برائی کا ارادہ کرے گا تو اس کے نامہ عمل میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب گناہ کر بیٹھے گا تو فقط ایک گناہ لکھا جائے گا۔ قربان جائے انسان! اللہ تعالیٰ کے محبوب کی نیاز مندیوں پر اور قربان جائے انسان! اس کے رب کریم کی بندہ نوازیوں پر۔

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں پانچ نمازیں ہی فرض کی جائیں گی. تو پھر پہلے پچاس فرض کرنے میں کون سی حکمت ہے۔ اس میں بھی اپنے بندوں کو اپنے محبوب کے امتیوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ سارا لطف و کرم اس محبوب کریم کے صدقے تم پر ہوا ہے۔ اگر اس کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو تمہارے کندھوں پر یہ بار گراں لاد دیا جاتا۔ اس کے بعد یہ چیز بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب نے تخفیف کے لئے التجا کی تو ایک بار ہی پینتالیس نمازیں کیوں نہ معاف کر دی گئیں؟ اس راز کو صرف اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بت ہی پسند ہے کہ میرا حبیب مانگتا جائے میں دیتا جاؤں، وہ بار بار دامن طلب پھیلاتا جائے اور میں اس کو بھرتا جاؤں۔ اس بار بار کے مانگنے اور بار بار کے دینے

میں جو لذت و سرور ہے. اس سے ہر کوئی لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر حاضر ہونے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اب اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میری امت ایسی نااہل ہے اور اتنی ناشکر گزار ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں پانچ بار بھی اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہو گی۔ ہم غلامان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا فرض ہے کہ حدیث کے اس آخری جملے کو کبھی فراموش نہ کریں۔

اب آیئے. ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے۔

"..... ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ قَالَ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا إِبْرَاهِيمُ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا حَبَّةَ الْأَنْصَارِيَّ يَقُولَانِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عُرِجَ بِي حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلٰوةً قَالَ فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى أَمُرَّ بِمُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ مُوسٰى مَاذَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى أُمَّتِكَ قَالَ قُلْتُ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسِينَ صَلٰوةً قَالَ لِي مُوسٰى فَرَاجِعْ رَبَّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ قَالَ فَرَاجَعْتُ رَبِّي فَوَضَعَ شَطْرَهَا.

"حضور فرماتے ہیں پھر میں ابراہیم کے پاس سے گزرا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے نبی صالح مرحبا! اے فرزند ارجمند خوش آمدید! میرے پوچھنے پر جبرئیل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں۔ ابن شہاب کہتے ہیں مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابو حبہ انصاری کہا کرتے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں سے مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے مجھے اقلام تقدیر کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی ابن حزم اور انس بن ملک کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتایا ان پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں. تو

موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاؤ۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ چنانچہ میں اپنے رب کے حضور میں لوٹ کر گیا اور کچھ حصہ معاف ہوا...... الخ" (۱)

ان خط کشیدہ جملوں کو ذرا غور سے پڑھئے۔ کیا جس مقام کا یہاں ذکر ہے وہاں جبرئیل موجود تھے؟ کیا ان کی رسائی وہاں ممکن تھی؟ کیا نمازوں کی فرضیت میں جبرئیل واسطہ تھے یا بار بار کی تخفیف میں کوئی اور واسطہ تھا؟ اب یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے کہ آپ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى سے لے کر مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى تک کی آیات کو جبرئیل پر منطبق کرتے ہیں یا ان احوال و واقعات پر جو زبان رسالت سے ان احادیث صحیحہ میں ذکر کئے گئے ہیں۔

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

دیدار الٰہی

اس مقام پر انہی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علماء مفسرین نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ کیا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی نصیب ہوا یا نہیں۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے پیروکار اس طرف گئے ہیں کہ شب معراج دیدار الٰہی نصیب نہیں ہوا، لیکن حضرت ابن عباس، دیگر صحابہ، تابعین اور ان کے ہم نواؤں کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دولت دیدار سے مشرف فرمایا۔ آیئے فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین!

جہاں تک امکان رویت کا تعلق ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔ اگر محال ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے، کیونکہ انبیاء کو اس کا علم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن ہے اور فلاں چیز محال اور ممتنع۔ محال اور ممتنع کے بارے میں سوال کرنا درست ہی نہیں ہوتا۔

پہلے ہم وہ دلائل پیش کریں گے جن سے رویت باری کا انکار کرنے والے استدلال کرتے ہیں:

۱۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾

۱۔ مسلم شریف صفحہ ۹۲ مشکوۃ شریف متفق علیہ

وَفِیْ قَوْلِہٖ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی وَفِیْ قَوْلِہٖ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔ رَاٰی جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَہٗ سِتُّمِائَۃِ جَنَاحٍ۔

"حضرت ابن مسعود نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبرئیل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔"

۲۔ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی: قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ جِبْرَئِیْلَ فِیْ حُلَّۃٍ مِنْ رَفْرَفٍ قَدْ مَلَأَ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔

"ابن مسعود نے اس آیت کی یوں تشریح کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو ایک ریشمی حلہ (پوشاک) میں دیکھا کہ آپ نے آسمان و زمین کے مابین خلا کو پر کر دیا۔" (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

۳۔ وَلِلتِّرْمِذِیِّ وَلِلْبُخَارِیِّ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَاٰی رَفْرَفًا اَخْضَرَ سَدَّ اُفُقَ السَّمَآءِ۔

"ترمذی اور بخاری نے اس آیت کے ضمن میں لَقَدْ رَاٰی الاٰیۃ میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ حضورؐ نے سبز فرف کو دیکھا جس نے آسمان کے افق کو ڈھانپ دیا تھا۔"

۔عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ لَقِیَ ابْنُ عَبَّاسٍ کَعْبًا بِعَرَفَۃَ فَسَاَلَہٗ عَنْ شَیْءٍ فَکَبَّرَ حَتّٰی جَاوَبَتْہُ الْجِبَالُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّا بَنُوْ ھَاشِمٍ فَقَالَ کَعْبٌ اِنَّ اللّٰہَ قَسَمَ رُؤْیَتَہٗ وَکَلَامَہٗ بَیْنَ مُحَمَّدٍ وَمُوْسٰی وَکَلَّمَہٗ مُوْسٰی۔

"شعبی کہتے ہیں کہ عرفہ کے میدان میں ابن عباس نے کعب سے ملاقات کی اور ان سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت کعب نے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا جس کی گونج پہاڑوں میں سنائی دی۔ ان کی حیرت کو دیکھ کر ابن عباس نے کہا کہ ہم بنو ہاشم ہیں۔ ہمارا تعلق خاندان نبوت سے ہے۔ میں کوئی معمولی آدمی نہیں کہ آپ میرے سوال کو ٹال دیں، تو کعب نے کہا، گویا یہ حضرت ابن عباس کا جواب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد اور موسیٰ کے درمیان تقسیم کر دیا موسیٰ سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور محمد مصطفیٰ نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار

کیا۔ علیہم السلام۔ مسروق کہتے ہیں یہ سن کر میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا: کیا حضور نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ بولیں تو نے ایسی بات کی ہے جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میں نے عرض کی مادر محترم! ذرا ٹھہریئے۔ پھر میں نے یہ آیت پڑھی لَقَدْ رَاٰی الاٰیۃ آپ نے فرمایا تم کدھر جا رہے ہو۔ اس سے مراد جبرئیل ہے۔ جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ اس نے بہت بڑا بہتان باندھا ہے بلکہ حضور نے جبرئیل کو دیکھا اور اس کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ ایک بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک بار اجیاد کے پاس کہ اس نے سارے افق کو ڈھانپ لیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے دو باتیں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنا ازبس مفید سمجھتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے اور اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی تسلیمات و دعوات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند لبیب کو آپ کی امت کے لئے یہ پیغام دیا۔

مُرْ اُمَّتَكَ فَلْيُكْثِرُوْا مِنْ غِرَاسِ الْجَنَّةِ فَاِنَّ تُرْبَتَهَا طَيِّبَةٌ وَ اَرْضَهَا وَاسِعَةٌ وَقَالَ لَهٗ مَا غِرَاسُ الْجَنَّةِ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

"اپنی امت کو حکم دیجئے کہ جنت میں بکثرت پودے لگائیں کیونکہ وہاں کی مٹی بڑی پاکیزہ ہے اور وہاں کی زمین بہت وسیع ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ سے پوچھا کہ جنت میں کون سے پودے لگانے کے قابل ہیں آپ نے جواب دیا لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔
یعنی اس کلام سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرو۔ "یعنی میرے پاس نہ کوئی طاقت ہے نہ قوت بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔" (۱)

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۲۶۔ انسان العیون، جلد اول، صفحہ ۳۷۹

وَفِی رِوَایَۃٍ اَقْرِئْ اُمَّتَکَ مِنِّی السَّلَامَ وَاَخْبِرْھُمْ اَنَّ الْجَنَّۃَ طَیِّبَۃُ التُّرْبَۃِ عَذْبَۃُ الْمَآءِ وَاَنَّ غِرَاسَھَا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ (۱)

"دوسری روایت میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند دلبند محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہئے اور انہیں بتائیے کہ جنت کی مٹی بہت پاکیزہ ہے۔ وہاں کا پانی بہت میٹھا ہے اور وہاں جو پودے لگانے چاہئیں وہ یہ کلمات ہیں۔"

سُبْحَانَ اللّٰہِ — اللہ تعالیٰ ہر شریک اور ہر عیب سے پاک اور منزہ ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ — اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ — اور کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

وَاللّٰہُ اَکْبَرُ — اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔

دوسری بات جو اس موقع پر عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے۔

مقام دَنَا فَتَدَلّٰی سے واپسی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے ساتویں آسمان سے گزرے، جو حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام ہے وہاں سے چھٹے آسمان پر آئے اور حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی نماز میں تخفیف کے لئے بار بار اصرار حضرت موسیٰ کرتے رہے لیکن حضرت ابراہیم نے مکمل سکوت اختیار کئے رکھا حالانکہ آپ کا زیادہ حق تھا کہ اپنے نور نظر کی امت پر تخفیف کے لئے کوشش فرماتے۔

علماء ربانیین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم مقام خُلّت پر فائز تھے۔ اور خلیل کو شیوہ تسلیم و رضا ہی زیب دیتا ہے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی اس کی فطرت ہوتی ہے۔ شیر خوار بچے کو حجاز کے بے آب و گیاہ اور سنسان ریگزار میں چھوڑ کر چلے آنے کا حکم ملے۔ نمرود کے بھڑکتے ہوئے آتش کدہ میں کود جانے کا موقع آئے ہزاروں ارمانوں سے پالے، ماہ چہار دہم سے زیادہ روشن جبیں فرزند کے گلے پر چھری چلانے کا حکم ملے۔ وہ ہر حالت میں "اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔ نہ وہ کسی حکم کی تاویل کرتا ہے اور نہ اس کے بجالانے میں معذرت خواہی کرتا ہے۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام کا مقام کلیم کا مقام تھا۔ جہاں نیاز کے ساتھ ناز کا پہلو بھی نما

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۲۶۔ انسان العیون، جلد اول، صفحہ ۳۷۹

تھا۔ وہی یہ جرأت کر سکتے تھے انہیں میں یہ ہمت تھی کہ تخفیف کے لئے مسلسل اصرار کرتے چلے جائیں۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

۴: عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ كُنْتُ مُتَّكِئًا عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ يَا اَبَا عَائِشَةَ ثَلَاثٌ مَنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ۔ قُلْتُ مَا هُنَّ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰى رَبَّهٗ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ قَالَ وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْظِرِيْنِيْ فَلَا تَعْجَلِيْنِيْ اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى فَقَالَتْ اَنَا اَوَّلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا هُوَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ اَرَهٗ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِيْ خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ رَاَيْتُهٗ مُنْهَبِطًا مِّنَ السَّمَآءِ سَادًّا عُظْمُ خَلْقِهٖ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَقَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا۔

"مسروق سے مروی ہے انہوں نے کہا میں ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر تھا۔ تو آپ نے فرمایا اے مسروق! (ابو عائشہ ان کی کنیت ہے) تین چیزیں ہیں جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ تکلم کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا۔ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی اے ام المؤمنین! میری طرف دیکھیے۔ جلدی نہ کیجئے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے خود نہیں فرمایا "وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ" کہ آپ نے اسے افق مبین میں دیکھا اور دوبار دیکھا آپ نے جواب دیا اس امت سے میں پہلی ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کو ان کی اصلی

شکل میں صرف دو مرتبہ دیکھا...... اے مسروق! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ کہ آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں۔ وہ آنکھوں کو پالیتا ہے۔ وہ لطیف و خبیر ہے۔ اور کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ الایۃ کسی انسان کو یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ یا کوئی فرشتہ بھیجے۔" (مسلم)

۵۔ رَوَى الشَّيْخَانِ قَالَ مَسْرُوْقٌ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَيْنَ قَوْلُهُ ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى قَالَتْ ذَاكَ جِبْرَئِيْلُ كَانَ يَأْتِيْهِ فِيْ صُوْرَةِ رَجُلٍ وَاِنَّهٗ اَتَاهُ فِيْ هٰذِهِ الْمَرَّةِ فِيْ صُوْرَتِهِ الَّتِيْ هِيَ صُوْرَتُهٗ فَسَدَّ الْاُفُقَ۔ (مشکوٰۃ شریف)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بھی یہ رائے تھی کہ حضور نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ حضرت عائشہ بھی اس بارے میں بڑی متشدد تھیں۔ انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے دو آیتوں سے استدلال بھی کیا ہے۔

اب ان لوگوں کے دلائل سماعت فرمایئے جو دیدار الٰہی کے قائل ہیں:

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ مَرَّتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابن عباس نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار اپنے دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ کیا۔"

امام ترمذی روایت کرتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَاٰى مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهٗ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ اَلَيْسَ اللّٰهُ يَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ قَالَ وَيْحَكَ ذَاكَ اِذَا تَجَلّٰى بِنُوْرِهِ الَّذِيْ هُوَ نُوْرُهٗ وَقَدْ رَاٰى رَبَّهٗ مَرَّتَيْنِ۔

"حضرت ابن عباس نے فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ عکرمہ (آپ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ

اَلْاَبْصَارُ کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ آپ نے فرمایا افسوس تم سمجھے نہیں یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے۔ حضور نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔"

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ابن عمر دریں مسئلہ مراجعت بوے کردہ پرسید کہ هَلْ رَاٰی مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ پس وے گفت رَاٰهُ پس ابن عمر تسلیم نمودہ وقطعاً براہ تردد وانکار نرفتہ۔"

حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس سے اس مسئلہ کے بارے میں رجوع کیا اور پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ پس ابن عباس نے جواب دیا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عمر نے ان کے اس قول کو تسلیم کیا اور تردد و انکار کا راستہ اختیار نہیں کیا۔" (۱)

۲۔ علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں مندرجہ ذیل روایت نقل کرتے ہیں:

رَوَی ابْنُ خُزَیْمَةَ بِاِسْنَادٍ قَوِیٍّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاٰی مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ وَبِهٖ قَالَ سَائِرُ اَصْحَابِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَکَعْبِ الْاَحْبَارِ وَالزُّهْرِیِّ وَصَاحِبُهٗ مَعْمَرٌ۔

"ابن خزیمہ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح ابن عباس کے شاگرد، کعب احبار، زہری اور معمر کہا کرتے تھے۔"

۳۔ اَخْرَجَ النَّسَائِیُّ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ وَصَحَّحَهُ الْحَاکِمُ اَیْضًا مِنْ طَرِیْقِ عِکْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَتَعْجَبُوْنَ اَنْ تَکُوْنَ الْخُلَّةُ لِاِبْرَاهِیْمَ وَالْکَلَامُ لِمُوْسٰی وَالرُّؤْیَةُ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

"یہ روایت نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور حاکم نے بھی صحیح سند کے ساتھ

۱۔ اشعۃ اللمعات، جلد چہارم، صفحہ ۴۳۱

عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔ آپ کہا کرتے
کہ کیا تم لوگ اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلّت کا مقام ابراہیم علیہ السلام کے
لئے اور کلام کا شرف موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور دیدار کی سعادت محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو۔ "

۴۔ امام مسلم حضرت ابو ذر سے روایت کرتے ہیں: قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ ۔ " اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ ۔ " دوسرا نُوْرَانِيٌّ اَرَاهُ پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہو گا۔ ابو ذر کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہو گا کہ وہ سراپا نور ہے میں نے اسے دیکھا۔

۵۔ مسلم کے اسی صفحے پر ایک روایت ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ ذَرٍّ لَوْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَسَأَلْتُهُ فَقَالَ عَنْ اَيِّ شَيْئٍ كُنْتَ تَسْأَلُهُ قَالَ كُنْتُ اَسْأَلُهُ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ قَدْ سَأَلْتُهُ فَقَالَ رَأَيْتُ نُوْرًا ۔

" کہ میں نے نور دیکھا ہے۔ یہ روایت بھی دوسری توجیہ کی تائید کرتی ہے۔ "

۶۔ حَكٰى عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّهٗ حَلَفَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰى رَبَّهٗ
کہ حسن بصری اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ (۱)

۷۔ وَاَخْرَجَ ابْنُ خُزَيْمَةَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ زُبَيْرٍ اِثْبَاتًا۔ عروہ بن زبیر سے ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی رؤیت کے قائل تھے۔

۸۔ علامہ ابن حجر نے امام احمد کے بارے لکھا:

فَرَوَى الْخَلَّالُ فِيْ كِتَابِ السُّنَّةِ عَنِ الْمَرْوَزِيِّ قُلْتُ لِاَحْمَدَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰى رَبَّهٗ فَقَدْ

۱۔ عمدۃ القاری، جلد ۱۹ صفحہ ۱۹۸

أَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ فَبِأَيِّ شَيْءٍ يُدْفَعُ قَوْلُهَا۔ قَالَ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّي۔ قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْبَرُ مِنْ قَوْلِهَا۔

"مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں ام المؤمنین یہ کہا کرتیں کہ جس نے یہ کہا کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا ہے، تو حضرت عائشہ کے اس قول کا کیا جواب دیا جائے؟ آپ نے فرمایا اس ارشاد کے ساتھ "رَأَيْتُ رَبِّي" کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا، حضرت عائشہ کے قول کا جواب دیں گے اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ کے قول سے بہت بڑا ہے۔ (۱)

یہ مختلف اقوال ہیں جو قائلین رویت کی طرف سے بطور استدلال پیش کئے جاتے ہیں۔ ان میں فحول صحابہ، مثلاً ابن عباس، کعب احبار، انس، ابی ذر کے علاوہ کبار تابعین عروہ بن زبیر، حسن بصری، عکرمہ جیسے اکابر تابعین بھی موجود ہیں اور حضرت امام احمد کا قول بھی آپ سن چکے ہیں۔ ان اقوال کے علاوہ متعدد احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

ان تمام دلائل کو بالتفصیل پیش کرنے کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

إِذَا صَحَّتِ الرِّوَايَاتُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي إِثْبَاتِ الرُّؤْيَةِ وَجَبَ الْمَصِيرُ عَلَى إِثْبَاتِهَا فَإِنَّهَا لَيْسَتْ مِمَّا يُدْرَكُ بِالْعَقْلِ وَيُؤْخَذُ بِالظَّنِّ فَإِنَّمَا يُتَلَقَّى بِالسَّمَاعِ وَلَا يَسْتَجِيزُ أَحَدٌ أَنْ يَظُنَّ بِابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَكَلَّمَ بِهٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ بِالظَّنِّ وَالْاِجْتِهَادِ ثُمَّ إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَثْبَتَ شَيْئًا نَفَاهُ غَيْرُهُ وَالْمُثْبِتُ مُقَدَّمٌ عَلَى النَّافِي۔

"حضرت ابن عباس سے جب صحیح روایات ثبوت کو پہنچ گئیں کہ انہوں نے ایسا کہا، تو اب ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ آپ نے اتنی بڑی بات محض اپنے قیاس اور ظن کی بنا پر کہی ہو۔ یقیناً انہوں نے کسی مرفوع حدیث کی بنا پر ایسا کہا ہو گا۔ نیز ابن عباس ایک چیز کو ثابت کر رہے ہیں۔ دوسرے حضرات نفی کر رہے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ مثبت کا قول نافی پر

۱۔ فتح الباری، جلد ۸، صفحہ ۴۹۴

مقدم ہوتا ہے۔"

خلاصہ کلام کو علامہ نووی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اَلْحَاصِلُ اَنَّ الرَّاجِحَ عِنْدَ اَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَبَّهٗ بِعَيْنَيْ رَاْسِهٖ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ... وَهٰذَا مِمَّا لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّتَشَكَّكَ فِيْهِ

"حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔"

علامہ نووی نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت صدیقہ نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں کی بلکہ محض اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیا ہے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح مسلم جس کی شرح علامہ نووی کر رہے ہیں، اسی کے اگلے صفحے پر حدیث مرفوع موجود ہے۔ ام المؤمنین نے فرمایا کہ میں نے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى کے بارے میں حضور سے پوچھا تو حضور نے فرمایا وہ جبرئیل امین تھے۔ جب مسلم میں یہ حدیث موجود ہے تو حیرت ہے کہ شارح مسلم علامہ نووی نے کیسے انکار کیا۔

علامہ ابن حجر کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ نے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ کے بارے میں حضور سے استفسار کیا اور حضور نے فرمایا کہ وہ جبرئیل ہیں اور یہ بلاشبہ درست ہے، کیونکہ یہ آیت سورہ تکویر کی ہے اور وہاں حضرت جبرئیل کا ہی ذکر ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ۔ (۸۱: ۱۳-۱۹)

یہ سارا ذکر جبرئیل امین کا ہے۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش کی، تو آپ آسمان کے افق پر نمودار ہوئے۔ وہ افق جہاں جبرئیل نمودار ہوئے اسے افق مبین کہا گیا ہے۔ لیکن یہاں جس افق کا ذکر ہو رہا ہے وہ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ہے۔ آسمان اور زمین کے افق کو افق مبین تو کہہ سکتے ہیں، لیکن افق اعلیٰ وہ ہو گا جو تمام آفاق سے بلند تر ہو۔ یعنی فلک الافلاک کا کنارہ۔ اس لئے امام

نووی کا قول ہی درست ہے کہ شب معراج نفی رویت کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر و تشریح سے فارغ ہونے کے بعد دیدار الٰہی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کو یوں بیان کرتے ہیں:

وَاَنَا اَقُوْلُ بِرُؤْيَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهٗ سُبْحَانَهٗ وَبِدُنُوِّهٖ مِنْهُ سُبْحَانَهٗ عَلَى الْوَجْهِ اللَّائِقِ

"اور میں یہ کہتا ہوں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضور کو قرب الٰہی نصیب ہوا۔ لیکن اس طرح جیسے اس کی شان کبریائی کے لائق ہے۔" (۱)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا جاتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا، تو آپ جواب میں فرماتے:

رَاٰهُ رَاٰهُ حَتّٰى يَنْقَطِعَ نَفَسُهٗ

"ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔" (۲)

مولانا سید انور شاہ صاحب اس مسئلے پر مفصل بحث کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

وَلٰكِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ تَشَرَّفَ بِرُؤْيَتِهٖ تَعَالٰى وَمَنَّ عَلَيْهِ رَبُّهٗ بِهَا وَكَرَّمَهٗ وَتَفَضَّلَ عَلَيْهِ بِنَوَالِهٖ وَاَفَاضَ عَلَيْهِ مِنْ اِفْضَالِهٖ فَرَاٰهُ رَاٰهُ كَمَا قَالَ اَحْمَدُ رَحِمَهُ اللّٰهُ مَرَّتَيْنِ اِلَّا اَنَّهٗ رَاٰهُ كَمَا يَرَى الْحَبِيْبُ اِلَى الْحَبِيْبِ وَالْعَبْدُ اِلٰى مَوْلَاهُ لَا هُوَ يَمْلِكُ اَنْ يَّكُفَّ عَنْهُ نَظْرَةً وَلَا هُوَ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّشْخَصَ اِلَيْهِ بَصَرَهٗ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دولت سرمدی سے آپ کو نوازا اور اپنے فضل و احسان سے عزت افزائی فرمائی۔ پس حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ حضور نے اللہ تعالیٰ

۱۔ روح المعانی

۲۔ روح المعانی

کو دیکھا، جس طرح امام احمد نے فرمایا ہے، مگر یہ دیدار ایسا تھا جیسے حبیب اپنے حبیب کا دیدار کرتا ہے۔ نہ وہ آنکھیں بند کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ اس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر روئے دلدار کو دیکھتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے۔ " مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی " (۱)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعتہ اللمعات کی جلد چہارم میں اس مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے اسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ

'فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی' اس مقام پر عبد اور معبود میں جو باتیں ہوئیں، وہ اسرار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ ہم کو صرف ان امور کا علم ہے جن سے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ اٹھایا۔ ان میں سے ایک بات حضرت قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کے حوالہ سے پیش خدمت ہے۔

اس مقام رفیع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مہمان عزیز کو فرمایا 'سَلْ' مانگ جو تو مانگنا چاہتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا۔ اے میرے رب! تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا اور اسے ملک عظیم عطا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا اور داؤد کو ملک عظیم عطا کیا۔ لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا پہاڑوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا اور تو نے سلیمان کو ملک عظیم عطا کیا۔ اور ان کے لئے جنوں انسانوں، شیطانوں اور ہواؤں کو تابع فرمان بنا دیا۔ اور انہیں ایسا ملک بخشا جو ان کے بعد کسی کے لئے سزاوار نہیں۔ الٰہی! تو نے موسیٰ کو تورات عطا فرمائی اور عیسیٰ کو انجیل عنایت کی اور انہیں یہ معجزہ عطا کیا کہ وہ مادر زاد اندھے اور برص والے کو صحت یاب کر دیتے تھے۔ اور عیسیٰ اور ان کی ماں کو تو نے شیطان رجیم کے شر سے پناہ دی۔

یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے جواب ارشاد فرمایا کہ دوسرے انبیاء کو میں نے مختلف اعلیٰ مناصب پر فائز کیا لیکن 'قَدِ اتَّخَذْتُكَ حَبِيْبًا' میں نے تجھے اپنا حبیب بنالیا اور تورات میں لکھ دیا کہ محمد حبیب الرحمٰن۔ اور آپکو میں نے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا اور میں نے تیری امت کو اول بھی بنایا اور آخر بھی۔ اور تیری امت کے لئے یہ لازمی قرار دیا کہ ان کا خطبہ

۱۔ فیض الباری شرح البخاری

اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ تمام نبیوں سے پہلے میں نے تجھے پیدا فرمایا اور ان سب سے آخر تجھے مبعوث فرمایا اور تجھے سورۂ فاتحہ بخشی جو میں نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بخشی۔ اور میں نے اپنے عرش کے نیچے جو خزانہ ہے اس میں سے آپ کو سورہ بقرہ کی آخری آیتیں عنایت کیں جو میں نے آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیں اور آپ کو فاتح بھی بنایا اور خاتم بھی۔ (۱)

ا۔ کتاب الشفاء، جلد اول، صفحہ ۲۴۰ مطبوعہ دار الکتاب بیروت

اوقاتِ نماز کا تعین

آپ بالتفصیل پانچ نمازوں کی فرضیت کے بارے میں پڑھ آئے ہیں۔ اب ان نمازوں کے لئے اوقات کے تعین کی ضرورت تھی کہ کس وقت کون سی نماز اور اس کی کتنی رکعتیں ادا کی جائیں گی چنانچہ اسی روز اللہ تعالیٰ نے زوال کے وقت جبرئیل امین کو بھیجا تا کہ جبرئیل امین حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اوقات نماز کے بارے میں اور کیفیت نماز کے بارے میں فرمان خداوندی سے آگاہ کریں۔ چنانچہ دو روز جبرئیل امین ہر نماز کے وقت تشریف لاتے رہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امامت کراتے اور صحابہ کرام کی نورانی جماعت ان اوقات میں اپنے ہادی و مرشد نبی کریم کی اقتدا میں نماز ادا کرتی۔ چنانچہ متعدد صحابہ سے برگزیدہ محدثین نے یہ حدیث روایت کی ہے۔

اَمَّنِی جِبْرَئِیْلُ عِنْدَ الْبَیْتِ وَلَفْظُ الشَّافِعِیِّ وَالطَّحَاوِیِّ وَالْبَیْہَقِیِّ عِنْدَ بَابِ الْبَیْتِ مَرَّتَیْنِ فَصَلّٰی بِیَ الظُّہْرَ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَکَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاکِ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِّثْلَہٗ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ حِیْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَی الصَّائِمِ فَلَمَّا کَانَ الْغَدُ صَلّٰی بِیَ الظُّہْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَہٗ وَفِیْ لَفْظٍ کَوَقْتِ الْعَصْرِ بِالْاَمْسِ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَیْہِ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ الْاَوَّلِ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ ھٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِکَ وَالْوَقْتُ مَا بَیْنَ ھٰذَیْنِ۔

"جبرئیل نے میری امامت کرائی بیت اللہ شریف کے پاس: امام شافعی طحاوی امام بیہقی کے الفاظ میں بیت اللہ شریف کے دروازے کے پاس دو مرتبہ پہلے دن جبرئیل نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھلا اور سایہ صرف ایک تسمے کے برابر تھا۔ اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی

جب ہر چیز کا سایہ اسکی ایک مثل ہو چکا تھا اور مجھے مغرب کی نماز پڑھائی جس وقت روزے دار روزہ افطار کرتا ہے۔ مجھے عشاء کی نماز پڑھائی جب شفق غائب ہوتی ہے اور مجھے صبح کی نماز پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے یعنی طلوع صبح صادق کے فوراً بعد۔ دوسرے روز پھر جبرئیل آئے اور انہوں نے مجھے اس وقت ظہر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل کے برابر ہو چکا تھا۔ اور عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کی دو مثل ہو چکا تھا۔ مغرب کی نماز پڑھائی جس وقت روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور عشاء کی نماز پڑھائی جب رات کا پہلا تیسرا حصہ گزر چکا تھا۔ اور مجھے صبح کی نماز پڑھائی جب صبح کی روشنی پھیل چکی تھی پھر جبرئیل میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا یا محمد۔ آپ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی نمازوں کا یہی وقت تھا اور ہر نماز کا وقت ان وقتوں کے درمیان ہے جن میں دو روز میں نے آپ کی جماعت کرائی۔" (۱)

یہاں ایک مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ اس روز کتنی رکعتیں فرض ہوئیں۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ اس روز صبح کی دو رکعتیں ظہر اور عصر کی چار چار رکعتیں۔ مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی چار رکعتیں فرض کی گئیں۔ بعد میں مسافر کے لئے اس میں تخفیف کر دی گئی اور جن نمازوں کی چار رکعتیں تھیں چار کی بجائے دو دو کر دی گئیں لیکن صبح کی دو رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں جوں کی توں باقی رہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ شب اسراء مغرب کے علاوہ تمام نمازوں کی دو دو رکعتیں فرض کی گئیں اور ہجرت کے بعد مسافر کے لئے وہی دو رکعتیں باقی رہیں لیکن مقیم کے لئے ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں کر دی گئیں اس اختلاف کو علامہ ابن کثیر نے یوں دور کیا ہے کہ ہجرت سے پہلے مسلمان دو رکعتیں صبح کے وقت اور دو رکعتیں شام کے وقت ادا کیا کرتے تھے شب اسری جب پانچ نمازیں فرض کی گئیں تو ظہر، عصر اور عشاء کی دو سے بڑھا کر چار کر دی گئیں اور مغرب کی نماز دو کے بجائے تین رکعتیں اور صبح کی نماز علے حالہ دو رکعتیں رہنے دی گئیں۔ بعد میں مسافروں کے لئے چار رکعتوں والی نماز میں تخفیف کر دی گئی اور انہیں دو کر دیا گیا اس

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۴۳

طرح تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔
اور اس آیت سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ (۱)

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ

"کہ جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اپنی نمازوں میں قصر کرو۔ اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ پہلے چار رکعتیں فرض ہوں پھر انہیں حالت سفر میں دو کر دیا گیا ہو۔" (سورۃ النساء، آیت ۱۰۱)

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۱۲۔ ۱۱۳

انصار کے مشرف باسلام ہونے کا آغاز

انصار کے مشرّف باسلام ہونے کا آغاز

انصار کے مشرف باسلام ہونے کا آغاز

درد و غم اور رنج والم کی تاریک رات اب سحر آشنا ہونے والی ہے اسلام اور اس کے ماننے والوں کی بے کسی و بے بسی کی مدت اب اختتام پذیر ہوا چاہتی ہے۔ وہ وقت اب قریب آگیا ہے کہ اللہ جل مجدہ نے اپنے محبوب بندے اور جلیل القدر رسول کے ساتھ فتح و نصرت کے جو وعدے کئے تھے وہ پورے کئے جائیں اسلام کی عظمت کا پھریرا اب اس شان سے لہرایا جانے والا ہے کہ کوئی آندھی، کوئی طوفان اس کو سرنگوں نہ کر سکے۔ اس کے علم برداروں کا آفتاب اقبال اب طلوع ہونے والا ہے تاکہ ظلمت کدہ عالم کا گوشہ گوشہ نور توحید سے دمک اٹھے اہل مکہ کے بخت خفتہ کو بیدار کرنے کے لئے ہادی انس و جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیرہ سال کا طویل عرصہ رات دن ان تھک کوشش فرمائی لیکن گنتی کے چند خوش نصیبوں کے علاوہ کسی کو توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہ اپنے ہادی برحق کی پر خلوص دعوت کو قبول کرلیں۔ ایام حج میں عرب کے اکثر قبائل مکہ مکرمہ میں حاضری کا شرف حاصل کرتے تھے نبی رحمت ان مواقع پر ہر قبیلہ کی خیمہ گاہوں میں جاجا کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو بھی نور حق نظر نہ آیا۔ جب سالہاسال کی جانگداز محنت کے باوجود مکہ اور اس کے گردونواح میں آباد قبائل میں حق قبول کرنے کے آثار کہیں دکھائی نہ دئے تو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت نے ایک دور افتادہ شہر کے قبیلوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا انہوں نے بصد شوق اس دعوت کے داعی کے ارشادات کو سنا۔ اور دل و جان سے انہیں قبول بھی کرلیا۔ یہ دو قبیلے بنی اوس و بنی خزرج کے نام سے موسوم تھے۔ جو آگے چل کر انصار اللہ و انصار رسولہ کے معزز لقب سے ملقب ہوئے انہوں نے بڑے خلوص اور مردانگی سے اس دین حنیف کی تائید و نصرت کا حق ادا کر دیا۔ جس سے صرف جزیرہ عرب کی قسمت ہی نہیں جاگی بلکہ کاروان انسانیت کو اپنا کھویا ہوا مقام رفیع مل گیا ان کے زریں کارناموں اور محیر العقول

خدمات کے ذکر جمیل سے پہلے قارئین کو ان سے متعارف کرانا ضروری ہے۔ تاکہ ان کی پہچان ہو جائے۔ یہ کون لوگ تھے اور جزیرہ عرب کے قبائل میں ان کا کیا مقام تھا۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ انصار، جمع ہے اس کا واحد ناصر ہے لیکن یہ جمع خلاف قیاس ہے ہاں اگر ناصر کا الف حذف کر دیا جائے تو پھر فعل کی جمع افعال کے وزن پر قیاس کے مطابق ہو گی۔ (۱)

یہ دو قبیلے زمانہ جاہلیت میں انصار نہیں کہلاتے تھے جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو بارگاہ الٰہی سے انہیں اس معزز لقب سے نوازا گیا۔

وَلَمْ يَكُنِ الْاَنْصَارُ اسْمًا لَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ حَتّٰى سَمَّاهُمُ اللّٰهُ بِهٖ فِي الْاِسْلَامِ

"یہ دو قبیلے اوس و خزرج کے نام سے موسوم تھے لغت میں اوس کا معنی عطیہ ہے اور خزرج، ٹھنڈی ہوا کو کہتے ہیں۔" (۲)

امام محمد بن یوسف صالحی نے سبل الہدی میں ان کے شجرہ نسب پر تفصیلی بحث کی ہے لکھتے ہیں۔

اوس و خزرج دونوں بھائی تھے حارثہ کے بیٹے تھے ان کی والدہ کا نام قیلہ تھا ان کا شجرہ نسب یہ ہے۔

اوس و خزرج پسران حارثہ بن ثعلبہ العنقاء ابن عمرو مزیقیاء بن عامر ماء السماء بن حارثہ الغطریف بن امروء القیس البطریق بن ثعلبہ بُہلُول بن مازن زاد السفر بن ازد بن غوث بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا اسمہ۔ عامر بن یشجب بن یَعرُبُ بن قحطان۔ یَقطُنْ۔

ان کے اجداد کے ناموں کے ساتھ بعض القاب بھی ہیں جن کی تشریح ضروری ہے۔

حارثہ کے باپ کا نام ثعلبہ ہے۔ اس کا لقب العنقاء۔ اس کا معنی ہے لمبی گردن والا۔

کیونکہ اس کی گردن لمبی تھی اس لئے اس لقب سے مشہور ہوا اس کے باپ کا نام عمرو ہے اس کے ساتھ مزیقیاء کا لقب مذکور ہے مزق یعنی پارہ پارہ کرنا۔ سے مشتق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو، یمن کے بادشاہوں میں سے تھا۔ اور ہر روز دو مرتبہ لباس تبدیل کرتا تھا اور یہ

۱۔ الروض الانف۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۸۳

۲۔ الروض الانف۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۸۲

رات کے وقت ان دونوں جوڑوں کو پرزے پرزے کر دیتا تھا۔ ان لباسوں کو دوبارہ خود پہننا بھی اسے ناگوار تھا اور یہ بات بھی اسے ناپسند تھی کہ اس کا جوڑا کوئی اور شخص پہنے۔ اس کے باپ کا نام عامر ہے اس کا لقب ماء السماء یعنی بارش کا پانی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ملک میں قحط پڑتا تو یہ اپنے خزانوں کے منہ کھول دیتا اور سارا مال رعایا کے سامنے رکھ دیتا تاکہ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق وہاں سے اٹھالے۔ اس کے باپ کا نام حارثہ ہے اس کا لقب غطریف ہے۔ جو لغت میں سردار اور بچہ شاہین کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کے باپ کا نام امرؤالقیس ہے اس کے ساتھ بطریق لقب مذکور ہے رومی لشکر کے سپہ سالار کو (PATRIARCH) کہتے ہیں رومی لفظ کی تعریب کر کے بطریق بنا دیا اس کی جمع بطارقہ ہے لغت میں موٹے پرندے کو بھی بطریق کہتے ہیں اور جس کی چال میں غرور اور نخوت ہو اس کو بھی بطریق کہا جاتا ہے اس کے باپ کا نام ثعلبہ ہے اور اس کا لقب بُھلُول ہے لغت میں اس کا معنی سردار ہے اس کے والد کا نام مازن ہے جو زاد السفر کے لقب سے ملقب ہے۔

ان کے جد اعلیٰ کا نام قحطان ہے یہ وہ ہے جس نے سب سے پہلے عربی زبان میں گفتگو کی اور یہ عرب متعربہ کا باپ ہے اور حضرت اسماعیل عرب مستعربہ کے باپ ہیں۔ البتہ علم انساب کے ماہر زبیر بن بکار کی رائے یہ ہے کہ قحطان بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت سے تھے ان کا مکمل نام یہ ہے قحطان بن الہمیسع بن اسماعیل علیہ السلام۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے آپ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے ہوئے انصار کو کہا تھا۔

تِلْكَ اُمُّكُمْ يَا بَنِيْ مَاءِ السَّمَاءِ

"اے ماء السماء کے بیٹو! یہ ہاجرہ تمہاری ماں ہیں۔"

ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ ماء السماء انصار کے ایک دادے عامر کا لقب ہے۔

قَالَ الْحَافِظُ : وَهٰذَا هُوَ الرَّاجِحُ فِيْ نَقْدِيْ

"یعنی میری تحقیق کے مطابق یہی قول راجح ہے کہ قحطانیوں کے جدِ امجد بھی عدنانیوں کی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔" (۱)

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۵۱ - ۲۵۳

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کی نگاہ میں انصار کا مقام

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا ان کا ذکر فرمایا ہے اس کی بارگاہ صمدیت میں جو اعزاز انہیں بخشا گیا ہے قرآن کریم کے صفحات اس سے جگمگا رہے ہیں۔ چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

"اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی خوش نصیب لوگ سچے ایماندار ہیں انہیں کے لئے بخشش ہے اور باعزت روزی۔"

(سورۃ الانفال: ۷۴)

(۲) وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ړ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

"اور (اس مال) میں ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرۃ میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے۔ محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو۔ اور جس کو بچالیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔" (الحشر: ۹)

جس ہادی برحق کے دست مبارک پر انہوں نے اسلام قبول کیا اور جس ہستی کی قیادت میں ان جانبازوں نے اس دین حق کی سربلندی کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ اور اپنے مال کو قربان کر دیا اس کی بارگاہ نبوت سے جو القاب انہیں مرحمت فرمائے گئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں۔ آپ ان کو ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) عَنْ غَیْلَانَ بْنِ جَرِیْرٍ عَنْ اَنَسٍ۔ اَرَاَیْتَ اِسْمَ الْاَنْصَارِ کُنْتُمْ تُسَمُّوْنَ بِہٖ اَمْ سَمَّاکُمُ اللّٰہُ۔ قَالَ بَلْ سَمَّانَا اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ۔

(رواہ البخاری والمسلم)

"غیلان بن جریر نے حضرت انس سے پوچھا جو انصاری تھے کہ یہ فرمایئے کیا اسلام سے پہلے بھی آپ کو انصار کے اسم سے موسوم کیا جاتا تھا۔ یا اللہ تعالیٰ نے اس نام سے تمہیں موسوم کیا تو آپ نے جواب دیا بیشک اللہ عزّ و جل نے ہمیں اس نام سے موسوم فرمایا ہے۔"

اس روایت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ معزز لقب انہیں تب نصیب ہوا جب انہوں نے دین اسلام کو قبول کیا تھا۔

(۲) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا یَرْفَعُہٗ اَنَّ اللّٰہَ اَمَدَّنِیْ بِاَشَدِّ النَّاسِ اَلْسُنًا وَاَذْرُعًا بِابْنَیْ قَیْلَۃَ الْاَوْسِ وَالْخَزْرَجِ۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

"حضرت ابن عباس نے مرفوعاً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے میری مدد فرمائی جو فصاحت و بلاغت میں اور قوت بازو میں سب لوگوں سے زیادہ طاقتور تھے۔ یعنی قَیلہ کے دونوں بیٹوں اوس اور خزرج کے خاندانوں سے۔"

(۳) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَرْفَعُہٗ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْاَنْصَارُ لَا یُحِبُّہُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُہُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ وَمَنْ اَحَبَّہُمْ اَحَبَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ اَبْغَضَہُمْ اَبْغَضَہُ اللّٰہُ۔

"براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انصار سے مومن کے بغیر کوئی محبت نہیں کرتا اور منافقین کے بغیر ان سے کوئی بغض نہیں رکھتا۔ جو شخص ان سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔"

(۴) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَرْفَعُہٗ اٰیَۃُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ

وَاٰیَۃُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ۔

"حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے اور نفاق کی نشانی۔ انصار سے بغض۔"

(۵) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِبَعْضِ سِکَکِ الْمَدِیْنَۃِ فَاِذَا بِجَوَارٍ یَضْرِبْنَ بِدُفِّھِنَّ وَیَتَغَنَّیْنَ وَیَقُلْنَ:

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ۔ یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ تَعْلَمُ اَنِّیْ لَاُحِبُّکُنَّ۔ (حدیث صحیح رواہ ابن ماجہ)

"حضرت انس فرماتے ہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ کی گلیوں میں سے ایک گلی میں گزر رہے تھے تو اچانک سنا کہ انصار کی چند بچیاں دف بجارہی ہیں اور یہ گیت گارہی ہیں۔ ہم بنی نجار قبیلہ کی بچیاں ہیں محمد مصطفیٰ ہمارے کتنے بہترین پڑوسی ہیں۔ سرکار دوعالم نے یہ گیت سنا اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کی۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔"

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ یَرْفَعُہٗ۔ مَنْ اَحَبَّنِیْ اَحَبَّ الْاَنْصَارَ وَمَنْ اَبْغَضَنِیْ فَقَدْ اَبْغَضَ الْاَنْصَارَ لَا یُحِبُّھُمْ مُنَافِقٌ وَلَا یُبْغِضُھُمْ مُؤْمِنٌ۔ مَنْ اَحَبَّھُمْ اَحَبَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ اَبْغَضَہُ اللّٰہُ۔ اَلنَّاسُ دِثَارٌ وَالْاَنْصَارُ شِعَارٌ۔ وَلَوْ سَلَکَ النَّاسُ شِعْبًا وَسَلَکَ الْاَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَکْتُ شِعْبَ الْاَنْصَارِ (رواہ الامام احمد)

"حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ انصار سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے بغض رکھتا ہے وہ انصار سے بغض رکھتا ہے کوئی منافق ان سے محبت نہیں کر سکتا اور کوئی مومن ان سے بغض نہیں رکھ سکتا۔ جو ان سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ان سے بغض رکھتا ہے لوگ اس چادر کی مانند ہیں جو اوپر

اوڑھی جاتی ہے اور انصار اس کپڑے کی مانند ہیں جو جسم کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ اگر سارے لوگ ایک راہ پر چل نکلیں اور انصار دوسری راہ پر چلیں تو میں انصار کی راہ پر چلوں گا۔"

(۷) عَنْ مُعَاوِيَةَ يَرْفَعُهُ مَنْ اَحَبَّ الْاَنْصَارَ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَ الْاَنْصَارَ بِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ۔ (حدیث صحیح)

"حضرت امیر معاویہ روایت کرتے ہیں حضور نبی کریم نے ارشاد فرمایا جو شخص انصار سے محبت کرتا ہے تو وہ میرے ساتھ محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو انصار سے بغض رکھتا ہے وہ میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔"

(۸) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ يَرْفَعُهُ ..... فَمَنْ وُلِّيَ مِنْ اَمْرِ الْاَنْصَارِ شَيْئًا فَلْيُحْسِنْ اِلٰى مُحْسِنِهِمْ وَلْيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيْئِهِمْ مَنْ اَفْزَعَهُمْ فَقَدْ اَفْزَعَ هٰذَا الَّذِيْ بَيْنَ هٰذَيْنِ وَاَشَارَ اِلٰى نَفْسِهٖ (حدیث صحیح)

"حضور نے فرمایا جس شخص کو انصار کے کاموں کا والی بنایا گیا تو اسے چاہئے کہ ان میں جو نیکو کار ہیں ان کے ساتھ بہترین سلوک کرے اور جو ان سے غلطی کر بیٹھے ان سے درگزر کرے جس نے انصار کو خوفزدہ کیا اس نے میری ذات کو یا میرے دل کو خوفزدہ کیا۔"

فتح مکہ کے بعد قبیلہ بنی ہوازن کے ساتھ حنین کے مقام پر جنگ ہوئی اور بے اندازہ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا حضور نے اس مال غنیمت میں سے بہت سا مال ان نومسلموں میں تقسیم فرما دیا جو ساری عمر اسلام کے خلاف مصروف پیکار رہے تھے۔ اور ابھی چند روز ہوئے مکہ فتح ہونے کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس بات سے انصار کے نوجوانوں کو تکلیف ہوئی اور انہوں نے کہا۔

وَاللّٰهِ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْعَجَبُ۔ اِنَّ سُيُوْفَنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَآءِ قُرَيْشٍ وَغَنَائِمُنَا تُرَدُّ عَلَيْهِمْ۔

"وہ کہنے لگے بخدا! یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے کہ ہماری تلواروں سے تو اب بھی قریش کے مقتولوں کا خون ٹپک رہا ہے اور ہمارا مال غنیمت انہیں قریش میں بانٹا جا رہا ہے۔"

یہ بات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب سنی انصار کو بلایا اور پوچھا تمہاری طرف سے مجھے یہ کیا بات پہنچی ہے وہ لوگ حضور کے سامنے کسی قیمت پر جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے انہوں نے عرض کی جو آپ نے سنا ہے ایسی بات ہوئی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ يَمُنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ بِالْاِيْمَانِ وَخَصَّكُمْ بِالْكَرَامَةِ وَسَمَّاكُمْ بِاَحْسَنِ الْاَسْمَآءِ اَنْصَارُ اللّٰهِ وَاَنْصَارُ رَسُوْلِهٖ وَلَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ اِمْرَأً اَنْصَارِيًّا وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكْتُمْ وَادِيًا لَسَلَكْتُ وَادِيَكُمْ اَوَلَا تَرْضَوْنَ اَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالنَّعَمِ وَتَذْهَبُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا قَدْ رَضِيْنَا۔

"اے گروہ انصار! کیا اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت دے کر تم پر احسان نہیں فرمایا اور تمہیں عزت سے مخصوص نہیں کیا اور تمہیں بہترین نام عطا فرمایا انصار اللہ وانصار رسولہ یعنی اللہ کے مددگار اور اس کے رسول کے مددگار۔ اگر ہجرت کا معاملہ نہ ہوتا تو میں تمہاری طرح ایک انصاری ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک وادی میں چلیں اور تم الگ وادی میں چلو تو میں تمہاری وادی میں چلوں گا کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ لوگ بھیڑ بکریاں اور اونٹ لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر اپنے وطن لوٹو۔ انصار نے عرض کی بیشک ہم اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی پر بڑے راضی ہیں حضور نے فرمایا جو باتیں میں نے کی ہیں اس کی روشنی میں مجھے جواب دو۔ انصار نے عرض کی۔"

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَجَدْتَنَا فِىْ ظُلْمَةٍ فَاَخْرَجَنَا اللّٰهُ بِكَ وَوَجَدْتَنَا عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَنَا اللّٰهُ بِكَ وَوَجَدْتَنَا ضُلَّالًا فَهَدَانَا اللّٰهُ بِكَ فَرَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَاصْنَعْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا شِئْتَ

یارسول اللہ! آپ نے ہمیں اندھیروں میں پایا اللہ تعالیٰ نے حضور کے ذریعہ ہمیں ان سے نکالا۔ آپ نے ہمیں آگ کے

گڑھے کے کنارے پر پایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے واسطہ سے ہماری تائید فرمائی آپ نے ہمیں گمراہ پایا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے ہمیں ہدایت دی پس ہم اس بات پر راضی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اسلام ہمارا دین ہے اور محمد مصطفیٰ ہمارے نبی ہیں یا رسول اللہ جو آپ کا جی چاہے وہ آپ کریں۔ "

اپنے غلاموں کا یہ نیاز مندانہ جواب سن کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی مزید دلجوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لَوْ اَجَبْتُمُوْنِیْ بِغَیْرِ هٰذَا الْقَوْلِ لَقُلْتُ صَدَقْتُمْ لَوْ قُلْتُمْ اَلَمْ تَاْتِنَا طَرِیْدًا فَاٰوَیْنَاكَ وَمُكَذَّبًا فَصَدَّقْنَاكَ وَمَخْذُوْلًا نَصَرْنَاكَ وَقَبِلْنَا مَا رَدَّ النَّاسُ عَلَیْكَ لَوْ قُلْتُمْ هٰذَا لَصَدَقْتُمْ

" جو جواب تم نے مجھے دیا ہے اگر اس کے سوا کوئی اور جواب تم دیتے تو میں اس کی تصدیق کرتا۔ یعنی اگر تم یہ کہتے کہ آپ ہمارے پاس گھر سے نکالے ہوئے آئے تھے ہم نے آپ کو پناہ دی آپ کو جھٹلایا جاتا تھا۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ بے یار و مددگار تھے ہم نے آپ کی مدد کی آپ کی دعوت کو لوگوں نے مسترد کر دیا۔ ہم نے اس کو قبول کر لیا۔ اگر تم یہ جواب دیتے تو تم سچے تھے۔ "

انصار سراپا ادب و نیاز بن کر عرض کرتے ہیں۔

بَلِ اللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ عَلَیْنَا وَعَلٰی غَیْرِنَا

" یہ سب اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے اور دوسروں پر۔ "

پھر ان پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور انہوں نے آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔ حضور سرور عالم کی آنکھیں بھی ان کے ساتھ اشکبار ہو گئیں۔

آخر میں ایک اور حدیث پاک سماعت فرمائیے۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَرْفَعُهُ اَلْاَنْصَارُ اَحِبَّائِیْ وَفِی الدِّیْنِ اِخْوَانِیْ وَعَلَی الْاَعْدَاءِ اَعْوَانِیْ۔

(رَوَاهُ الدَّیْلَمِیُّ فِیْ مُسْنَدِ الْفِرْدَوْسِ)

"حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انصار میرے دوست ہیں میرے دینی بھائی ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں میرے دست وبازو ہیں۔" (۱)

انصار کے بارے میں یہ ایک مختصر سا تعارف ہے میں ضروری سمجھتا تھا کہ قارئین اسلام کے اس درخشاں باب کا مطالعہ کرنے سے پہلے جانبازوں اور جاں نثاروں کے اس گروہ سے اچھی طرح متعارف ہو جائیں۔ تاکہ ان کے زریں کارناموں کی قدر کر سکیں۔ اور انہیں داد دے سکیں۔

ا۔ یہ ساری احادیث سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۴۵۴ تا ۴۵۷ سے ماخوذ ہیں۔

تحریک قبول اسلام کا آغاز

اہل یثرب کے قبول اسلام کے اِکّادُکّا واقعات تو بیعت عقبہ سے بہت پہلے رونما ہونے شروع ہو گئے تھے جن میں سے ایک واقعہ آپ ابھی پڑھ آئے ہیں اس میں بتایا گیا ہے کہ اوس کا ایک وفد اہل مکہ کے پاس آیا وہ اہل مکہ سے اپنے مخالف قبیلہ خزرج کے خلاف امداد کا معاہدہ کرنے کے لئے آئے تھے ان کے رئیس کا نام ابوالحَیْسَر تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اس وفد کی آمد کی اطلاع ہوئی تو حسب معمول حضور ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہیں قرآن کریم کی کچھ آیات پڑھ کر سنائیں ان میں سے ایاس بن معاذ نامی ایک نوجوان حضور کے ارشادات سے بڑا متاثر ہوا اس کی مرضی تھی کہ اہل مکہ سے معاہدہ کرنے کے بجائے اس دلنشین اور دل پذیر دعوت کو قبول کر لیں لیکن ابوالحَیْسَر نے مٹی اٹھائی اور اس کے منہ پر دے ماری اور اس کو جھڑک دیا ایاس اگرچہ اسلام قبول کرنے کا اعلان نہ کر سکا لیکن حضور کی تعلیمات اس کے دل میں گھر کر گئی تھیں جب اس نے وفات پائی تو اس وقت بھی وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل کر رہا تھا۔ جو لوگ اس وقت اس کے پاس تھے وہ کہتے ہیں کہ ایاس مسلمان ہو کر مرا۔ یہ واقعہ تفصیل سے پہلے لکھا جا چکا ہے۔ (۱)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ابوزُرع رازی نے سند حسن کے ساتھ دلائل النبوۃ میں تحریر کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح سند کے ساتھ معاذ بن رفاعہ بن رافع عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے۔

رافع کے دادے کا نام بھی رافع تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں وہ اپنے خالہ زاد بھائی معاذ بن عفرا کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ مکہ پہنچے۔ جب اونچے دَرّے سے نیچے اترے انہوں نے ایک شخص کو درخت کے سایہ میں بیٹھے دیکھا وہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اس واقعہ سے پہلے کا ہے جب چھ انصاری مکہ آئے تھے اور اسلام قبول کیا تھا۔ جب ہم نے اس شخص کو دیکھا تو ہم نے سوچا کہ اپنی سواری کے اونٹ اس شخص کے حوالے کرتے ہیں اور خود جا کر کعبہ شریف کا طواف کر آئیں گے۔ چنانچہ ہم اس شخص کے پاس گئے اور زمانہ جاہلیت کے رواج کے

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۶۳

مطابق اسے سلام کہا اس نے ہمیں اہل اسلام کے طریقہ کے مطابق سلام کا جواب دیا ہم نے پوچھا آپ کون صاحب ہیں اس شخص نے کہا کہ پہلے اپنی سواریوں سے تو نیچے اترو۔ ہم اونٹوں سے نیچے اتر آئے ہم نے یہ بات سن رکھی تھی کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعوئی کیا ہے۔ ہم نے پوچھا وہ شخص کہاں ہے جو طرح طرح کے دعوے کرتا ہے اور مختلف قسم کی باتیں بتاتا ہے اس شخص نے کہا وہ میں ہی ہوں۔ ہم نے کہا ہمارے سامنے اپنا دین پیش کرو۔ اس شخص نے اسلام پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ بتاؤ کہ آسمانوں زمین اور پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے۔ پھر اس نے پوچھا تمہیں کس نے پیدا کیا ہے ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے۔ پھر اس نے ہم سے سوال کیا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو۔ ان کو کس نے بنایا ہے ہم نے کہا کہ ان بتوں کو ہم نے خود گھڑا ہے۔ پھر اس نے ہم سے دریافت کیا کہ عبادت کا زیادہ حقدار خالق ہے یا مخلوق۔ ہم نے کہا خالق۔ اس نے فرمایا پھر تم اس بات کے زیادہ حقدار ہو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو بجائے اس کے کہ اپنے ہاتھ سے گھڑے ہوئے ان بتوں کی پوجا کرو۔ میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ عزّ وجل کی عبادت کرو۔ اور یہ گواہی بھی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اس کا رسول ہوں۔ نیز اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور لوگوں پر زیادتی کرنا چھوڑ دو۔ ہم نے کہا بالفرض آپ کی یہ بات درست نہ ہو تو پھر بھی ان باتوں کا شمار مکارم اخلاق اور محاسن اطوار میں تو ہو گا۔ سردست ہمارے سواری کے اونٹ پکڑ رکھئے تاکہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کر آئیں۔ میرا خالہ زاد بھائی معاذ بن عفراء تو آپ کے پاس بیٹھا رہا۔ اور میں طواف کرنے کے لئے حرم شریف کی طرف چل پڑا۔

رافع کہتے ہیں کہ میں بیت اللہ کے پاس آیا۔ اس کا طواف کیا۔ میں نے فال نکالنے کے لئے سات تیر لئے ان میں سے ایک تیر میں نے حضور کے نام کر دیا پھر کعبہ کی طرف منہ کر کے میں نے دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ مَا یَدْعُوْا اِلَیْہِ مُحَمَّدٌ حَقًّا فَاَخْرِجْ قِدْحَہٗ سَبْعَ مَرَّاتٍ۔

"یا اللہ! جس دین کی طرف محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعوت دیتے ہیں اگر وہ سچا ہے تو ساتوں بار ان کا تیر نکال۔"

میں نے سات مرتبہ فال نکالی۔ ساتوں مرتبہ حضور کے نام والا تیر نکلا۔ میں بے اختیار ہو

کر چیخ اٹھا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

میرا کلمہ شہادت سن کر میرے اردگرد لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ کہنے لگے "مجنون رجل صباء۔" یہ پاگل ہے اپنے مذہب سے برگشتہ ہو گیا ہے میں نے کہا "بل رجل مومن۔" میں وہ مرد ہوں جس کا دل نور ایمان سے روشن ہو گیا۔

وہاں سے میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جب معاذ بن عفراء نے مجھے دور سے دیکھا تو کہہ اٹھا۔

لَقَدْ جِئْتَ بِوَجْهٍ مَا ذَهَبْتَ بِهٖ يَا رَافِعُ۔

"اے رافع! تم جو چہرہ لے کر گئے تھے اس چہرے کے ساتھ واپس نہیں آئے۔"

چنانچہ ہم دونوں مسلمان ہو گئے۔ سرکار دو عالم نے سورہ یوسف اور سورہ اقراء پڑھائی۔ نعمت ایمان اور قرآن کریم کی ان دو سورتوں کی دولت سرمدی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہم واپس مدینہ میں آ گئے۔" (۱)

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۶۴

یثرب : مقام ہجرت

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مقام کے جغرافیہ سے قارئین کو تفصیل سے آگاہ کروں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بطور ہجرت گاہ منتخب فرمایا تھا، جسے سوختہ دل عشاق کے لئے قرار جاں بننا تھا۔ جہاں سے خلوص وللہیت، ایثار و سخاوت، جوانمردی و شجاعت، عزیمت و استقامت کے ایسے شیریں اور روح پرور چشمے پھوٹنے تھے جن سے سارے عالم انسانیت کو سیراب ہونا تھا جس کے مطلع سے علم و حکمت کا ایک ایسا آفتاب طلوع ہونا تھا۔ جس کی کرنوں نے ظلم و ظلمات کو کافور کرنا تھا جس کی مسجد و مکتب میں ایسے ارشد تلامذہ کی تربیت کی تکمیل ہونا تھی۔ جس کے نفوس قدسیہ سے مردہ اقوام و ملل کو حیات نو بخشی جانے والی تھی۔ جنہوں نے بگڑے ہوئے انسان کو انسان کامل بنانے کا فریضہ انجام دینا تھا۔

اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔ جو مفصل بھی ہے اور بصیرت افروز بھی وہ لکھتے ہیں۔

عام کیفیت :۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام ہجرت یعنی یثرب مکہ مکرمہ سے کم و بیش دو سو اسی (۲۸۰) میل شمال میں تھا۔ یہی مقام ہے۔ جس نے مدینہ منورہ کے مقدس نام سے انظار و قلوب عالم کے لئے دائمی جلوہ آرائیوں اور ضیاگستریوں کا شرف پایا۔ یہ پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع مستطیل ہے۔ جس کا طول بارہ میل اور عرض کسی قدر کم ہے اس کے جنوب میں جبل عَیر ہے جو خاصا بلند ہے اور شمالی حد پر جو پہاڑ ہے اس کا نام جبل ثور ہے دائیں بائیں یعنی شرقاً غرباً لاوے کی دیواریں ہیں جنہیں "لابتین" یا حرتین کہتے ہیں۔ مشرقی جانب حرہ واقم اور غربی جانب حرہ وبرہ ہے۔ میدان کے جنوبی اور مشرقی حصے کی سطح کسی قدر بلند ہے اس لئے یہ "عالیہ" یا عوالی کہلاتا ہے۔ پھر جیسے جیسے شمالی جانب بڑھتے جائیں سطح کس قدر پست یا ہموار ہوتی جاتی ہے۔ میدان کے بیچ میں بھی چھوٹے بڑے ٹیلے ہیں مثلاً جبل سلع، جو شہر مدینہ منورہ سے قریب شمالی جانب ہے۔ اس سے آگے "جبل ذباب" اور مزید آگے بڑھ کر وادی

قناۃ کے جنوبی کنارہ پر جبل عینین یا "جبل رماۃ" ہے اس وادی کے شمال میں جبل عینین کے سامنے جبل احد ہے جو خاصا بلند اور طویل ٹیلہ ہے۔

وادیاں

میدان میں چشموں کے علاوہ وادیاں ہیں جن میں بارش کے وقت پانی بھرتا ہے جن کی مجمل سی کیفیت یہ ہے۔

۱۔ وادی "رانونا" "جبل عیر" سے نکل کر شمال جانب بہتی ہے۔

۲۔ حرہ واقم سے ایک وادی نکلتی ہے جس کا نام مہزور ہے۔ ایک اور وادی یعنی "مذینیب" کوئی سات میل سے آتی ہے یہ دونوں عوالی ہی میں مل جاتی ہیں اور متحدہ وادی کا نام بطحان ہے۔

۳۔ قباء سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر وادی رانونا، وادی بطحان میں مل جاتی ہے پھر یہ وادی جس کا نام بطحان ہی رہتا ہے شہر مدینہ کے جنوبی و مغربی حصہ سے گزرتی ہوئی شمالی جانب نکل جاتی ہے۔

۴۔ مدینہ منورہ سے قریباً تین میل شمال میں ایک وادی مشرقی جانب سے آتی اور جبل احد کے سامنے سے گزرتی ہوئی مغربی جانب نکل جاتی ہے۔

۵۔ ایک وادی جبل عیر کے جنوب سے آتی ہے اور اس کے مغربی گوشہ نیز حرہ وبرہ کے مغرب سے گزرتی ہوئی شمالی جانب جاتی ہے یہ وادی عقیق ہے۔

۶۔ بطحان، وادی قناۃ میں مل جاتی ہے پھر یہ دونوں جبل احد کے مغرب میں وادی عقیق سے مل کر تھوڑے فاصلے پر "زغابہ" میں پہنچ جاتی ہیں جو جبل احد کے شمال و مغرب میں ہے۔

آبادیاں

اس وسیع میدان میں ایک بستی نہ تھی۔ بہت سی چھوٹی بڑی آبادیاں یا مواضع تھے ان میں سے اکثر مدینہ منورہ کی توسیع میں ختم ہو گئے لیکن زیادہ تر جنوبی اور جنوبی و شرقی جانب ہی تھے۔ مثلاً

۱۔ قباء = مدینہ منورہ سے قریباً تین میل جنوب میں ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت میں سب سے پہلے پہنچے۔ اور چند روز قیام فرما رہے تھے۔ یہ اب بھی موجود ہے۔

۲۔ عالیہ یا عوالی = جنوب مائل بہ شرق یہ بھی موجود ہے۔

۳۔ یہود کے قبیلہ بنی نضیر کی بستی = جبل عَیر کے مشرق اور قباو عوالی کے جنوب مشرق

میں وادی مذینیب کے جنوبی کنارے پر تھی اس سے جانب جنوب کعب بن اشرف کا قلعہ تھا۔

۴۔ یہود بنی قریظہ کی بستی = عوالی میں وادی مہزور کے جنوبی کنارے پر تھی۔

۵۔ بنی ظفر، بنی عبدالاشہل، بنی حارثہ اور بنی معاویہ کی بستیاں = حرّہ واقم کے ساتھ ساتھ یکے بعد دیگرے جنوباً شمالاً واقع تھیں۔

٦۔ یثرب = اس زمانہ میں سب سے بڑی بستی تھی جس کا نشان اب بھی جبل سلع کے شمال مغرب میں وادی قناۃ، وادی بطحان کے مقام اتصال سے قریب ملتا ہے اور وسیع میدان کی تمام آبادیاں بحیثیت مجموعی یثرب ہی کے نام سے مشہور تھیں۔

۷۔ قبا اور مدینہ منورہ کے درمیان بھی کئی بستیاں تھیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبا سے مستقل مقام کی طرف روانہ ہوئے تو بنی سالم کے محلہ میں نماز جمعہ ادا کی تھی۔ وہاں مسجد الجمعطب تک موجود ہے گویا بنی سالم کا محلہ یا آبادی اسی جگہ تھی۔

۸۔ جو مقام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تجویز ہوا تھا وہاں (حضرت) عبدالمطلب کے ننہال کی آبادی تھی اسی آبادی میں حضرت ابوایوب انصاری کا مکان تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتدائی سات مہینے قیام فرما رہے۔ ان کے علاوہ آپ کے ہمسائے میں سعدؓ بن عبادہ، سعدؓ بن معاذ اور عمارہؓ بن حزم کے مکانات تھے۔ پھر آنحضرت نے وہیں زمین خرید کر مسجد تعمیر کرائی نیز ازواج کے لئے حجرے بنوائے آگے چل کر اسی آبادی نے شہری حیثیت اختیار کر لی یہی مقام مدینۃ الرسول، یا مدینۃ النبی کے نام سے مشہور ہوا۔ (۱)

مدینہ منورہ کا ماحول

اب صرف یہ عرض کرنا باقی رہ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر جس آبادی نے مرکزی حیثیت حاصل کی۔ اس کی عام کیفیت کیا تھی۔ اس کے جنوب، جنوب مشرق اور شمال مشرق میں کھجور کے گھنے باغات تھے جن میں سے اکادکا آدمی گزر سکتے تھے مگر کسی فوج کے لئے گزرنا ممکن نہ تھا۔ نیز ان حصوں میں ہر طرف چھوٹی چھوٹی بستیاں پھیلی ہوئی تھیں یثرب کے شمال مشرق میں بھی جبل احد تک ایسے ہی باغات تھے شمال جانب صرف تھوڑا سا حصہ ایسا تھا۔ جہاں سے کوئی فوج مدینہ منورہ پر چڑھائی کر سکتی تھی قیاس یہ ہے کہ جنگ احزاب کے موقع پر اسی حصہ میں خندق کھودی گئی تھی جس کی حد "آثار المدینۃ

۱۔ رسول رحمت صفحہ ۱٦۵۔ ۱٦۷

المنورہ" میں شمال مشرق سے شمال مغرب تک بتائی گئی ہے۔ محمد حسین ہیکل مرحوم نے "فی منزل الوحی" میں اس کی پیروی کی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے خندق کی ابتداء دیار بنی عبدالاشہل سے کی ہے گویا "لابہ شرقیہ" (حرۃ واقم) کی جڑ سے پہلے اسے حرۃ وبرہ تک لے گئے ہیں پھر لوٹا کر جبل سلع کے شمالی و مغربی کونے سے ملا دیا ہے بعد ازاں وادی بطحان کے ساتھ اسے اس مقام تک لے آئے جہاں بطحان اور رانونہ کا اتصال ہوا ہے گویا پوری شمالی اور پوری مغربی سمت خندق کے اندر آگئی جتنے حصہ سے دشمن کے حملہ کا امکان تھا وہ پورا محفوظ کر لیا۔

غرض ڈاکٹر حمید اللہ کے نزدیک خندق تقریباً ساڑھے تین میل لمبی۔ دس گز چوڑی اور اتنی ہی گہری تھی۔ (۱)

یثرب کے باشندے

یثرب بستی کا سنگ بنیاد کس نے رکھا؟ اس کے اولین مکین کون تھے؟ اس بارے میں مورخین کے متعدد اقوال ہیں لیکن علامہ نور الدین السمہودی نے "وفاء الوفاء" میں جس قول کو ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ یثرب کے بانی عمالقہ تھے۔ جو عملاق بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے تھے انہوں نے بہت عروج حاصل کیا یہاں تک کہ وسیع و عریض رقبہ ان کے زیر نگین آگیا۔ بحرین، عمان، اور حجاز کا سارا علاقہ شام اور مصر کی حدود تک ان کی قلمرو میں داخل تھا۔ مصر کے فراعنہ بھی انہی کی نسل سے تھے۔ بحرین اور عمان میں ان کی نسل سے جو لوگ آباد ہوئے انہیں جاسم کہا جاتا ہے۔ (۲)

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ

اِنَّ الَّذِیْ اِخْتَطَّ یَثْرِبَ مِنَ الْعَمَالِیْقِ وَھُوَ یَثْرِبُ بْنُ مَھْلَایِلَ بْنَ عُوْصِ بْنِ عَمْلِیْقٍ۔

"کہ عمالقہ میں سے جس نے سب سے پہلے یثرب شہر کی نشاندہی کی اس کا نام یثرب بن مہلایل بن عوص بن عملیق تھا اس کے بانی کے نام پر اس شہر کا نام یثرب مشہور ہوا۔" (۳)

۱۔ رسول رحمت صفحہ ۱۶۹

۲۔ وفاء الوفا، جلد اول، صفحہ ۱۰۷

۳۔ مقدمہ ابن خلدون ۳۹ المجلد الثانی۔ القسم الاول

علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں۔

وَكَانَ اَوَّلُ مَنْ زَرَعَ بِالْمَدِيْنَةِ وَاتَّخَذَ بِهَا النَّخْلَ وَعَمَّرَ بِهَا الدُّوْرَ وَالْاٰطَامَ وَاتَّخَذَ بِهَا الضِّيَاعَ الْعَمَالِيْقُ وَهُمْ بَنُوْ عَمْلَاقِ بْنُ اَرْفَخْشَذَ بْنِ سَامِ بْنِ نُوْحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ

"یعنی مدینہ میں جس نے سب سے پہلے کھیتی باڑی کی۔ کھجور کے درخت لگائے۔ مکانات اور قلعے تعمیر کئے۔ زرعی فارم قائم کئے وہ عمالیق تھے۔ ان کا نسب یہ ہے۔ بنو عملاق بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام" (۱)

یہودیوں کی آمد

یہودیوں کے یثرب میں آکر آباد ہونے کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعونیوں پر غلبہ حاصل ہوا تو آپ نے ایک لشکر شام پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا وہاں کنعانی قبائل رہائش پذیر تھے اس لشکر نے شام کو فتح کیا اور کنعانی قبائل کے افراد کو تہ تیغ کیا آپ نے دوسرا لشکر حجاز پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا وہاں عمالقہ آباد تھے وہ اس خطہ کے حکمران بھی تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ عمالقہ پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد ان کے سامنے دین موسوی پیش کریں اور انہیں دعوت دیں کہ وہ اس کو قبول کرلیں۔ لیکن جو بالغ لوگ اس دین کو قبول کرنے سے انکار کریں ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں چنانچہ آپ کے فرستادہ لشکر نے حجاز پر حملہ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت سے نوازا۔ حسب ارشاد انہوں نے ان لوگوں کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو پیش کیا اور انہیں اس پر ایمان لانے کی دعوت دی وہاں کے بادشاہ ارقم بن ابی ارقم سمیت عمالقہ میں سے جس نے بھی اس دین کو قبول کرنے سے انکار کیا ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ایک نوجوان جو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب تھا اس کے بے مثل حسن و جمال کی وجہ سے اس کو قتل نہ کیا اور یہ طے کیا کہ ہم اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کریں گے آپ جو چاہیں اس کے بارے میں فیصلہ فرمادیں جب یہ فاتح لشکر واپس پہنچا تو

۱۔ معجم البلدان۔ جلد پنجم۔ صفحہ ۸۴

حضرت موسیٰ علیہ السلام رحلت فرما چکے تھے بنی اسرائیل کے لوگوں نے ان سے ان کی مہم کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی ہے اس کے بعد ہم نے ان کو دین موسوی قبول کرنے کی دعوت دی جنہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا وہ زندہ سلامت رہے اور جنہوں نے انکار کیا انہیں حسب ارشاد ہم نے قتل کر دیا۔ انہوں نے اس جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا یہ کون ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ بھی بنی عمالقہ کا ایک فرد ہے جس کے حسن و جمال کی وجہ سے ہم اس کو قتل کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ ہم اسے لے کر آئے تھے کہ اس کے بارے میں ہمارے نبی حضرت موسیٰ جو مناسب سمجھیں گے فیصلہ فرمائیں گے۔ وہ لوگ اتنی سی بات پر بپھر گئے۔ اور ان پر الزام لگایا کہ تم نے اپنے نبی کی حکم عدولی کی ہے ہم تمہیں اپنے ساتھ اس علاقہ میں رہائش پذیر ہونے کی اجازت نہیں دیں گے جاؤ جہاں تمہارا جی چاہے جا کر رہو۔

ان لوگوں نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ اگر ہمیں ہماری قوم، شام میں رہائش پذیر ہونے کی اجازت نہیں دیتی تو چلو اس شہر میں جا کر آباد ہو جائیں جس کو ہم نے فتح کیا اور جس کے باشندوں کو قتل کر دیا اس طرح یہودیوں کا پہلا قافلہ حجاز میں اقامت گزین ہو گیا۔ (۱)

کچھ عرصہ بعد کاہن بن ہارون علیہ السلام کی اولاد بھی یہاں آ کر بس گئی۔

علامہ سمہودی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نقل کرتے ہیں کہ جب بخت نصر نے شام کو فتح کیا اور یروشلم پر قبضہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور یہودیوں کے قتل عام سے خون کے دریا بہا دیئے اور لاکھوں کی تعداد میں انہیں پابہ زنجیر ہانک کر بابل لے آیا اس وقت یہودیوں کی جمعیت کا شیرازہ بکھر گیا ان میں سے چند قبائل حجاز کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنی آسمانی کتاب تورات میں جا بجا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر خیر پڑھا تھا وہاں یہ بھی لکھا تھا کہ وہ نبی کریم اپنا وطن چھوڑ کر ایسی جگہ قیام فرما ہوں گے جہاں نخلستان ہوں گے دونوں طرف جلے ہوئے پتھروں کے سیاہ میدان ہوں گے انہیں یہ شوق حجاز کی طرف لے آیا کہ شائد انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے۔ اور وہ حضور پر ایمان لانے کی سعادت سے بہرہ ور ہو جائیں۔ اگر انہیں اپنی زندگی میں یہ سعادت نصیب نہ ہوئی تو وہ اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کو یہ وصیت کر جائیں گے کہ جب بھی وہ نبی مکرم مبعوث ہو تو ذرا تامل کئے بغیر آگے بڑھیں اور اس

۱۔ معجم البلدان، جلد پنجم، صفحہ ۸۴

کے دست مبارک پر بیعت کریں اور السابقون الاولون میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کریں۔

جب یثرب کے مقام پر ان کا کارواں پہنچا تو انہیں وہ تمام علامتیں یہاں نظر آئیں جو نبی الانبیاء کے مقام ہجرت کے بارے میں تورات میں مرقوم تھیں۔ انہوں نے وہیں اقامت اختیار کرلی اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا انتظار کرنے لگے اس انتظار میں صدیاں بیت گئیں لیکن جب وہ مہر مبین مطلع یثرب پر نور افشاں ہوا تو حسد کے مارے انہوں نے حضور پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور اسلام کی تحریک کو ناکام کرنے کے لئے اپنے سارے وسائل اور صلاحیتیں جھونک دیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

امام ابن جریر طبری نے بھی یہود کے حجاز میں آکر آباد ہونے کی یہی وجہ لکھی ہے کہ جب بخت نصر نے شام کو فتح کیا بیت المقدس کے ہیکل سلیمانی اور دیگر مذہبی عبادت گاہوں کو پیوند خاک کر دیا تو یہ لوگ وہاں سے جان بچا کر حجاز کے مختلف مقامات پر آباد ہو گئے اور ان کے چند قبائل نے یثرب کو اپنا وطن بنالیا۔

مرور زمانہ سے یہود کے دو قبائل ابتدا میں آکر یہاں آباد ہو گئے تھے ان کی نسل بڑھی ان کے علاوہ کئی دوسرے یہود قبیلے بھی یہاں آکر آباد ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ یہودی قبائل کی تعداد پچیس تیس کے قریب ہو گئی۔ جب ان کی بستیوں میں رونق بڑھی تو ارد گرد کے عربی قبائل بھی وہاں آکر رہائش پذیر ہونے لگے ان سب نے حالت جنگ یا حالت فتنہ وفساد میں اپنے اپنے دفاع کے لئے چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر کر لئے تھے۔ یہودیوں کے قلعوں کی تعداد انسٹھ تھی اور عرب قبائل کی گڑھیوں کی تعداد تیرہ تھی۔

اوس و خزرج کی آمد

کئی صدیوں تک یہود اس علاقہ میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے رہے تمام زرخیز زرعی زمینیں ان کے قبضہ میں تھیں تجارتی منڈیوں اور بازاروں پر ان کا تسلط تھا۔ تورات کے حامل ہونے کی وجہ سے علم و فضل میں بھی ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ اوس و خزرج کا نسب نامہ پہلے بیان کر آئے ہیں یہ دونوں سگے بھائی تھے اور قحطان کی ذریت سے تھے ان کا آبائی وطن یمن تھا۔ مآرب کے مقام پر جو عظیم الشان بند تعمیر کیا گیا تھا۔ اس نے ملک کی زرعی معیشت میں انقلاب

برپا کر دیا تھا۔ یمن میں کوئی دریا نہ تھا۔ خاص موسم میں بارش برستی تھی پہاڑی ندی نالوں میں پانی بھر کر آتا تھا اس سے کچھ آبپاشی ہوتی تھی اور باقی پانی سمندر میں کھاری پانی کے ساتھ مل کر ضائع ہو جاتا تھا۔ یمن کے ایک بیدار مغز حکمران نے اس بند کو تعمیر کیا تمام برساتی نالوں کا پانی یہاں آکر جمع ہوتا یہ ایک فرسخ لمبا اور ایک فرسخ چوڑا تھا۔ یہ سنگلاخ چٹانوں سے بنایا گیا تھا اوپر نیچے اس کے تین دروازے تھے اس سے نیچے ایک بہت بڑا وسیع تالاب تھا جس سے بارہ نہریں نکالی گئی تھیں جو ملک کے ہر حصہ کو آبپاش کرتیں۔ جب ڈیم بھرا ہوتا تو سب سے اونچا دروازہ کھولا جاتا اور اس سے پانی نکل کر نیچے ذخیرہ میں آتا اور وہاں سے حسب ضرورت نہروں میں چھوڑ دیا جاتا۔ پانی کی سطح کم ہوتی تو درمیانی دروازہ کھولا جاتا اور جب بالکل پانی کم ہوتا تو نیچے والا دروازہ کھول دیا جاتا۔ یہ ڈیم اتنا بڑا تھا کہ موسم برسات میں ذخیرہ کیا ہوا پانی ان کی سال بھر کی ضرورتوں کے لئے کافی ہو جاتا۔ کچھ عرصہ تو وہ عنایات ربانی سے لطف اندوز ہوتے رہے اور شکر بجالاتے رہے لیکن جب عرصہ دراز اس لطف و تنعم میں گزرا تو ان میں سرکشی اور بے راہروی کے آثار نمودار ہونے لگے وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے نبی مبعوث فرمائے لیکن شیطان نے ان کو ایسا ورغلایا کہ انہوں نے اپنے مخلص ناصحین کے وعظ و نصیحت کو سننے سے انکار کر دیا اور برملا کہنا شروع کر دیا۔

مَا نَعْرِفُ لِلّٰهِ عَلَيْنَا نِعْمَةً قُولُوا لِرَبِّكُمْ فَلْيَحْبِسْ هٰذِهِ النِّعْمَةَ عَنَّا اِنِ اسْتَطَاعَ۔

"یعنی ہمیں تو کوئی علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کوئی احسان کیا ہے۔ بیشک اپنے رب کو کہو کہ اگر اس میں طاقت ہے تو جو انعام اس نے ہم پر کیا ہے وہ آئندہ نہ کرے۔"

جب ان کے فسق و فجور کی حد ہو گئی۔ تو مکافات عمل کا قانون حرکت میں آیا۔ غضب الٰہی موسلادھار بارشوں کی شکل میں ظاہر ہوا اس نے اتنے خوفناک سیلاب کی صورت اختیار کر لی کہ جب اس کی موجیں چٹانوں سے بنے ہوئے اس بند سے جا ٹکرائیں تو ان کو لرزا کر رکھ دیا کچھ لمحوں کے بعد پانی کا تند ریلا اس کے بھاری بھرکم پتھروں کو تنکوں کی طرح بہا لے گیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (ضیاء القرآن جلد چہارم سورۃ السبا آیات ۱۵ تا ۲۱)

اوس و خزرج کے جد اعلیٰ عمرو بن عامر کو جب یقین ہو گیا کہ یہ ڈیم جس پر ہماری خوشحالی کا انحصار ہے مسلسل بے اتفاقی کی وجہ سے کمزور ہوتا جا رہا ہے کسی وقت بھی اس کے ٹوٹنے کا تباہ

کن حادثہ پیش آسکتا ہے اور اس کے ٹوٹنے سے جو تباہی آئے گی اس کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ عمرو بن عامر کے عالیشان محلات اور حویلیاں اس کی دولت کے ذخائر اس کے غلے کے انبار بھی مآرب میں تھے اس نے اس سب کو بیچ کر مع اہل و عیال وہاں سے چلے جانے کا پروگرام بنایا۔ مآرب کا عظیم رئیس اگر اس طرح اپنی جائیداد کو فروخت کرتا تو سارے علاقے میں بے چینی کی لہر دوڑ جاتی اس نے اس کے لئے ایک عجیب و غریب حیلہ تراشا۔ اس نے ایک یتیم بچے کی پرورش کی تھی۔ بڑے لاڈ پیار سے اس کو پالا پوسا تھا۔ جب وہ جوان ہوا تو اس کی شادی بھی کر دی اور اس کے جملہ اخراجات کا خود ہی کفیل ہوا۔ عمرو نے اس کو ایک روز اپنے پاس تنہائی میں بلایا اور اسے کہا کہ جب ساری قوم میرے پاس جمع ہو تو میں تجھ سے کوئی بات چھیڑوں گا۔ یہاں تک کہ تلخ کلامی کی نوبت آجائے گی۔ جب شدت غضب میں میں تجھے سخت سست کہوں تو تم بھی مجھے ترکی بہ ترکی جواب دینا اور جب غصہ سے بے قابو ہو کر میں تجھے تھپڑ رسید کروں تو تو بھی اس کے جواب میں مجھے طمانچہ دے مارنا۔ یہ میرا حکم ہے۔ اس کی تعمیل تم پر لازمی ہے اسی میں میری اور تمہاری بہتری ہے۔

جب قوم کے افراد اس کے پاس جمع ہو گئے تو طے شدہ پروگرام کے مطابق اس نے اس یتیم سے گفتگو شروع کی بات بڑھتی گئی یہاں تک کہ غصہ میں آکر عمرو نے اس کو گالیاں دینا شروع کیں اس نے بھی ذرا لحاظ نہ کیا اور جواب میں گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ عمرو نے اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا اس یتیم نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس کو طمانچہ دے مارا اور اس وقت عمرو نے چلا کر کہا۔

وَاذُلَّاهُ الْيَوْمَ ذَهَبَ فَخْرُ عَمْرٍو وَمَجْدُهُ

"ہائے ذلت و رسوائی! آج عمرو کے فخر اور بزرگی کا جنازہ نکل گیا۔"

اس نے قسم کھائی کہ وہ اس جوان کو زندہ نہیں رہنے دے گا اس کو اس کی گستاخی کا مزا چکھا کر رہے گا۔ لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے اس لڑکے کو قتل ہونے سے بچا لیا لیکن عمرو نے برافروختہ ہو کر اعلان کیا۔

وَاللّٰهِ لَا اُقِيْمُ بِبَلْدَةٍ صُنِعَ بِيْ هٰذَا فِيْهِ اَبَدًا وَلَاَبِيْعَنَّ اَمْوَالِيْ كُلَّهَا وَاَرْحَلُ عَنْكُمْ.

"بخدا! میں اس شہر میں نہیں رہوں گا جہاں میرے ساتھ ایسا کیا گیا ہے میں اپنے تمام اموال کو فروخت کر دوں گا اور یہاں سے کوچ کر

جاؤں گا۔"

لوگوں نے اس کی برہمی کو غنیمت جانا دھڑا دھڑ اس کے مکانات، بنگلے، حویلیاں اس کی غیر منقولہ اور منقولہ سامان خریدنا شروع کر دیا۔ بنی ازد قبیلہ کے چند خاندانوں نے عمرو کی اقتدا کرتے ہوئی اپنی جائیدادیں فروخت کر دیں اور وہاں سے کوچ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔
جب عمرو اپنے اموال بیچنے سے فارغ ہوا تو اس نے لوگوں کو اپنے خدشات سے آگاہ کیا بہت سے لوگ اس کے ساتھ ترک وطن پر آمادہ ہو گئے اور جو باقی رہ گئے طوفان آیا اور انہیں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔

عمرو بن عامر اپنے فرزندوں اور بنی ازد کے قبائل کو ہمراہ لیکر روانہ ہوا اور یثرب کا رخ کیا مآرب سے رخت سفر باندھتے ہوئے اس نے تمام قبائل کے سامنے عرب کے مختلف علاقوں کی خصوصیات بیان کیں تاکہ ہر قبیلہ اپنے پسندیدہ علاقہ میں جاکر رہائش اختیار کر لے اس نے کہا۔

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ ذَاهَمٍّ بَعِيْدٍ وَجَمَلٍ شَدِيْدٍ وَمُرَادٍ حَدِيْدٍ
فَلْيَلْحَقْ بِقَصْرِ عُمَانَ الْمَشِيْدِ وَسَكَنَهَا اَزْدُ عُمَانَ۔

"تم میں سے جس کا حوصلہ بلند ہو جس کی سواری کے اونٹ تنومند ہوں اور اس کے سامنے مقصد بڑا عظیم ہو تو چاہئے کہ وہ عمان کے پختہ ایوانوں میں جاکر سکونت پذیر ہو جائے چنانچہ قبیلہ ازد نے وہاں جاکر سکونت اختیار کر لی۔"

عمرو نے کہا۔

وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ ذَاهَمٍّ غَيْرَ بَعِيْدٍ، وَجَمَلٍ غَيْرَ شَدِيْدٍ وَمُرَادٍ غَيْرَ حَدِيْدٍ فَلْيَلْحَقْ مِنْ اَرْضِ هَمْدَانَ وَكَانَ الَّذِيْنَ سَكَنُوْهُ وَدَاعَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ فَانْتَسَبُوْا فِي هَمْدَانَ۔

"تم میں سے جس کا حوصلہ بلند نہ ہو اور سواری کا اونٹ کمزور ہو اور اس کا مقصد بھی اہم نہ ہو۔ وہ ہمدان میں جاکر فروکش ہو جائے۔ چنانچہ اس کا بیٹا وداعہ، ہمدان میں جاکر رہائش پذیر ہو گیا۔"

عمرو نے کہا۔

وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ ذَا جَلَدٍ وَبَصْرٍ وَلَهٗ صَبْرٌ عَلٰى اَزَمَاتِ الدَّهْرِ
فَلْيَلْحَقْ بِبَطْنِ مُرٍّ فَسَكَنَتْهُ خُزَاعَةُ۔

"اور جو قبیلہ تم میں سے بہادر، صاحب بصیرت ہو۔ جو زمانہ کے حادثات پر صبر کر سکتا ہو اسے چاہئے کہ بطن مر میں جا کر ڈیرا ڈال دے چنانچہ بنی خزاعہ نے بطن مر کو اپنا وطن بنایا۔"

عمرو نے کہا۔

وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُرِيدُ الرَّاسِخَاتِ فِي الْوَحْلِ وَالْمُطْعِمَاتِ فِي الْمَحْلِ فَلْيَلْحَقْ بِالْحَرَّةِ ذَاتِ النَّخْلِ فَكَانَ الَّذِينَ سَكَنُوهَا الْأَوْسُ وَالْخَزْرَجُ۔

"جو قبیلہ تم میں سے ایسے علاقہ کا آرزومند ہو جہاں کیچڑ میں مضبوط پہاڑیاں ہوں۔ قحط سالی کے زمانہ میں جہاں پھلدار درخت ہوں تو وہ لاوہ کے اس میدان میں جائے جہاں نخلستان ہے چنانچہ اوس و خزرج نے اس علاقہ میں آکر رہائش اختیار کی۔"

عمرو نے کہا۔

وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ الْخَمْرَ وَالْخَمِيرَ وَالدِّيبَاجَ وَالْحَرِيرَ وَالْأَمْرَ وَالتَّأْمِيرَ فَلْيَلْحَقْ بِبُصْرَى وَسَدِيرٍ وَهُمَا مِنْ أَرْضِ الشَّامِ فَكَانَ الَّذِينَ سَكَنُوهُ آلُ جَفْنَةَ بْنِ غَسَّانَ۔

"اور جو شخص شراب اور خمیری روٹی کا شائق ہو۔ اور دیبا و ریشم کے کپڑے پہننا چاہتا ہو۔ اور حکم اور حکومت کا خواہاں ہو تو وہ بصری اور سدیر کا رخ کرے۔ یہ شام کے دو شہر ہیں وہاں آل جفنہ بن غسان خیمہ زن ہوئے۔"

عمرو نے کہا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الثِّيَابَ الرِّقَاقَ وَالْخُيُولَ الْعِتَاقَ وَالْكُنُوزَ مِنَ الْأَرْزَاقِ فَلْيَلْحَقْ بِالْعِرَاقِ وَكَانَ الَّذِينَ لَحِقُوا بِالْعِرَاقِ جُذَيْمَةُ الْأَبْرَشُ وَمَنْ كَانَ بِالْحِيرَةِ مِنْ غَسَّانَ۔

"جو قبیلہ باریک لباس اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور رزقوں کے خزانے چاہتا ہو۔ وہ عراق میں جا کر سکونت پذیر ہو چنانچہ جزیمہ الابرش، بنی غسان کے جو لوگ حیرہ میں آباد تھے وہ عراق میں منتقل ہو گئے۔" (۱)

۱۔ وفاء الوفا، جلد اول، صفحہ ۱۷۰۔ ۱۷۲

عمرو بن عامر، اپنے فرزندوں اور افراد خاندان اور بنی ازد کے قبائل کو ہمراہ لے کر مآرب سے روانہ ہو گیا اور یثرب کا رخ کیا۔ راستہ میں اس کا بھائی وداعہ بن عامر اس قافلہ سے جدا ہو کر ہمدان میں جا کر سکونت پذیر ہوا یہ قافلہ جب سراۃ اور مکہ کے درمیانی علاقہ میں پہنچا تو ازد کے چند قبائل وہاں رک گئے عمر کا ایک بیٹا عمران بھی وہاں ہی ٹھہر گیا۔ اس قافلہ نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ ایک چشمہ پر پہنچے جس کا نام غسان تھا۔ یہاں سے لحی جس کا نام ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن حارثہ تھا وہ اس قافلہ سے جدا ہو گیا وہاں سے وہ مکہ آیا اور بنو جرہم کے بادشاہ عامر جرہمی کی بیٹی سے شادی کی۔ اس کے بطن سے وہ عمرو بن لحی پیدا ہوا جس نے عرب میں بت پرستی کا آغاز کیا اور دین ابراہیمی میں طرح طرح کی تحریفیں کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا اس کی اولاد خزاعہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

لِاَنَّ اَبَاهُمْ اِنْخَزَعَ مِنْ غَسَّانَ

"کیونکہ اس کا باپ غسان کے چشمہ سے اپنے قافلہ سے جدا ہو گیا تھا۔" (۱)

یہ قافلہ عمرو بن عامر کی قیادت میں جس علاقہ سے گزرتا اس کو اپنا زیر نگین کرتا چلا جاتا۔ جب یہ لوگ مکہ کے نواح میں پہنچے تو اس وقت وہاں بنو جرہم کی بادشاہی تھی انہوں نے بنو اسماعیل کو حرم کی تولیت سے محروم کر کے خود قبضہ کر لیا تھا۔ عمرو کے بیٹے ثعلبہ نے بنی جرھم کو کہلا بھیجا کہ ہم یمن سے ترک وطن کر کے یہاں آئے ہیں۔ جہاں سے بھی ہمارا قافلہ گزرا وہاں کے لوگوں نے بڑی فراخدلی سے ہمارا استقبال کیا ہم یہاں کچھ عرصہ ٹھہرنا چاہتے ہیں اس اثنا میں ہم اپنے نمائندے گردونواح کے علاقوں کی چھان بین کے لئے بھیجیں گے جب ان کی طرف سے ہمیں اطلاع ملے گی جس علاقہ میں اپنی رہائش مناسب سمجھیں گے وہاں چلے جائیں گے۔ بنو جرہم نے ان کو یہاں ٹھہرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ثعلبہ نے دوبارہ انہیں کہلا بھیجا کہ ہمارے لئے یہاں رکنا ناگزیر ہے اگر تم خوشی سے ہمیں اجازت دو گے تو ہم تمہارے شکرگزار ہوں گے پانی اور چراگاہ میں تمہیں مساوی حق دیں گے اور اگر تم بخوشی اجازت نہیں دو گے تو ہم اپنی قوت بازو سے یہاں ٹھہریں گے پھر تمہارے مویشیوں کو متروکہ چراگاہوں میں چرنے کی اجازت ہو گی اور پینے کے لئے تمہیں گدلے پانی پر قناعت کرنا ہو گی اگر تم ہم سے جنگ کرو گے تو ہم اس کے لئے تیار ہیں اور اگر ہم نے تم پر غلبہ پا لیا تو تمہاری عورتوں کو قید کر کے اپنی باندیاں

۱۔ وفاء الوفا، جلد اول، صفحہ ۱۷۱

بنا لیں گے تمہارے مردوں کو تہ تیغ کر دیں گے اور آئندہ تم میں سے کسی کو حرم میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ بنو جرہم نے اس دھمکی کی بھی پروا نہ کی فریقین میں جنگ چھڑ گئی اور مسلسل تین دن تک جاری رہی۔ بنو جرہم کو شکست فاش ہوئی ان کی کثیر تعداد ماری گئی چند آدمی بھاگ کر جان بچا سکے ثعلبہ۔ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایک سال تک مکہ کے نواح میں خیمہ زن رہا۔ اس عرصہ میں انہیں بخار نے آلیا جس ملک کے یہ باشندے تھے وہاں بخار نام کی کوئی بیماری ہی نہ تھی انہوں نے زیادہ دیر وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ ہر قبیلہ نے اپنے لئے جو علاقہ پسند کیا تھا ادھر روانہ ہو گیا۔ اوس و خزرج جو حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کے فرزند تھے وہ یثرب کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں جا کر رہائش پذیر ہو گئے۔

علامہ یاقوت حموی کی تحقیق یہ ہے کہ جب یہ قافلہ یمن سے روانہ ہوا تو ثعلبہ نے وہاں سے ہی حجاز کا رخ کیا تھا اور ثعلبہ اور ذی قار کے درمیانی علاقہ میں اقامت اختیار کی اسی کے نام سے یہ علاقہ ثعلبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ وہ خود، اس کی ساری اولاد اور اس کے ساتھی یہاں ہی فروکش ہو گئے۔ جب یہ لوگ خوب پھلے پھولے۔ ان کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو طاقتور محسوس کرنے لگے تو انہوں نے ثعلبیہ سے رخت سفر باندھا اور یثرب میں آکر خیمہ زن ہو گئے۔ یہود کے قبائل یثرب میں پہلے سے سکونت پذیر تھے ان کے درمیان وہ بھی رہنے لگے۔ یہودیوں کی کئی آبادیاں یثرب سے باہر بھی تھیں خیبر۔ تیماء وادی القری وغیرہ اوس و خزرج کے بعض افراد وہاں چلے گئے لیکن ان کی اکثریت یثرب میں آباد ہو گئی۔

نسب قحطان

آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ اوس و خزرج کا سلسلہ نسب قحطان تک پہنچتا ہے۔ یمن میں آباد تمام قبائل کا جد اعلیٰ قحطان تھا۔ علماء کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے عربی زبان میں گفتگو کی وہ یہی قحطان تھا ان کی اولاد کو اَلْعَرَبُ الْمُتَعَرِبَۃ کہا جاتا ہے یعنی وہ لوگ جن کی مادری زبان عربی تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو اَلْعَرَبُ الْمُسْتَعْرِبَۃ کہا جاتا ہے کہ کیونکہ ان کی مادری زبان عربی نہ تھی انہوں نے بنو جرہم سے یہ زبان سیکھی تھی عربوں کی ایک تیسری قسم ہے جنہیں "العرب العاربہ" کہا جاتا ہے اس سے مراد عاد۔ ثمود۔ طسم۔ جدیس۔

عملیق وغیرہ وہ قبائل ہیں جو مٹ گئے ہیں جن کی نسل اب منقطع ہو چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ العرب المتعربہ یعنی اولاد قحطان اور العرب المستعربہ اولاد اسماعیل وعدنان دو الگ الگ شاخیں ہیں لیکن علم انساب کے مشہور ماہر زبیر بن بکار کی رائے یہ ہے کہ قحطان بھی عدنان کی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت سے ہے ان کا نسب نامہ یہ ہے۔

قحطان بن ہمیسع بن تیم بن نبت بن اسماعیل

صحیحین کی ایک حدیث، جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے اس سے بھی زبیر بن بکار کی رائے کی تائید ہوتی ہے منقول ہے۔

وَتِلْكَ اُمُّكُمْ يَا بَنِيْ مَآءِ السَّمَآءِ

"اے ماء السماء کے بیٹو! حضرت ہاجرہ تمہاری ماں ہیں۔ اور ماء السماء عامر کا لقب تھا اوس وخزرج کا جد اعلیٰ تھا۔"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

"وَهُوَ الَّذِیْ یَتَرَجَّحُ فِیْ نَقْدِیْ"

"میری تحقیق کے مطابق بھی یہی قول یعنی قحطان کا اولاد اسماعیل سے ہونا راجح ہے۔"

ایک دوسری روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اسلم اور خزاعہ کے قبیلے باہمی تیر اندازی میں مقابلہ کر رہے تھے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے فرمایا۔

اِرْمُوْا یَا بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ

"اے اسماعیل کے فرزندو؟ خوب تیر اندازی کرو۔"

اور آپ کو علم ہے قبیلہ اسلم اور خزاعہ یمنی قبائل ہیں جو قحطان کی ذریت سے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے دادا منذر بن عمرو کے یہ اشعار بھی زبیر بن بکار کی رائے کی تائید کرتے ہیں۔

وَرِثْنَا مِنَ الْبُهْلُوْلِ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ ۔۔۔ وَحَارِثَةَ الْغِطْرِیْفِ مَجْدًا مُؤَثَّلًا

مَآثِرَ مِنْ اٰلِ ابْنِ نَبْتِ بْنِ مَالِكٍ ۔۔۔ وَنَبْتِ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ مَا اِنْ تَحَوَّلَا

"ہم نے ابن عامر سے، جو ہمہ صفت موصوف سردار تھا۔ اور حارث سے

جو رئیس اعظم تھا۔ وہ بزرگی ورثہ میں لی ہے جس کی بنیادیں بہت گہری ہیں۔"

اور نبت بن مالک اور نبت بن اسماعیل سے وہ کملات ورثہ میں لئے ہیں جو تبدیل نہیں ہوئے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ عمرو بن عامر اور حارثہ. حضرت اسماعیل کے فرزند نبت کی اولاد میں سے تھے۔

اوس و خزرج

اوس و خزرج یہ دونوں سگے بھائی تھے. ان کے والد کا نام حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر تھا۔ اور ان کی والدہ کا نام قیلہ تھا۔ اوس کا ایک لڑکا تھا جس کا نام مالک تھا۔ لیکن اس کے بھائی خزرج کے پانچ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ عمرو، عوف، جشم، کعب اور حارث جب اوس کی وفات کا وقت قریب آگیا تو اس کے عزیزوں نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ اس کا صرف ایک لڑکا ہے جب کہ اس کے بھائی خزرج کے پانچ بیٹے ہیں انہوں نے اسے کہا کہ ہم نے تو بارہا تمہاری منت کی کہ کسی دوشیزہ سے شادی کر لو۔ لیکن تم نے ہماری بات نہ مانی تم دنیا سے رخت سفر باندھ رہے ہو اور صرف ایک لڑکا چھوڑ رہے ہو۔ اوس نے اپنے بھائیوں کی یہ بات سن کر کہا۔

لَن يَهلِكَ هَالِكٌ تَرَكَ مِثْلَ مَالِكٍ

"کہ جس کا مالک جیسا بیٹا ہو وہ ہلاک نہیں ہوتا۔"

آخر میں وہ اپنے بیٹے مالک کی طرف متوجہ ہوا اور اسے وصیت کی۔

اَیْ بُنَیَّ الْمَنِیَّةَ وَلَا الدَّنِیَّةَ

"اے بیٹے! موت قبول کرنا لیکن دنائت اور کمینگی کو ہرگز قبول نہ کرنا۔"

پھر فی البدیہ چند شعر کہے جس میں پند و موعظت تھی۔ آخری چند شعر آپ بھی سماعت فرمائیے۔

فَإِنَّ لَنَا رَبًّا عَلَى فَوْقَ عَرْشِهِ عَلِيمًا بِمَا يَأْتِي مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ

"ہمارا ایک پروردگار ہے جو اپنے عرش پر متمکن ہے۔ خیر و شر جو بھی ظاہر ہوتی ہے وہ اسے جانتا ہے۔"

اَلَمْ یَأْتِ قَوْمِی اَنَّ لِلّٰہِ دَعْوَۃً   یَفُوْزُ بِھَا اَھْلُ السَّعَادَۃِ وَالْبِرِّ

"کیا میری قوم کو اس بات کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دعوت ہے جس کو قبول کر کے سعادتمند اور صالح لوگ کامیابی اور کامرانی حاصل کریں گے۔"

اِذَا بُعِثَ الْمَبْعُوْثُ مِنْ اٰلِ غَالِبٍ   بِمَکَّۃَ فِیْمَا بَیْنَ زَمْزَمَ وَالْحِجْرِ

"جب غالب کے خاندان سے ایک نبی مبعوث کیا جائے گا جو مکہ میں زمزم اور حطیم کے درمیان ظاہر ہو گا۔"

ھُنَالِکَ فَابْغُوْا نَصْرَہٗ بِبِلَادِکُمْ   بَنِیْ عَامِرٍ اِنَّ السَّعَادَۃَ فِی النَّصْرِ

"اس وقت اپنے شہروں میں تم اس کی نصرت کی کوشش کرنا۔ اے عامر کی اولاد! اس کی نصرت میں ہی ساری سعادتوں کا راز مضمر ہے۔"

اس طرح اوس نے نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کے لئے اپنے مال و جان کی بازی لگانے کی وصیت کرتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا۔

اوس و خزرج کی اولاد کی اکثریت تو یثرب میں اقامت گزیں ہو گئی بعض شاخیں دوسرے علاقوں میں جاکر آباد ہو گئیں ان میں سے صرف وہ خاندان انصار کے معزز لقب سے ملقب ہوئے جو مدینہ طیبہ کے مکین بنے۔ (۱)

اوس و خزرج کے قبائل جب یثرب پہنچے تو اس وقت وہاں کی تمام زرعی زمینیں، تجارتی منڈیاں اور بازار یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ انہوں نے اپنی رہائش کے لئے محلات اور بڑی بڑی حویلیاں تعمیر کی ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے چھوٹے قلعے بھی بنالئے تھے۔ تاکہ اگر کسی وقت کسی قوم سے جنگ کی نوبت آئے تو وہ ان میں مورچہ زن ہو کر اپنا دفاع کر سکیں۔ عددی قوت اور مادی وسائل کی ان کے پاس فراوانی تھی اوس و خزرج یثرب کی وادی میں بکھر کر مختلف مقامات پر فروکش ہو گئے کچھ یثرب کے بالائی علاقہ میں۔ کچھ اس کے نشیبی علاقہ میں۔ کچھ یہودیوں کے ساتھ ان کی کسی بستی میں۔ اور بعض نے اپنی رہائش کے لئے نئی بستیاں آباد کرلیں۔ کچھ عرصہ اوس و خزرج ان کے زیر سایہ اپنا وقت گزارتے رہے بعد میں انہوں نے یہودیوں سے دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ تاکہ اس وادی کے مکین امن و سکون کی زندگی بسر کر سکیں ایک دوسرے کو مشکوک نگاہوں سے نہ دیکھتے رہیں۔ انہوں نے طے کیا کہ یہاں آباد

۱۔ وفاء الوفا، جلد اول، صفحہ ۱۷۶

سارے قبائل بقائے باہمی کے اصول پر کار بند رہیں گے۔ اگر کوئی بیرونی دشمن اس معاہدہ کے کسی فریق پر حملہ آور ہو گا تو اپنے حلیف کا دفاع اور اس کی امداد سب کی مشترکہ ذمہ داری ہو گی وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ ان نووارد قبائل کی تعداد میں بھی اضافہ ہو تا گیا اور ان کی معاشی حالت بھی بہتر ہوتی گئی بنی قریظہ اور نضیر کے قبائل نے ان کی روز افزوں قوت سے ہراساں ہو کر دوستی کا وہ معاہدہ توڑ دیا اوس و خزرج بھی اپنی جگہ یہود سے خائف تھے کہ کہیں وہ انہیں اس علاقہ سے نکال نہ دیں۔ خوف ورجا کی ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار تھے کہ ان کے ہاں ایک نامور فرزند مالک بن عجلان پیدا ہوا جس نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اپنی قوم کے بکھرے ہوئے افراد کی شیرازہ بندی کی۔ دونوں قبیلوں نے متفقہ طور پر اسے اپنا سردار تسلیم کر لیا۔ اس طرح ان قبائل میں دن بدن اضافہ ہو تا چلا گیا۔ اسی اثناء میں ایک واقعہ رونما ہوا جس نے حالات کا رخ پھیر دیا۔

مالک کے زمانہ میں یہودی قبائل کا ایک بادشاہ الفطیُون نامی تھا۔ جو پرلے درجے کا فاسق وفاجر تھا۔ اوس و خزرج کے یہاں آباد ہونے سے پہلے اس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی کسی لڑکی کی شادی ہو تو وہ اپنے خاوند کے پاس جانے سے پہلے ایک رات اس کے شبستان عشرت کی زینت بنے گی۔ تب وہ اپنے خاوند کے حجلۂ عروسی میں قدم رکھے گی۔ دیگر قبائل کی دلہنوں کے ساتھ تو اس کا یہ رویہ تھا۔ لیکن اوس و خزرج اس سے مستثنیٰ تھے۔ اب اس نے ان کی عصمتوں پر ڈاکہ ڈالنے کا عزم کر لیا۔ اتفاق سے مالک بن عجلان کی بہن کی شادی کی تاریخ مقرر ہوئی۔ اس نے پیغام بھیجا کہ دلہن پہلی رات اس کے پاس گزارے گی دوسرے روز وہ اپنے خاوند کے پاس جائے گی۔ شادی کی تاریخ سے ایک روز پہلے مالک کی بہن گھریلو لباس میں باہر آئی اور اس مجمع کے پاس سے گزری جہاں اس کا بھائی مالک بیٹھا ہوا تھا وہ ایسی حالت میں گزری کہ اس کی پنڈلیاں برہنہ تھیں مالک یہ دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ تیزی سے گھر آیا اور اس حرکت پر اپنی بہن کو سرزنش کی۔ بہن نے کہا بھائی! تم اتنی سی بات پر برافروختہ ہو گئے ہو تمہاری بہن کے ساتھ آئندہ شب جو ہونے والا ہے وہ تو اس سے بہت زیادہ ہولناک ہے۔ مالک نے کہا بہن! تم اس کا فکر نہ کرو میں اس سے نپٹ لوں گا۔ دوسری شب جب اس کو دلہن بنا کر عورتیں الفطیون کے محل میں لے جانے لگیں تو مالک نے بھی عورتوں کا لباس پہن لیا۔ تلوار اپنی بغل میں دبالی اور عورتوں کے اس ہجوم کے ساتھ محل میں داخل ہو گیا عورتیں تو اس کی بہن کو وہاں پہنچا کر واپس آگئیں موقع پاتے ہی مالک نے اپنی بے نیام تلوار لہرائی اور اس فاسق کا

سر تن سے جدا کر دیا ملک الفطیون کو کیفر کردار تک پہنچا کر گھر واپس آ گیا اس نے یہودیوں کے بادشاہ کو قتل کیا تھا۔ اسے شدید ردعمل کا اندیشہ تھا۔ اس نے اپنے بچاؤ کے لئے ضروری سمجھا کہ اس کے قبیلے کے جو لوگ غسان کے چشمہ کے آس پاس آباد ہو گئے ہیں اور اس علاقہ کی حکومت کی باگ ڈور بھی اب ان کے ہاتھ میں ہے انہیں اپنی مدد کے لئے پکارے۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس نے اپنا قاصد روانہ کیا۔ جس کا نام رمق بن زید بن امرؤ القیس تھا وہ ایک چرب زبان خطیب اور قادر الکلام شاعر تھا۔ لیکن پرلے درجے کا بد صورت اور بد شکل۔ غسانیوں کے بادشاہ کا نام ابوجُبَیلہ تھا رمق نے ابوجُبَیلہ کے سامنے اپنی قوم کی مظلومیت اور یہودی قبائل کے ظلم و ستم اور فسق و فجور کا ایسا نقشہ کھینچا کہ ابوجُبَیلہ اپنے بنی عم کی امداد کے لئے تیار ہو گیا اس نے قاصد کی فصاحت و بلاغت اور اس کی بد صورتی کو دیکھ کر کہا عَسَلٌ طَيِّبٌ فِي وِعَاءٍ خَبِيثٍ پاکیزہ شہد ایک خبیث برتن میں۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ مالک خود غسان پہنچا۔ اتفاق سے وہاں تبع بن حسان بھی موجود تھا۔ جس نے غسان کے علاقہ کو فتح کیا اور اس کے بادشاہ کو اپنا باجگزار بنالیا۔ مالک نے دونوں (جُبَیلہ اور تبع) کو یہودیوں کی ستم رانیوں اور اپنی عصمت سے کھیلنے کے واقعات سے آگاہ کیا۔ تبع نے قسم کھائی۔

اَنْ لَّا يَقْرَبَ اِمْرَاَةً وَّلَا يَمَسَّ طِيْبًا وَّلَا يَشْرَبَ خَمْرًا حَتّٰى
يَسِيْرَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَيَذِلَّ مَنْ بِهَا مِنَ الْيَهُوْدِ

"کہ وہ جب تک یثرب پر چڑھائی کر کے یہودیوں کو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا نہ اپنی بیوی کے قریب جائے گا۔ نہ خوشبو لگائے گا اور نہ شراب پئے گا۔" (۱)

ابن قتیبہ نے المعارف میں لکھا ہے کہ ان ایام میں تبع غسان کے علاقہ کو زیر نگین کرنے کے لئے شام گیا ہوا تھا۔ اس علاقہ پر اس نے قبضہ کر لیا وہاں کے بادشاہ کو اپنا باجگوار بنالیا۔ انہیں ایام میں مالک وہاں پہنچا۔ اور دونوں سے ملاقات کی۔ دونوں نے اس کی امداد کا وعدہ کیا۔

مالک کی حمیت اور سیاسی سرگرمیوں سے یہودیوں کے متعدد سردار قتل کر دیے گئے یوں ان کا زور ٹوٹ گیا۔ اور اس علاقہ میں اوس و خزرج کی بالادستی کے دور کا آغاز ہوا۔ یہود نے

۱۔ وفاء اوفا، جلد اول، صفحہ ۱۸۱

جب محسوس کیا کہ وہ میدان جنگ میں ان نووارد قبیلوں کو شکست نہیں دے سکتے تو انہوں نے ان دونوں قبیلوں میں بدگمانیاں پیدا کرنا شروع کر دیں۔ اور ان کے دلوں میں حسد و عناد کی تخم ریزی میں مصروف ہو گئے۔ یہود کے کچھ قبیلے اوس کے حلیف بن جاتے اور بعض خزرج سے دوستی کا معاہدہ کر لیتے یوں دونوں قبیلوں کا اعتماد حاصل کر کے ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے کہ ان میں جنگ شروع ہو جاتی کشتوں کے پشتے لگ جاتے اور خون کی ندیاں بہنے لگتیں اس طرح انہیں آپس میں لڑا لڑا کر ان کی قوت کو کھوکھلا کرتے رہتے اور ان کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے۔ پہلی صدی عیسوی سے چھٹی صدی عیسوی تک اوس و خزرج میں خونریزی کا بازار گرم رہا۔ معمولی معمولی باتوں پر آتش فساد بھڑک اٹھتی سینکڑوں جوان اپنے بھائیوں کے ہاتھوں لقمہ اجل بن جاتے سینکڑوں شاد و آباد گھرانے اجڑ جاتے۔ ان تمام خونریزیوں کے پس پردہ یہود کی مکاریوں اور سازشوں کی روح فرسا داستانیں کار فرما ہوتیں۔

واقعہ ہجرت سے چار پانچ سال پہلے اوس و خزرج میں ایک لرزہ خیز خونریز جنگ ہوئی جس میں دونوں قبیلوں کے سینکڑوں بہادر جنگ جو قتل ہوئے اس جنگ کی آگ بھڑکانے میں بھی یہود کی دسیسہ کاریوں کا دخل تھا۔ جب بنو قیلہ کے مابین جنگ کے آثار نمایاں ہوئے تو بنو قریظہ نے بڑی راز داری سے اوس کے ساتھ ساز باز کی انہیں جنگ پر برانگیختہ کیا اور اپنے تعاون کا انہیں یقین دلایا۔ جب خزرج کو اس معاہدہ کا علم ہوا تو انہوں نے اپنا آدمی بھیج کر بنی قریظہ کو دھمکی دی کہ اگر تم نے ہمارے مقابلہ میں اوس کی امداد کی تو ہم تمہاری تکا بوٹی کر دیں گے تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم غیر جانبدار رہو۔ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان ٹانگ نہ اڑاؤ۔

بنو خزرج کے اس قاصد کو یہودیوں نے کہلا بھیجا کہ بے شک اوس کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہوا ہے انہوں نے ہم سے مدد طلب کی ہم نے ہامی بھر لی۔ لیکن اب ہم تم سے پکا وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اوس کی مدد نہیں کریں گے بنو خزرج نے کہا کہ ہمیں تمہارے اس قول پر اعتماد نہیں تم بطور یرغمال اپنے بچے ہمارے پاس گروی رکھو تب ہمیں تمہاری بات پر یقین آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے چالیس بچے بنو خزرج کے پاس بطور رہن رکھے کہ اگر وہ عہد شکنی کریں گے تو ان بچوں کو قتل کرنے میں بنو خزرج حق بجانب ہوں گے۔

دونوں قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی ابتدا میں بنو قریظہ غیر جانبدار رہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ

اوس کا پلڑا بھاری ہے تو انہوں نے بنو خزرج سے اپنا وعدہ توڑ دیا کہ وہ غیر جانبدار رہیں گے۔ جب کسی نے انہیں ٹوکا کہ تمہارے چالیس بچے بنو خزرج کے پاس بطور یرغمال ہیں وہ انہیں قتل کر دیں گے تو ان کے ایک سردار کعب بن اسد القرظی نے کہا۔

اِنَّمَا هِيَ لَيْلَةٌ ثُمَّ تِسْعَةُ اَشْهُرٍ وَقَدْ جَاءَ الْخَلَفُ

"ان بچوں کی پروا نہ کرو وہ کیا ہیں ہماری ایک رات لگے گی بیویاں حاملہ ہو جائیں گی پھر نو ماہ ہمیں انتظار کرنا پڑے گا اور ان جیسے درجنوں بچے پیدا ہو جائیں گے۔" (۱)

انہوں نے اوس کو پیغام بھیجا۔ اٹھو دشمن کا مقابلہ کرو ہم سب فوراً تمہارے پاس آیا چاہتے ہیں خزرج کو جب اس عہد شکنی کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی کو کہلا بھیجا جس کے پاس بنو قریظہ کے بچے یرغمال تھے کہ انہیں قتل کر دو۔ ابن ابیّ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا الٹا اپنے قبیلہ پر غداری کا الزام لگایا اس کی اس طوطا چشمی کو دیکھ کر عمرو بن نعمان نے اسے بزدلی کا طعنہ دیتے ہوئے کہا۔

اِنْتَفَخَ وَاللّٰهِ سَحْرُكَ یعنی دشمن کے خوف سے تمہارے پھیپھڑے پھول گئے ہیں۔ یہود اس جنگ میں اوس کے حلیف تھے جب اوس کو فتح حاصل ہوئی تو یہودیوں نے قسم کھائی کہ وہ عبداللہ بن ابیّ کے قلعہ کو پیوند خاک کر کے رہیں گے۔ جب انہوں نے اس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا عبداللہ بن ابیّ نے انہیں کہا دیکھو: اس جنگ میں، میں نے اپنی قوم کا ساتھ نہیں دیا بلکہ بار بار انہیں منع کیا کہ وہ تم سے نہ لڑیں لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی۔ نیز تمہارے بچے جو میرے پاس بطور یرغمال تھے میں نے ان کی حفاظت کی۔ میری قوم نے مجھے مجبور کیا کہ میں انہیں موت کی گھاٹ اتار دوں لیکن میں نے ان کی یہ بات نہیں مانی۔ یہ دیکھو تمہارے بچے زندہ وسلامت میرے پاس موجود ہیں۔ یہ سن کر یہود اس سے خوش ہو گئے اسے یقین دلایا کہ اوس اور قریظہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے اور ہم تمہاری حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔

اس جنگ میں اوس کا سالار حُضیر تھا۔ جو مشہور صحابی حضرت اُسید کا والد تھا۔ اور حضیر الکتائب کے لقب سے مشہور تھا۔ بنی خزرج کا سالار عمرو بن نعمان بیاضی تھا۔ جنگ کے ابتدائی مراحل میں بنو خزرج کا پلہ بھاری تھا۔ حضیر نے اوس کو للکارا کہ خبردار! تم میں سے کوئی شخص پیچھے نہ ہٹے اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے رہو اور دشمن کا مقابلہ کرو اس کی اس جرأت مندانہ للکار سے اوس

۱۔ وفاء الوفاء، جلد اول، صفحہ ۲۱۷

کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور انہوں نے یوں داد شجاعت دی کہ خزرج کو گھٹنے ٹیکنے پڑے یہ جنگ بعاث کے مقام پر لڑی گئی تھی اس لئے تاریخ میں جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے۔

صدیوں سے اوس و خزرج آپس میں برسرپیکار تھے کبھی کسی کا پلڑا بھاری ہوتا کبھی کسی کو راہ فرار اختیار کرنی پڑتی جنگوں کے اس غیر متناہی تسلسل نے انہیں کمزور کر کے رکھ دیا۔ کسی کو فتح ہو یا شکست فریقین کے بہادر اور شجاع اس جنگ کی بھٹی میں جل کر راکھ ہو جاتے۔

روزمرہ کی قتل و خونریزی سے آخر وہ تنگ آ گئے انہوں نے مشورہ کیا کہ اس کشت و خون سے نجات پانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا حاکم مقرر کر لیں اور دونوں قبیلے ہر حالت میں اس کی اطاعت کا وعدہ کریں جب بھی ہمارے درمیان کوئی مسئلہ پیدا ہو تو اس کو میدان جنگ میں حل کرنے کی بجائے اپنے اس حاکم کے سامنے پیش کریں۔ وہ جو فیصلہ کرے دونوں فریق اس کو بطیب خاطر قبول کر لیں۔

اس وقت دو آدمی ایسے تھے جن سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھا سکیں گے ایک عبداللہ بن ابی جو بنی خزرج قبیلہ کا فرد تھا دوسرا ابو عامر راہب جو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا تھا ابو عامر کی نشست و برخاست علماء یہود کے ساتھ بکثرت تھی وہ ان علماء سے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد حضور کی صفات و کملات کا ذکر سنتا رہتا تھا اس لئے حضور کی محبت اس کے دل میں پیدا ہو گئی جہاں بیٹھتا جہاں جاتا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر کرتا۔

یثرب سے وہ تیماء پہنچا۔ یہ بھی یہودیوں کی ایک بستی تھی۔ وہاں کے علماء سے بھی سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے بارے میں معلومات حاصل کیں وہاں سے شام پہنچا عیسائی علماء کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے بھی حضور کی آمد اور حضور کی صفات حمیدہ کے بارے میں اسے بہت کچھ بتایا۔ اس طویل سیاحت کے بعد پھر یثرب آیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے دعویٰ کیا "انا علے دین الحنیفیہ" کہ میں دین حنیف پر کاربند ہوں۔ پھر وہ راہب بن گیا۔ اور راہبوں کی طرح اونی لباس پہننے لگا اور اس انتظار میں اپنے شب و روز بسر کرنے لگا کہ حضور مبعوث ہوں گے تو وہ سب سے پہلے حضور کی بیعت کا شرف حاصل کرے گا۔ آہستہ آہستہ وہ لوگوں کی عقیدت کا مرکز بنتا گیا۔ اور اس کے معتقدین اور مریدین کا اچھا خاصا حلقہ معرض وجود میں آ گیا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو حضور کی بعثت کی اطلاع یثرب بھی پہنچی لیکن اسے توفیق نصیب نہ ہوئی کہ جس نبی کی آمد کے لئے وہ عرصہ سے چشم براہ تھا۔ اس کی خدمت اقدس میں حاضری کا شرف حاصل کرے اور اس طرح اپنی زندگی کے دامن کو سعادت دارین کی دولت سے معمور کرے۔ وقت گزرتا گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور اس کے معتقدین کی اکثریت اس کو چھوڑ کر دامن مصطفوی سے وابستہ ہوتی گئی یہ حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ ایک روز حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ آپ کا دین کون سا ہے۔ جس کا آپ پرچار کرتے رہتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔

"جِئْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ دِينِ اِبْرَاهِيْمَ"

"کہ میں ابراہیم کے دین حنیف کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔"

ابو عامر نے کہا کہ میں پہلے ہی اس دین پر عمل پیرا ہوں مقصد یہ تھا کہ مجھے یہ سعادت پہلے ہی حاصل ہے۔ مجھے آپ پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں اللہ کے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس دین حنیف سے تیرا کیا واسطہ۔ کہنے لگا حضرت ابراہیم کے دین میں آپ نے کئی چیزوں کا اضافہ کر دیا ہے حضور نے جواب دیا۔

مَا فَعَلْتُ وَلٰكِنِّي جِئْتُ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً

"کہ میں نے اس میں ذرا اضافہ نہیں کیا بلکہ میں تو اس دین کو اس طرح لایا ہوں یہ سفید و براق ہے اور ہر آلائش سے پاک۔"

اس نے یہ سن کر کہا۔

اَلْكَاذِبُ اَمَاتَهُ اللّٰهُ طَرِيْدًا غَرِيْبًا وَحِيْدًا

"جو جھوٹا ہو اللہ تعالیٰ اسے اپنے وطن سے دور غریب الدیار بنا کر کسمپرسی کے عالم میں موت دے۔"

سرکار نے فرمایا۔ آمین: چنانچہ اس کذاب نے اپنے لئے جو موت مانگی تھی اسی سے اسے دوچار کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ مدینہ کو چھوڑ کر مکہ آگیا جب مکہ فتح ہوا اور وہاں اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو وہ بھاگ کر طائف پہنچا۔ اہل طائف نے جب اسلام قبول کیا تو وہاں سے بھاگ کر شام چلا گیا اور وہاں ہی غریب الوطنی، کسمپرسی اور نامرادی کی موت مرا۔ اور نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمین کا اثر ساری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

حسد کی آگ اتنی ظالم ہے کہ انسان حق کو جانتے اور پہچانتے ہوئے بھی اس کو قبول کرنے کی سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس آگ کے شعلوں میں وہ بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ یثرب میں ایک اور شخص بھی تھا۔ جو حسد کی موذی بیماری میں مبتلا تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ بنی خزرج سے تھا۔ اس کا نام عبداللہ بن ابی بن سلول خزرجی تھا۔ دراز قامت، بارعب چہرہ۔ چرب زبان اور سیاست کے میدان کا شہسوار تھا۔ جب اوس و خزرج آئے روز کی جنگوں سے تنگ آگئے اور اپنا ایک حکم مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو سب کی نگاہیں عبداللہ بن ابی پر پڑیں۔ حتی کہ دونوں قبیلوں نے بالاتفاق اس کو اپنا حکم مقرر کرنے کا عزم کر لیا۔ زرگر نے آکر اس کے سر کا ماپ لیا تاکہ اس کے لئے سونے کا تاج تیار کرے۔ تاج پوشی کی رسم ادا کرنے کے لئے ایک شاندار تقریب کے انعقاد کے انتظامات ہو رہے تھے اسی اثناء میں یثرب کے افق پر جمال محمدی کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا۔ جس کی دلکش کرنوں نے دلوں میں انقلاب برپا کر دیا اس انقلاب کی موجوں میں دوسری خرافات کے ساتھ ساتھ عبداللہ بن ابی کی تقریب تاج پوشی اور اس کا سنہرا تاج بھی خس و خاشاک بن کر بہ گیا۔ ابن ابی نے جب سارے ماحول کو یکایک بدلا ہوا دیکھا تو اس نے اپنی نجات اس میں مضمر سمجھی کہ وہ کھل کر اپنی قوم کی مخالفت نہ کرے بلکہ اسلام قبول کرنے میں ان کا ساتھ دے اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرے جب حالات ساز گار ہوں تو پھر وہ اپنے دلی ارمان کو پورا کرے۔ اس کے دل میں تو کفر کا اندھیرا تھا حسد کی آتش عالم سوز بھڑک رہی تھی لیکن بظاہر اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا جیسے جیسے اسلام کو ترقی اور عروج نصیب ہوتا گیا اس کی آتش حسد تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ جب تک زندہ رہا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مشکلات پیدا کرتا رہا۔ آخر اس آگ میں جل کر راکھ ہو گیا۔

جنگ بعاث

ہجرت سے چار پانچ سال پہلے یثرب میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا جسے کتب تاریخ میں جنگ بعاث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعاث ایک جگہ کا نام ہے بعض اسے قلعہ کا نام بتاتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ ایک کھیت تھا جو بعاث کے نام سے مشہور تھا۔ المنجد میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:۔

مدینہ طیبہ کے نواح میں ایک موضع کا نام تھا جہاں یہود کا قبیلہ بنو قریظہ آباد تھا۔ اس

موضع کو اسی جنگ کی وجہ سے شہرت ملی جو اوس اور خزرج قبیلوں میں یہودیوں کی دسیسہ کاری کے باعث لڑی گئی تھی۔ یہ ہجرت سے چند سال پہلے کا واقعہ ہے۔ (۱)

اوس و خزرج کے دو قبیلوں کے درمیان اس مقام پر سخت خونریز جنگ ہوئی جس میں فریقین کے نامی گرامی بہادر اور رئیس مارے گئے۔ اس جنگ میں قبیلہ اوس کے سردار کا نام حُضیر تھا۔ جو حضرت اُسید کا والد تھا۔ یہ بھی اس جنگ میں مقتول ہوا۔ اسے حضیر الکتائب کہا جاتا تھا۔ قبیلہ خزرج کے سردار کا نام عمرو بن نعمان البیاضی تھا۔ یہ بھی اسی جنگ میں مارا گیا لڑائی کے آغاز میں خزرج کی فتح کے آثار نمایاں تھے آخر میں اوس کا پلڑا بھاری ہو گیا اور وہ فتح یاب ہوا۔ لیکن دونوں قبیلوں کا ناقابل تلافی جانی نقصان ہوا۔ بڑے بڑے سردار اور جنگ جو بہادر موت کی گھاٹ اتار دیئے گئے۔ یہ سب یہودی قبائل کی سازشوں کا نتیجہ تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی یثرب میں تشریف آوری سے جب یہ لوگ مشرف باسلام ہوئے تو انہیں اخوت و محبت کے رشتہ میں پرو دیا گیا اور یہ بھائی بھائی بن گئے۔ پھر بھی یہودی ان میں فتنہ فساد کی آگ بھڑکانے سے باز نہ آتے تھے۔ جب بھی انہیں موقع ملتا وہ انہیں مشتعل کرنے کی کوششیں کرتے لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بروقت چارہ گری سے یہودیوں کو ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔

قبائل انصار میں اشاعت اسلام کا آغاز

نبوت کا گیارھواں سال ہے موسم حج قریب آگیا ہے جزیرہ عرب کے دور دراز علاقوں سے لوگ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ پہنچ رہے ہیں دین فطرت کے مبلغ دل نواز صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم حسب دستور ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے ہیں اور ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن وہی سرد مہری ہے. اور وہی بے رخی ہے. جس کا مظاہرہ یہ لوگ کئی سالوں سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عقبہ کے پاس پہنچے تو وہاں بنی خزرج کے ایک گروہ سے ملاقات ہو جاتی ہے ان سے پوچھا "مَنْ اَنْتُمْ؟" تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم قبیلہ خزرج کے چند افراد ہیں حضور نے پھر

ا۔ المنجد، جلد دوم، صفحہ ۱۳۶

پوچھا کیا تم وہ لوگ ہو جن کی یہود سے دوستی ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ نبی مکرم نے فرمایا ذرا بیٹھ نہیں جاتے ہو۔ کچھ باتیں کرلیں۔ انہوں نے کہا بسروچشم۔(۱)

پس وہ لوگ حضور کے پاس بیٹھ گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا پھر ان کے سامنے چند آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی۔

ان لوگوں کی خوش قسمتی یہ تھی کہ ان کے شہر میں چند یہودی قبائل بھی آباد تھے وہ لوگ صاحب علم اور اہل کتاب تھے جب کہ انصار کے قبائل بت پرست تھے۔ اکثر ان کے درمیان چھیڑ چھاڑ رہتی تھی جب جنگ کی نوبت آتی تو یہودی انہیں دھمکیاں دیتے کہتے عنقریب ایک نبی تشریف لانے والا ہے۔ ہم اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی پیروی کریں گے۔ پھر ہم تمہیں اس طرح بے دریغ قتل کریں گے جس طرح عاد و ارم کو قتل کیا گیا تھا۔ یہود کی اس قسم کی باتوں سے انصار بھی ایک نبی سے متعارف تھے۔ اور اس کا ذکر بار بار سنتے رہتے تھے جس کی آمد متوقع تھی۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو وہ آپس میں کہنے لگے۔ کہ یہ وہی نبی معلوم ہوتا ہے جس کی آمد کی دھمکیاں یہود ہمیں آئے روز دیتے رہتے ہیں جلدی سے ان پر ایمان لے آئیں ایسا نہ ہو کہ یہودی ان پر ایمان لانے میں ہم پر سبقت لے جائیں چنانچہ ان سب نے حضور کی دعوت دل و جان سے قبول کرلی۔ اور سارے کے سارے مشرف باسلام ہوگئے۔

۱۔ عقبہ:۔ اہل لغت نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے۔

اَلْمَرْقَى الصَّعْبُ مِنَ الْجِبَالِ، اَلطَّرِيْقُ فِيْ اَعْلَى الْجِبَالِ (المنجد)

پہاڑوں میں اوپر چڑھنے کا کٹھن راستہ. وہ راستہ جو پہاڑ کی چوٹی کی طرف جاتا ہے۔

علامہ یاقوت حموی اس کی تشریح کرتے ہیں۔

فَهِيَ عَقَبَةٌ بَيْنَ مِنٰى وَمَكَّةَ۔ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَكَّةَ نَحْوُ مِيْلَيْنِ وَ عِنْدَهَا مَسْجِدٌ وَمِنْهَا تُرْمٰى جَمْرَةُ الْعَقَبَةِ۔

عربی:۔ (معجم البلدان جلد چہارم صفحہ ۱۳۴)

منیٰ اور مکہ کے درمیان ایک اونچا ٹیلہ ہے جو عقبہ کے نام سے موسوم ہے یہاں سے مکہ دو میل کے فاصلہ پر ہے اس کے قریب ایک مسجد بھی ہے یہاں سے جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

پھر انہوں نے گزارش کی یارسول اللہ! ہماری قوم میں عداوت و بغض کے شعلے صدیوں سے بھڑک رہے ہیں باہمی دشمنیوں نے ہمیں پارہ پارہ کر دیا ہے ہم انہیں حضور کا یہ پیغام پہنچائیں گے جس دین پر ہم ایمان لائے ہیں انہیں بھی ترغیب دیں گے کہ وہ بھی اس کو قبول کرلیں۔ اگر وہ متفقہ طور پر سب ایمان لے آئیں تو پھر ہمارے ہاں حضور سے بڑھ کر کوئی معزز و محترم نہ ہوگا انہوں نے آئندہ سال پھر شرف باریابی حاصل کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے قلوب و اذھان کو نور اسلام سے منور کر کے اپنے وطن یثرب لوٹ گئے۔

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب فریضہ حج ادا کرنے کے لئے ماہ ذی الحجہ میں مکہ مکرمہ آیا کرتے لیکن عمرہ ادا کرنے کے لئے وہ ماہ رجب میں یہاں پہنچتے۔ گویا سال میں دو مرتبہ مختلف علاقوں کے عرب قبائل مکہ مکرمہ میں حاضری دیتے۔

حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ خزرج کے یہ چھ افراد ماہ رجب میں عمرہ کرنے کے لئے یہاں آئے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازش نے انہیں اپنے حبیب کی خدمت میں حاضر کر دیا اور ان کے دلوں کو حضور کی دعوت قبول کرنے کے لئے کشادہ کر دیا۔ (۱)

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس روز ایمان لانے والوں کی تعداد چھ تھی اور سب بنی خزرج قبیلہ کے افراد تھے ان خوش نصیبوں کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ ابو امامہ اسعد بن زرارۃ۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ قبیلہ خزرج میں سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت انہیں نصیب ہوئی۔ ان کا تعلق بنی النجار سے تھا۔

۲۔ عوف بن حارث۔ ان کی والدہ کا نام عفراء ہے۔

۳۔ رافع بن مالک بن العجلان۔ ان کا تعلق بنی زریق سے تھا۔

۴۔ قطبہ بن عامر بن حدیدہ۔ یہ بنی سلمہ قبیلہ کے فرد تھے۔

۵۔ عقبہ بن عامر ان کا تعلق قبیلہ بنی حرام سے تھا۔

۶۔ جابر بن عبداللہ بن رئاب۔ یہ بنی عبید قبیلہ سے تھے۔

شعبی زہری وغیرہما نے بھی ابن اسحاق سے اتفاق کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس رات ایمان لانے والوں کی تعداد چھ تھی اور سارے خزرج قبیلہ کے افراد تھے۔

موسیٰ بن عقبہ مشہور سیرت نگار کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد آٹھ تھی۔

وطن پہنچ کر انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی ملاقات کا حال اپنی

۱۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، جلد اول، صفحہ ۲۸۷

قوم کو بتایا۔ اس نئے دین سے انہیں متعارف کرایا نیز انہیں آگاہ کیا کہ انہوں نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اور اپنی قوم کے افراد کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ جو لوگ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دین اسلام سے اب تک ناواقف تھے ان لوگوں کی کوششوں سے وہ بھی متعارف ہو گئے اس طرح گھر گھر حضور کا ذکر خیر ہونے لگا۔

آئندہ سال یعنی بعثت کے بارہویں سال حج کے دنوں میں انصار کے بارہ آدمی عازم مکہ ہوئے ان کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ اسعد بن زرارہ۔ یہ پچھلے سال بھی حاضر ہوئے تھے۔

۲۔ عوف بن حارث۔ یہ بھی پہلے حاضر ہوئے اور ان کے بھائی۔

۳۔ معاذ بن حارث۔ یہ عوف کے بھائی تھے یہ دونوں اکٹھے حاضر ہوئے۔

۴۔ رافع بن مالک۔

۵۔ ذکوان بن عبد قیس۔

۶۔ عبادہ بن صامت۔

۷۔ یزید بن ثعلبہ۔

۸۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ۔

۹۔ عقبہ بن عامر۔

۱۰ عتبہ بن عامر۔

گذشتہ سال جو چھ خوش نصیب مشرف باسلام ہوئے تھے ان میں سے پانچ ان بارہ افراد میں شامل تھے۔ جو اس سال حاضر ہوئے صرف جابر بن عبداللہ حاضر نہ ہو سکے۔ یہ دس خزرجی تھے۔ اور بنی اوس سے یہ دو صاحبان حاضر ہوئے عویم بن ساعدہ۔ ابو الہیثم بن التیہان۔ (۱)

یہ بارہ افراد حضور کی خدمت اقدس میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کے لئے حج کے موسم میں مکہ مکرمہ پہنچے۔ اور عقبہ کے مقام پر حضور سے ملاقات نصیب ہوئی۔ سب نے حضور کے دست ہدایت بخش پر بیعت کی۔

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے بیعت عقبہ اولیٰ میں شرکت کی۔ ہماری تعداد بارہ تھی۔ اور بیعت کی تفصیل یوں بیان کی۔

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۷۸۔ ۱۷۹

فَبَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَيْعَةِ النِّسَآءِ وَ
ذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ تُفْتَرَضَ الْحَرْبُ
عَلٰى اَنْ لَّا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا نَسْرِقَ وَلَا نَزْنِيَ وَلَا
نَقْتُلَ اَوْلَادَنَا وَلَا نَاْتِيَ بِبُهْتَانٍ نَفْتَرِيْهِ بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَاَرْجُلِنَا
وَلَا نَعْصِيَهٗ فِيْ مَعْرُوْفٍ

"ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی ک۔"

"ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔ ہم بدکاری نہیں کریں گے۔ ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ اور نہیں لگائیں گے جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان۔ اور آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے کسی نیک کام میں۔"

ان امور پر بیعت لینے کے بعد حضور نے فرمایا۔

وَاِنْ وَفَيْتُمْ فَلَكُمُ الْجَنَّةُ۔ وَاِنْ غَشِيْتُمْ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَاَمْرُكُمْ
اِلَى اللّٰهِ۔ اِنْ شَآءَ عَذَّبَ وَاِنْ شَآءَ غَفَرَ۔

"اگر تم نے اس معاہدہ کو پورا کیا تو تمہیں جنت ملے گی اور اگر تم نے کسی شرط کو پورا نہ کیا تو تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد ہو گا چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔"

جن امور کو بجالانے کے معاہدہ کا یہاں ذکر ہے یہ بعینہ وہی امور ہیں جن کی بجا آوری کا وعدہ ان خواتین سے لیا جاتا جو اسلام کو قبول کرتی تھیں اور جس کا ذکر سورہ الممتحنہ کی درج ذیل آیت میں کیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ
بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا
يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ
فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(الممتحنہ: ۱۲)

اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں تو (اے میرے محبوب!) انہیں بیعت فرمالیا کرو اور اللہ سے ان کے لئے مغفرت مانگا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

(۶۰:۱۲) (۱۲:۶۰)

اگرچہ یہ آیت ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ اور عقبہ کے مقام پر یہ معاہدہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے لیکن چونکہ مضمون بعینہ وہی ہے اس لئے اس آیت کے نزول کے بعد اس معاہدہ کا نام معاہدۃ النساء رکھ دیا گیا اور اس کو عورتوں کی بیعت اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں جہاد کرنے کا وعدہ نہیں لیا گیا کیونکہ ابھی تک جہاد کا اذن بارگاہ الٰہی سے نہیں ملا تھا۔ اس بیعت کو اس لئے بھی عورتوں کی بیعت کہا گیا کیونکہ اس آیت میں صرف ان امور کا ذکر ہے جن کو بجالانا عورتوں پر بھی فرض ہے۔

اس بیعت کو بیعۃ العقبۃ الاولیٰ کہا جاتا ہے لیکن امام یوسف بن محمد الصالحی نے اس بیعت کو بیعۃ العقبۃ الثانیہ کہا ہے۔ اور گزشتہ سال چھ آدمیوں نے جو بیعت کی تھی اس کو امام موصوف نے بیعۃ العقبۃ الاولیٰ کہا ہے۔ (۱) اور آئندہ سال ہونے والی بیعت کو بیعۃ العقبۃ الثالثہ۔ عیون الاثر میں ابن سید الناس نے اسی قول کو اپنایا ہے۔ (۲)

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ واپس وطن جانے لگے تو ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی کو جو خاندان بنی ہاشم کے بڑے عظیم سپوت تھے ان لوگوں کے ہمراہ بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہاں جاکر وہاں کے نومسلموں کو قرآن کریم پڑھائیں۔ اسلام کے بنیادی احکام کی تعلیم دیں اور دین کی صحیح سمجھ سے انہیں بہرہ ور کریں۔ (۳)

ابن حزم نے جوامع السیرۃ میں اور ابن سید الناس نے عیون الاثر میں لکھا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مبلغ یثرب روانہ کئے ابن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر رضی اللہ

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۷۰

۲۔ عیون الاثر صفحہ ۱۵۵۔۱۶۱

۳۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۸۰

۴۔ عیون الاثر صفحہ ۱۵۵۔۱۶۱

عنہم۔ (۴)

موسیٰ بن عقبہ کا خیال یہ ہے کہ پہلے سال چھ آدمی اسلام قبول کر کے جب یثرب واپس گئے اور وہاں اسلام کی تبلیغ شروع کی تو انہیں ایک ایسے مبلغ کی ضرورت محسوس ہوئی جسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا زیادہ موقع ملا ہو نازل شدہ سارے قرآن کا وہ حافظ ہو۔ اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے کماحقہ آگاہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے واپسی کے چند ماہ بعد معاذ بن عفرا اور رافع بن مالک کو حضور کی خدمت میں بھیجا تاکہ ایک مبلغ یہاں روانہ فرمائیں۔ بیہقی نے ابن اسحاق کے بیان کو اتم کہہ کر موسیٰ بن عقبہ کے بیان پر اسے ترجیح دی ہے۔ (۱)

اس پر سب متفق ہیں کہ حضرت مصعب نے اسعد بن زرارہ کے پاس رہائش اختیار کی یثرب میں مصعب کو مقری کہا جاتا تھا۔ یہی سب کے امام بھی تھے سارے لوگ ان کی اقتدا میں نماز با جماعت ادا کرتے تھے کیونکہ اوس و خزرج میں باہمی عداوت تھی وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت مصعب پر کسی کو اعتراض نہ تھا۔ سب نے بالاتفاق ان کو اپنی نماز کا امام مقرر کیا۔

دار قطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر کی طرف لکھا کہ وہ مدینہ میں نماز جمعہ قائم کریں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ
اِلٰی مُصْعَبِ بْنِ عُمَیْرٍ یَاْمُرُہٗ بِاِقَامَۃِ الْجُمُعَۃِ۔ (۲)

بڑھاپے میں کعب بن مالک کی بینائی جاتی رہی تھی ان کے فرزند عبدالرحمٰن ان کا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں لے جایا کرتے تھے کعب بن مالک جب بھی جمعہ کی اذان سنتے تو ابی امامہ اسعد بن زرارہ کے لئے دعا فرماتے عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز ہمت کر کے اپنے والد سے اس دعا کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا ابو امامہ، وہ شخص ہے جس نے مدینہ طیبہ کے حرہ بنی بیاضہ میں ہزم النبیت کے مقام پر نماز جمعہ کی ابتداء کی۔ میں نے پوچھا اس وقت آپ لوگوں کی تعداد کتنی تھی انہوں نے فرمایا ہم چالیس آدمی تھے۔ (۳)

علامہ ابن کثیر ابن اسحاق کے حوالے سے حضرت مصعب کی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۸۰
۲۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۸۱
۳۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۸۱

میں ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جو درج ذیل ہے۔

ایک روز اسعد بن زرارہ، حضرت مصعب کو ہمراہ لے کر عبدالاشہل اور بنی ظفر کے علاقہ میں آئے سعد بن معاذ، اسد کی خالہ کا لڑکا تھا۔ اسعد اور مصعب بنی ظفر کے ایک باغیچہ میں چلے گئے اور وہاں ایک کنواں تھا جس کا نام بیر مرق تھا اس کے پاس جاکر بیٹھ گئے ارد گرد کے علاقہ میں جو مسلمان آباد تھے انہیں ان کی آمد کا پتہ چلا وہ بھی وہاں پہنچ گئے ان دنوں سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر، بنی عبدالاشہل میں اپنی اپنی قوم کے سردار تھے اور دونوں ابھی تک مشرک اور بت پرست تھے۔ جب انہیں علم ہوا کہ اسعد اور مصعب، دونوں بنی ظفر کے باغیچہ میں آئے ہوئے ہیں۔ تو سعد نے اسید کو کہا کہ تیرا باپ مرے تم ان دونوں کے پاس جاؤ جو ہمارے علاقہ میں آئے ہوئے ہیں تاکہ ہمارے ضعیف العقیدہ لوگوں کو وہ بے وقوف بنائیں، تم جاؤ ان کو سرزنش کرو۔ اور انہیں کہو کہ وہ آئندہ اس علاقہ میں آنے سے پرہیز کریں۔ اگر مجھے اپنے خالہ زاد بھائی اسعد کا پاس نہ ہوتا تو میں خود چلا جاتا اور تمہیں یہ زحمت نہ دیتا۔ سعد کے کہنے پر اسید اٹھا اپنا نیزہ سنبھالا اور بنی ظفر کے باغیچہ کی طرف چل پڑا جہاں اسلام کے دونوں مبلغ بیٹھے ہوئے تھے جب اسعد نے اُسید کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو حضرت مصعب کو کہا۔ وہ سامنے اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آرہا ہے۔ اسے یوں تبلیغ کرو کہ وہ اللہ کے دین کی تصدیق کرنے لگے۔ مصعب نے جواب دیا اگر وہ ہمارے پاس آکر بیٹھ گیا تو میں ضرور اس سے گفتگو کروں گا۔

اتنے میں اُسید وہاں پہنچ گیا اور منہ بسور کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا کہ تم ہمارے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے یہاں کیوں آئے ہو۔ اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو فوراً میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ حضرت مصعب نے کہا ذرا بیٹھئے ہماری بات تو سنئے اگر پسند آگئی تو قبول کر لینا اور اگر آپ کو ہماری بات پسند نہ آئی تو ہم خاموش ہو جائیں گے اور آپ کو ایسی بات نہیں سنائیں گے جس کا سننا آپ پسند نہیں کرتے۔ اسید نے کہا تم نے انصاف کی بات کی ہے پھر اس نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور ان دونوں کی باتیں سننے کے لئے ان کے قریب بیٹھ گیا۔

حضرت مصعب نے گفتگو شروع کی۔ اور اسلام کے بنیادی عقائد کے بارے میں اسے بتایا پھر قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت کی اس سے پیشتر کہ اُسید اپنی زبان سے کچھ کہے۔ ہم نے اس کے چہرے پر ایمان کا نور دیکھ لیا آخر وہ بولا۔ کتنی اچھی باتیں آپ نے سنائی ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم میں سے کوئی شخص اس دین میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اسے کیا کرنا پڑتا ہے انہوں

نے کہا کہ ایسے شخص کو چاہئے پہلے غسل کرے اور اپنے آپ کو پاک کرے پھر پاک لباس زیب تن کرے۔ پھر کلمہ شہادت پڑھے۔ اور آخر میں کہا دو رکعت نماز نفل ادا کرے۔

یہ باتیں سن کر اُسید اٹھا۔ پہلے جا کر غسل کیا۔ پھر پاک کپڑے پہنے کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی۔ اس نے ان دونوں کو کہا کہ میرے پیچھے ایک شخص ہے اگر وہ تمہاری تابعداری اختیار کرلے تو اس کی قوم کا ہر فرد آپ کے دین کو قبول کرلے گا۔ میں اس کو ابھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔

اس نے اپنا نیزہ پکڑا اور جہاں سعد بن معاذ کو وہ چھوڑ گیا تھا ادھر جانے کا ارادہ کیا۔ سعد بھی مع اپنی قوم کے اس کے لئے چشم براہ تھا۔ جب اس نے دور سے اُسید کو اپنی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگا۔

اَحْلِفُ بِاللهِ لَقَدْ جَاءَكُمْ اُسَيْدٌ بِغَيْرِ الْوَجْهِ الَّذِيْ ذَهَبَ بِهِ مِنْ عِنْدِكُمْ

"یعنی میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اُسید کا چہرہ بدلا ہوا ہے۔ جو چہرہ لے کر وہ گیا تھا اب وہ اس چہرہ کے ساتھ واپس نہیں آرہا ہے۔" (۱)

جب اُسید وہاں پہنچا تو سعد نے پوچھا سناؤ کیا کر آئے ہو۔ اُسید نے کہا میں نے ان دو صاحبوں سے گفتگو کی ہے مجھے تو ان کی گفتگو میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی جب میں نے ان کو مزید تبلیغ کرنے سے منع کیا تو انہوں نے کہا نَفْعَلُ مَا اَحْبَبْتَ ہم وہ کام کریں گے جو تمہیں پسند ہو۔ مجھے کسی نے بتایا ہے، کہ بنو حارثہ، اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ اپنے گھروں سے وہ باہر نکل آئے تھے کیونکہ انہیں پتہ چل گیا ہے کہ وہ تیری خالہ کا بیٹا ہے اس طرح اسعد کو قتل کر کے در حقیقت وہ تجھے ذلیل و رسوا کرنا چاہتے ہیں۔

یہ سنتے ہی سعد، غضب ناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا مبادا بنو حارثہ اسعد کو قتل کر دیں اس نے اپنا نیزہ پکڑا اور جانے سے پہلے کہنے لگا۔ اے اسید! تو نے وقت ضائع کیا ہے اور کوئی مفید کام نہیں کیا۔ سعد تیزی سے ادھر چل پڑا جہاں حضرت مصعب اور اسعد بن زرارہ بیٹھے تھے۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ دونوں بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھانپ گیا کہ اُسید نے اسے محض اس لئے ادھر بھیجا ہے کہ وہ ان کی گفتگو سن سکے۔ سعد وہاں پہنچا تو اس نے بڑے غصہ سے اسعد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ بخدا!! اے ابو امامہ! اگر تیرے اور میرے درمیان یہ رشتہ

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۷۳

داری نہ ہوتی تو تو کبھی یہ جسارت نہ کر سکتا کہ تم ہمارے علاقہ میں ایسا کام کرنے کے لئے آتے جو ہمیں ازحد ناپسند ہے۔ اسعد نے مصعب کو کہا۔ کہ بخدا! ہمارے پاس اپنی ساری قوم کا سردار آگیا ہے۔ اگر اس نے تیری تابعداری قبول کر لی تو پھر اس کی قوم کا ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ مصعب نے سعد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اَوَتَقْعُدُ وَتَسْمَعُ وَاِنْ رَضِيْتَ اَمْرًا رَغِبْتَ فِيْهِ قَبِلْتَهٗ وَاِنْ كَرِهْتَهٗ عَزَلْنَا عَنْكَ مَا تَكْرَهُ۔

کیا آپ بیٹھ نہیں جاتے کیا آپ میری بات سن نہیں لیتے۔ اگر آپ کو میری بات پسند آجائے تو اسے قبول کر لیجئے گا اگر آپ کو پسند نہ آئے تو ہم ایسے کام سے دست بردار ہو جائیں گے جو آپ کو ناپسند ہے۔

یہ سیدھی سی بات سن کر سعد نے کہا۔ اَنْصَفْتَ تو نے بڑے انصاف کی بات کی ہے۔ پھر اس نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔

حضرت مصعب نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سورہ الزخرف کی ابتدائی چند آیتیں اسے پڑھ کر سنائیں۔ یہ آیتیں سنتے ہی اس کی کایا پلٹ گئی اور اس کے چہرے پر اسلام کی چمک دکھائی دینے لگی اس سے پیشتر کہ وہ خود کوئی بات کرتا ہم کو خود ہی اس بات کا اندازہ ہو گیا۔

پھر اس نے پوچھا کہ جب تم لوگ اسلام قبول کرنے لگتے ہو اور اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ پہلے غسل کرنا ہو گا تاکہ تمہارا جسم پاک ہو جائے۔ پھر تمہیں پاک لباس زیب تن کرنا ہو گا پھر تمہیں کلمہ شہادت پڑھنا ہو گا پھر تمہیں دو رکعت نفل ادا کرنا ہوں گے۔ یہ سن کر وہ اٹھا اس نے غسل کیا پاک لباس زیب تن کیا کلمہ شہادت پڑھا دو رکعت نماز نفل ادا کی پھر اپنا نیزہ پکڑا اور اپنی قوم کی مجلس کی طرف چل پڑا۔ اسید بھی اس وقت اس کے ہمراہ تھا جب اس کی قوم نے انہیں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ سعد اس چہرے کو لے کر واپس نہیں آرہا جس کو لے کر وہ یہاں سے گیا تھا۔

جب وہ ان کے پاس پہنچا تو کھڑے کھڑے اس نے اپنی قوم سے دریافت کیا۔

يَا بَنِيْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ كَيْفَ تَعْلَمُوْنَ اَمْرِيْ فِيْكُمْ

"اے عبدالاشہل کے خاندان والو! میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

ا۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۷۳

قَالُوا سَيِّدُنَا وَافْضَلُنَا رَأْيًا وَأَيْمَنُنَا نَقِيبَةً

"انہوں نے کہا آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم سب سے آپ کی رائے افضل ہے اور تمہاری ذات بڑی بابرکت ہے۔" (۱)

سعد نے کہا کہ تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں کے ساتھ گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔

شام تک بنی عبدالاشہل میں کوئی ایسا مرد اور عورت باقی نہ رہی تھی جس نے اسلام نہ قبول کر لیا ہو۔ سعد اور مصعب رضی اللہ عنہما دونوں یہاں سے اٹھ کر اسعد بن زرارہ کے مکان پر آگئے اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینے میں مشغول ہوگئے ان کی کوششوں کے باعث سارے مدینہ میں انصار کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں کسی مرد یا کسی عورت نے کلمہ شہادت نہ پڑھ لیا ہو۔ اس نعمت سے چند وہ خاندان محروم رہے جو ابو قیس بن الاسلت کے عقیدت مند تھے۔ یہ ان کا قومی شاعر اور قائد تھا اس کی ہر بات وہ سنتے بھی تھے اور بجا بھی لاتے تھے۔ یہ لوگ اس کی وجہ سے کفر پر اڑے رہے یہاں تک کہ خندق کا معرکہ پیش آیا اس وقت ان کی آنکھوں سے تعصب کا حجاب دور ہوا اور اندھی تقلید کی پٹی کھلی۔ اور انہیں اسلام قبول کرنا نصیب ہوا۔

علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اس ابوالقیس کے حالات تفصیل سے رقم کیے ہیں کہ ابو قیس نے بت پرستی سے دل برداشتہ ہو کر زمانہ جاہلیت میں ہی رہبانیت اختیار کر لی تھی اس نے اونی لباس پہننا شروع کر دیا تھا جنابت سے غسل کیا کرتا۔ حائضہ عورتوں سے اجتناب کرتا۔ پہلے اس نے عیسائی بننے کا ارادہ کیا لیکن پھر رک گیا اس نے ایک حجرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی اور وہیں عبادت کیا کرتا۔ اس حجرے میں کسی حائضہ عورت کو اور کسی جنبی کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی وہ کہتا کہ میں تو حضرت ابراہیم کے خدا کی عبادت کیا کروں گا۔ جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو اس نے پیرانہ سالی میں اسلام قبول کر لیا اور اس کے احکام پر حسن و خوبی سے عمل پیرا رہا۔

وَكَانَ قَوَّالًا بِالْحَقِّ مُعَظِّمًا لِلّٰهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَلَهُ فِي ذٰلِكَ اَشْعَارٌ حِسَانٌ۔

"کہ وہ بڑا حق گو تھا زمانہ جاہلیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالاتا تھا اور اس

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۷۵

موضوع پر اس نے بڑے اچھے شعر لکھے ہیں۔" (۱)

دوسرا شخص جس نے اپنی قوم کے ساتھ اسلام قبول نہ کیا وہ اصیرم بن عمرو بن ثابت بن وقش تھا یہ اپنے آبائی عقیدہ پر جما رہا۔ یہاں تک کہ میدان احد میں لشکر اسلام اور کفار مکہ کے درمیان جنگ شروع ہوئی اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر اسلام کی صداقت آشکارا کر دی

اور یہ مسلمان ہو گیا اور اسی وقت شمشیر بدست میدان کارزار میں کود پڑا اور شدید زخمی ہو گیا۔ جنگ کے اختتام پر بنی عبدالاشہل کے چند آدمی، اپنے زخمیوں کی تلاش میں میدان احد میں پھر رہے تھے۔ کہ انہیں اصیرم زخموں سے چور مل گیا اس پر نزع کا عالم تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو۔

اَحَدَبًا عَلٰی قَوْمِکَ اَمْ رَغْبَۃٌ فِی الْاِسْلَامِ

"کیا اپنی قوم سے ہمدردی کا جذبہ تمہیں یہاں لے آیا ہے، یا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔"

تب یہاں جنگ میں شریک ہوئے ہو اس نے جواب دیا۔

بَلْ رَغْبَۃٌ فِی الْاِسْلَامِ اَسْلَمْتُ وَقَاتَلْتُ حَتّٰی اَصَابَنِیْ مَا تَرَوْنَ وَلَمْ یَبْرَحُوْا حَتّٰی مَاتَ وَذَکَرُوْہُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّہٗ لَمِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔

"میں محض اسلام کی خاطر یہاں آیا ہوں میں نے اسلام قبول کیا اور اسی لئے جنگ کی اور میری یہ حالت ہوئی جو تم دیکھ رہے ہو وہ لوگ ابھی یہیں کھڑے تھے کہ اس نے جان دے دی اس کے بارے میں بارگاہ رسالت میں عرض کیا گیا حضور نے فرمایا بے شک وہ اہل جنت میں سے ہے۔"

انہیں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ وہ جنتی ہے کہ جس نے ایک نماز بھی ادا نہیں کی کیونکہ مسلمان ہونے کے بعد تلوار ہاتھ میں لی اور فوراً جنگ احد میں شریک ہو گئے داد شجاعت دیتے ہوئے شدید زخمی ہوئے اور وہیں اپنی جان، جان آفریں کے حوالے کر دی۔ (۱)

ا۔ اسد الغابہ۔ جلد چہارم۔ صفحہ ۹۰۔ ۹۱

بیعت عقبہ ثانیہ

گزشتہ سال بنو خزرج کے بارہ آدمی بارگاہ رسالت میں حاضری کا شرف حاصل کر کے اور بیعت کی سعادت حاصل کر کے اپنے وطن لوٹے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مصعب بن عمیر کو ان کے ہمراہ روانہ کیا تاکہ وہاں کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں اور جو لوگ اسلام قبول کر لیں انہیں قرآن کریم پڑھائیں ان میں اسلام کا صحیح فہم اور ادراک پیدا کریں یہ بارہ افراد جب یثرب پہنچے تو بڑے مخلص اور پر جوش مبلغین کی طرح انہوں نے دعوت تبلیغ کا کام شروع کر دیا حضرت مصعب کی موجودگی اور سرپرستی نے سونے پر سہاگے کا کام دیا ابھی آپ نے پڑھا ہے کہ ان کی تبلیغ کا انداز اتنا اثر انگیز اور دل نشین تھا کہ یثرب کے دو بڑے سردار اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ حلقہ بگوش اسلام بن گئے قلیل عرصہ میں یثرب کی کایا پلٹ گئی۔

اب اس شہر میں کوئی محلہ کوئی گلی کوئی علاقہ ایسا نہ رہا جہاں اسلام نے کسی مرد یا کسی عورت کے دل میں عرفان الٰہی کا چراغ روشن نہ کر دیا ہو۔ اس ایک سال کے عرصہ میں سینکڑوں افراد نے جن میں قبائل کے رؤساء بھی تھے اس دین حق کو قبول کر لیا۔ ہر گھر میں ہر محفل میں ہمہ وقت محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر خیر یہاں کی پر نور فضاؤں میں گونجتا رہتا۔ یہاں کے شہریوں کو بھی ان آلام و مصائب کا علم ہو گیا جن سے ان کا ہادی و مرشد دوچار تھا۔ انہوں نے ظلم و ستم کی وہ لرزہ خیز داستانیں بھی سن لی تھیں جن سے مکہ میں ان کے دینی بھائیوں کو واسطہ پڑتا تھا۔ انہوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ اپنے محبوب آقا کو یہاں بلائیں گے اہل مکہ نے ان کی راہ میں جو کانٹے بچھائے ہیں انہیں وہ اپنی آنکھوں کی پلکوں سے چن لیں گے اور ان کے بجائے اپنے راہبر کے قدموں کے نیچے محبت و عقیدت کے پھولوں کی تازہ پتیاں بچھائیں گے۔

وہ زندہ بھی ہوں۔ اور ان کے دینی بھائیوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوں یہ بات ان کے لئے ناقابل برداشت تھی انہوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ ہمارا جو وفد موسم حج میں مکہ جائے گا وہ حضور کی خدمت میں پرزور التماس کرے گا کہ حضور ان کی بستی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے ضرور سرفراز فرمائیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس سال تو اس طرح گزارے کہ جب حج کا موسم آتا اور متعدد

قبائل فریضہ حج ادا کرنے کے لئے مکہ آتے۔ اپنی رہائش کے لئے الگ الگ خیمے نصب کر کے وہاں اقامت پذیر ہوتے تو نبی کریم ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے۔ مجنہ۔ عکاظ۔ اور منیٰ کے کوچہ و بازار اس حقیقت کے شاہد عدل ہیں لیکن کسی کو یہ دعوت قبول کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوتی تھی یہاں تک کہ قبیلہ مضر کے لوگ اور یمن کے باشندے جب حج کے ارادے سے اپنے گھروں سے روانہ ہوتے تو ان کے بڑے بوڑھے ان کو نصیحت کرتے کہ مکہ میں ایک قریشی نوجوان ہے وہ بڑا فتنہ باز ہے اس سے ہوشیار رہنا نہ اس کے قریب جانا اور نہ اس کی بات سننا ورنہ وہ تمہیں اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ کر دے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہم اہل یثرب کو اس نبی اور اس کے دین کی مدد کرنے کے لئے آمادہ کر دیا۔

فَأْتَمَرْنَا وَاجْتَمَعْنَا فَقُلْنَا: مَتَى نَذَرُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوفُ فِي جِبَالِ مَكَّةَ وَيَخَافُ فَرَحَلَ إِلَيْهِ مِنَّا سَبْعُونَ رَجُلًا حَتَّى قَدِمُوا عَلَيْهِ فِي الْمَوْسِمِ۔

"ہم مشورہ کے لئے اکٹھے ہوئے اور ہم نے کہا ہم کب تک اللہ کے اس پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے پہاڑوں میں لرزاں و ترساں حالت میں گھومتے ہوئے دیکھتے رہیں گے اور کوئی قدم نہ اٹھائیں گے چنانچہ اس سال ہم میں سے ستر آدمی مکہ روانہ ہوئے اور حضور کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کیا۔" (۱)

چنانچہ جب حج کا موسم قریب آگیا تو حاجیوں کا ایک قافلہ حضرت مصعب کی قیادت میں مکہ مکرمہ روانہ ہوا اس میں ستر انصار تھے جو مسلمان ہو چکے تھے ان کے علاوہ یثرب کے کئی مشرک بھی اس قافلہ میں شامل تھے مسلمانوں کی اس جماعت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کی حضرت مصعب نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے نتائج کی رپورٹ پیش کی اور جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کے نام گنوائے تبلیغی میدان میں ان کی شاندار کامیابیوں کے بارے میں سن کر حضور پر نور کو انتہائی مسرت ہوئی۔ (۲)

اس مجلس میں طے یہ ہوا کہ عقبہ کی وادی میں ایام تشریق کی فلاں رات کو پھر ملاقات ہوگی

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد۔ جلد سوم۔ صفحہ ۲۷۷ و دیگر کتب سیرت

۲۔ السیرۃ الحلبیہ۔ امام محمد ابو زہرہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۰۸

تنہائی میں بیٹھ کر یک سوئی کے ساتھ سارے معاملات کے بارے میں فیصلے کئے جائیں گے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ملاقاتوں کو خفیہ رکھنا چاہتے تھے مبادا مشرکین کو پتہ چل جائے تو وہ ان اجتماعات کو ناکام بنانے کے لئے ہلہ بول دیں اور یہ ساری کوشش ہنگاموں کی نذر ہو جائے نیز یثرب سے جو مشرک، قافلہ میں ساتھ آئے تھے مصلحت اس میں تھی کہ ان سے بھی ان امور کو مخفی رکھا جائے۔

حضرت ابن مالک فرماتے ہیں کہ جو مشرک ہمارے ساتھ مکہ آئے تھے ان میں ایک عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی تھا جو ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار تھا ہم نے اس کو اپنے اعتماد میں لینے کے لئے کہا اے عبداللہ تو ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہے اور ہمارے شہر کے شرفاء میں سے ایک شریف آدمی ہے ہمیں یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ تم کفر پر مرو۔ اور کل روز حشر دوزخ کا ایندھن بنو پھر ہم نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اسے بتایا کہ آج رات ہم عقبہ کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے والے ہیں چنانچہ وہ اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے اور رات کو ہمارے ساتھ عقبہ کی بیعت میں شرکت کی اور بارہ نقیبوں میں سے ایک نقیب انہیں نامزد فرمایا گیا۔ (۱)

جب ملاقات کے لئے مقررہ رات آئی تو انصار سر شام اپنے بستروں پر لیٹ گئے اپنے ساتھیوں اور آس پاس کے لوگوں کو یہ تاثر دینے کے لئے کہ دن بھر کے تھکے ماندے یہ لوگ اب سو گئے ہیں۔ کہیں صبح ہی ان کی آنکھ کھلے گی جب رات کا تیسرا حصہ گذر گیا دوسرے لوگ سو گئے ہر طرف سناٹا چھا گیا انصار مدینہ بڑی رازداری سے بستروں سے کھسک کر نکلتے تاکہ ان کے پاؤں کی آہٹ بھی کسی کو سنائی نہ دے اور ایک ایک دو دو کر کے مقررہ مقام کی طرف جانے لگے۔ سب لوگ جب اکٹھے ہو گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لے آئے اور سلسلہ گفتگو شروع ہوا۔ انصار نے عرض کی۔

وَيَا رَسُولَ اللهِ عَلَامَ نُبَايِعُكَ ؟

"یارسول اللہ ہم کس چیز پر حضور کی بیعت کریں۔"

قَالَ تُبَايِعُونِي عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ وَعَلَى النَّفَقَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَعَلَى الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ عَلَى اَنْ تَقُولُوا فِي اللهِ لَا تَاْخُذُكُمْ لَوْمَةُ لَائِمٍ وَعَلَى اَنْ

۱۔ عیون الاثر، جلد اول، صفحہ ۱۶۳

تَنْصُرُوْنِیْ اِذَا قَدِمْتُ عَلَیْکُمْ یَثْرِبَ تَمْنَعُوْنِیْ مِمَّا تَمْنَعُوْنَ مِنْہُ اَنْفُسَکُمْ وَاَزْوَاجَکُمْ وَاَبْنَاءَ کُمْ وَلَکُمُ الْجَنَّۃُ

حضور نے فرمایا کہ تم ان باتوں پر میری بیعت کرو۔

۱۔ میری بات سنو گے اور اس کو بجالاؤ گے خوش دلی کی حالت میں بھی اور درماندگی اور افسردگی کی حالت میں بھی۔

۲۔ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تنگ دستی کی حالت میں بھی اور فارغ البالی کی حالت میں بھی۔

۳۔ تم نیکی کا حکم کرو گے اور برے کاموں سے روکو گے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے لئے گفتگو کرو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرو گے۔

۵۔ نیز اس بات پر کہ جب میں تمہارے پاس یثرب آؤں تو تم میری مدد کرو گے اور ہر اس چیز سے میرا دفاع کرو گے جس سے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کا دفاع کرتے ہو۔

۶۔ اگر تم اس بیعت کو نبھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔

جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم سب بیعت کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں اسعد بن زرارہ جو میرے علاوہ تمام قافلہ والوں سے کم سن تھے انہوں نے حضور کا دست مبارک تھام لیا اور ہمیں کہنے لگے۔

رُوَیْدًا یَا اَھْلَ یَثْرِبَ فَاِنَّا لَمْ نَضْرِبْ اِلَیْہِ اَکْبَادَ الْمَطِیِّ اِلَّا وَنَحْنُ نَعْلَمُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنَّ اِخْرَاجَہُ الْیَوْمَ مُفَارَقَۃُ الْعَرَبِ کَافَّۃً وَقَتْلُ خِیَارِکُمْ۔ وَاَنْ تَعَضَّکُمُ السُّیُوْفُ۔ فَاَمَّا اَنْتُمْ قَوْمٌ تَصْبِرُوْنَ عَلٰی عَضِّ السُّیُوْفِ اِذَا مَسَّتْکُمْ وَعَلٰی قَتْلِ خِیَارِکُمْ وَعَلٰی مُفَارَقَۃِ الْعَرَبِ کَافَّۃً فَخُذُوْہُ وَاَجْرُکُمْ عَلَی اللّٰہِ۔ وَاَمَّا اَنْتُمْ تَخَافُوْنَ مِنْ اَنْفُسِکُمْ خِیْفَۃً فَذَرُوْہُ فَھُوَ اَعْذَرُ لَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ۔

"اے اہل یثرب! بیعت کرنے میں جلدی نہ کرو۔ پہلے میری بات سنو۔ ہم نے اپنی سواریوں کے کلیجوں کو اس لئے درماندہ کیا ہے کہ ہمارا ایمان

ہے کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ آج تم انہیں نکال کر اپنے ساتھ لے جا رہے ہو (جانتے ہو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا) سارے اہل عرب سے تمہارا تعلق ٹوٹ جائے گا تمہارے سرداروں کو قتل کیا جائے گا اور تلواریں تمہارے جسموں کو چبا کر رکھ دیں گی اگر تلواروں کے چبانے پر، اگر اپنے سرداروں کے مقتول ہونے پر اور سارے اہل عرب کے بائیکاٹ کر دینے پر تم صبر کرنے کی ہمت رکھتے ہو تو بے شک ان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اس کی جزائے خیر اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور دے گا اور اگر تمہیں اپنی جانوں کی ہلاکت کا خوف ہے۔ تو پھر انہیں یہیں رہنے دو۔ آج تمہارا ان سے الگ ہو جانا بہتر ہے اور تمہارا یہ عذر اللہ تعالیٰ کی جناب میں قابل قبول ہو گا۔" (۱)

ان کے دوسرے ساتھیوں کو اس بے ضرورت نصیحت سے بڑی کوفت ہوئی انہوں نے جھنجھلا کر کہا۔

اسعد، اس وعظ کو رہنے دو۔ ہم یہ بیعت ضرور کریں گے اور جو معاہدہ ہم کر رہے ہیں اس کو کسی قیمت پر نہیں توڑیں گے۔

چنانچہ سب نے ایک ایک کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی حضرت جابر نے اس بیعت کا منظر بایں الفاظ بیان فرمایا۔

يَأْخُذُ عَلَيْنَا شَرْطَهٗ وَيُعْطِيْنَا عَلٰى ذٰلِكَ الْجَنَّةَ۔

"حضور ہم سے اپنی شرائط کے مطابق بیعت لیتے جاتے تھے اور ہمیں جنت عطا فرماتے جاتے تھے۔" (۲) (رواہ الامام احمد والبیہقی)

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس رات بیعت کرنے والوں کی تعداد تہتر تھی اور ان تہتر مردوں کے علاوہ دو خواتین بھی تھیں جنہیں یہ شرف نصیب ہوا ایک کا نام ام عمارہ نسیبہ بنت کعب تھا جو قبیلہ بنی مازن بن نجار سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری کا نام اسماء بنت عمرو بن عدی تھا یہ بنی سلمہ کے خاندان سے تھی۔ (۳)

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۱۹۵۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۷۷

۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۷۸

۳۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیرہ، جلد دوم، صفحہ ۲۰۹۔ ۲۱۲

ابن اسحاق نے ان تمام خوش نصیب لوگوں کے نام تحریر کیے ہیں جنہوں نے اس تاریخی بیعت میں شرکت کی علامہ ابن کثیر نے بھی ان سعادت مندوں کے نام ذکر کیے ہیں نیز لکھا ہے کہ ان میں گیارہ آدمی قبیلہ اوس اور باسٹھ آدمی قبیلہ خزرج سے تھے۔

نسیبہ مذکورہ کے بارے میں علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ ان کے خاوند جب بھی جہاد کے سفر پر روانہ ہوتے تو یہ شیر دل خاتون اپنے دونوں بچوں حبیب اور عبداللہ سمیت اپنے خاوند کے ہمراہ جہاد کے لئے ساتھ جاتیں ایک مرتبہ ان کے بیٹے حبیب کو مسیلمہ کذاب نے گرفتار کر لیا اور ان کو اذیت پہنچانے میں حد کر دی وہ ان سے پوچھتا اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ نَعَمْ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں حبیب کہتے کہ "نعم" کہ بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اَتَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو آپ مومنانہ جرأت کے ساتھ جواب دیتے کہ نہیں ہرگز نہیں جب وہ نہ کرتے تو وہ ان کا ایک عضو کاٹ دیتا۔ اسی طرح وہ یہ دونوں سوال بار بار پوچھتا رہا جب بھی اس کی رسالت کا انکار کرتے تو وہ ان کا ایک عضو کاٹ دیتا یہاں تک کہ اس بندہ خدا نے اپنے جسم کا ایک ایک عضو کٹا کر جام شہادت نوش کر لیا لیکن باطل کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا۔" (۱)

جب لشکر اسلام مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے یمامہ روانہ ہوا تو یہ غیور خاتون بھی اس میں شامل تھیں یہاں تک کہ مسیلمہ قتل ہوا اس جنگ میں آپ کو تلواروں اور نیزوں کے بارہ زخم لگے۔

چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہم سب شعب عقبہ میں جمع ہو گئے سرکار دو عالم کی آمد کا انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ حضور تشریف لے آئے حضور کے ہمراہ حضور کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے جو ابھی تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے محض چچا ہونے کے رشتہ کے باعث وہ آئے تھے تاکہ اپنے بھتیجے کے اس اہم کام میں شرکت کریں اور انصار کے ساتھ جو معاہدہ طے پائے وہ ہر لحاظ سے مستحکم اور مضبوط ہو تاکہ آگے چل کر کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے علامہ برہان الدین حلبی نے اپنی سیرت میں یہ روایت تحریر کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت عباس کے علاوہ حضرت ابو بکر اور

ا۔ السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابو زہرہ، جلد اول، صفحہ ۴۰۹

سیدنا علی المرتضیٰ بھی تھے لیکن جب اس وادی میں حضور تشریف لے جانے لگے جہاں انصار سے ملاقات ہونی تھی تو ازراہ احتیاط حضرت ابو بکر کو اس سڑک کی نگرانی کے لئے ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا اور سیدنا علی المرتضیٰ کو وادی کے دہانہ پر مقرر کیا گیا تاکہ وہ اس کی نگہبانی کریں۔ جب تمام لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے تو حضرت عباس نے مخاطب کرتے ہوئے کہا "اے گروہ خزرج محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو مقام ہماری نگاہوں میں ہے اس سے تم باخبر ہو اپنی قوم قریش کے ساتھ ہم عقیدہ ہوتے ہوئے بھی ہم نے قریش کے مقابلہ میں آپ کا دفاع کیا ہے وہ اپنی قوم میں معزز ہیں اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں انہوں نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ مکہ چھوڑ کر تمہارے ہاں منتقل ہو جائیں اور تمہارے ساتھ رہائش پذیر ہوں گے اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ جو معاہدہ تم نے ان سے کیا ہے اس کو ہر قیمت پر پورا کرو گے اور ان کے دشمنوں سے ان کا دفاع کرو گے تو تم جانو اور تمہارا کام لیکن اگر یہ تمہارا خیال ہے کہ کسی مرحلہ پر بھی تم ان سے دست کش ہو جاؤ گے اور انہیں بے یار و مدد گار چھوڑ دو گے تو آج ہی ان سے دستبردار ہو جاؤ کیونکہ وہ اپنی قوم اور شہر میں معزز بھی ہیں اور محفوظ بھی۔

انصار نے جواب دیا! اے عباس جو آپ نے کہا ہم نے سن لیا یارسول اللہ اب آپ ارشاد فرمائیے اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے جو شرائط آپ پسند فرماتے ہیں وہ ہم سے منوالیجئے۔ ابھی تک رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسروں کی باتیں سنتے رہے تھے اب حضور خود گویا ہوئے پہلے آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی پھر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے احکام کی اطاعت کی ترغیب دی پھر دین اسلام کی بنیادی تعلیمات پر روشنی ڈالی اور انہیں شوق دلایا کہ ان کو وہ دل سے تسلیم کر لیں پھر فرمایا۔

اَشْتَرِطُ لِرَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَلِنَفْسِیْ
اَنْ تَمْنَعُوْنِیْ مِمَّا تَمْنَعُوْنَ مِنْهُ نِسَاءَكُمْ وَاَبْنَآءَكُمْ وَاَنْفُسَكُمْ۔

"میں اپنے رب کے لئے تم سے یہ شرط منوانا چاہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور اپنے لئے تم سے یہ شرط منوانا چاہتا ہوں کہ تم میرا اس دشمن سے دفاع کرو گے جس سے تم اپنی مستورات اور اولاد کا اور جانوں کا دفاع کرتے ہو۔"

اس موقع پر حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے جھٹ عرض کی فَاِذَا فَعَلْنَا فَمَا لَنَا اگر ہم ان شرطوں کو پورا کریں تو ہمیں کیا ملے گا۔

حضور نے فرمایا تمہیں جنت ملے گی۔

قَالُوْا رَبِحَ الْبَيْعُ وَلَا نَقِيْلُ وَلَا نَسْتَقِيْلُ۔

"عرض کرنے لگے یہ سودا بڑا نفع بخش ہے نہ ہم خود اس کو توڑیں گے نہ کسی کو توڑنے دیں گے۔" (۱)

حضرت براء بن معرور نے آگے بڑھ کر حضور کا دست مبارک پکڑ لیا اور عرض کی ہاں اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم حضور کا دفاع کریں گے ہر اس چیز سے جس سے ہم اپنی عورتوں کا دفاع کرتے ہیں یا رسول اللہ ہماری بیعت لیجئے۔ بخدا ہم جنگوں اور ہتھیاروں کی اولاد ہیں ہمیں یہ خوبی اپنے بزرگوں سے نسلاً بعد نسلٍ ملی ہے۔

براء ابھی گذارش کر رہے تھے کہ ابو الہیثم بیچ میں بول اٹھے۔

میرے حضور ایک گذارش میری بھی سماعت فرمایئے۔ اے اللہ کے پیارے رسول ہمارے یہودیوں کے ساتھ بڑے مضبوط دوستانہ تعلقات ہیں جن کو آج ہم توڑ رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ اگر یہ ہم کر چکیں پھر اللہ تعالیٰ آپ کو دشمنوں پر غلبہ عطا فرما دیں تو حضور اپنی قوم کے پاس لوٹ آئیں اور ہمیں چھوڑ نہ دیں۔

یہ درد فراق ہم سے برداشت نہیں ہو گا۔

فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ بَلِ الدَّمُ الدَّمُ وَالْهَدْمُ الْهَدْمُ اَنَا مِنْكُمْ وَاَنْتُمْ مِنِّيْ اُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ وَاُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ۔

"اپنے جان نثار ابو الہیثم کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی فرمایا میری پناہ تمہاری پناہ میری حرمت تمہاری حرمت۔ میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ جس کے ساتھ تم جنگ کرو گے میں اس سے جنگ کروں گا۔ جس سے تم صلح کرو گے میری اس کے ساتھ صلح ہو گی۔ (۲)

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کے مشورہ سے ان میں سے بارہ نقیب نامزد فرمائے جن میں سے نو کا تعلق بنی خزرج قبیلہ سے اور تین کا تعلق بنی اوس قبیلہ سے تھا۔

۱۔ السیرۃ الحلبیہ۔ امام محمد ابو زہرہ۔ جلد اول، صفحہ ۴۱۰ ۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد۔ جلد سوم، صفحہ ۲۸۱

بنی خزرج کے نقیبوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔	ابو امامہ اسعد بن زرارہ	=	یہ بنی نجار کے نقیب بنائے گئے۔
۲۔	رافع بن مالک	=	یہ بنی زُریق کے نقیب بنائے گئے۔
۳۔	سعد بن ربیع	=	یہ بنی حارث بن خزرج کے نقیب بنائے گئے
۴۔	عبداللہ بن رواحہ	=	
۵۔	سعد بن عبادہ	=	بنی ساعدہ کے نقیب مقرر ہوئے۔
۶۔	المنذر بن عمرو	=	
۷۔	البراء بن معرور	=	
۸۔	عبداللہ بن عمرو	=	
۹۔	عبادہ بن الصامت	=	

بنی اوس کے نقیبوں کے اسماء یہ ہیں۔

۱۔	اُسید بن حضیر	=	بنی عبد الاشہل کے نقیب بنائے گئے۔
۲۔	رفاعہ بن عبد المنذر	=	یہ دونوں بنی عمرو بن عوف کے نقیب بنائے گئے
۳۔	سعد بن خیثمہ	=	(۱)

کیونکہ اس بیعت کا معاملہ بڑا نازک تھا۔ یہ معاہدہ سنگین نتائج کا حامل تھا اس لئے حساس مزاج ارباب دانش نے بار بار انصار کی توجہ ان نتائج کی طرف مبذول کرائی جو اس پر مرتب ہو سکتے تھے تاکہ انصار کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے بار بار اس پر غور کر لیں۔ عجلت میں یا وقتی جوش سے مغلوب ہو کر کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے ان کی رسوائی ہو۔ چنانچہ آخری مرحلہ پر قبیلہ بنی سالم و عوف کے عباس بن عبادہ بن نضلہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور کہنے لگے۔

يَا مَعْشَرَ الْخَزْرَجِ هَلْ تَدْرُوْنَ عَلَامَ تُبَايِعُوْنَ هٰذَا الرَّجُلَ ؟

"اے گروہ خزرج! کیا تمہیں علم ہے کہ تم کس بات پر اس ہستی کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے ہو۔"

انہوں نے کہا نعم! ہمیں اچھی طرح علم ہے۔ عباس بن عبادہ نے کہا۔

اِنَّكُمْ تُبَايِعُوْنَهٗ عَلٰى حَرْبِ الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ مِنَ النَّاسِ وَاِنْ كُنْتُمْ تُرِيْدُوْنَ اَنَّكُمْ اِذَا نُهِكَتْ اَمْوَالُكُمْ مُصِيْبَةً وَاَشْرَافُكُمْ

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۸۱

قَتْلُ اَسْلَمْتُمُوْهُ فَمِنَ الْاٰنَ وَهُوَ وَاللّٰهِ اِنْ فَعَلْتُمْ خِزْيُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاِنْ كُنْتُمْ تُرِيْدُوْنَ اَنَّكُمْ وَافُوْنَ لَهٗ بِمَا عَاهَدْتُمُوْهُ عَلٰى نَهْكَةِ الْاَمْوَالِ وَقَتْلِ الْاَشْرَافِ فَخُذُوْهُ فَهُوَ وَاللّٰهِ خَيْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ قَالُوْا اِنَّا نَاْخُذُهٗ عَلٰى مُصِيْبَةِ الْاَمْوَالِ وَقَتْلِ الْاَشْرَافِ وَمَا لَنَا بِذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْجَنَّةُ قَالُوْا اُبْسُطْ يَدَكَ فَبَسَطَ يَدَهٗ وَبَايَعُوْهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

"تم اس بات پر بیعت کر رہے ہو کہ تم ہر سرخ اور سیاہ انسان کے ساتھ جنگ کرو گے اگر تمہارا یہ ارادہ ہے کہ جب مصیبتیں تمہارے مال و متاع کو نیست و نابود کر دیں اور قتل و خونریزی تمہارے رؤساء کا خاتمہ کر دے اس وقت تم انہیں ان کے دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو ابھی پیچھے ہٹ جاؤ بخدا اگر ایسا کرو گے تو دنیا میں بھی ذلیل ہو گے اور قیامت کے روز بھی رسوا ہو گے۔ اور اگر تمہارا یہ ارادہ ہے کہ تم ہر قیمت پر اس معاہدہ کو پورا کرو گے خواہ مصیبتیں تمہارے مال و منال کو تہس نہس کر دیں اور قتل و خونریزی تمہارے سرداروں کا قلع قمع کر دے اس کی تم کوئی پروا نہیں کرو گے تو پھر آگے بڑھو ان کو لے لو۔ بخدا اس میں دنیا آخرت کی ساری بھلائیاں ہیں۔ سب نے بیک آواز جواب دیا۔ کہ مال کی تباہی و بربادی اور اپنے سرداروں کی قتل و خونریزی کے باوجود ہم ان کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ پھر ان لوگوں نے حضور سے گزارش کی کہ ہمارے اس ایثار اور قربانی کا اجر ہمیں کیا ملے گا۔ حضور نے فرمایا اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔ سب نے عرض کی دست مبارک کھولئے۔ چنانچہ حضور نے دست مبارک کھولا اور سب نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنے کا شرف عظیم حاصل کیا۔" (۱)

بیعت کرتے وقت انصار نے جن پرخلوص جذبات کا اظہار کیا ان کو سیرت نگاروں نے اپنی کتب سیرت میں محفوظ کر لیا تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے سرمایہ ہدایت ثابت ہوں۔ سیرت

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۸۳

حلیہ سے چند انصار کے جذبات ایثار و وفاء کو یہاں نقل کر دینا سرمایہ سعادت ہے۔

اِنَّ اَبَا الْھَیْثَمِ قَالَ اُبَایِعُكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؛ عَلٰی مَا بَایَعَ عَلَیْہِ الْاِثْنَا عَشَرَ نَقِیْبًا مِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ مُوْسٰی بْنَ عِمْرَانَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

۱۔ "بیعت کرتے ہوئے ابو الہیثم نے عرض کی یا رسول اللہ میں اس بات پر حضور کی بیعت کرتا ہوں جس پر بنی اسرائیل کے بارہ نقیبوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی تھی۔"

۲۔ عبد اللہ بن رواحہ نے عرض کی۔

اُبَایِعُكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلٰی مَا بَایَعَ عَلَیْہِ الْاِثْنَا عَشَرَ مِنَ الْحَوَارِیِّیْنَ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

"یا رسول اللہ! میں اس بات پر حضور کی بیعت کرتا ہوں جس پر بارہ حواریوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی تھی۔"

۳۔ اسعد بن زرارہ نے گزارش کی۔

اُبَایِعُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاُبَایِعُكَ عَلٰی اَنْ اُتِمَّ عَھْدِیْ بِوَفَائِیْ وَاُصَدِّقَ قَوْلِیْ بِفِعْلِیْ فِیْ نَصْرِكَ۔

"یا رسول اللہ! میں اللہ عز و جل کی بیعت کرتا ہوں پھر آپ کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ میں اپنا عہد وفاداری سے پورا کروں گا اور آپ کی نصرت کے سلسلہ میں اپنے قول کی اپنے عمل سے تصدیق کروں گا۔"

۴۔ نعمان بن حارثہ نے عرض کی۔

اُبَایِعُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؛ وَاُبَایِعُكَ عَلَی الْاِقْدَامِ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ لَا اُرَاعِیْ فِیْہِ الْقَرِیْبَ وَلَا الْبَعِیْدَ۔

"یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ اللہ عز و جل کے حکم کی تعمیل میں اپنے قریبی اور دور کی ذرا پروا نہیں کروں گا۔"

۵۔ عبادۃ بن الصامت نے عرض کی۔

اُبَایِعُكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلٰی اَنْ لَّا تَاْخُذَنِیْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃُ لَائِمٍ

"یارسول اللہ میں حضور کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ اللہ کے معاملہ میں،
میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی ذرا پروا نہیں کروں گا۔ "

۶۔ سعد بن الربیع نے عرض کی۔

اُبَایِعُ اللّٰہَ وَاُبَایِعُکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ عَلٰی اَنْ لَّا اَعْصِیَ لَکُمَا اَمْرًا
وَلَا اَکْذِبَکُمَا حَدِیْثًا

"یارسول اللہ میں اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتا ہوں اور حضور سے بیعت کرتا ہوں
اس بات پر کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں
کروں گا اور میں اللہ اور اس کے رسول سے کذب بیانی نہیں کروں گا۔ "

اسی طرح کے ایمان پرور اور روح افزاء جذبات کے اظہار کے ساتھ ان دل باختگانِ جمال احمدی نے اپنے محبوب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر یکے بعد دیگرے بیعت کی۔

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

یہ وہ بیعت ہے جسے تاریخ اسلام میں بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ وہ بیعت ہے جب اسلام اور اہل اسلام کی بے بسی کا تاریک دور اختتام پذیر ہو رہا ہے۔ اور اب ایک ایسی روشن صبح طلوع ہو رہی ہے جس نے نہ صرف ان خوش نصیبوں کے مقدر کو تابناک کر دیا بلکہ خفتہ بخت انسانیت کو بھی بیدار کر کے ان ابدی عظمتوں اور لازوال رفعتوں کی طرف مصروف پرواز کر دیا جن کا پہلے تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لاکھوں رحمتیں ہوں۔ انصار پر۔ جنہوں نے اس وعدہ کے ایفا میں اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا اور اسلام کے پرچم کو کبھی سرنگوں نہ ہونے دیا۔

کروڑوں درود و سلام ہوں اس ہادی برحق، مرشد انسانیت اور رحمت للعالمین پر جس نے اپنی دل آویزیوں جمال آرائیوں غریب نوازیوں سے ایک مبارک انقلاب کا آغاز بھی کر دیا اور اسے معراج کمال تک بھی پہنچایا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ الصَّابِرِیْنَ
وَالْاَنْصَارِ الْاَخْیَارِ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ صَلَّی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَا عَلَمَ الْھُدٰی
مَاحَنَّ مُشْتَاقٌ اِلٰی مَثْوَاکَ

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد

جب تمام جان نثار انصار نے بیعت کر لی۔ تو حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ ایک انصاری نے گزارش کی یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے حضور کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اگر حضور کی منشاء ہو تو ہم کل صبح منیٰ میں اکٹھے ہونے والے مشرکین پر اپنی تلواروں سے حملہ کر دیں۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَنْ نُؤْمَرْ بِذٰلِكَ وَلٰكِنِ ارْجِعُوْا اِلٰى رِحَالِكُمْ

"ہمیں ابھی اس امر کی اجازت نہیں تم اب اپنی آرام گاہوں کی طرف چلے جاؤ اور آرام کرو۔"

چنانچہ ہم واپس چلے آئے اور صبح تک خوب سوئے۔

ساری احتیاطی تدابیر کے باوجود کفار مکہ کے کانوں میں اس اجتماع کی بھنک پڑ گئی جب صبح ہوئی تو ہم کیا دیکھتے ہیں مکہ کے رؤساء ہمارے خیموں کی طرف آ رہے ہیں۔ ہمارے قافلے کے چند آدمیوں سے ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے ازراہ شکایت ہمارے ساتھیوں کو کہا کہ اے گروہ خزرج! ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ تم یہاں ہمارے صاحب (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے ملاقات کے لئے آئے ہو۔ اور تمہارا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح انہیں یہاں سے اپنے ہمراہ لے جاؤ اور ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے ان سے بیعت کرو۔ بخدا عرب میں جتنے قبیلے بستے ہیں ان میں سے کسی کے ساتھ جنگ کرنا ہمیں اتنا ناپسند نہیں جتنا تمہارے ساتھ جنگ کرنا ہمیں ناگوار ہے۔

اتفاق سے ہمارے قافلے کے جن لوگوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ وہ یثرب کے مشرکین تھے، جو ہمارے ساتھ حج کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر اس اطلاع کی تردید کی اور انہیں یقین دلایا کہ وہ قطعاً اس مقصد کے لئے یہاں نہیں آئے جس کا ذکر تم کر رہے ہو ہم تو فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے یہاں آئے ہیں اس کے علاوہ ہماری کوئی اور غرض نہیں۔ یہ لوگ

اپنی جگہ سچے تھے۔ انہیں نہ تو ہم نے اس اجتماع میں شرکت کی دعوت دی تھی اور نہ انہیں اپنی آمد کی غرض وغایت سے آگاہ کیا تھا۔ وہ واقعی ان تمام واقعات سے بے خبر تھے اسی لئے وہ پوری قوت اور اعتماد سے ان کے اس الزام کی تردید کرتے رہے۔ اور ہم ایک دوسرے کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے رہے۔ کفار مکہ کے شکوک اتنی یقین دہانی کے باوجود پوری طرح زائل نہ ہوئے وہ مزید اطمینان کے لئے یثرب کے ایک سردار عبداللہ بن ابی کے پاس آئے اسے بھی مسلمانوں نے اپنے اس اقدام سے کلیۃً بے خبر رکھا تھا۔ اس نے جب یہ بات سنی۔ تو اس نے بھی اس کی پرزور تردید کر دی اس کی اس پرزور تردید کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے بارے میں اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ سارے اہل یثرب کا ہر دلعزیز اور مسلمہ رئیس ہے۔ اس کے خیال میں اہل یثرب کی مجال نہ تھی کہ اس سے اجازت لئے بغیر وہ اتنا بڑا اقدام کر سکیں۔ اس نے ان کو یقین دلانے کے لئے کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں اپنے شہر کا رئیس ہوں اگر میری قوم نے کوئی ایسا پروگرام بنایا ہوتا تو مجھ سے اجازت ضرور طلب کی ہوتی۔ یا کم از کم مشورہ ہی کیا ہوتا۔ جب کسی نے اس سے اس سلسلہ میں کوئی بات تک نہیں کی تو یقیناً یہ ایک جھوٹی افواہ ہے جو کسی بدخواہ نے پھیلا دی ہے۔ عبداللہ بن ابی کے سمجھانے سے انہیں یقین ہو گیا اور وہ اطمینان سے واپس چلے گئے۔

اہل مکہ کو کسی نے بتایا کہ چند آدمی منیٰ سے ہی بھاگ گئے ہیں۔ انہوں نے تحقیق کی تو انہیں پتہ چل گیا کہ واقعی ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ ان مفروروں کو پکڑنے کے لئے انہوں نے اپنے آدمی دوڑا دیئے۔ وہ آگے بڑھے تو انہوں نے دو آدمیوں کو دیکھا جو بھاگے جا رہے تھے۔ ایک سعد بن عبادہ تھے اور دوسرے منذر بن عمرو۔ اتفاق سے یہ دونوں نقیب تھے۔ جو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار کی خبر گیری اور تربیت کے لئے مقرر کئے تھے۔ منذر تو اپنا تعاقب کرنے والوں کے قابو نہ آئے۔ اور بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

لیکن سعد بن عبادہ کو انہوں نے پکڑ لیا۔ ان کے دونوں ہاتھ ان کی گردن کے ساتھ جکڑ کر باندھ دیئے پھر انہیں زدوکوب کرتے اور سر کے بالوں سے گھسیٹتے ہوئے مکہ لے آئے۔ سعد بتاتے ہیں کہ میں اسی حالت میں تھا کہ چند قریشی ادھر آ نکلے ان میں سے ایک شخص بڑا خوبصورت تھا۔ جس کے چہرے پر نور چمک رہا تھا میں نے سوچا کہ ان میں سے اگر کسی سے بھلائی اور خیر کی توقع کی جا سکتی ہے تو وہ یہی خوبرو شخص ہے لیکن جب وہ میرے نزدیک آیا تو اس نے میرے منہ پر زناٹے دار طمانچوں کا مینہ برسا دیا۔ میں بہت مایوس ہو گیا جب وہ مجھے یوں گھسیٹ رہے تھے

اور زدوکوب کر رہے تھے تو ایک شخص میرے قریب آیا اور بڑی رازداری سے مجھے کہنے لگا کہ تیرا یہاں کسی قریشی کے ساتھ دوستی کا معاہدہ ہے میں نے کہا ہاں! ہے۔ جب جبیر بن مطعم کے کارندے میرے علاقہ میں سامان تجارت لے کر جاتے تھے تو میں ان کو اپنی پناہ میں لے لیتا تو کسی کی مجال نہ ہوتی کہ ان پر دست درازی کر سکے۔ اسی طرح حارث بن حرب بن امیہ جو ابو سفیان کا نائب تھا، کے ساتھ بھی میرے دوستانہ مراسم ہیں۔ اس شخص نے کہا۔ خدا تیرا بھلا کرے تم ان دونوں کی دہائی کیوں نہیں دیتے۔ چنانچہ میں نے ان دونوں کا نام لے کر دہائی دی۔ وہ آدمی جلدی جلدی ان کی تلاش میں نکلا وہ اسے مسجد حرام میں کعبہ کے پاس مل گئے۔ اس نے انہیں جا کر کہا خزرج قبیلہ کے ایک شخص کو ابطح میں لوگ مار رہے ہیں اور وہ تم دونوں کی دہائی دے رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کون ہے اس شخص نے بتایا کہ اس کا نام سعد بن عبادہ ہے نام سن کر وہ بولے، وہ تو واقعی ہمارا محسن ہے ہمارے کارندے جب اس کے علاقہ میں جاتے ہیں تو وہی ان کو اپنی پناہ دیتا ہے اور ہر قسم کے ظلم و تعدی سے انہیں بچاتا ہے وہ دونوں آئے تب سعد کو ان بے رحموں کے جور و تشدد سے نجات ملی۔

یہ شخص جس نے پیغام رسانی کی اور سعد کی نجات کا باعث بنا وہ ابوالبختری بن ہشام تھا اور جس خوبصورت شخص سے سعد نے بڑی توقع وابستہ کی تھی لیکن اس نے طمانچوں سے اس کی گالوں کو لال سرخ کر دیا تھا۔ اس کا نام سہیل بن عمرو تھا۔ (۱)

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ عیسیٰ بن ابی عیسیٰ بن جُبیر سے روایت کیا ہے کہ ایک رات قریش نے سنا کہ کوئی شخص جبل ابی قُبیس پر سے یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

فَإِنْ يُسْلِمِ السَّعْدَانِ يُصْبِحْ مُحَمَّدٌ ۔۔۔ بِمَكَّةَ لَا يَخْشَى خِلَافَ الْمُخَالِفِ

"یعنی اگر دو سعد مسلمان ہو جائیں تو پھر مکہ میں کسی مخالف کی مخالفت کا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی خوف نہیں رہے گا۔"

جب صبح ہوئی تو ابو سفیان حاضرین سے پوچھنے لگا کہ یہ دو سعد کون ہیں۔ کیا ان سے مراد سعد بن بکر یا سعد بن ہدیم ہیں وہ دن بھر قیاس آرائیاں کرتے رہے لیکن کسی حتمی نتیجہ تک نہ پہنچ سکے۔ جب دوسری رات آئی تو کسی نے بلند آواز سے یہ اشعار پڑھے:

أَيَا سَعْدُ، سَعْدَ الْأَوْسِ كُنْ أَنْتَ نَاصِرًا ۔۔۔ وَيَا سَعْدُ سَعْدَ الْخَزْرَجِيْنَ الْغَطَارِفِ

أَجِيْبَا إِلَى دَاعِي الْهُدٰى وَتَمَنَّيَا ۔۔۔ عَلَى اللّٰهِ فِي الْفِرْدَوْسِ مُنْيَةَ عَارِفِ

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۲۰۵۔ ۲۰۶

فَإِنَّ ثَوَابَ اللّٰهِ لِلطَّالِبِ الْهُدٰى جِنَانٌ مِّنَ الْفِرْدَوْسِ ذَاتُ رَفَارِفِ

"اے سعد، یعنی اوس کے سعد۔ تو مددگار بن جا اور اے خزرجی سرداروں کے سعد تم بھی ان کی امداد کرو۔"

اے دونوں سعدو! تم ہدایت کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو اور اللہ سے یہ تمنا کرو کہ وہ تمہیں فردوس بریں میں جگہ دے۔

کیونکہ اللہ کا ثواب اس کے لئے، جو ہدایت کا طلب گار ہے، جنت الفردوس ہے۔ جو بڑا گنجان اور سرسبز ہے جب صبح ہوئی تو ابو سفیان کہنے لگا۔

هُوَ وَاللّٰهِ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ وَسَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ

حج کے بعد قافلہ کی یثرب واپسی

جب انصار حج کے بعد رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طوق غلامی زیب گلو کر کے یثرب واپس آئے تو اب انہوں نے ساری مصلحتوں اور ان کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا اور خوب کھل کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ نوجوان طبقہ کی اکثریت نے تو اسلام قبول کر لیا۔ کئی ایسے بوڑھے بزرگ تھے جو اپنی پرانی ڈگر پر جمے ہوئے تھے۔ نہ انہیں نور حق نظر آتا تھا اور نہ انہیں حق کی صدائے دلنواز سنائی دیتی تھی۔ اسی زمانہ میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ انہیں بوڑھوں میں سے، جو بڑی سختی کے ساتھ کفر و شرک پر ڈٹے ہوئے تھے ایک کا نام عمرو بن جموح تھا۔ اس کا بیٹا معاذ بن عمرو اسلام کے شیدائیوں میں سے تھا۔ اور ان ستر خوش نصیبوں میں شامل تھا۔ جنہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔ اس کا باپ عمرو بن جموح سن رسیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے قبیلہ بنی سلمہ کا رئیس بھی تھا۔ لیکن یہ مشرک تھا۔ اس نے اپنے لئے لکڑی کا ایک بت بنوا کر اپنے گھر میں سجا رکھا تھا۔ اس بت کا نام "لات" تھا۔ وہ ہر وقت اس کی پوجا پاٹ میں لگا رہتا تھا۔ اس کے قبیلہ بنی سلمہ کے تقریباً سارے نوجوان اسلام قبول کر چکے تھے خود اس کا بیٹا معاذ بھی شمع جمال مصطفوی کا پروانہ بن چکا تھا۔ انہوں نے اپنے باپ کو بہت سمجھایا لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ عمرو کے بیٹے معاذ اور اس کے دوست معاذ بن جبل نے مل کر ایک منصوبہ بنایا۔

جب رات کا اندھیرا خوب گہرا ہو جاتا گھر والے سو جاتے۔ ہر طرف سناٹا چھا جاتا تو وہ دونوں دبے پاؤں وہاں جاتے جہاں وہ بت رکھا ہوتا۔ اسے اٹھا کر باہر لاتے پھر اسے لے جا کر

بنی سلمٰی قبیلہ کے ایسے کنوئیں میں اوندھا کر کے پھینک دیتے جو کوڑے کرکٹ اور گندگی سے بھرا ہوتا۔ عمرو۔ جب صبح بیدار ہوتا تو اپنے معبودلات۔ کی پوجا پاٹ کے لئے وہاں جاتا جہاں وہ اسے بڑے احترام سے رکھتا تھا۔ جب وہ اپنے بت کو وہاں نہ پاتا تو وہ زور زور سے چیختا۔

وَيْلَكُمْ مَنْ عَدَا عَلَىٰ اِلٰهِنَا هٰذِهِ اللَّيْلَةَ

"تمہارا خانہ خراب! آج رات کو کس نے ہمارے خدا پر زیادتی کی ہے۔"

پھر باہر نکل جاتا۔ اس کو تلاش کرتا۔ جب کسی غلاظت کے گڑھے میں اوندھا پڑا ہوا اسے مل جاتا تو اسے اٹھا کر لے آتا اسے غسل دیتا۔ پھر خوشبو لگاتا۔ پھر اس کی جگہ پر اسے سجا دیتا اور بڑی حسرت سے کہتا۔ کاش مجھے پتہ چل جائے کہ کس شخص نے تیرے ساتھ یہ گستاخانہ حرکت کی ہے تو میں اس کی خوب مرمت کروں۔

اب ہر روز اس کے خدا کے ساتھ یہی ہونے لگا۔ وہ بیچارا صبح سویرے منہ اندھیرے اپنے خدا کو ڈھونڈنے نکلتا۔ کبھی کسی گندے کنوئیں میں اور کبھی غلاظت میں لت پت منہ کے بل گرا ہوا اسے ملتا۔ اسے اٹھا کر لاتا۔ دھوتا، عطر سے اسے معطر کرتا۔ آخر وہ تنگ آگیا ایک روز وہ اپنی تلوار لے آیا اور بے نیام کر کے اس کے گلے میں لٹکا دی اور کہنے لگا۔

اِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا اَعْلَمُ مَنْ يَصْنَعُ بِكَ مَا اَرَىٰ فَاِنْ كَانَ فِيْكَ خَيْرٌ فَامْتَنِعْ هٰذَا السَّيْفُ مَعَكَ۔

"بخدا میں نہیں جانتا کہ تیرے ساتھ کون یہ حرکت کرتا ہے اگر تجھ میں کوئی بھلائی ہے تو یہ تلوار تمہارے پاس ہے اس کے ذریعہ اپنا دفاع کرو۔"

جب رات آئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا وہ نوجوان آگئے انہوں نے اس کے گلے میں حمائل تلوار اتار لی پھر مرے ہوئے ایک کتے کو گھسیٹ کر لے آئے اس کے ساتھ اس کو باندھ دیا پھر اسے کھینچ کر ایک ایسے کنویں میں پھینک دیا جس میں انسانی بول و براز کے ڈھیر لگے تھے صبح ہوئی عمرو جاگا تو اپنے بت کی پوجا کے لئے وہاں گیا۔ اسے یقین تھا کہ آج رات ننگی تلوار اس کے پاس تھی۔ آج کسی گستاخ کو اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں ہوگی اور اگر کسی نے ازراہ حماقت یہ جرأت کی ہوگی تو آج اس کی لاش خون میں لتھڑی ہوئی وہاں پڑی ملے گی۔

وہاں پہنچا تو بت وہاں نہیں تھا۔ ادھر ادھر اس نے بہتیرا دیکھا کسی کی لاش تو کیا کسی کے خون کا قطرہ تک بھی وہاں نظر نہ آیا۔ پھر چار و ناچار اس کی تلاش میں نکلا ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک ایسے کنویں پر پہنچا جس سے بدبو کے بھبھوکے اٹھ رہے تھے۔ جھک کر دیکھا تو ایک مردہ کتے

کے ساتھ بندھا ہوا اس کا پرماتما وہاں گرا پڑا تھا۔ یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل کی نگاہوں پر پڑے ہوئے حجابات اٹھ گئے اسلام کا روئے زیبا اس کا دل موہنے لگا۔ اور اس نے کفر و شرک سے برأت کا اعلان کرتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھا اور حلقہ بگوشان اسلام میں شامل ہو کر اپنی نجات کا اہتمام کر لیا۔

حضرت عمرو بن جموح نے چند شعر کہے جن میں انہوں نے اپنے جذبات کی صحیح عکاسی کی ہے۔

وَاللهِ لَوْ كُنْتَ اِلٰهًا لَمْ تَكُنْ   اَنْتَ وَكَلْبٌ وَسْطَ بِئْرٍ فِيْ قَرَنٍ

"بخدا! اگر تو معبود ہوتا تو تیری لاش کتے کے ساتھ بندھی ہوئی کنویں میں نہ ملتی۔"

اُفٍّ لِمَلْقَاكَ اِلٰهًا مُسْتَدَنٍ   اَلْاٰنَ فَتَّشْنَاكَ عَنْ سُوْءِ الْغَبَنِ

"اس ذلت آمیز حالت میں تمہاری ملاقات پر صد حیف!۔ اب ہمیں معلوم ہوا کہ ہم تمہارے بارے میں دھوکا میں مبتلا تھے۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ ذِي الْمِنَنِ   اَلْوَاهِبِ الرَّزَّاقِ دَيَّانِ الدِّيَنِ

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو بلند ہے اور بڑے احسانات والا ہے وہ عطا بھی کرتا ہے رازق بھی ہے۔ اور تمام اہل دین کو جزاء دینے والا ہے۔"

هُوَ الَّذِيْ اَنْقَذَنِيْ مِنْ قَبْلِ اَنْ   اَكُوْنَ فِيْ ظُلْمَةِ قَبْرٍ مُرْتَهَنٍ

"اس کی وہ ذات ہے جس نے مجھے کفر سے نجات دی اس سے پیشتر کہ میں قبر کے اندھیروں میں رہن رکھ دیا جاتا۔"

۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
بوقت سوا بجے بعد نصف شب
۲/ مئی ۱۹۸۹ء
بار سوم: ۲۹/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
۲۱/ اگست ۱۹۹۰
بوقت ساڑھے نو بجے دن۔

کتابیات

نام کتاب	نام مصنف	مطبوعہ	سال طباعت
القرآن الکریم			
کتب سیرۃ			
وفاء الوفا	السمہودی	بیروت	۱۹۸۱
عیون الاثر	ابن سید الناس	دار المعرفہ بیروت	۱۹۵۷
الروض الانف	ابو القاسم سہیلی	دار الفکر بیروت	
سیرت النبی (اردو)	علامہ شبلی	نامی پریس کانپور	۱۹۱۸
نظرۃ جدیدہ فی سیرۃ رسول اللہ	ڈاکٹر کونستانس (وزیر خارجہ رومانیہ)	دار العربیہ للموسوعات بیروت	۱۹۸۳
السیرۃ النبویہ	ابو الحسن علی	لبنان	۱۹۷۹
السیرۃ الحلبیہ	برہان الدین الحلبی	مصطفیٰ البابی مصر	۱۳۴۹ھ
الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	قاضی عیاض	دار الکتاب العربی بیروت	
رسول رحمت (اردو)	مولانا غلام رسول مہر	شیخ غلام علی لاہور	۱۹۸۱
خاتم النبیین	امام محمد ابو زہرہ	دار الفکر العربی قاہرہ	
السیرۃ النبویہ	احمد بن زینی دحلان	بیروت	۱۹۸۳
محمد رسول اللہ	ابراہیم العرجون	دار القلم دمشق	۱۹۸۵
زاد المعاد	ابن قیم	بیروت	۱۹۸۵
السیرۃ النبویہ	ابن کثیر	دار الفکر بیروت	۱۹۷۸
سبل الہدیٰ والرشاد	امام یوسف الصالحی الشامی	قاہرہ	۱۹۷۵
سیرۃ ابن ہشام	ابن ہشام	حجازی القاہرہ	۱۹۳۸
محمد رسول اللہ	محمد رضا	بیروت	۱۹۷۵
رحمۃ للعالمین (اردو)	قاضی محمد سلیمان	شیخ غلام علی لاہور	

متفرق

کتاب	مصنف	ناشر	سال
شرح مواھب اللدنیہ	علامہ زرقانی		
تاریخ ابن خلدون	ابن خلدون	بیروت	۹۶۸
انساب الاشراف	احمد بن یحییٰ البغدادی	دار المعارف مصر	۱۹۵۹
العقد الفرید	ابو عمر الاندلسی عبدربہ	لجنۃ التالیف قاہرہ	۱۹۳۶
کتاب مقدس (بائبل)		پاکستان بائبل سوسائٹی	۱۹۵۹
مقالات سرسید احمد خان (اردو)	سرسید احمد خان	لاہور	۱۹۶۲
المفردات	الاصفہانی	مکتبہ مصر	
دائرۃ المعارف اسلامیہ (اردو)		پنجاب یونیورسٹی لاہور	۱۹۶۴
المنقذ من الضلال	حجۃ الاسلام الامام غزالی		۱۳۸۵ھ
الکامل فی التاریخ	ابن اثیر	بیروت	۱۹۶۵
الشمامۃ العنبریہ فی مولد خیر البریہ	نواب سید محمد صدیق حسن خان		۱۳۰۵ھ
احکام القرآن	ابوبکر بن عربی	دار الفکر بیروت	
روح المعانی	علامہ محمود آلوسی	مصر	
روح البیان	شیخ اسمٰعیل حقی	استنبول	۱۹۲۸
المنار	شیخ محمد عبدہ	قاہرہ	۱۳۶۷ھ

کتب احادیث

کتاب	مصنف	ناشر	سال
مسلم شریف	امام مسلم	اصح المطابع دہلی	
اشعۃ اللمعات	عبد الحق محدث دہلوی	نولکشور	۱۹۳۶
مسند امام احمد بن حنبل	احمد بن حنبل	دار المعارف مصر	۱۹۵۱
ارشاد الساری	علامہ قسطلانی	مصر	
عمدۃ القاری	علامہ عینی	مصر	
فیض الباری	مولانا انور شاہ کشمیری	حجازی قاہرہ	۱۹۳۸
ترجمان السنۃ	مولانا بدر عالم	سعید اینڈ کمپنی کراچی	
فتح الباری	علامہ ابن حجر	البہیہ مصر	۱۳۴۸ھ
صحیح بخاری	امام بخاری	بیروت	
طبقات ابن سعد	ابن سعد	دار بیروت	۱۹۶۰
الاصابہ فی تمییز الصحابہ	احمد بن علی	مصر	۱۹۳۹
اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	علامہ جزری	مکتبہ اسلامیہ تہران	۱۳۷۷ھ